

روزانہ درس قرآن پاک



تفسیر

سُورَةُ الْمَائِدَةِ

مکمل

جلد : ۶

إفادات

حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سیوطی رحمۃ اللہ علیہ
خطیب جامع مسجد نور گنجی انوالہ

طبع بازار
(جملہ حقوق بحق انجمن محفوظ ہیں)

نام کتاب	معالم العرفان فی دروس القرآن (سورۃ مداح)
افادات	حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ
مرتب	الحاج لعل دین۔ ایم اے علوم اسلامیہ
قیمت	۶۵ روپے
تعداد طبع	پانچ سو (۵۰۰)
سرورق	سید اخطا حسین حضرت شاہ نقیس الحسنی مدظلہ
کتابت	محمد امان اللہ قادری گوجرانوالہ
ناشر	مکتبہ دروس القرآن فاروق مہنج گوجرانوالہ

ستمبر ۲۰۰۷ء بمقام بنی شہادت لاہور

ملنے کے پتے

- (۱) مکتبہ دروس القرآن، محلہ فاروق مہنج گوجرانوالہ (۵) کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی
- (۲) مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ (۶) کتب خانہ مجیدیہ، بیرون بوجرگیت ملتان
- (۳) مکتبہ قاسمی، الفضل مارکیٹ اردو بازار، لاہور (۷) مکتبہ طلحہ نژاد جامعہ بنوریہ سائت نمبر ۶ کراچی
- (۴) مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور (۸) اسلامیہ کتب خانہ اڈاگامی، ایبٹ آباد

فہرست مضامین

معالم العرفان فی دوسرے القرآن

سورۃ مائدہ مکمل جلد ۱

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۷	آیات و ترجمہ	۲۳	سورۃ المائدہ
۴۰	ربط آیات	۲۵	درس اول (آیت ۱)
۳۸	شعار اللہ کی تعظیم	۲۶	آیات و ترجمہ
۳۹	حرمیت والے جینے	۲۷	نام اللہ کرانے
۴۰	قریبانی کے جائزہ	۲۸	وجہ تسمیہ
۴۱	عائزین کی دینیوں	۲۹	مضامین سورۃ
۴۱	نفل اللہ و ضوابط	۳۰	ما بعد صدقوں کے ساتھ ربط
۴۲	مع اللہ تجارت	۳۱	درس دوم (آیت ۱)
۴۳	شکار کی ممانعت	۳۲	آیات و ترجمہ
۴۴	تعاون اللہ ہم تعاون	۳۳	نماز نزول
۴۵	خوف خدا	۳۴	کمفیت نزول
۴۶	درس چہارم (آیت ۲ نصف اول)	۳۵	ایمانی عہد
۴۷	آیات و ترجمہ	۳۶	قانون کی پابندی
۴۸	ربط آیات	۳۷	بہیمۃ الانعام
۴۹	حرمیت مردار	۳۸	حرام جانور
۵۰	حلت مچھلی و مڈھی	۳۹	احرام کی حالت میں شکار
۵۱	حرمیت خون	۴۰	درس سوم (آیت ۲)

۶۸	۴۸	فانون کی پابندی	استحال خون
۷۰	۴۹	درس ہفتم (آیت ۵)	لحم خنزیر
	۵۰	آیات و ترجمہ	بہرہ دگی بنہ غیر اللہ
	۵۱	ربط آیات	دیگر حلال جانور
۷۱	۵۲	حلال اور پاکیزہ چیزیں	استحسان پر ذبح شدہ
۷۲	۵۳	اصل کتاب کا ذیچہ	تیسروں کے ذریعے تقسیم
۷۳	۵۵	کتاب سے نکاح	درس نهم ۵ آیت ۳ نصف آخر
۷۴	۶	موجودہ زمانے کے نصاریٰ	آیات و ترجمہ
۷۵	۷	کتابی کے لیے پاکیزہ کھانا	ربط آیات
۷۶	۵۶	پاکیزہ من مرقوں سے نکاح	کفار کی مایوسی
۷۷	۵۷	مرغ کے لیے دعیہ	نزول آیت
۷۹	۵۸	درس ششم ۸ (آیت ۶ حصہ اول)	دن منانے کی وبا
	۵۹	آیات و ترجمہ	دین پر ثابت قدمی
۸۰	۶۰	ظاہری اور باطنی عبادت	تکلیف دین
۸۱	۶۱	نماز کی ہیبت	اتمام نعمت
۸۲	۶۲	وضو قبل از نماز	اضطراری حالت
	۶۳	وضو بطور شرط نماز	درس ششم ۶ (آیت ۴)
۸۳	۶۴	فرائض وضو	آیات و ترجمہ
۸۴	۶۵	مذاور و امتحان وضو	ربط آیات
۸۵	۶۵	سراک مسج	شان نزول
۸۶	۶۵	پاؤں وضو	پاکیزہ چیزیں
۸۷	۶۵	دعا بعد از وضو	فکار کاملہ
۸۸	۶۶	درس نهم ۹ (آیت ۶ حصہ آخر)	درغے شکاری کا شکار
۸۹	۶۷	آیات و ترجمہ	بہرہ دگی شکاری کا شکار

۱۰۵	۸۸	ربط آیات	بنی اسرائیل سے عہد
۱۰۶	۹۰	حدیث اکبر	بارہ نقیب
۱۰۷	۹۱	پانی مٹھ ہے	معیت خدا
۱۰۸	۹۲	پانی کی عدم موجودگی	نثار اور زکوٰۃ
۱۰۹	۹۳	تیمم کا طریقہ	ایمان بالہیل
۱۱۰	۹۴	پاک مٹی	قرض حسن
۱۱۱	۹۵	احسان الہی	بہتر صلہ
۱۱۲	۹۶	عہد خداوندی	درس دوازدهم ۱۲ (آیت ۱۲ تا ۱۴)
۱۱۳	۹۷	درس دہم ۱۰ (آیت ۸ تا ۱۶)	آیات و ترجمہ
۱۱۴	۹۸	آیات و ترجمہ	ربط آیات
۱۱۵	۹۹	ربط آیات	نقض عہد پر لعنت
۱۱۶	۱۰۰	عدل کی اہمیت	سنگ دیلی
۱۱۷	۱۰۱	سچی گواہی	تحریت لفظی و معنوی
۱۱۸	۱۰۲	شہادت کی وسعت	ميثاق نصاریٰ
۱۱۹	۱۰۳	اسلامی نظام حکومت	اہل کتاب اور مسلمان
۱۲۰	۱۰۴	ہر حالت میں عدل	فرق پرستی
۱۲۱	۱۰۵	اہل ایمان سے وعدہ	عیسائی فرقے
۱۲۲	۱۰۶	کفار کا انجام	درس سیزدهم ۱۳ (آیت ۱۵ تا ۱۶)
۱۲۳	۱۰۷	انعام کا شکریہ	آیات و ترجمہ
۱۲۴	۱۰۸	اللہ پر بھروسہ	ربط آیات
۱۲۵	۱۰۹	درس یازدهم ۱۱ (آیت ۱۲)	تبیین احکام
۱۲۶	۱۱۰	آیات و ترجمہ	نور اور کتاب
۱۲۷	۱۱۱	ایمان سے عہد	نور اور بشر

۱۵۲	ارض مقدس کا وعدہ	۱۳۰	ہدایت الہی
۱۵۳	ارض مقدس کی داگنہ اری	۱۳۲	درس چہارم ۱۴ (آیت ۱۷)
۱۵۴	بنی اسرائیل پر احسانات	۱	آیات و ترجمہ
۱۵۶	ارض مقدسہ	۷	رابطہ آیات
۱۵۸	داخلہ کا حکم	۱۳۲	عیسائیوں کی فرقہ بندی
۱۵۹	توکل علی اللہ	۷	عقیدہ عینیت
۱۶۱	درس ہفتم ۱۷ (آیت ۲۴ تا ۲۶)	۱۳۵	الشک کی قدرت نامہ
"	آیات و ترجمہ	۱۳۷	الشک کی قدرت تخلیق
"	رابطہ آیات	۱۳۸	شاہ اسماعیل شہید
۱۶۲	قوم کا انکار	۱۳۰	درس پانزدہم ۱۵ (آیت ۱۸ تا ۱۹)
۱۶۳	صحابہ کرام کی جان نثاری	"	آیات و ترجمہ
۱۶۵	وعدے افراق	۱۴۱	رابطہ آیات
۱۶۶	چالیس سالہ عمر لودھی	۱۴۲	محبوبانِ خدا ہونے کا دعویٰ
۱۶۸	موسیٰ علیہ السلام کو تسلی	۱۴۳	محبوب کی فیور
۱۶۹	درس ہشودہم ۱۸ (آیت ۲۷ تا ۲۹)	۱۴۴	شرک کی ابتداء
"	آیات و ترجمہ	۱۴۵	اہل کتاب کی تعذیب
"	رابطہ آیات	۱۴۶	رسولوں کے درمیان وقفہ
۱۷۰	آدم علیہ السلام کے دربیٹے	۱۴۷	عرب میں شرک کی ابتداء
۱۷۱	پیدائش اور نکاح	۱۴۸	عیس علیہ السلام کے فرائض
"	وجہ تنازعہ اور قربانی	"	تمام حجت
۱۷۲	قابیل کا ارادہ قتل	۱۵۰	درس شانزدہم ۱۶ (آیت ۲۰ تا ۲۳)
۱۷۳	قابیل کی قترا خدلی	"	آیات و ترجمہ
۱۷۴	گناہوں کا بار	۱۵۱	رابطہ آیات

۱۹۳	ڈاکٹر کی تعریف	۱۷۵	قاتل کا انجام
۱۹۵	اسلامی تعزیرات	۱۷۷	درس نوزدہم ۱۹ (آیت ۲۰ تا ۲۱)
"	اللہ و رسول سے جنگ	"	آیات و ترجمہ
۱۹۸	امن و آمان کی ذمہ داری	"	رابطہ آیات
۱۹۹	جرم اور سزا	۱۷۸	بھائی کا قتل
۲۰۰	دنیا اور آخرت کی ربطی	۱۷۹	زور ہر نقصان
۲۰۱	توبہ قبل از گرفتاری	۱۸۰	تذہین میت
۲۰۳	درس سبست و دو (آیت ۲۵ تا ۲۷)	۱۸۲	افہار تا مسف
"	آیات و ترجمہ	۱۸۳	قانونی ایضے عہد
"	رابطہ آیات	"	احساس مذمت
۲۰۴	خوف خدا	۱۸۵	درس سبست ۲۰ (آیت ۳۲)
۲۰۵	وسیلہ کی تلاش	"	آیات و ترجمہ
۲۰۷	ترسل بالذات	"	رابطہ آیات
۲۰۸	لطیفہ شیار اللہ	۱۸۶	اللہ و قتل ناحق
۲۰۹	ترسل بالاعمال	۱۸۷	قصص کی برکات
"	جہاد فی سبیل اللہ	۱۸۸	قتل ناحق
۲۱۱	مسلمانوں کا کردار	"	خاد فی الارض
۲۱۲	کفر کا انجام	۱۸۹	قتل عام حفاظت جان
۲۱۳	درس سبست و دو (آیت ۳۸ تا ۴۰)	۱۹۰	قتل کی فراوانی
"	آیات و ترجمہ	۱۹۱	سرفین کی کثرت
"	رابطہ آیات	۱۹۲	درس سبست و یکم (آیت ۲۲ تا ۲۴)
۲۱۵	مرد و زن میں تقدم و تاخر	"	آیات و ترجمہ
۲۱۶	سرقہ کا نصاب	"	رابطہ آیات

۲۳۰	۲۱۷	کتاب اللہ سے اعراض	قابل حد سرقہ
۲۳۱	۲۱۸	غیر اللہ کا خوف	کیفیت قطع و
۲۳۲	۲۱۹	کتاب اللہ پر عدم اعتقاد	ایک اعتراض اور اس کا جواب
۲۳۳	۲۲۰	درس بست و شش (آیت ۲۵ تا ۳۷)	سفارش کی ممانعت
۲۳۴	۲۲۱	آیات و ترجمہ	سخت سزا کی حکمت
۲۳۵	۲۲۳	رابطہ آیات	درس بست و چہار (آیت ۳۱ تا ۳۳)
۲۳۶	۲۲۴	قانون قصاص	آیت و ترجمہ
۲۳۷	۲۲۵	اعضا و کا قصاص	رابطہ آیات
۲۳۸	۲۲۶	قانون معافی	منافقوں کی روئخی
۲۳۹	۲۲۷	علی علیہ السلام بطور مصدق	جسوس یہودی
۲۴۰	۲۲۸	انجیل بطور ہدایت اور روشنی	تحریر فی الکتاب
۲۴۱	۲۲۹	عمل بالانجیل	حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی
۲۴۲	۲۳۰	درس بست و ہفت (آیت ۴۸ تا ۵۰)	حرام خوری
۲۴۳	۲۳۱	آیات و ترجمہ	یہودیوں کے مفادات
۲۴۴	۲۳۲	رابطہ آیات	درس بست و پنج ۲۵ (آیت ۴۴)
۲۴۵	۲۳۳	نزول قرآن	آیات و ترجمہ
۲۴۶	۲۳۴	قرآن جامع المناسبات ہے	رابطہ آیات
۲۴۷	۲۳۵	عمل بالقرآن	نزول تورات
۲۴۸	۲۳۶	آخری شریعت	وہ نزول توراۃ
۲۴۹	۲۳۷	تفریق بین الشرائع	آسمانی کتب کے اعلیٰ معانی
۲۵۰	۲۳۸	نیکی میں بصقت	ہدایت اور نور
۲۵۱	۲۳۹	جرم و سزا	توراۃ بطور حکم
۲۵۲	۲۴۰	جاہلیت کا فیصلہ	اشاعت دین میں رکاوٹ

۲۸۷	دین کی حفاظت	۲۶۶	درس سبب ثبوت ۲۸ (آیت ۵۱ تا ۵۳)
۲۸۸	اذان کے ساتھ استغفار	"	آیت وترجمہ
۲۸۹	ابوہندورقہ کی اذان	۲۶۷	رابط آیات
۲۹۰	استغفار کی ممانعت	"	اہل کتاب سے دوستی کی ممانعت
۲۹۱	مسلمانوں کی عیب جوئی	۲۶۸	اخلاقی روزداری
۲۹۲	درس سی میک ۳ (آیت ۶۰ تا ۶۳)	۲۶۹	بیرون نصاریٰ کا گٹھ جوڑ
"	آیات وترجمہ	۲۷۰	امریکہ کی نامی دوستی
۲۹۵	رابط آیات	۲۷۱	اسلامی اور غیر اسلامی فلسفہ
۲۹۶	بدترین لوگ	۲۷۲	گردش زمانہ کا خوف
۲۹۷	ایمان کا باطل دعویٰ	۲۷۳	فتح کی امید
۲۹۸	برائی کی طرف رغبت	۲۷۴	منافقین کا انجام
۲۹۹	علامہ رشید کی ذر داری	۲۷۵	درس سبب ثبوت ۲۹ (آیت ۵۴ تا ۵۶)
۳۰۰	درس سی و دو ۲۲ (آیت ۶۴ تا ۶۶)	"	آیات وترجمہ
"	آیات وترجمہ	۲۷۶	رابط آیات
۳۰۱	بارگاہ الہی میں بے ادبی	۲۷۷	دین سے برگشتہ ہونا
۳۰۲	اللہ کے ہاتھ	"	فتنہ مرتدین
۳۰۳	سکرتی اور کفر میں اضافہ	۲۷۸	جہان خدا کے اوصاف
۳۰۴	آپس کی عداوت	۲۷۹	سات دریں مہول
۳۰۵	فساد فی الارض	۲۸۰	پتھے دوست
۳۰۶	ایمان کی برکات	۲۸۱	اہل ایمان کی صفات
۳۰۷	امت مقتصدہ	۲۸۲	حزب اللہ
۳۰۸	درس سی و تین ۳۳ (آیت ۶۷ تا ۶۹)	۲۸۳	درس سی ۳ (آیت ۵۷ تا ۵۹)
۳۰۹	آیات وترجمہ	"	آیات وترجمہ
۳۱۰	آیات وترجمہ	۲۸۴	رابط آیات

۲۳۶	رابط آیات	۲۱۳	رابط آیات
۲۳۷	عقیدہ عینیت کا ابطال	"	فریضہ تبلیغ دین
۲۳۸	مسلمانوں کی بدعتیگی	۲۱۵	حق رسالت
۲۳۹	عقیدہ توحید اور فطرت انسانی	۲۱۷	حفاظت جان کی ذمہ داری
۲۴۰	تشرک ناقابل معافی ہے	۲۱۸	ملیت سے محرومی
۲۴۱	عقیدہ تثلیث	۲۱۹	قری اور بین الاقوامی نبی
۲۴۲	معبود صرف اللہ ہے	۲۲۰	لوکیت اور دیگر شپ
۲۴۳	منزل اور معانی	۲۲۱	کتب کا درجہ سے روگردانی
۲۴۴	درس سی و شش (آیت ۷۵)	۲۲۲	سرکشی اور کفر بے اضافہ
"	آیات و ترجمہ	۲۲۳	درس سی و چھ (آیت ۶۹ تا ۷۱)
"	رابط آیات	"	آیات و ترجمہ
۲۴۵	سیح علیہ السلام بحیثیت رسول	۲۲۴	رابط آیات
۲۴۷	صفات الوہیت	"	اہل ایمان
۲۴۸	حضرت مریم صدیقہ ہیں	۲۲۶	یسوی فرقہ
۲۴۹	ضروریات زندگی کا احتیاج	"	اصابی فرقہ
۲۵۰	دعوتِ غرور و فخر	۲۲۸	عیانی فرقہ
۲۵۱	درس سی و ہفت (آیت ۷۶ تا ۷۷)	۲۲۹	نہاب کا بلاٹ
"	آیت و ترجمہ	۲۳۰	اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان
"	رابط آیات	۲۳۱	جسائے عمل
۲۵۲	غیر اللہ کی عبادت	۲۳۲	معیار نجات
۲۵۳	صفات الوہیت	"	خواجہاتِ نصائح
۲۵۴	غلو فی الدین	۲۳۵	درس سی و پنج (آیت ۷۲ تا ۷۴)
۲۵۵	بڑھانہ جس سے زیادہ بچے تم	"	آیات و ترجمہ

۳۷۷	حق کی پہچان	۲۵۶	مَنْكُوا وَمَنْكُوا
۳۷۸	نیکی اور برائی کی جزا	۲۵۸	برعات کی حوصلہ افزائی
۳۸۰	درس چیل ۴ (آیت ۸۷ تا ۸۸)	۲۶۰	درس سچی مہشت ۳۸ (آیت ۸ تا ۸۱)
"	آیات و ترجمہ	"	آیات و ترجمہ
"	رابطہ آیات	۳۶۱	رابطہ آیات
۳۸۱	قانونِ حقت و حرمت	"	جنی اسرائیل پر لعنت
۳۸۲	برہانیت یا بدعت	۳۶۲	حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں
۳۸۴	ساحہ اور عمدہ لباس	۳۶۳	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں
"	زہد کی تعریف	"	لعنت کی وجہ
۳۸۵	حلال اور پاک روزی	۳۶۴	آخری امت کے لیے تنبیہ
۳۸۶	تقویٰ اختیار کرو	۳۶۵	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
۳۸۷	درس چیل ویک ۱ (آیت ۸۹)	۳۶۶	کفار سے دوستی
"	آیات و ترجمہ	۳۶۷	ایمان کا تقاضا
"	حقت و حرمت کا قانون	۳۶۸	افرانوں کی کثرت
۳۸۸	جائز اور ناجائز قسم	۳۶۹	درس سچی مہشت ۳۹ (آیت ۸۲ تا ۸۶)
"	قسم کی تین اقسام	"	آیات و ترجمہ
۳۹۱	کفار اور اطعمہ مسکین	۳۷۰	رابطہ آیات
"	کپڑا پہناؤ	۳۷۱	یہود کی اسلام دشمنی
۳۹۲	غلام کی آزادی	۳۷۲	مشرکین کی اسلام دشمنی
۳۹۳	تین روزے	"	نصاری کا کردار
۳۹۴	قسموں کی حفاظت	۳۷۳	حبشہ کی طرف ہجرت
۳۹۶	درس چیل دو (آیت ۹۰ تا ۹۳)	۳۷۵	نصاری کی اسلام دشمنی
"	آیات و ترجمہ	۳۷۶	آئینہ آنکھوں والے

۴۳۳	میار شرافت	۴۹۴	ربط آیات
۴۳۶	درس چیل و شوق ۴۵ (آیت ۱۰۳ تا ۱۰۴)	"	شراب اور جوا
"	آیات و ترجمہ	۴۰۰	مبت پرستی اور تیر
۴۳۷	ربط آیات	۴۰۱	شیطانی کام
"	فضول سوالات کی ممانعت	۴۰۲	عدوت اور نفرت
۴۳۹	کثرت سوال کی ممانعت	۴۰۳	احکام کی بجا آوری
۴۴۲	بجھو اور سانبھو	۴۰۶	درس چیل سر ۴۳ (آیت ۹۲ تا ۹۳)
"	وصید اور عام	"	آیات و ترجمہ
۴۴۳	مبت پرستی کی ابتداء	۴۰۷	ربط آیات
۴۴۴	انقرض علی اللہ	۴۰۸	شکار کی عمومی ممت
۴۴۵	درس چیل و شوق ۴۶ (آیت ۱۰۴)	۴۰۹	احترام مرکز
"	آیات و ترجمہ	"	حرمت شکار آدھائش ہے
۴۴۶	دعوت الی القرآن	۴۱۱	خفی کا شکار
۴۴۷	رسول بحیثیت شارح قرآن	۴۱۳	دریائی شکار کی اجازت
"	خدا اور رسول کی اطاعت	۴۱۴	خفی کا شکار
۴۴۹	فتنہ انکار حدیث	۴۱۶	درس چیل چار ۴۴ (آیت ۹۴ تا ۹۵)
"	اولی الامر کی مشروط اطاعت	"	آیت و ترجمہ
۴۵۰	آباد ابدال کی اندھی تقلید	۴۱۷	ربط آیات
۴۵۲	جائز تقلید	"	بیت اللہ ذریعہ قیام ہے
۴۵۳	درس چیل و مبفت ۴۷ (آیت ۱۰۵)	۴۱۹	شکار اللہ کی تعظیم
"	آیات و ترجمہ	۴۲۰	بیت اللہ الطوند مرکز
"	ربط آیات	۴۲۱	انعام حجت
۴۵۵	اصلاح نفس	۴۲۲	کثرت تعداد حیا حق نہیں

۴۴۰	کتاب و حکمت کی تعلیم	۴۴۶	فریضہ تبلیغ دین
۴۴۱	انجیل یعنی ثابست	"	اسرار المعروف نبی عن النکر
۴۴۲	درس پنجاہ ۵ (آیت ۱۰ نصف آخر ۱۱)	۴۴۸	تبلیغ کتب قطب ہے
"	آیات و ترجمہ	۴۴۹	ظلم کی داستانیں
۴۴۳	ربط آیات	۴۵۰	علم ادائیگی فریضہ کا وبال
"	معجزات انبیاء	"	قرآن بطور مرکز فکر
۴۴۵	حکیم و تہذیب نفس	۴۵۲	درس چل شیش ۴۸ (آیت ۱۰ تا ۱۰۸)
۴۴۶	معجزہ کیسے ؟	"	آیات و ترجمہ
۴۴۷	خاق صرف خدا ہے	۴۵۳	ربط آیات
"	معجزات عیسیٰ علیہ السلام	۴۵۵	شان نزول
۴۴۹	معجزات مطابق ضرورت	۴۵۷	دسی کا تقرر
"	بنی اسرائیل سے حفاظت	۴۵۸	دسی کی شہادت
۴۵۰	حواریوں کا قبول ایمان	۴۶۰	مبادل گواہی کی حکمت
۴۵۲	درس پنجاہ و یک ۵۱ (آیت ۱۱۲ تا ۱۱۳)	۴۶۱	قانون پر عمل درآمد
"	آیات و ترجمہ	۴۶۲	درس چل ۴۹ (آیت ۱۰۹ تا ۱۱۰)
"	ربط آیات	۴۶۳	آیات و ترجمہ
۴۵۳	نزول مادہ کی درخواست	۴۶۴	ربط آیات
"	ابن الشریاء ابن مریم	۴۶۵	تمام انبیاء سے سوال
۴۵۵	لفظ یَسْتَطِيعُ پر اشکال	۴۶۶	علم غیبی علم خداوندی ہے
۴۵۶	مادہ اور انجیل	۴۶۷	ہر شخص کا محاسبہ
۴۵۷	روزی کے جائز ذرائع	۴۶۸	مسیح علیہ السلام کی بشریت
۴۵۸	مادہ بطور متبرک کھانا	۴۶۹	انعامات الہی
۴۵۹	حلال و حرام کی تمیز		بچپن اور ادھیڑ عمر میں کلام

۵۲	۴۹۱	درس پنجاہ و دو ۵۲ (آیت ۱۱۵ تا ۱۱۷)
	"	آیات و ترجمہ
۵۳	"	ربط آیات
۵۴	۴۹۲	دعا کے مسیح علیہ السلام
۵۶	۴۹۳	یوم عید
۵۹	۴۹۴	مامہ بطور ثنائی
"	۴۹۵	نزدول مامہ
"	۴۹۶	شرائط مامہ کی خلاف مدزی
۵۱۰	۴۹۷	نعمت کی نادر دانی
۵۱۲	۴۹۹	درس پنجاہ و ستر ۵۳ (آیت ۱۱۷ تا ۱۱۹)
"	"	آیت و ترجمہ
۵۱۴	۵۰۰	ربط آیات
۵۱۵	۵۰۱	ہنی معنی مستقبل
		تفسیری روایات
		حضرت مسیح علیہ السلام کی حالت
		حضرت مسیح علیہ السلام کا عاجزانہ جواب
		توحید کی دعوت
		درس پنجاہ و چار ۵۴ (آیت ۱۱۸ تا ۱۲۰)
		آیات و ترجمہ
		ربط آیات
		اسلوب دعا
		نعت و عید
		امکان کذب اور امکان نظیر
		سجائی کا بدلہ
		تکمیل احکام کی تاکید

احکام عمرہ

زیارات مکہ المکرمہ و مدینہ المنعمہ

مرتب

قیمت
۲۰ روپے

مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

صفحات
۹۶

طے کاپیتہ

مکتبہ دروس القرآن فاروقی گنج گو جبرالوالہ

پیش لفظ

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ
رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ (۱۱۴:۵)

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سلسلہ اشاعتِ دروس القرآن اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ ہر سال سورۃ المائدہ پر مشتمل یہ چھٹی جلد قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں سرینا زخم ہے۔ اُس ملک الملک کی توفیق و نصرت ہی ہماری کامیابی کی ضامن ہے، وگرنہ بقول شیعہ: "من آمن کر من وافق" اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ ٹکڑے ہے کہ یہ جلد بالکل قلیل عرصہ میں طبع ہو کر آپ کے مطالعے میں آ رہی ہے۔ سورۃ النساء اور المائدہ کی پے در پے اشاعت، مکتبہ در کس القرآن اور جملہ کارکنان کے لیے حوصلہ افزائی کا باعث بنی ہے۔

قرآن پاک سے دلچسپی رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ کسی سورۃ کے مضامین کو اس کے تاریخی پس منظر میں ہی بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ سورۃ المائدہ کے اکثر حصے کا زمانہ نزول واقعہ مدینہ کے متصل بعد کا ہے۔ تاہم بعض آیات ستر میں بھی نازل ہوئیں جنہیں موضوع کی مناسبت سے مناسب مقام پر رکھ دیا گیا۔ یہ ستر تک مدینہ طیبہ کا اگر دو پیش سیودی سازشوں سے پاک ہو چکا تھا۔ مشرکین مکہ کے مدینہ پر حملہ آور ہونے کے خطرات صلح حدیبیہ کی وجہ سے ٹل گئے تھے اور اہل ایمان کو اسلامی معاشرہ کے قیام اور اس کے استحکام کے لیے قدرے فرصت حاصل ہو گئی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے وقت کی ضرورت کے مطابق اس سورۃ کے ذریعے اہل اسلام کے لیے ضروری احکام نازل فرمائے

نسل انسانی کی بقا کے لیے دوسری چیزوں کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ایک نکاح اور دوسری خوراک، سورۃ النساء میں نکاح اور اس کے محرمات کا خصوصی باب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کی عظمت کے لیے نکاح کے قوانین نازل فرمائے تھے، اور اب اس سورۃ میں دوسری بنیادی چیز یعنی خوراک کی حلت و حرمت کو خاص طور پر موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔ گویا سورۃ النساء میں محرماتِ نکاح کا بیان تھا تو سورۃ مائدہ میں محرماتِ اکل و شرب کا تذکرہ ہے۔ یاد رکھ کر لفظوں میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ گذشتہ سورۃ میں انسان کی شرنگاہ کی حفاظت کا قانون تھا اور اس سورۃ میں منہ اور پیٹ کی حفاظت کا قانون دیا گیا ہے۔ سورۃ کی ابتدا چوپانے جانوروں کی ملت و حرمت سے ہوتی ہے اور پھر اس کا دائرہ دیگر محرماتِ اکل و شرب تک وسیع ہو جاتا ہے چنانچہ شراب، جوئے، بتوں اور پانسے کے تیروں کی حتمی حرمت اسی سورۃ مائدہ میں نازل ہوئی۔ اس زمانے میں مدینہ کے ارد گرد سینکڑوں میل تک کا علاقہ اسلامی عملدرآمد میں آچکا تھا۔ ان علاقوں میں ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے ابتدائی روز میں اہل ایمان کو بڑی تکالیف پہنچائی تھیں۔ ان کے مغلوب ہو جانے کے بعد ان کے خلاف جذبۂ انتقام کا ابھرنافطری امر تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں اصول کے طور پر یہ بات سمجھا دی کہ کوئی دوست ہو یا دشمن عدل و انصاف کا دامن کسی حالت میں بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹنا چاہیے۔ گذشتہ سورتوں کی طرح اس سورۃ میں بھی اہل کتاب خصوصاً یہود کا تعاقب کیا گیا ہے، ان کے عقیدہ فاسدہ اور مجبورانِ خدا ہونے کے دعویٰ کی تردید کی گئی ہے۔ انہیں اپنی مذموم ریشہ دوانیوں سے باز نہ آنے کی صورت میں سخت وعید بھی سنائی گئی ہے۔ اور نصاریٰ کا عقیدہ تثلیث اور البیسیت کا راز اور عام معاشرتی مسائل میں سے قتل، ڈاکہ اور چوری جیسے جرائم اور ان کی منہ زار ذمہ داری سے مختلف اعضاءِ انسانی کے قصاص کا قانون بیان کیا

گیا ہے۔ پھر ارتداد اور اس کی منزاکا ذکر بھی ہو گیا ہے۔ غیر مسلموں سے دوستی کی ممانعت کو اس سورۃ میں بھی دہرایا گیا ہے۔ قسم اور اس کے کفائے کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ دوران سفر کی گئی وصیت، اس پر عمل درآمد کا طریقہ اور نزاع کی صورت میں متبادل طریقہ کار کی وضاحت کی گئی ہے۔

عبادات کے ضمن میں وضو اور تحیم کے فرائض اور متعلقہ مسائل بھی آگے ہیں حج کے مسائل میں سے احرام کی پابندیوں اور حالت احرام میں شکار کی ممانعت اور اس سے متعلقہ مسائل کو بیان کیا گیا ہے محرم کے شکار، مار لینے کی صورت میں اس کی جزا کے تعین کا طریقہ بھی بتا دیا گیا ہے۔ تکمیلین کی آیت الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ... اللہ تعالیٰ ہی اسی سورۃ کا حصہ ہے۔ یہ مشرودہ سنا کر اللہ تعالیٰ نے دین اسلام میں رخصت اندازی اور جعلی نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا ہے۔

حسب پروگرام اگلی جلد انشاء اللہ مکمل سورۃ النعام پر مشتمل ہوگی امید ہے کہ یہ حصہ بھی جلد ہی قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا قارئین سے درخواست ہے کہ جلد کارکنانِ سلسلہ دروس القرآن کے لیے توفیق اور استقامت کی دعا کریں۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ۔

احقر العباد

لعل دین

شالاماد تاولن لاهوس

۱۔ یہ تفسیر الحمد للہ رمضان ۱۴۱۶ھ میں میں غنیمہ جلدوں میں مکمل شائع ہوئی تھی (فیاض)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نہالے گھنٹی

از: محمد شرف ماضی، مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ، وفاق المدارس العربیہ پاکستان

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ
عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ
وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ ۝ آمَنَّا بِكَ

صحیح نقطہ نظر اور صحیح سوچ کے ساتھ ساتھ باہمت، باہمیہ، قانع اور بائیدار، راہنماؤں کا ماحول
ہونا چاہیئے۔ یہی عرصہ میں قوموں کو رفعت میں لے جانے کے ہمدوش کر دیتا ہے، یہ ترقی اور
خوش قسمتی کی علامت ہے، اور اگر برعکس غلط نقطہ نظر، غلط سوچ کے ساتھ ساتھ راہنما بھی
بیکار ہوں، مفاد پرست سامنے آئیں تو قومیں ذلت و رسوائی کی آگاہ گزریوں میں گر جاتی ہیں، یہ
تنزل و پسماندگی کی نشانی ہے۔

شرعی قیمت جب تک انسانوں نے قرآن مجید اور ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات
کو چھوڑ کر سڑیہ دارانہ نظام، سوشلزم، کمیونزم، حکومت، استبداد یا ڈکٹیٹر شپ کی طرف جھکاؤ
کیا یا اپنا یا تو ان کے پاؤں پھیلے اور مسلسل پھیلے جلتے ہیں جو کہیں جمنے کا نام نہیں لیتے۔
ہم جس دور سے گزر رہے ہیں، اس میں نظام سڑیہ دارانہ کی مکمل خرابیاں پورے عروج
پر ہیں۔ محافظ، راہزن و قاتل ہیں، منصف ظالموں، دزدوں کے پشت پناہ اور ان کے
معاون و مددگار، انصاف اور حصول انصاف جان جو کموں کا کام اور مرگ، لگائی کو دعوت
دیتا ہے، افغانی اور قومی خدمت کے ادارے قوم کا گلا دبا کر اس کی آنکھوں میں دھول
جھونک کر اس کی جبین صاف کر کے قوم ہی کا استحصال کر رہے ہیں، لاقانونیت کا دور دورہ
ہے، جان و مال، عزت و عھمت کی حفاظت کا خیال عفا۔ دینی راہنما حالات سے

سمجھتو کیے ہوئے خواب غفلت میں پڑے ہیں یا کاپی دستی کو اپنانے ہوئے بعض غیر کام
اور معمولی باتوں پر ایک دوسرے کی تکفیر کے دہرے ہو کر اہم بلکہ اچھائی اہم باتوں سے
چشم پوشی کیے ہوئے ہیں۔

ایسے حالات میں خالق کائنات کی کتاب قرآن حکیم ہی روشنی کا پیغام اور دیکھی
انفوں کے درد کی دوا ہے جب کہ حالات اور تاریخ نے بھی تمام ازموں اور نظاموں
کے غلط اور غیر فطری ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ قرآن حکیم نہ صرف مسلمانوں
بلکہ تمام مخلوقات کے لیے امن و استحکام کا ذریعہ ہے، اور صرف قرآنی فکر ہی ایسی
فکر ہے جو فطرت کے عین مطابق سب سے بہتر اور آخری حل ہے۔

بجائے درس القرآن کا مطالعہ از ادبی کو قرآنی فکر سمجھنے میں کافی مواد فراہم کر رہے اور اس
کا نام مواد قرآن و حدیث اور سلفِ صالحین کے مزاج کے مطابق ہے، آپ کو ان درس
میں مسائل میں پیدا ہونے والی غرابیوں کی نشاندہی اور ان کا حل جاننا نظر آئے گا، ایمانیات،
عبادات، اخلاقیات، معاملات اور معاشیات میں پیدا ہونے والے مسائل کا تعاقب اور
اس کے حل کے لیے مکمل لائحہ عمل بھی اپنی صفحات میں دیے گا۔

صاحبِ درس حضرت مولانا حفیظ الرحمن سواتی دامِ جہد ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء
میں پاکستان کے سرحد خیز علاقہ صوبہ سرحد کے ضلع خزارہ کے ایک گاؤں کڑمٹ
میں پیدا ہوئے بچپن میں والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا، والدین کی وفات کے بعد سخت
لمحہ دشمن حالات سے نبرد آزما ہوتے ہوئے مختلف مقامات پر متعدد دستانہ سے
علمی تشنگی دور کرنے کے بعد ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۱ء میں مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند
سے علومِ دینیہ کی تکمیل کی۔ شیخ الاسلام حضرت مدنی، مولانا محمد ابراہیم بیادری اور مولانا
عزاز علی جیسے علم و ادب کے اکابر و اساطین سے خوشہ چینی کی، مذہبِ باطلہ کا
رد اور تعادلِ ادیان کا مطالعہ دارالمبلغین لکھنؤ میں کیا اور مناظر اسلام حضرت مولانا عبدالحکیم
لکھنؤی سے تربیتِ حاصل کی۔ طبِ یونانی کی تعلیم نظامی طبی کالج حیدرآباد دکن سے
حاصل کی۔ ۱۹۵۲ء مطابق ۱۳۷۱ھ سے مدرسہ نصرۃ العلوم اور جامع مسجد نور سے ذاب

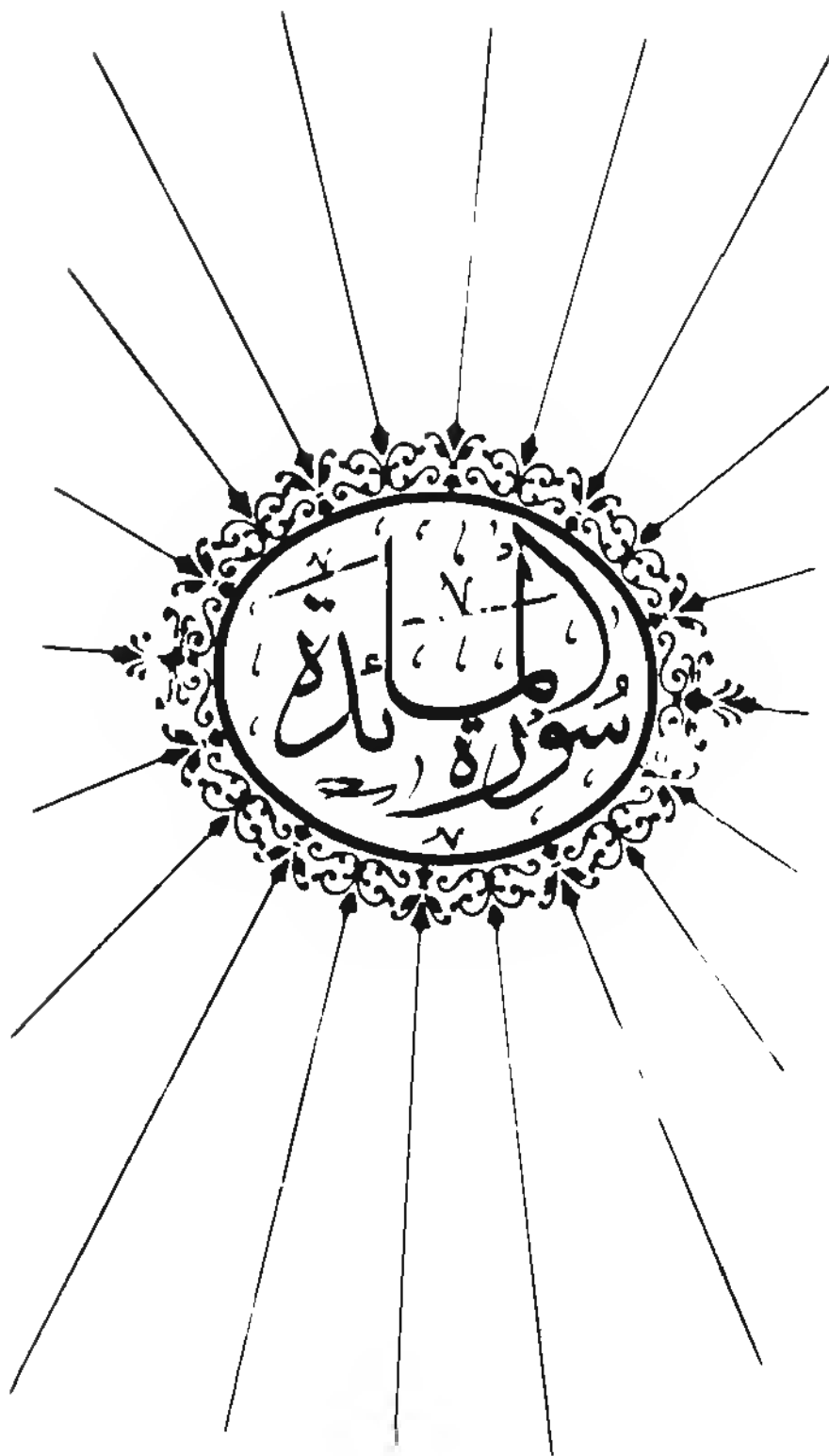
ہو گئے، اور گوجرانوالہ میں علم و حکمت، ہدایت و عرفان کی شمع روشن کی، قرب جوار اور ملک کے دور دراز کے علاقہ جات اور بیرون ملک سے ہزاروں علم کے پیاسوں نے حضرت اور آپ کے ادارہ سے اکتساب فیض کیا، جو ہنوز جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس علمی ضیاع کو، قیام قیامت قائم رکھیں اور مزید ترقی عطا فرمائیں۔ شہرہ و فتن سے محفوظ فرمائیں۔
 زیر نظر حصہ سورۃ مادہ مکمل پر مشتمل ہے اس حصہ میں بنیادی عقائد کی اصلاح، شرک، نفاق سے بچنے کی تلقین کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرہ میں پیش آنے والے روزمرہ کے مسائل اور ان کا حل ہے۔ قسم اور اسلامی شہادت کے قوانین، قیامت، محاسبہ اور جزائے اعمال، حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق تفصیلی بیان، عیسائیوں کے غلط عقائد و نظریات کا انتہائی اچھے اور عام فہم انداز میں رد و باخبرص کھانے پینے کی چیزوں کی حلت و حرمت اور یتیم و یتیم و غل وغیرہ کے مسائل کا ذکر ایسے اچھے انداز میں آگیا ہے جو دوسری تفاسیر میں شاید ہی ملے، اسی وجہ سے یہ دروس بہت سی خصوصیات کے حامل ہیں۔ اس سورۃ میں تفسیر کے تمام صحیح طرق کو اپنا لیا گیا ہے، لیکن زیادہ تر تفسیر القرآن نظر ہی کا طریقہ غالب رہا ہے، معاشرتی مسائل پر بھرپور تنقید کے لیے درس ۲۲ اور ۵۲ کافی اہم ہیں۔

اس جلد کی تیاری کے درمیانی عرصہ ۸، اگست ۱۹۸۹ء کو انجمن مجاہدین اشاعت کے ایک رکن جناب الحاج منیر احمد ناز دہجو کہ انجمن کے بانیوں میں سے ایک تھے، خالق حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔ وہ دنیا سے چلے گئے لیکن ان کی دروس کے بارہ میں کونسنشوں کا حصہ انشاء اللہ تعالیٰ ثواب کی شکل میں قیامت تک ملتا ہے گا، اللہ تعالیٰ مرحوم کی کرمیوں اور لغزشوں کو معاف فرمائیں۔ اور انہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائیں اور ان کے پسماندگان کو بھی اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔
 آخر میں دلی دعا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ان دروس کو صاحب درس حضرت صفوی صاحب انجمن مجاہدین اشاعت قرآن کے جبار اکین، فاضل مرتب جناب حاجی لعل دین ہرگرم

ادکان، بلال احمد ناگی، اسحاق بابو غلام حیدر، مستری محمد نسیم، شیخ محمد یعقوب
 اور اس کی اشاعت میں حصہ لینے والے تمام حضرات کی فیروز فلاح اور بخشش کا
 ذریعہ بنے، اور ان کی سچی جمیل کو قبول فرمائے، اور قیامت تک زیادہ سے زیادہ
 مسلمانوں کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔
 ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

فصل

محترم شرف فاضل مد نصرۃ العلم وفاق المدنی العربیہ پاکستان
 ۲۵ صفر المظفر ۱۴۱۰ مطابق ۲۷ ستمبر ۱۹۸۹ء



لا یحب المدۃ
در س اول ۱

المدۃ ۵
آیت ۱

سُورَةُ الْمَائِدَةِ مَلَكِيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثُونَ وَعَشْرُونَ آيَةً فِيهَا سِتَّةٌ وَعَشْرُونَ كُتُوبٌ
سورة مائدہ منی ہے اور یہ ایک سو بیس آیتیں اور اس میں سولہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
شروع کرتا ہوں اسم تعالیٰ کے نام سے جو نہ دہرے اور نہ بڑے اور نہ کمزور ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ أُحِلَّتْ لَكُمْ
بِهَيْمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُشْلَىٰ عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي
الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ①

المدۃ ۵

ترجمہ: اے ایمان والو! پورا کرو عہد و پیمان کو۔ تمہارے لیے
حلال قرار دیے گئے ہیں مویشی مگر وہ جو تم پر پڑھ کر سائے جانے لگے
اس حال میں کہ تم حلال نہ سمجھنے لگے ہو شکار کو جب کہ تم اہم
کی حالت میں ہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ فیصلہ کرتا ہے جو چاہتا ہے ①

ہم کو روایت

اس سورت کا نام سورۃ المائدہ ہے۔ اسکی سو بیس آیات اور سولہ کتوب ہیں۔
یہ سورۃ ۴۴ کلمات اور ۱۴۴ حروف پر مشتمل ہے۔ سورۃ بقرہ، سورۃ آل عمران اور سورۃ نساء
کی طرح یہ بھی مدنی سورۃ ہے اس کا اکثر حصہ مدنیہ طیبہ میں نازل ہوا تاہم اس کی تیسری آیت
لا حرمہ الیوم کملت لکم دینکم وانتم علیکم فاعملوا
ورضیت لکم الاسلام دینا حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ معظمہ
میں نازل ہوا۔

مائدہ کے علاوہ اس سورۃ کے اور بھی کئی نام ہیں۔ اسے سورۃ العقود بھی کہا گیا ہے

کیونکہ اس کی پہلی آیت میں عقود کا لفظ آیا ہے جس کا معنی عہد و پیمان ہے اور جس کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کا نام سنجیدہ بھی ہے کیونکہ انسانوں کو خدا اب الہی سے بچانے والی سورۃ ہے۔ تاہم اس کا زیادہ معروف نام مائدہ ہی ہے۔ اس سورۃ کا نام مائدہ دو وجوہات سے ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اس کے پندرہویں رکوع میں حضرت مسیح علیہ السلام کی دعا کا ذکر ہے، جس میں آپ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ اے اللہ! ہمارے لیے آسمان سے دسترخوان نازل فرما۔ مائدہ اُس دسترخوان کو کہتے ہیں جس پر کھانا چُنا ہوا ہو۔ اگر مفسر دسترخوان ہو اور اس پر اشیائے اکل و شرب موجود نہ ہوں تو اُسے عربی زبان میں خوان کہتے ہیں ترمذی شریفین کی حدیث میں آیا ہے۔ کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھانا کبھی چھوٹے یا بڑے میز پر نہیں کھایا۔ پورے چھنے والا پوچھتا ہے۔ کہ حضور کس چیز پر کھانا تناول فرماتے تھے، تو بتایا گیا کہ آپ چٹائی، کپڑے، چمڑے کے دسترخوان پر کھانا رکھ کر تناول فرماتے تھے۔

وجہ تیسرہ

بہر حال سورۃ مائدہ کی ایک وجہ تویہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے دسترخوان نازل فرمایا اور دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ اس سورۃ میں کھانے پینے کی اشیاء سے متعلق حلت و حرمت کے احکام ہیں یا ہم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ انسان کے اخلاق کا انحصار اشیائے اکل و شرب پر ہوتا ہے اور اس کا اثر انسان کی طہارت، سماحت، عدالت اور اخبات پر پڑتا ہے۔ اگر کھانا حلال ہو تو انسان میں یہ اخلاق حسنہ پیدا ہوتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اکل حلال کا پابند کیا ہے۔ اور جو چیزیں اس کے اخلاق کے لیے مضر ہیں انہیں حرام قرار دیکر ان کے استعمال سے منع فرما دیا ہے۔ چونکہ اس سورۃ

میں حلال و حرام جانوروں کی تفصیل بیان کی گئی ہے، لہذا یہ اس سورۃ کی دوسری وجہ تسمیہ ہے۔

من میں سورۃ

یہ ایک اصولی بات ہے کہ مکی سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے زیادہ تر بنیادی عقائد کی اصلاح کا پروگرام نازل فرمایا ہے۔ ان میں اخلاق اور عقائد کی درستگی کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔ مہینہ منورہ پہنچ کر مسلمان ایک اسلامی معاشرہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے لہذا وہاں پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے اجتماعی احکامات نازل فرمائے۔ چنانچہ مدنی سورتوں میں بنیادی عقائد کے علاوہ معاشرے میں پیش آنے والے روزمرہ کے مسائل اور ان کا حل ہے۔ سورۃ مائدہ میں بھی عمدہ و پیمان کے مسائل منافقین کی بری خصلتیں، مثلہ قسم اور شہادت اور شہادت علی الشہادہ وغیرہ کے قوانین بیان ہوئے ہیں۔ بنیادی عقیدہ توحید کا ذکر آیا ہے اور شرک سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ قیامت اور محاسبے کا تذکرہ ہے۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق تفصیلی بیان ہے۔ ایک مسلمان کی روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے مسائل متعلقہ طہارت، تیمم اور غسل وغیرہ کے مسائل بھی بیان ہوئے ہیں اور پھر صیام کی سورۃ کے نام سے واضح ہے۔ اس میں ماکولات و مشروبات کی حلت اور حرمت کا قانون بتایا گیا ہے۔

سابقہ سورتوں کے ساتھ ربط

مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ سورۃ بقرہ میں روئے سخن یہودیوں کی طرف تھا، ان کی خرابیاں بیان فرما کر ان کی اصلاح کا پروگرام دیا گیا تھا۔ چنانچہ *يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا اَسْوَاقَ الْيَٰهُوْدِ* کے کئی رکوع مکہ یہودیوں کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد سورۃ آل عمران میں زیادہ توئے سخن نصاریٰ کی طرف ہے۔ اس میں عیسائیوں کے عقیدہ انبیت کا قہر مسیح علیہ السلام کی شخصیت اور ان کی تعلیمات کا ذکر کر کے نصاریٰ کو

قبول حق کی دعوت دی گئی ہے۔ پھر وفد نجران کی آمد اور ان کے ساتھ مباہلہ کا تذکرہ ہے۔ اس کے علاوہ اہل ایمان کے لیے ضروری احکام بھی نازل فرما۔ اُس سے اگلی سورۃ نسا کا بنیادی موضوع کمزور طبقات کے حقوق کا تحفظ ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ سورۃ نسا اور ماڈہ میں تو عرب کے باشندوں کی اصلاح پیش نظر ہے تاہم وہ سکرمذہب کے ساتھ بحث و مباحثہ کا تذکرہ بھی ہے۔ اہل کتاب اور منافقین کا تذکرہ حسبِ سابق اس سورۃ میں بھی موجود ہے۔ کفر اور شرک کی بابِ مذمت بیان ہو رہی ہے، اس کے علاوہ بہت سے دیگر احکام بھی نازل ہوئے ہیں۔ اس سے اگلی سورۃ انعام میں عرب سے باہر رہنے والے مجوس کا تذکرہ بھی آئے گا۔ اللہ نے ان کے باطل عقیدہ اور ظلمت دینی اور بدی کے دوشادوں اہل من اور یزدان کا رد فرمایا ہے۔

سورۃ نسا کا ایک خصوصی موضوع محرمات نکاح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حرام رشتوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا **وَاجِلْ لَكُمْ مِمَّا وُزِعَ لَكُمْ** ان کے علاوہ باقی تمام عورتوں سے نکاح جائز ہے بشرطیکہ ان کا مرد اور دیگر حقوق ادا کرو۔ نکاح انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ہے۔ اور نسل انسانی کی بقا کا انحصار اسی پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نکاح کے علاوہ شہوت رانی کے تمام ذرائع کو حرام قرار دیا ہے۔ بل البتہ لوزنیوں سے استمتاع جائز ہے مگر آج کی دنیا میں یہ ذریعہ بالکل ختم ہو چکا ہے۔

الفرض! گذشتہ سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے نکاح اور محرمات نکاح کا قانون بتلا کر بقائے نوع انسانی کا سامان مہیا کیا اور اب اس سورۃ میں انسانی خوراک کے متعلق حلت و حرمت کا اصول بنا کر بقائے شخصی کا نظام فرمایا ہے۔ ان دو صورتوں میں یہ خصوصی ربط پایا جاتا ہے جس طرح انسان کھانے پینے کا محتاج ہے۔ اسی طرح نکاح بھی اُس کی بنیادی ضروریات میں سے

ہے۔ پہلی سورۃ میں اللہ نے محرمات نکاح کا ذکر کیا اور اب اس سورۃ میں محرمات اکل و شرب کا خصوصی بیان ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ ایک انسانی جسم میں دو چیزیں بڑی خطرناک ہیں یعنی منہ اور شرمگاہ۔ سابقہ سورۃ میں شرمگاہ کی حفاظت کا قانون تھا اب اس سورۃ میں منہ یعنی اشیائے خورد و نوش کی حفاظت کا قانون ہے۔ اس طرح ان دو متحدہ سورتوں میں حفاظت فرج اور حفاظت بطن کے اصول و قوانین بتائے گئے ہیں۔

اس سورۃ کا ربط اگلی سورۃ النعام کے ساتھ بھی ہے جیسا کہ اُس سورۃ کے نام سے ظاہر ہے، وہاں بھی مویشیوں اور اُن کی حلت و حرمت کا تذکرہ ہے۔ حرام جانوروں کا گوشت اور دودھ وغیرہ استعمال کرنے سے اُس کا منفی اثر انسان کی روحانیت پر پڑتا ہے۔ اس لیے شریعت نے ہر ایسی غذا پر پابندی لگا دی ہے جو جسمانی، اخلاقی یا روحانی طور پر مضر ہو اس طرح گویا اس سورۃ کا ربط اگلی سورۃ کے ساتھ بھی ہے۔

الحائذہ ۵

آیت ۱

لا یحب اللہ ۶

درس دوم ۲

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ أُحِلَّتْ لَكُمْ
بِهَيْمَةِ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُنْتَلَىٰ عَلَيْكُمْ غَيْرِ مُحِلِّي
الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ①

ترجمہ: اے ایمان والو پورا کرو عہد و پیمان کو۔ تمہارے لیے حلال

قر۔ دیے گئے ہیں مویشی مگر وہ جو تم پر پڑھ کر سناٹے جانیں گے۔ اس

ماں میں کہ تم حلال نہ سمجھنے والے ہو شکار کو جب کہ تم احرام کی حالت

میں ہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ فیصلہ کرتا ہے جو چاہتا ہے ①

کل عرض کیا تھا کہ یہ سورۃ مدنی ہے کیونکہ یہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تاہم
تیسری آیت کا ایک حصہ اَلْيَوْمَ..... دیننا تک حجتہ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں
نازل ہوا بمفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس سورۃ کی تکمیل کئی سالوں میں ہوئی اس کا کچھ حصہ صلح حدیبیہ کے
بند و آخر ۹۰ یا ابتدا ۹۰ میں نازل ہوا اور کچھ حصہ ۹۰ میں نازل ہوا بعض مفسرین پوری سورۃ کے
بیک وقت نزول کے بھی قائل ہیں مگر یہ درست نہیں ہے حقیقت یہی ہے کہ یہ سورۃ ۹۰
اور ۹۰ کے درمیانی عرصہ میں نازل ہوئی تاہم مذکور بالا حصہ آیت ۱۰۰ میں میدان عرفات
میں نازل ہوا۔

نماز نزول

وحی الہی بڑی بوجھل ہوتی ہے اس کا ذکر سورۃ منزل میں موجود ہے اِنَّا سَنُلْقِيْكَ
قَوْلًا تَقْتُلًا ہم آپ پر ایک بوجھل بات ڈال رہے ہیں بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے
کہ سخت سردی کے موسم میں بھی وحی نازل ہوتی تو اس کی حرارت سے حضور علیہ السلام کی پیشانی
مبارک سے پسینے کے قطرے گرنے لگتے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ
نزول وحی کے وقت انخلا (یا انسلاخ) ہوتا تھا یعنی آپ بشریت سے ملکیت کی طرف

کیفیت نزول

۱۰۰ بخاری ص ۵۲۳ و ترمذی ص ۵۲۳ (وفاقی)

منتقل ہو جاتے تھے کیونکہ عام انسان وحی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ مسلم شریف کی روایت میں آیا ہے کہ نزول وحی کے وقت حضور علیہ السلام کا چہرہ مہارک نرغ ہو جاتا اور آپ کی سانس تیز چلنے لگتی۔ عام طور پر نزول وحی کی کیفیت ظاہر ہونے پر صحابہ کرام آپ پر چادر تان دیتے جیسا کہ جبرائیل کے مقام پر ہوا تھا۔ بہر حال مذکورہ حصہ آیت کے متعلق آیا ہے کہ نزول وحی کے وقت حضور نبی کریم علیہ السلام طبری طاقتور اوطنی عصا پر سوار تھے۔ ایسا محسوس ہوا تھا کہ وحی کے بوجھ سے اوطنی کی ٹانگیں اور گردن ٹوٹی پڑتی ہے۔ مسند احمد کی روایت میں آیا ہے کہ اوطنی کی قوت برداشت جواب دے گئی لہذا حضور علیہ السلام اوطنی سے نیچے اتر آئے۔

سورۃ کی ابتدا ایضاً عہد سے ہوتی ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اَوْفُوا بِالْعُقُودِ اے ایمان والو! عہد و پیمان کو پورا کرو۔ مفسر قرآن مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ سورۃ نسا کی آخری آیت میں اللہ نے فرمایا تھا يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ الْكَافِيَّةِ اے لوگو! اللہ تعالیٰ تمہارے لیے احکام کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم گمراہی سے بچ جاؤ۔ اب اس کے ساتھ ہی اس سورۃ میں فرمایا ہے۔ "اے لوگو! عہد و پیمان کو پورا کرو۔" دونوں آیات آپس میں مربوط ہیں۔ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ واضح طور پر بیان کرتا ہے ان کی تفصیلات آ رہی ہیں اس لیے شروع میں فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل کے معاملہ میں اپنے عہد و پیمان کو لازماً پورا کرو۔ اور یہ اہل ایمان سے خطاب خاص ہے۔ کیونکہ احکام الہی کی تکمیل کے لیے وہ اولین مکلف ہیں۔

عقود، عہد کی جمع ہے جس کا معنی عہد و پیمان کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور دیگر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ عہد و پیمان میں ہر قسم کے عہد شامل ہیں۔ عہد و پیمان خواہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو یا اس کے نبی کے

ساتھ، عبادت کا عمدہ ہو یا مخلوق کے ساتھ معاملات کا، اپنی عبادت کے ساتھ کوئی معاہدہ ہو یا کسی بیرونی جماعت کے ساتھ۔ عمدہ اپنی ملکی رعایا کے ساتھ ہو یا غیر ممالک کے ساتھ، ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اسے ہر صورت میں پورا کیا جائے۔ اَوْفُوا بِالْعُقُودِ کا یہی مطلب ہے۔

اجتماعی زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ مختلف معاملات میں اکثر عمدہ و پیمان ہوتے رہتے ہیں جن کا پورا کرنا نہایت ضروری ہے۔ عمدہ سے صرف نظر کرنے والوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منافق قرار دیا ہے یعنی منافقوں کی ایک خصلت یہ ہے اِذَا سَأَلَكَ عِبَدُكَ مَا عَاهَدَ کر کے اُس کی وفائیں کرنے بلکہ غداری کے مرتکب ہوتے ہیں۔ بہر حال ایمانائے عمدہ میں دینی، دنیاوی، انفرادی، اجتماعی، ملکی، غیر ملکی ہر قسم کے عمدہ شامل ہیں۔ جن کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی مختلف کتابوں میں یہ بات سمجھائی ہے کہ انسان کے لیے ترقی کا زینہ قانون کی پابندی ہے۔ اسی کے ذریعے انسان اعلیٰ مقام حاصل کرتا ہے۔ حظیرۃ القدس کا ممبر بنتا ہے اور علیین یا جنت کے مقام میں پہنچتا ہے۔ قانون کے خلاف کرنا گریہ شیطان کی پیروی کرنا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا تَسْبِقُوْا اُخْطُوْا الشَّيْطٰنَ یعنی شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ کیونکہ اِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے وہ تمہاری ہلاکت، ناکامی اور شکست پر خوش ہوتا ہے، لہذا تم شیطان کے اتباع کے بجائے احکام الہی کی تعمیل کرو۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ قانون کی پابندی کے لیے اجتماعیت کا ہونا ضروری ہے کیونکہ فرد واحد کسی پابندی کا تکلف نہیں ہوتا۔ قوانین اسی وقت معرض وجود میں آتے ہیں جب اجتماعیت پیدا

قانون کی
پابندی

ہو جائے۔ اور پھر اُس اجتماعیت کی وجہ سے پیدا ہونے والے مسائل کا حل مطلوب ہو۔ چنانچہ قانون کا ابتدائی درجہ نکاح ہے۔ ایک مرد اور ایک عورت جب اکٹھے زندگی گزارنے کا عہد و پیمان یعنی نکاح کرتے ہیں تو پھر اس عہد کی تکمیل کے لیے انہیں قانون کی ضرورت ہوتی ہے جس کی پابندی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ حضور نبی کریم علیہ السلام کا فرمان بھی ہے کہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ آپس میں جو بھی عہد و پیمان کریں، اسے ہر صورت پورا کریں اس کے بغیر انسان ترقی نہیں کر سکتے۔ اسی لیے اس قانون کو سب سے پہلے بیان کیا گیا ہے۔ اس کی باقی جزئیات آگے آرہی ہیں۔ بہر حال شریعت مطہرہ نے ایفاءئے عہد کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ دو ستر مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **أَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا** (سورۃ بنی اسرائیل) عہد کو پورا کرو کہ اس کے متعلق لازماً باز پرس ہوگی۔

ایفاءئے عہد کی ابتدائی تمقین کے بعد وہ احکام نازل فرمائے گئے ہیں۔ **بیمۃ الانعام** جن پر عمل درآمد ایفاءئے عہد کا حصہ ہے۔ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان کا عہد کرتا ہے تو اس کے لیے اس عہد کو پورا کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ حلال و حرام کا امتیاز بھی عہد و پیمان کا ایک حصہ ہے۔ چنانچہ بعض جانوروں کی حلت و حرمت کے احکام نازل فرما کر ان کی پابندی کا حکم دیا جا رہا ہے ارشاد ہوتا ہے **أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ تَمَاسَّيْ** لیے حلال کیے گئے ہیں چرنے والے جانور۔ چروائے، مورشی، بیمہ چرنے والے جانور کو کہتے ہیں جو گھاس یا پتے وغیرہ کھاتے ہیں اور انعام وہ جانور ہوتے ہیں جو عام طور پر پائے جاتے ہیں۔ یہ چار قسم کے جانور ہیں اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری۔ فرمایا ان کو بعض شرائط کے ساتھ ذبح کرو تو ان کا گوشت تمہارے لیے حلال ہو گا۔ جو چیز اللہ نے تمہارے لیے حلال قرار دی ہے اُسے کھاؤ پیو اور جو حرام کی ہے اُس سے رُک جاؤ، یہی ایفاءئے عہد ہے۔

یہ زینت کا، عث بھی میں بظلاف ان کے جہاں موشیوں کا ذکر فرمایا ہے ہاں انکے تمام جسم سے تنفیہ ہونے کا ذکر ہے انکے گوشت اور دودھ کے استعمال کی اجازت کی گئی ہے لہذا ان موشیوں سے تنفیہ ہونے کی بات نہ دی گئی ہے، انکی عث کو بطور احسان ذکر کیا ہے۔

اب درندے بھی چار پاؤں رکھتے ہیں۔ چونکہ ان میں درندگی کی صفت پائی جاتی ہے اس لیے ان کے گوشت حرام قرار دیے گئے ہیں۔ شیر، چیتا، گیدڑ، لومڑی، سنور، کتا وغیرہ حرام ہیں۔ ان کا گوشت کھانے سے روحانیت میں فساد آئیگا۔ جسم میں خرابی پیدا ہوگی، اسی طرح خنزیر کا گوشت کھانے سے بے غیرتی جیسی قبیح خصلت پیدا ہوتی ہے اس لیے اُسے قطعاً حرام قرار دیا گیا ہے۔ غذا کا اثر انسان کے جسم اور ساخت پر براہ راست ہوتا ہے۔ اس لیے حرام جانوروں کا گوشت کھانے سے منع کر دیا گیا ہے اور حلال جانوروں کے گوشت، دودھ، کھال اور اون بہک استعمال کرنا بھی اجازت ہے۔ حشرات الارض یعنی کیڑے مکوڑے بھی کھانے کے قابل نہیں، ان میں ایک قسم کی نجاست پائی جاتی ہے۔ انہیں کھانے والوں کے دماغ میں نجاست پیدا ہوتی ہے، گدھا بوقوف جانور ہے اس کا گوشت کھانے سے انسان پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض ایسے پرندے ہیں جو فوج کرشمہ کار کھاتے ہیں۔ بعض پنجرہ مار کر شکار کرتے ہیں۔ ان میں جیل، شکر، گدھ وغیرہ ہیں، یہ سب حرام ہیں، مردار کھانے والے پرندے ہیں۔ یہ انسان کے لیے قطعی حرام ہیں۔ اُن کے کھانے سے انسانی جسم و روح میں خرابی آتی ہے۔

فرمایا تمہارے لیے چوپائے حلال کیے گئے اِلَّا مَا یَتْلٰی عَلَیْکُمْ سوائے اُن جانوروں کے جن کا ذکر آگے آ رہا ہے یعنی اس سورۃ کی آیت نمبر ۱۵ اور اُس سے آگے۔ وہاں پر مختلف قسم کے حرام جانور اور حرام شایہ کا تفصیل سے ذکر کر دیا گیا ہے۔ فرمایا ان مذکورہ جانوروں کے علاوہ باقی موشی تم پر حلال ہیں غَیْرِ الْحِلِّی الصَّیْدِ وَانْتُمْ حُرْمٌ الْبَیْ

اعظم کی
حالت میں
شکار

احرام کی حالت میں تم خشکی کے شکار حلال سمجھنے والے نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم سنبھل جاؤ یا عمرہ کا احرام باندھ لیا ہو تو پھر خشکی کا ہر قسم کا حلال شکار بھی حرام ہو جاتا ہے۔ یہ دقیق حرمت ہے، دائمی نہیں۔ جو نبی کوئی شخص احرام سے باہر آ جاتا ہے، اُس سے شکار کی پابندی دور ہو جاتی ہے۔ احرام کی حالت میں نہ خود شکار کر سکتا ہے اور نہ جانور ذبح کر سکتا ہے۔ البتہ پانی کا شکار احرام میں بھی جائز ہے۔

فَرَمَا إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ بِشَكِّ اللَّهِ تَعَالَى فَيُصَلِّهِ كَمَا يَجِبُ
جو چاہتا ہے۔ اللہ نے احرام کی حالت میں خشکی کے شکار کی ممانعت کر دی ہے اور تری کا شکار حلال قرار دیا ہے۔ یہ اس کا حکم ہے اور اس میں کسی چران و چرا کی گنجائش نہیں، انسان کا کام محض تعمیل حکم ہے۔ اس قسم کے احکام میں ضرور کوئی مصلحت ہے جسے مالک الملک ہی جانتا ہے۔ یہاں پر یہ شاہد بھی ملتا ہے۔ کہ مومن کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ ہر وقت حکمت کی تلاش میں ہے بلکہ اُسے ہر حکم الہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہیئے، اگرچہ بہت سے اہل علم کو اللہ نے یہ بصیرت عطا فرمائی ہے کہ وہ حکمت و حرمت کی علت کو بھی سمجھتے ہیں، تاہم یہ ہر شخص کے لیے ضروری بھی نہیں ہے۔ عام انسان کے لیے مالک علی الاطلاق کے حکم کی تعمیل ضروری ہے۔ اسی میں اُس کی ترقی اور فلاح کا راز ہے۔

لَا يَحِبُّ اللَّهُ
رَكْسَ مَرْمٍ ۳

الحاندة ۵
آیت ۲

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشَّهْرَ
الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا آمِينَ الْبَيْتِ
الْحَرَامَ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّن رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا
وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَا نُ قَوْمٍ أَن
صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَن تَعْتَدُوا وَتَعَاوَنُوا
عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ
وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ②

ترجمہ: اے ایمان والو! نہ بے حقی کرنا اللہ کے شانز کی اور نہ
حرم کے پینے کی اور نہ اُن جانوروں کی جو اللہ کی نیاز کے طور پر کچے شرم
کی طرف سے جانے جاتے ہیں اور نہ اُن جانوروں کی جن کے گلے میں پٹ
ڈالا جاتا ہے (اور اُن کو قربانی کے لیے لے جاتے ہیں) اور نہ اُن گوروں
سے تعرض کرو جو بیت الحرام کا قصد کرتے ہیں تلاش کرتے ہیں اپنے رب کس
اور اکی خوشنودی، جس وقت تم احرام سے نکل جاؤ پس تم شکار کرو اور
نہ آمادہ کسے تم کو کسی قوم کی دشمنی جنہوں نے تمہیں مسجد حرام سے
روکا۔ کہ تم زیادتی کرنے لگو، اور تعاون کرو آپس میں نیکی اور تقویٰ
کی بات پر اور نہ تعاون کرو گناہ اور زیادتی کی بات پر، اور اللہ سے ڈرو

بیشک اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے ②

سورۃ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے ایسے عمدہ ذکر فرمایا ہے کیونکہ اجتماعی زندگی میں
ربطاً

انسانیت کی فلاح کا مدار اسی پر ہے۔ شریعت کے تمام احکام اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد و پیمان ہیں جن کی پابندی لازمی ہے۔ چنانچہ اللہ نے طہتِ محرمت کے مسائل بیان فرمائے ہیں کہ تمہارے لیے ہیبتِ الانعام کو حلال قرار دیا گیا ہے اور ان کے علاوہ وہ جانور حرام ہیں جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ البتہ احرام کی حالت میں حلال جانور کا شکار بھی نہیں کر سکتے جب تک احرام سے باہر نہ نکل جاؤ۔ اس تمہید کے بعد آگے حرام جانوروں اور اشیاء کا ترتیب وار بیان آ رہا ہے۔ اہل ایمان کے لیے طہت و حرمت کی پابندی نہایت ضروری ہے اور اسی کو ایضاً عہد سے تعبیر کیا گیا ہے۔

شعارِ اللہ
کی تعظیم

ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَ إِيْمَانُ وَالْوَالِدَاتِ لَا تَحْكُمُوا
شَعَائِرَ اللَّهِ اللہ کے شعار کی بے حرمتی نہ کرو۔ شعار، شعیرہ کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جبروت کا نشان ہیں۔ فرمایا ان کی بے حرمتی نہ کرو، شعارِ اللہ کا احترام ملتِ برہمی کا ایک ضروری حکم اور ہمارے دین کا ضروری جزو ہے۔ دین کے دیگر اہم اصولوں مثلاً اللہ کی وحدانیت پر ایمان، اقامتِ صلوٰۃ، مصیبت میں صبر، اللہ کی نعمتوں کا شکر وغیرہ کی طرح تعظیمِ شعارِ اللہ بھی ایک اہم اصول ہے۔ شعارِ اللہ میں حرم شریف، بیت اللہ شریف، حبرات، صفا و مروہ، قربانی، احرام، اذان، نماز اور تمام احکام شریعت داخل ہیں۔ صفا و مروہ کے متعلق خصوصاً سنن ابی
إِنَّ الصَّافَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ یعنی صفا و مروہ پارِ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کی تعظیم کا حکم دیا ہے۔
امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ یہ چار چیزیں اعظم شعارِ اللہ میں ہیں یعنی حضور علیہ السلام کی ذات مبارکہ، قرآن کریم، بیت اللہ شریف اور نماز، یہ سب سے بڑے نشاناتِ قدرت ہیں۔ ان کی تعظیم بہت ضروری ہے۔ سورۃ حج میں اللہ کا فرمان ہے وَمَنْ يَعْظَمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ

زِيَادَةً فِي الْكُفْرِ كَفَرُكَ بَلْ نَسِيَ كَارِثَكَ بَسْتِ بَرِي بَت
ہے۔ وہ کرتے یہ تھے کہ اگر جنگ کے دوران کوئی حرمت والا مہینہ آ
جاتا تو جنگ بند کرنے کی بجائے جاری رکھتے اور اُس مہینہ کی بجائے کوئی
دوسرا مہینہ از خود حرمت والا مقرر کر لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات
کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ
ادب والے مہینوں کا احترام ضروری ہے۔

قرآنی کے
جانور

فرمایا بے حرمتی نہ کرو اللہ کے شعار کی اور حرمت والے مہینوں کی
وَلَا لِهَيْدَىٰ اور نہ قربانی کے جانوروں کی۔ عام قربانی کے جانوروں کو
تراشیدہ کہا جاتا ہے مگر جو جانور اللہ تعالیٰ کی نیاز کے لیے حرم شریف کی
طرف لے جائے جاتے ہیں اُن کو ہدی کہتے ہیں۔ فرمایا اللہ کے ہاں
یہ بھی محترم ہیں، ان کی بے حرمتی بھی نہ کرو۔ پھر یہ ہے کہ قربانی کے لیے
جانوروں کے گلے میں پٹہ یا لہر ڈال دیا جلتا تھا جس سے یہ ظاہر کرتا مقصود
ہوتا تھا کہ یہ قربانی کے جانور ہیں جو حرم شریف جا رہے ہیں، لہذا راستے
میں کوئی ان سے تعرض نہ کرے۔ فرمایا وَلَا السَّكَايِدَ اور پٹے لے
جانوروں کی بھی بے حرمتی نہ کرو، کیونکہ یہ اللہ کے راستے میں قربانی کے
لیے جا رہے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں بھی عام طور پر ایسے جانوروں کا احترام
کیا جاتا تھا۔

عازمین
حج و عمرہ

فرمایا وَلَا اَمْتَيْنِ الْبَيْتِ الْحَرَامِ بیت اللہ شریف کی
طرف قصد کر کے جانے والے لوگ بھی محترم ہیں۔ جو لوگ حج یا عمرہ کے
ارادے سے سفر کر رہے ہیں اُن سے کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ یا لڑائی بھڑائی
نہیں ہونی چاہیے۔ وہ اللہ کے مہمان ہیں اور اُس کے گھر کی طرف جا رہے
ہیں۔ ہو سکے تو اُن کی خدمت کرو، ورنہ انہیں ایذا نہ پہنچاؤ۔

حضور علیہ السلام اپنے چودہ سو صحابہ کے ہمراہ سلسلہ میں عمرہ کے ارادہ

سے نکلے تھے مگر مشرکین نے اُن کو حدیبیہ کے مقام پر روک دیا۔ قربانی کے جانور اُن کے ہمراہ تھے مگر کفار نے انہیں عمرہ کرنے کی اجازت نہ دی اور اس بات پر علیحہ ہو گئی کہ اُس سال مسلمان عمرہ کیے بغیر واپس چلے جائیں گے البتہ اگلے سال عمرہ ادا کر سکیں گے۔ چنانچہ علیحہ کی شرائط کے مطابق صیبر کریمؐ نے جانور وہیں ذبح کر دیے اور مدینہ طیبہ واپس آ گئے پھر آپؐ نے سترہ میں عمرہ قضا کیا۔ اس قسم کے واقعات کے سدباب کے لیے فرمایا کہ حج و عمرہ کے ارادہ سے حرم شریف جانے والے لوگوں کے ساتھ بھی کسی قسم کا تعرض نہیں کرنا چاہیے، اُن کی بے حرمتی مت کرو بلکہ اُن کا ادب و احترام ملحوظ رکھو۔

فضل اور
رضوان

یہ ایسے لوگ ہیں جو یَسْتَعُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَبِّهِمْ وَرِضْوَانًا اپنے رب کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں۔ سورۃ فتح میں اللہ تعالیٰ نے یہی دو صفات حضور علیہ السلام کے صحابہ کی بیان فرمائی ہیں۔ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ یعنی حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ تِلْكَ اَمْثَلُكُمْ رِجْزًا سُبْحًا يَسْتَعُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا آپ ان کو رکوع و سجد کرتے ہوئے اور اللہ کے فضل اور خوشنودی کی تلاش میں دیکھتے ہیں۔ امیر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ فضل سے مراد ارتفاق ہے اور رضوان سے مراد اقتراب ہے۔ آپ نے اپنی حکمت میں یہ دو الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ارتفاق زندگی خوش اسلوبی سے بسر کرنے کو کہتے ہیں اور اس کا دار و مدار رزقِ حلال پر ہے۔ لہذا فضل کو رزقِ حلال سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ سورۃ جمعہ میں آتا ہے کہ جب نماز جمعہ ادا کرو تو زمین میں پھیل جاؤ وَاِسْتَعُوْا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ اور اللہ کا فضل یعنی رزق تلاش کرو۔ رزقِ حلال فضل میں سرفہرست ہے اور اسلام میں اس کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جائزہ ذرائع سے روزی تلاش کرو، اس پر کوئی پابندی نہیں۔ آپ جمعہ کو بھی کاروبار کر سکتے ہیں۔ اس دن

مکمل طور پر کام کاج بند کر دینا ضروری نہیں، ہاں اگر مصلحت کی خاطر مکمل تعطیل بھی کر دی جائے تو کوئی عرج نہیں۔ غرضیکہ فضل سے مراد یہ ہے کہ زندگی کو خوش اسلوبی سے بسر کرنے کے لیے اپنے اور اپنے لواحقین کے لیے رزق حلال حاصل کیا جائے۔

حضرت امیر شاہ ولی اللہ نے رضوان کا معنی اقتراب کیا ہے۔ یعنی اللہ کا قرب۔ اور یہ چیز نیکی، عبادت اور احکام الہی کی تعمیل سے حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں فرمایا شعائر اللہ کی تعظیم بھی اقتراب الہی کا ایک ذریعہ ہے۔ بہر حال فرمایا کہ اُن عازمین حج و عمرہ کا بھی احترام کرے جو اللہ کا فضل اور اسکی خوشنودی کی تلاش میں نکلے ہیں۔

اس سے یہ بھی علوم ہوتا ہے کہ سفر حج یا عمرہ کے دوران اگر جائز ذرائع سے اکتساب رزق کیا جائے تو اس میں کوئی عرج نہیں ہے بشرطیکہ نیت محض تجارت کی نہ ہو۔ نیت خالص حج کے لیے کر کے اگر تجارت یعنی اللہ کا فضل بھی تلاش کرتا ہے، تو اس کی ممانعت نہیں ہے۔ سورۃ بقرہ میں بھی موجود ہے۔ "لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَبِّكُمْ" تم پر کوئی عرج نہیں ہے کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو یعنی تجارت وغیرہ کرو۔ بعض لوگوں کی ابتدا نیت ہی محض مال سے جانے اور واپس سے مال لانے کی ہوتی ہے، اس قسم کا حج درست نہیں ہوتا، بلکہ یہ تجارت ہوتی ہے۔ بعض لوگ صرف سیر و تفریح کے لیے حج کا سفر اختیار کرتے ہیں، یا ورپ اور امریکہ کی سیر نہ کی، مکہ اور مدینہ کی کر لی۔ یہ بھی درست نہیں ہے۔ نیت خالص حج یا عمرہ کی ہونی چاہیے کیونکہ یہ بہت بڑی عبادت ہے اس سفر میں مال خرچ کرنے کے علاوہ جہانی مشقت بھی اٹھانی پڑتی ہے اس میں بڑی پابندیاں ہیں اور یہ اعلیٰ درجے کی عبادت ہے۔ جسے خلوص

حج اور
تجارت

کے ساتھ ہی ادا کرنا چاہیے۔ ہم ضمن تجارت بھی مباح ہے۔

شکار کی
اجازت

اس سورۃ کی پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ بعض جانوروں کو چھوڑ کر تم پر
موشی ملال کیے گئے ہیں غَيْرُ خَيْلٍ الصَّيْدِ الْفَرَسِ وَالْمَشْرِ وَالْمَرْكَبِ
البتہ احرام کی حالت میں شکار کرنیکی ممانعت ہے۔ جب کوئی شخص حج یا
عمرہ کی ادائیگی کے لیے میقات سے احرام باندھ لیتا ہے، تو اس پر بعض
پابندیاں عاید ہو جاتی ہیں۔ مثلاً مرد سلاہوا کپڑا نہیں پہن سکتا، پورا جوتا اور جراب
نہیں پہن سکتا، خوشبو استعمال نہیں کر سکتا، چہرہ نہیں دھوا سکتا، بیوی
کے قریب نہیں جا سکتا، کسی سے لڑائی جھگڑا کالی گلہ ج نہیں کر سکتا، خشکی
کا شکار نہیں کر سکتا حتیٰ کہ کسی جاندار کو ایذا نہیں پہنچا سکتا۔ یہ سب مابقی پابندیاں
ہوتی ہیں جو احرام کھلنے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہیں۔ پہلی آیت میں شکار پر

جو پابندی عائد کی تھی، یہاں اس کے متعلق فرمایا وَإِذَا أَحَلَّ لَكُمْ فَاصْطَادُوا
جب تم حلال ہو جاؤ یعنی احرام کھول دو تو تمہیں شکار کی اجازت ہے۔

تعدی کی
ممانعت

احرام کی حالت میں ممنوع ہو گیا تھا، اب یہ تمہارے لیے مباح ہے۔
فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں کو حج، عمرہ اور طواف یعنی زیارت بیت
کی اجازت نہیں تھی۔ کفار مکہ نے مسلمانوں کا یہ حق سلب کر لیا تھا۔ چنانچہ سترہ
میں جب صحابہؓ کی ایک جماعت حضور علیہ السلام کی معیت میں عمرہ کے لیے
آئی تو مشرکین نے ان کو ایسا کرنے سے روک دیا تھا، لہذا مسلمانوں کو عمرہ
کیے بغیر واپس لوٹنا پڑا۔ آیت کے اگلے حصہ میں کفار کی طرف سے اسی قسم
کی اسلام دشمنی کی طرف اشارہ ہے ارشاد ہے وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ
شَتَانُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ جس
قوم نے تمہیں مسجد حرام سے روکا، اس قوم کی دشمنی تمہیں آمادہ نہ کرے۔
اَنْ تَكُونُوا قَوْمٌ يَحِلُّ لَكُمْ شَتَانُ قَوْمٍ اَنْ يَكُونُوا قَوْمٌ يَحِلُّ لَكُمْ
دوران جو کچھ ہو گیا، اس پر درگزر کرو اور اب جب کہ اللہ نے تمہیں غلبہ

دے دیا ہے۔ تو اب تم بھی اُن پر اُسی طرح زیادتی نہ شروع کرو جس طرح
 مشرکین تم پر کرتے تھے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ یہ مسلمان کی شان کے خلاف
 ہے کہ وہ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے دے۔ مفسر قرآن مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ
 فرماتے ہیں کہ جس طرح **الْحُبُّ فِي اللَّهِ** میں حد سے بڑھنا خرابی کا باعث
 ہے، اُسی طرح **الْبُغْضُ فِي اللَّهِ** بھی ایک حد تک ہونا چاہیے مشرکین
 سے نفرت ضرور ہے اور یہ ہے بھی محض رضائے الہی کی خاطر مگر یہ نفرت
 اُن کے خلاف دشمنی کا رنگ نہ اختیار کر جائے۔ انہوں نے بلاشبہ تم پر زیادتی
 کی، تمہیں تکالیف پہنچائیں مگر تمہیں اُن پر زیادتی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔
 اور دوسری بات یہ فرمائی **وَلْتَأْوُوا عَلَى الْبِرِّ وَالْتَّقْوَى**
 نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو **وَلَا تَأْوُوا**
عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ نیز گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک
 دوسرے تعاون نہ کرو۔ اچھائی سے تعاون اور بُرائی سے عدم تعاون ایک
 اہم اصول ہے جو اللہ تعالیٰ نے یہاں پر بیان فرمایا ہے۔ یہ قرآن اور اسلام
 کا موضوع ہے کہ اقوام عالم میں جہاں بھی کوئی مسلمان موجود ہے، نیکی میں اُس
 کے لیے دستِ تعاون بڑھایا جائے۔ مگر اس زمانے میں اسی چیز کا فقدان
 ہے۔ اب نیکی کی بجائے بُرائی کے کام میں تعاون کیا جاتا ہے، اب موضوع ہی
 بدل گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے نتائج بھی ایسے ہی نکلیں گے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ
 فرماتے ہیں کہ عدل و انصاف تقویٰ کی روح ہے اور مومنوں کا عالمی پروگرام ہے
 اللہ نے ہی حکم دیا ہے **إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ**، یعنی
 عدل و انصاف پر قائم رہو اور احسان کرو۔ مگر اب انصاف کی جگہ ظلم نے
 لے لی ہے۔ اسی لیے قرآن پاک نے اس مقام پر یاد دلایا ہے کہ نیکی اور تقویٰ
 کے معاملات میں تعاون کرو، اور بُرائی خواہ عقیدے میں ہو یا عمل میں، اُس
 کے ساتھ ہرگز تعاون نہ کرو۔

تعاون اور
 عدم تعاون

خوف خدا

فرمایا وَاتَّقُوا اللَّهََ الَّذِي تَدْعُونَ اللہ سے ڈر جاؤ۔ اللہ نے ایسے عہد کا حکم دیا ہے اُس کو پورا کرو۔ اگر اُس کے حکم کی خلاف ورزی کرو گے تو یاد رکھو إِنَّ اللَّهََ شَدِيدُ الْعِقَابِ بیشک اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔ جب وہ مجرمین کی گرفت کریگا، تو پھر ان کو چھوڑے گا نہیں اسکی پکڑ بڑی سخت ہے۔ کوئی شخص جو اللہ کے قوانین کے خلاف کرتا ہے ملامت و عارم سے بے نیاز ہے۔ شعائر اللہ کی بے حرمتی کرتا ہے، برائی میں تعاون کرنے والا ہے، وہ اسکی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ۔

الحامدة ۵
آیت ۱۳، ۱۴، ۱۵

تذییب اللہ ۶
درس چارم ۴

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ
وَمَا أَهْلَ لِنَفْسٍ لِّلَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ
وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبْعُ الْإِمَامَا
ذِكْرُكُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا
بِالْأَزْلَامِ ذَلِكُمْ فَسُقُ

ترجمہ: حرام قرار دیا گیا ہے تم پر مردار جانور اور خون اور خنزیر
کا گوشت اور وہ چیز جس پر غیر اللہ کا نام پکرایا گیا اور جو مولا گئے
میر گیا ہو اور چوٹ لگنے سے ہلاک ہو گیا ہو، اور جو اونٹنی جگہ سے گر
گئی ہو، ہلاک ہو گیا ہو، اور جس کو دوست جانور نے سبک مار کر ہلاک
کر دیا ہو، اور جس کو درندوں نے کھا یا ہو مگر وہ جسے تم نے ذبح
کر لیا ہو، اور جو ذبح کیا گیا ہو کسی استخوان پر۔ اور یہ کہ تم تقسیم کرو
جونے کے تیروں کے ساتھ۔ یہ نامذہبی اور گناہ کی بات ہے۔

الغائی عہد کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حلال و حرام کا قانون بیان فرمایا کہ
کہ تمہارے لیے موشی حلال کیے گئے ہیں سوائے ان کے جو آپ کو پڑھ کر نہ جانیں
اب آج کے دس میں انہی جانوروں اور اشیا کا ذکر ہے جو اللہ نے حرام قرار دی ہیں۔ قانون
ملت و حرمت کو انسانی زندگی کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ انسانی ترقی کے لیے اس قانون پر
عمل درآمد نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ انسان قانون کا پابند ہے اور یہی پابندی اُس کے لیے
ترقی کا ریزہ ہے۔ قانون کی خلاف ورزی اتباعِ جوار اور شیطان کے نقش قدم پر مبنی ہے۔

یہ قانون اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے سورۃ بقرہ میں بھی بیان فرمایا ہے۔
اس سورۃ میں بھی آگیا ہے اور پھر آگے سورۃ النعام اور نحل اور بعض دوسرے
مواقع پر بھی آئے گا۔ جیسا کہ گذشتہ درس میں عرض کیا تھا۔ سورۃ نساء میں محرمات نکاح کا
ذکر تھا اور اس سورۃ میں محرمات اکل و شرب کا بیان ہے۔

امام ابن کثیرؒ اور دوسرے مفسرین بیان فرماتے ہیں کہ جن جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ
نے حرام قرار دیا ہے، ان میں کوئی نہ کوئی خرابی ضرور موجود ہے۔ وہ یا تو انسانی جسم کے
کے لیے مضر ہیں یا روح کے لیے نقصان دہ ہیں۔ اور جو چیزیں حلال قرار دی گئی ہیں
وہ یقیناً انسان کے لیے جسمانی یا روحانی لحاظ سے سودمند ہیں۔ چنانچہ ارشاد
ہوتا ہے **حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ** تم پر مردہ جانور حرام قرار
دیا گیا ہے۔ امام بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ شرعی طریقہ سے ذبح کیے بغیر جو جانور ہلاک
ہو جائے، وہ مردار ہے عام طور پر مکے والے جانور کے جسم میں خون بھند ہو کر
رہ جاتا ہے جبکی وجہ سے جسم میں کئی قسم کے جراثیم اور دیگر خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں
جو انسانی جسم کے لیے ضرر رساں ہوتی ہیں، لہذا اللہ تعالیٰ نے مردار کا گوشت ان لوگوں
کے لیے حرام قرار دیا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ پوری
مسلم دنیا میں تمام لوگ خواہ ان کا تعلق کسی مذہب سے ہو، مردار کھانا بڑا بگھنے
ہیں۔ بشرطہ یہ کہ وہ عقل و شعور سے عاری نہ ہوں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کا
انسلاخ ہو جاتا ہے اور وہ انسانی فطرت سے باہر نکل جاتے ہیں، تاہم کئی
بھی صاحب فطرت سلیمہ مردار کھانے کو پسند نہیں کرتا۔ مردار میں موجود جراثیم
اور بعض کی وجہ سے انسانی جسم میں سستی پیدا ہوتی ہے اور اس کی صحت بگڑ جاتی
ہے، طرح طرح کی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں، لہذا مردار کا گوشت کھانے
سے منع کر دیا گیا ہے، یہ قطعی حرام ہے۔

حلت مچلی
روزی

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ اگرچہ ہمارے لیے مردار
کو حرام قرار دیا گیا مگر **اُحِلَّتْ لَنَا صَيْدَتَانِ** دو مردار ہمارے لیے حلال قرار

دیے گئے ہیں اَلْاَسْمٰكُ وَالْجَسَدُ یعنی مچھلی اور ٹڈی اِن کو بغیر ذبح کیے کھانا جائز ہے۔ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ بعض جنگوں کے موقع پر ہم نے ٹڈی کو بطور غذا استعمال کیا۔ مچھلی پانی کا جانور ہے اور اسے بھی ذبح کرنا حلال نہیں۔ دراصل اِن دو جانوروں میں کوئی زیادہ خون نہیں ہوتا جو اِن کے جسم میں بند ہو کر رہ جائے۔ مچھلی کا خون تو ویسے ہی خشکی کے جانوروں سے مختلف ہوتا ہے جو جسم میں رہ جانے سے بھی نقص کا باعث نہیں بنتا اور ٹڈی میں بھی اس قسم کی خاصیت موجود ہے، لہذا اِن دو جانوروں کو بغیر ذبح کیے کھانے کی اجازت ہے۔

حرمتِ خون فرمایا تم پر یہ دارِ حرام قرار دیا گیا ہے وَالْدَّمُ اور خون بھی حرام ہے مگر انعام میں اسے دَمًا مَسْفُوحًا کہا گیا ہے یعنی ہوتا ہوا خون جسے جسم سے نکال دیا جائے۔ ذبح کرتے وقت یا جسم میں زخم کرنے سے جو خون نکلتا ہے، وہ دَمٌ مَسْفُوحٌ ہے اور حرام ہے۔ البتہ ذبح کرنے کے بعد جو تھوڑا بہت خون گوشت کے ساتھ رہ جاتا ہے، وہ حرام نہیں ہے کیونکہ وہ صحت کے لیے نقصان دہ نہیں ہوتا اسے اگر بغیر صاف کیے پکا لیا جائے، تو کھانا درست ہے تاہم نظافت کے تقاضا کے تحت اس خون کو بھی صاف کر لیا جائے تو بہتر ہے۔ جو شخص دَمٌ مَسْفُوحٌ کو بطور خوراک استعمال کرے گا، اُس میں درندگی کے خواص پیدا ہو جائیں گے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے خون کو حرام قرار دیا ہے۔

انتقالِ خون موجودہ زمانے میں انتقالِ خون (Blood Transfusion) عام ہو رہا ہے۔ جب کسی مریض کے جسم میں خون کی کمی واقع ہو جاتی ہے تو اُس سے مطابقت رکھنے والا دوسرا انسانی خون اُس کے جسم میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ اس کا عام حکم تو یہی ہے۔

_____ کہ خون حرام ہے۔ اس کا بیچنا اور

دوسرے جسم میں منتقل کرنا اسی حکم میں آتے ہیں، تاہم اضطراری حالت میں اس کا استعمال جائز ہے۔ یہ ماہر ڈاکٹر پر منحصر ہے کہ وہ مریض کے لیے بیرونی خون کو کس حد تک ضروری سمجھتا ہے۔ اگر کوئی دوسری روانی اس کا نعم البدل نہ ہو اور مریض کی جان خون کی منتقلی سے ہی بچانی جاسکتی ہو تو پھر ایسا کرنا جائز ہوگا۔ تاہم معمولی نوعیت کے امراض میں جہاں دیگر ادویات بھی کارگر ہوں، وہاں خون کی منتقلی درست نہیں ہوگی کیونکہ یہ بہتا ہو خون ہے جو حرام ہے۔

لحم الخنزیر

تیسری حرام چیز فریاء و لکھم الخنزیر یعنی خنزیر کا گوشت بھی حرام ہے خنزیر کے گوشت کی تخصیص اس کے عام استعمال کی بنا پر کی گئی ہے وگرنہ اس کے جسم کا ہر حصہ حرام اور ناقابل استعمال ہے۔ سورۃ الانعام میں سورۃ کو اِنَّہ رَجُسٌ کَمَا کَانَ یَاہُکُمْ۔ یہ بالکل ناپاک ہے، لہذا اسکی ٹھیاں، بال، چربی اور لعاب وغیرہ ہر چیز حرام ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ جس جانور میں انسانی فطرت کے منافی خصلتیں پائی جائیں۔ اُس جانور کا گوشت کھانے والوں میں بھی وہی قبیح خصلتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ خود گندگی کھانے والا جانور ہے لہذا اس کا گوشت کھانے والے کی طبیعت میں بھی نجاست پیدا ہوگی۔ اس کے علاوہ یہ جانور رحمت بے غیرت بھی ہے۔ عام نہ جانور کسی ذرے کی موجودگی میں مادہ سے جفتی نہیں کرتا، بلکہ خنزیر ایسا بے غیرت جانور ہے کہ بیک وقت کئی کئی نزدیک مادہ سے استفادہ حاصل کرتے ہیں۔ اس کا گوشت استعمال کرنے والی قوموں میں یہی بے غیرتی پیدا ہو جانا عین ممکن ہے۔ سکھ اور انگریز وغیرہ خنزیر کا گوشت کھاتے ہیں اور وہ اس قبیح مرض میں مبتلا ہیں۔

مسیح علیہ السلام کے متعلق آتا ہے کہ قُرْب قیامت میں جب دوبارہ نزول فرمائیں گے تو یَقْتُلُ الْخُزْزِیْرَ خنزیر کو قتل کریں گے اور عیسائیوں کو ذلیل کرنے کے لیے صلیب کو توڑیں گے کیونکہ یہ باطل عقیدہ کی لٹانی ہے۔ امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد جتنے نبی

مبعوث ہوئے ہیں سب کے شرائع میں خنزیر حرام رہا ہے مگر عیسائی ایسی بہت
 قوم ہے کہ بے بھیڑ بکری کی طرح کھا جاتے ہیں لہذا کبر صلیب اور قتل خنزیر سے
 عیسائیوں کی تذلیل مقصود ہوگی

نامزدگی نام
 غیر اللہ

حرام چیزوں سے چومنی چیز فرمایا وَمَا أَهْلَ لُغْنِی اللہ یہ وہ چیز
 بھی حرام ہے جس پر اللہ کے سوا کسی غیر کا نام پکارا گیا ہو۔ اہل لُغْنِی کا معنی ہے
 رفع السموت یعنی آواز کو بلند کرنا۔ چنانچہ حاجی کے احرام باندھنے کے بعد بیک
 بیک پکارنے کو اہل التلبیہ کہتے ہیں مقصد یہ کہ جس جانور کو غیر اللہ کے نام پر
 پکارا گیا ہو، نامزد کیا گیا ہو، وہ حرام ہے۔ مثلاً یوں کہا جائے کہ یہ جانور یا چیز فلاں
 بت، خیر یا بزرگ کی نیاز ہے، تو وہ چیز حرام ہو جائیگی۔ اور غیر اللہ کی نیاز مینے سے
 مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ بزرگ ہم سے راضی ہو کہ ہماری مرادیں پوری کریں گے۔ یا
 کم از کم اللہ کے ہاں ہماری سفارش ہی کر دیں گے۔ یہ شرکیہ عقائد ہیں لہذا غیر اللہ
 کے نام سے منسوب کی جانے والی چیز کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔

بعض لوگوں کو اس مسئلہ میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ بعض تفسیروں میں بھی لکھا ہے
 کہ وَمَا أَهْلَ لُغْنِی اللہ یہ کہ مطلب یہ ہے کہ جانور کو ذبح کرنے
 وقت اگر اللہ کے علاوہ غیر کا نام لیا جائے تو جانور حرام ہوگا اور اگر بوقت ذبح
 بسم اللہ کہا جائے تو ذبح حرام نہیں ہوگا۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ لات ہنات
 عزلی وغیرہ کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے اور اللہ کا نام نہ لیتے تھے لہذا وہ
 حرام ہیں۔ اس مسئلہ میں حقیقت حال یہ ہے کہ وہ جانور بہت قدیم کی وجہ سے
 حرام قرار دیا گیا ہے۔ جب وہ غیر اللہ کی طرف منسوب ہو گیا کہ یہ فلاں پیر یا بزرگ
 کا بکرا ہے تو وہ بسم اللہ کہہ کر ذبح کرنے سے بھی حرام ہی رہے گا، یہ تو ایسا ہی
 ہے جیسے کوئی شخص خنزیر کو بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے اور پھر اسے حلال سمجھنے
 لگے۔ جو چیز بنیادی طور پر حرام ہے وہ اللہ کا نام لینے سے حلال نہیں ہو جاتی
 ہاں اگر تعلقہ شخص اس غلط عقیدے سے تائب ہو جائے تو پھر شرعی طریقہ سے

ذبح کرتے پر جانور حلال شمار ہوگا۔ جانوروں کے علاوہ دوسری اشیاء کا نام دودھ،
متھائی وغیرہ بھی اگر غیر اللہ کی نیا رہے تو وہ حرام ہے۔ اور ان کی حرمت بھی غیر اللہ
کے نام پر ناسزدگی کی وجہ سے ہے وَمَا أَهْلًا كَائِي غَلَبَ بَنَ۔

مولانا عبید اللہ سندھی فرماتے ہیں کہ تمام انبیائے کرام اور ائمہ ملتِ نبویہ
اس بات پر متفق ہیں کہ غیر اللہ کے نام پر کسی چیز کی ناسزدگی سے اُس چیز میں روحانی
سجاست پیدا ہو جاتی ہے۔ مشرکین جانوروں کے متعلق اہل اسلام پر اعتراض کرتے
تھے کہ تمہارا مذہب بھی عجیب ہے جس جانور کو خدا تعالیٰ مار دینا ہے اُسے مُردار
سمجھ کر حرام قرار دیتے ہو اور مجھے خود ذبح کر کے مار دیتے ہو وہ تمہارے لیے حلال ہے فَمَا مَشَرَ
وَلَا قَمَر کی تاویل اُسے کو کھینے کی کوشش کرتے ہیں حقیقت میں موت تو ہر جان میں جانبِ شرعی ہوتی
ہے خواہ کوئی جانور طبعی طور پر مارے یا اُسے ذبح کر دیا جائے مگر اللہ کا نام لے کر ذبح کرنے
سے اس میں پاکیزگی آتی ہے جب کہ غیر اللہ کے نام سے اس میں نجاست آتی ہے۔ اگرچہ وہ نظر
نہیں آتی۔ اس کی مثال خود مشرک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّهَا لَمُشْرِكُوْنَ
جَنَسٌ كَيْفَ يَكُونُ مُشْرِكٌ لَوْ كَانَتْ فِيهِ اَكْرَهٌ وَهِيَ نَدَامٌ كَرِهَ كَيْفَ يَكُونُ مُشْرِكٌ لَوْ كَانَتْ فِيهِ اَكْرَهٌ وَهِيَ نَدَامٌ كَرِهَ كَيْفَ يَكُونُ مُشْرِكٌ لَوْ كَانَتْ فِيهِ اَكْرَهٌ وَهِيَ نَدَامٌ كَرِهَ
لیں۔ وہ بظاہر تو پاک صاف ہیں مگر اُن کی بدعتیگی کی وجہ سے اُن میں روحانی نجاست
پیدا ہو چکی ہے جو نظر نہیں آتی۔ اسی طرح غیر اللہ کے نام پر ذبیح اور بغیر ذبح کے مارنے
والا جانور بہر حال حرام ہوگا اگرچہ اس کی سجاست نظر نہیں آتی۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ
نے اپنی تفسیر میں اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے اس سلسل میں ایک نہایت اہم
مکتوب لکھا ہے۔ فرماتے ہیں جو جانور غیر اللہ کے نام پر اس لیے ناسزد کر دیا جائے کہ
وہ راضی ہو کر جاری مرادیں پوری کریں گے، تو وہ جانور حرام ہی رہیگا۔ خواہ بوقت
ذبح اُس پر اللہ کا نام لے لیا گیا ہو۔

فرمایا تمہارے لیے مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کی نذر حرام قرار دیے
گئے ہیں۔ اس کے علاوہ وَالْمُتَخَفِّقَةُ وہ جانور بھی حرام ہے جو کلا گھٹ جانے سے
مر گیا ہو۔ نیز وَالْمَوْقُوذَةُ جو جانور چوٹ لگنے سے مر جائے وہ بھی حرام ہے

ایسٹ ایٹھریٹکڑی وغیرہ کی ضرب سے ہلاک ہو گیا تو بھی حرام کی فہرست میں آئیگا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ جس جانور کو تیر سیدھا سٹے اور وہ ہلاک ہو جائے وہ تو حلال ہوگا کیونکہ تیر کی نوک لگنے سے اس کا خون بہہ گیا، مگر جس کو چپا تیر لگے اور وہ اس کے دباؤ (FORCE) سے ہلاک ہو جائے۔ وہ حلال نہ ہوگا۔ غلیل اور بندوق کی گولی سے ہلاک ہونے والے جانور کا بھی یہی حکم ہے۔ کسی جانور کو مکہ مار کر یا کسی مکڑی وغیرہ کی ضرب سے ہلاک کر دیا جائے تو وہ بھی حرام ہوگا۔ البتہ اگر مرنے سے قبل شرعی طریقہ سے ذبح کر لیا جائے، تو وہ حلال ہوگا۔

فرمایا وَالْمُسَدِّدِۃُ اور وہ جانور بھی حرام ہے جو کسی اونچی جگہ ٹپے، دیوار یا چھت سے گر کر مر جائے وَالنَّطِیْعَةُ اور وہ بھی جو دوسرے جانور کے سینکڑے لٹنے سے ہلاک ہو جائے۔ اس کے علاوہ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ جسے درندے پھاڑ کھائیں۔ درندوں کا شکار ہو کر مر گیا تو حرام ہوگا إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ سوائے اس کے کہ اسے ذبح کر لیا جائے۔ کسی درندے نے زخمی کر دیا ہو مگر مرنے سے پہلے اسے باقاعدہ ذبح کر لیا جائے تو وہ حلال ہوگا اگرچہ درندہ اس میں سے کچھ کھا گیا ہو۔

فرمایا إِنَّ مُحَرَّمَاتِ کے علاوہ وہ جانور بھی حرام ہوگا وَمَا ذُبِحَ عَسَلِي النَّصِيبِ جسے کسی استھان پر ذبح کیا گیا ہو۔ نصب بت کو بھی کہتے ہیں اور یہ لفظ ہر اس مکان یا مکان وغیرہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو غیر اللہ کی طرف منسوب ہو۔ اگر اس خاص مقام یا استھان پر ذبح سے مقصود منسوب الیہ کی رضا اور خوشنودی ہو تو ایسا ذبح بھی حرام ہوگا۔ ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ میں فلاں مقام پر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنا چاہتا ہوں، کیا مجھے اجازت ہے؟ فرمایا، وہاں کوئی بت یا استھان وغیرہ تو نہیں؟ عرض کیا، ایسی کوئی چیز نہیں۔ اس پر آپ نے اجازت دیدی۔ یاد ہے کہ حج و عمرہ کے موقع پر جو ہدیٰ یعنی قربانی کے جانور لے جائے جاتے ہیں ان کی نسبت بیت اللہ یعنی اللہ کے گھر کی طرف ہوتی

استھان
ذبح شدہ

ہے۔ اور یہ اس لیے جائز ہیں کہ وہاں تقرب الی اللہ مقصود ہوتا ہے، نہ کہ غیر اللہ کی خوشنودی۔ جو جانور کسی تکیہ، درخت، قبر یا دیگر غیر اللہ کی طرف منسوب جگہ پر ذبح کیا جائے، اس حکم کی رو سے قطعاً حرام ہوگا۔

نیروں کے ذریعے تقسیم

اس آیت کریمہ میں آخری حرم چیز مذکورہ "أَنْ تَسْلَفَ سَمُومًا بِالْأَنْكَلِ" یہ کہ تم تیروں کے ذریعے تقسیم کرو۔ اس تقسیم سے مراد فال نکالنا یا قسمت کا حال معلوم کرنا ہے۔ زمانہ جاہلیت کے دوران عربوں میں یہ دستور تھا کہ جب کسی اہم کام سفر، شادی وغیرہ کا ارادہ کرتے تو شگون کے لیے عبادت خانے کے منت کے پاس جاتے۔ اس کے پھیلے میں تین تیر بوسے تھے۔ ایک پر لکھا ہوتا۔ اَمَرَئِي رَبِّي، دوسرے پر نَهَيْئِي رَبِّي اور تیسری تیر خالی ہوتا۔ مقررہ نذرانہ وصول کر کے مجاز پھیلے سے ایک تیر نکالتے۔ اگر اَمَرَئِي رَبِّي والا تیر نکلتا، تو اُسے نیک شگون خیال کر کے مطلوبہ کام کر گزرتے۔ اگر نَهَيْئِي رَبِّي والا تیر نکلتا، تو اُسے ارادے سے باز آجاتے اور اگر خالی تیر نکلتا تو کام کو مؤخر کر دیتے اور کسی دیگر موقع پر قسمت آزمائی کے لیے بھجھوڑ دیتے۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے کے مترادف تھی۔ اللہ نے انہیں ایسا کرنے کا مکمل حکم نہیں دیا تھا بلکہ یہ اُن کی اپنی اختراع ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح کی تقسیم کو حرام قرار دے دیا۔

تیروں کے ذریعے تقسیم کا ایک اور طریقہ بھی عربوں میں رائج تھا جسے خالص قمار بازی یا جوئے سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ یہ عجیب و غریب طریقہ یہ تھا کہ کوئی دس آدمی مل کر ایک اونٹ خریدتے اور اُسے ذبح کر کے اس کا گوشت دس برابر حصوں میں تقسیم کرتے۔ پھر وہ دس تیر جن میں سے سات پر فبرنگے ہوتے تھے اور تین خالی ہوتے تھے۔ ایک ایک حصہ دار ایک ایک تیر نکالتا، جس حصہ دار کے ہاتھ میں جتنے نمبر کا تیر آتا، وہ اونٹ کے گوشت کے اتنے حصے اٹھا لیتا۔ مثال کے طور پر اگر کسی آدمی کا سات نمبر تیر نکل آیا

تو سات حصے وہ لے جاتا اسی طرح باقی تین حصے وہ شخص لے جاتا جس کا تیر تین نمبر والا نکلا ہے اس طریقہ سے سارا گوشت چند حصہ داروں میں تقسیم ہو جاتا اور باقی برابر کے حصہ دار محروم رہ جاتے تھے۔ اس غیر منصفانہ تقسیم کو بھی اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔

عربوں میں یہ بھی رواج تھا کہ اونٹ ذبح کرتے تو اس کے گوشت میں سے غراب کو بھی کچھ حصے دیتے۔ اس طرح گوشت کا وافر حصہ وصول کرنے والا حصہ دار سارا گوشت خود نہیں کھا جاتا تھا بلکہ اس میں اپنی برادری اور غراب کو بھی شریک کر لیتا تھا۔ اس طرح وہ اس قسم کی قمار بازی کو احسن تصور کرتے تھے اور جو شخص اس طرح کا جو انہیں کھینچتا تھا۔ اُسے بُرا اور گنہگار خیال کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اُسے خالص جواہر قرار دیا جو کہ قطعاً حرام ہے۔

اس قسم کی دبا اس زمانے میں بھی پائی جاتی ہے مثلاً نجیب آباد کے سلطان ڈاکو کے متعلق مشہور ہے کہ وہ امیروں پر ڈاکے ڈالتا تھا اور — پھر حاصل شدہ مال سے غراب کی بچیوں کی شادی میں اعانت کرتا تھا۔ یہ بھی غلط ہے۔ ڈاکہ ڈالنا کسی کا مال ناجائز طریقے سے حاصل کرنا ایسے ہی حرام ہے، اس سے غراب کی امداد کا کیا معنی؟ اسی طرح عرب بھی قمار بازی کو جائز بلکہ ستم خیال کرتے تھے اور اس میں حصہ ضیاع دے کر ناپسندیدہ شخص قرار دیتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے لیے جمعے کے تیروں کے ذریعے تقسیم شدہ چیز حرام قرار دیدی گئی ہے فقہائے کرام اسی بات سے استدلال کرتے ہیں کہ دست کشنا ہی قیمت کا حال معلوم کرنا ناجائز ہے۔ یہ بھی جوئے کے تیروں سے تقسیم کے مترادف ہے۔ آج کل کے زمانے کی لائبریری بھی اسی قبیل سے ہے سب لوگ ہر حصہ دار ہوتے ہیں مگر جس کے نام کی لائبریری نکل آتی ہے وہ سب کچھ لے جاتا ہے اور باقی لوگ محروم رہ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ سب صورتیں ذلِکُمْ فَفَسَقُوا معصیت اور گناہ ہیں۔ یہ نافرمانی کی باتیں اور اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محرمات کا یہ قانون بتلادیا ہے۔ اگلی آیات میں بعض دوسری چیزوں کا تذکرہ آئیگا۔

المعدۃ ۵
آیت ۳ (نصف آخر)

لا یحب اللہ ۶
درس پنجم ۵

الْيَوْمَ يَبْيسُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا
تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ
وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ
دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتِمَّانٍ
لِإِثْمِهِ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ③

ترجمہ: آج کے دن نا امید ہو گئے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تمہارے دین سے
پس اُن سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو آج میں نے کامل کر دیا تمہارے لیے تمہارے دین کو اللہ
پوری کر دی ہے میں نے تم پر اپنی نعمت اور پسند کیا ہے میں نے تمہارے لیے اسلام کو
پس جو شخص مجبور ہو گیا بھوک سے اس حال میں کہ وہ نہیں مائل ہونے
والا لگن و کی طرف - پس بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے ③

سورۃ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے ایفائے عہد کا حکم دیا۔ عہد میں اللہ تعالیٰ اور مخلوق
کے ساتھ یکے گئے تمام عہد شامل ہیں۔ جب کوئی انسان کلمہ توحید پڑھتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ
کے ساتھ اس کی توحید اور رسالت پر ایمان کا عہد کرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ تمام
قوانین کی پابندی کا عہد کرتا ہے ہر انسان پر قانون کی پابندی لازم ہے۔ اسی کے ذریعے وہ
حظیرۃ القدس کا ممبر بن سکتا ہے اور پھر جنت میں اعلیٰ مقام حاصل کر سکتا ہے دیگر قوانین
میں کھلنے پھینکنے سے متعلق مدتِ محرمیت کا ایک اہم قانون ہے جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ
نے حلال قرار دیا ہے اُن کو استعمال کرنا چاہیے۔ وہ یقیناً انسانی فطرت کے مطابق ہیں اور
جن چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے، اُن میں یقیناً کوئی خرابی ہے جو انسانی جسم یا روح کے

محاذوں پر کامیابیاں حاصل کرتے رہے حتیٰ کہ سلسلہ میں مکہ بھی فتح ہو گیا جس سے قریش کی رہی سہی قوت بھی ختم ہو گئی۔ اب صرف خنین والوں میں کچھ سکت باقی تھی، فتح مکہ کے بعد انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب بھی موقع ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کا راستہ روک دیا جائے، ورنہ ہم ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں گے۔ انہوں نے آخری کوشش کی اور ربیع بن العمرہ نے چوبیس ہزار کے قریب فوج جمع کی، دیگر جنگی ساز و سامان بھی اکٹھا کیا اور مسلمانوں سے ٹکرائے مگر انہیں بھی شکست فاش ہوئی اور پورے عرب میں مسلمانوں کو کسی طرف سے خطرہ باقی نہ رہا۔

اس پس منظر میں سلسلہ میں یوم عرفہ کے دن آیت کا یہ حصہ نازل ہوا جس میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خوشخبری سنائی کہ اب کفار تمہارے دین سے مکمل طور پر مایوس ہو چکے ہیں۔ اب اسلام کے خلاف ان میں کوئی دھم ختم باقی نہیں رہا۔ اور اسلام غالب آچکا ہے ایک موقع پر حضور نبی کریم علیہ السلام نے بھی فرمایا تھا الشَّيْطَانُ يَئِسَ أَنْ يَغْلِبَهُ الْمُؤْمِنُونَ وَلَكِنْ فِي الْغَيْبِ بَيْنَهُمْ يَعْنِي عَرَبِ كے خطے میں شیطان اس بات مایوس ہو گیا ہے کہ نمازی اب اسکی پستش کرنے لگیں۔ البتہ شیطان آپس کی لڑائی بھڑائی میں ضرور کامیاب ہو گا تحریش کے معنی ابھارنا ہے جیسے جانوروں کو لڑانے کے لیے ان کے مالک انہیں مختلف طریقوں سے ابھارتے ہیں۔ تفسیر یہ کہ اب اس خطہ ارض میں کفر اور شرک کا قلع قمع ہو چکا ہے، البتہ مسلمانوں کو آپس میں لڑائی جھگڑا ہوتا ہے گا۔ بہر حال فرمایا کہ اب کافر لوگ مکمل طور پر مایوس ہو گئے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو دوبارہ کفر کی طرف لائیں گے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ آیت کا یہ حصہ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُ إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِ اللَّهِ عِندَ ذِي الْحِكْمِ عَرَفَہ کے دن بروز جمعہ نازل ہوئی اس دن حضور علیہ السلام مسجد منورہ میں ظہر و عصر کی نمازیں ادا کرنے کے بعد جل جہنم

کے سامنے اونٹنی پر سوار و قوت فرما رہے تھے کہ آیت کا یہ ٹکڑا نازل ہوا مختلف روایات کے مطابق اُس دن ایک لاکھ چودہ ہزار، ایک لاکھ چوبیس ہزار، ایک لاکھ تیس ہزار، ایک لاکھ چالیس ہزار یا ڈیڑھ لاکھ افراد میدانِ عرفات میں موجود تھے۔ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرامؓ قبلہؓ ہو کر دعائیں کر رہے تھے کہ آیت کا یہ حصہ نازل ہوا۔ اس کے بعد نبی علیہ السلام کیا ہی دن تک اس دنیا میں تشریف فرما رہے۔ اس دورانِ فرائض یا احکام کے متعلق مزید کوئی آیت نازل نہیں ہوئی، بلکہ اس لحاظ سے یہ آخری آیت کریمہ تھی۔ البتہ اس آیت کے بعد سورۃ بقرہ کی صرف یہ آیت نازل ہوئی **وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ** اس میں ایمان کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا گیا ہے کہ قیامت کے محاسبہ والے دن سے ڈر جاؤ، اُس دن ہر ایک کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی۔

حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں ایک یہودی نے آپؐ کو کہہ دیا کہ آپؐ کی آیت **الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ** الا اتنی عظیم آیت ہے کہ اگر یہ ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس کے نزول کے دن کو یومِ عید مناتے اور اس پر خوشی کا اظہار کرتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، تمہیں کیا پتہ ہے جس دن یہ آیت نازل ہوئی اُس دن ہماری دو عیدیں تھیں، ایک جمعہ تھا اور دوسرے روز کا دن یہ دونوں دن اللہ کی بارگاہ میں قبولیت دعا کے دن ہیں۔ آپؐ نے اشارہ کیا کہ بہت بھی بتادی کہ اسلام میں دن منانے کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہودی، عیسائی، ہندو، وغیرہ اپنے اپنے دن مناتے ہیں مگر اسلام نے ایسا حکم نہیں دیا تکمیلِ دین کا دن بلاشبہ اہل اسلام کے لیے خوشی و مسرت کا دن ہے۔ جمعہ — تو ایسے ہی سیدالایام ہے اور عرفہ کا دن سال بھر میں سب سے زیادہ قبولیت کا دن ہے اس دن اللہ تعالیٰ کی رحمت بارشش کی طرح نازل ہوتی ہے اور اسی دن شیطان

دن منانے
کی وجہ

سب سے زیادہ ذلیل ہوتا ہے جگہ حضور علیہ السلام آپ کے صحابہ کرامؓ۔ تابعین اور تبع تابعین اور سلف صالحین میں سے کسی نے کوئی دن نہیں منایا۔ نئے منانے کی بیماری چھٹی ساتویں ہجری میں شروع ہوئی۔ جب دین کی اصلیت ختم ہو گئی۔ تو فاسق فاجر لوگوں نے میلاد اور دیگر دن منانے شروع کر دیے۔ بزرگوں کے غم سے تو روزمرہ کا معمول بن گیا ہے۔ کوئی دن ایسا نہیں جس دن کوئی بندگ پیدا نہ ہوا فوت نہ ہوا ہو۔ تو اب کس کس کا دن منانیں گے، یہ تو فطرت کے خلاف بات ہے محض دن منا کر سمجھتے ہیں کہ ہم نے دین کا حق ادا کر دیا، حالانکہ یہ تو دین سے محروم ہے۔ دین کا تقاضا تھا کہ قانون کی پابندی کی جائے۔ تمام احکام کو بجا لایا جائے مگر فرائض۔ واجبات کو تو کوئی پوچھتا نہیں اور یہ کس دن منا کر پوری کی جاتی ہے۔ فرمایا آج کے دن کا فرما سے دین سے مایوس ہو چکے ہیں فَلَا تَحْشَوْهُمْ پس اُن سے مست ڈرو۔ اُن کی کمر لٹ چکی ہے، وہ اب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ لہذا اُن سے ڈرنے کی بجائے وَاحْشَوْنِی مجھ سے ڈرو کہ میری نافرمانی نہ ہو جائے۔ اہل ایمان کو ترغیب دی گئی ہے کہ اپنے دین پر قائم رہو اور اس کے پروگرام کو بلا خوف و خطر دوسروں تک پہنچاؤ ایسے جی سرور میں ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ پورے اطمینان کے ساتھ اپنے دین پر عمل پیرا ہو اور اس سلسلے میں غیار کی کسی بات کو خاطر میں نہ لائے۔ وہ لوگ بے شک آپ پر طعن و ملاست کریں گے، شکوک و شبہات کا اظہار کریں گے، طرح طرح کے اعتراضات اٹھائیں گے، مگر اُن کی کچھ پروا نہ کریں اور اپنے دین پر ڈٹ رہو۔ اُن کی تو ہمیشہ سے یہی خواہش رہی ہے کہ اسلام کو غلبہ حاصل نہ ہو۔ یہود و نصاریٰ کے متعلق تو واضح طور پر آچکا ہے کُنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ کہ وہ تم پر برز راضی نہ ہوں گے جب تک کہ آپ ان کی ملت کی پیروی نہ کریں۔ کافر بھی تمہیں پنا کر کفر کی طرف سے جانا چاہتے ہیں مگر تمہیں عبرت کے ساتھ اپنے دین پر عمل کرنا ہو گا۔ آپ سنت کی بجائے بدعت کو

دن پانچ
ساتھ ہی

اختیار نہ کریں، فضول رسومات محض اختیار کی دیکھا دیکھی اختیار نہ کریں، یہ نہ سوچیں کہ اللہ کے احکام پر عمل کرنے سے وہ کیا کہیں گے، ان کا خوف بل سے نکال دیں، بلکہ میرے احکام کی عدولی سے ڈریں۔

اہل ایمان میں یہ کمزوری پیدا ہو چکی ہے کہ وہ دنیا کے لوگوں سے ڈرتے ہیں کہ فلاں کام اسلام کے مطابق شروع کر دیا تو مستحق قویں کیا کہیں گی کہ نبیوں نے چودہ صدیاں پرانا نظام اپنایا ہے۔ اسلامی قانون کے نفاذ میں ہی چیز حاصل ہے۔ جو ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا، وہاں اسلامی قانون اس لیے نافذ نہیں ہو رہا کہ یورپ اور امریکہ نے اسے پسند نہیں کرتے اسلام کے نظام عدل کی بجائے انگریزوں کا قانون نافذ ہے۔ کیا انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ کوئی حضرات اپنے حق کے دعویٰ کے لیے ہزاروں روپے کے سمٹپ لگائے تو پھر اس کا دعویٰ سماعت کے لیے مستجول ہو گا۔ اس قسم کی بے شمار کاوٹیں انگریزی قانون میں موجود ہیں جو حصول انصاف کے راستے میں حائل ہیں۔ اس کے باوجود تمام مشرقی اسلامی ممالک ہر کام کے لیے مغربی ممالک کی طرف رخ کرتے ہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ خدا کے دین پر کیسے عمل درآمد ہو گا۔ ہر تہ دین کے دشمنوں کی طعن سے ڈر کر اسلامی قانون کو نافذ کرنے کے لیے تیار نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اُن سے مت ڈرو، بلکہ مجھ سے ڈرو کہ اسی میں تمہارے لیے دنیا کی کامیابی اور آخرت کی فلاح ہے۔

فَرَأَى النَّبِيُّمُ اكْمَلَتْ لَكُمْو دِينَكُمْو آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے۔ دین کی تحریک حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی تھی۔ تمام انبیاء پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی رہی مگر کسی نبی پر تکمیل دین کا اعلان نہیں ہوا۔ اب اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی پر تمام احکام قطعی طور پر نازل فرمادیے ہیں اور تکمیل دین کا اعلان کر دیا ہے۔ دین کے تمام اصول اور فرائض مکمل ہو چکے ہیں۔ اب قیامت تک کوئی نیا اصول یا فرض نہیں آئیگا۔

تکمیل دین

تکمیل دین کا یہی معنی ہے۔ البتہ فروعات میں بعض چیزیں قرآن پاک میں آئی ہیں اور بعض چیزیں پیغمبر علیہ السلام کے سپرد کردی گئی ہیں کہ آپ ان کی وضاحت فرمادیں۔ چنانچہ حضرت مولانا گنگوہی فرماتے ہیں کہ جو چیز صحیح حدیث سے صحیح سند کے ساتھ صحیح طریقے سے ثابت ہے، وہ قرآن پاک کی شرح ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے *والسنة تفسیر القرآن وتعبیرہ یعنی سنت رسول قرآن پاک کی تفسیر اور تعبیر ہے*۔ اور بعض مقامات پر صرف اصول بیان کر دیے گئے ہیں جن کی جزئیات غیر محصور ہوتی ہیں۔ سننے سنان پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ جن کے حل مجتہدین کرام اصول کی روشنی میں پیش کرتے ہیں سورۃ نسا میں *يَسْتَبْطِنُونَ* کا لفظ آچکا ہے۔ مسائل کا استنباط کرنا مجتہدین کا کام ہے لہذا مجتہدین کا اتباع قرآن پاک ہی کا اتباع ہے کیونکہ مجتہد اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتا بلکہ وہ صرف قرآن و سنت کے احکام کو ظاہر کرتا ہے، اسی لیے مجتہدین کے اجتہاد کو مظهر کہتے ہیں اور یہ چیز بھی تکمیل دین میں شامل ہے۔

تمام نعمت

فرمایا ایک تو دین کو مکمل کر دیا اور دوسرے *وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ* *نَفْسِي* میں نے اپنی نعمت تم پر پوری کر دی یعنی دین کے تمام کے تمام احکام مضبوط اور فرائض وغیرہ بیان کر دیے ہیں۔ اب کسی چیز کی کمی باقی نہیں رہی۔ اور نعمت کا معنی عظیم بھی ہے یعنی اسلام اور مسلمانوں کا غلبہ بھی عطا کر دیا ہے۔ *لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ* تاکہ یہ دین تمام ادیانِ عالم پر غالب آجائے۔ چنانچہ نزولِ قرآن سے لے کر دائیہ صفین تک پچاس سال کے عرصہ میں اسلام اوصی دنیا پر چھا چکا تھا اور باقی نصف دنیا میں کوئی قوم سیاسی طور پر مسلمانوں کے مقابل نہ رہی تھی۔ یہی تمام نعمت ہے۔ سورۃ نور میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد موجود ہے۔ *يُغَبِّدُ وَنَسِي لَا يُشْرِكُونَ* بے شینا جب تک لوگ میری خاص عبادت کرتے رہیں گے اور میرے ساتھ شرک نہیں کریں گے، ان کو ہمیشہ غلبہ حاصل رہیگا۔ اور جب اس معاملہ میں کوتاہی آجائے تو سارا معاملہ ہی درہم برہم

ہو جائیگا۔ چنانچہ مسلمانوں کے آپس کے لڑائی جھگڑے کی وجہ سے ان کی ہوا کھڑ
 گئی اور خلافتِ اسلامیہ کو ملکیت میں تبدیل کر دیا گیا۔ چودہری افضل حق مرحوم
 نے اپنی کتاب میں بڑا عجیب فقرہ لکھا ہے کہتے ہیں کہ افسوس کا مقام ہے
 کہ اسلام کے تختہ شاہی کی بجائے ملکیت کا ٹاٹ بچھا دیا گیا۔ شوریٰ والی خلافت
 ختم ہو گئی اور وہی ملکیت آگئی جسے خود اسلام ختم کرنا چاہتا ہے۔ اب بادشاہ
 اور ڈکٹیٹر بن گئے اور اپنی من مانی کاڑوائیاں کرنے لگے۔ بیت المال کو ذاتی جاگیر
 سمجھ کر بے دریغ خرچ کرنے لگے۔ کچھ اپنے عیش و راحت پر خرچ کیا، کچھ
 دوست و حواریوں میں تقسیم کر دیا۔ اللہ نے فرمایا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ
 هُمُ الْفَاسِقُونَ جس نے کفرانِ نعمت کیا، تو پھر اللہ تعالیٰ ظالموں کو
 معاف نہیں کرے گا۔ اور پھر ایسا ہو گا، دین میں بگاڑ آئیگا، شکست اور غلامی کا
 دور دورہ ہو گا۔ چنانچہ مسلمانوں کا یہ ابتلا شروع ہو چکا ہے۔ تاتاریوں کے دور سے
 لے کر جب قدم پھیلا ہے تو پھر سنبھل نہیں سکا۔ اب قربِ قیامت میں مسیح
 عیسیٰ السلام کے نزول پر دوبارہ قدم جمنے کی امید کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ فرمایا میں نے
 تم پر دین کو مکمل کیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی وَمِنْ حُضْنَتِكَ لَكُمْ
 الْإِسْلَامُ دین اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا۔ دوسرے
 مقام پر موجود ہے ”أَنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ“ اللہ تعالیٰ کے
 نزدیک دین صرف اسلام ہے اور یہی اس نے تمہارے لیے پسند فرمایا ہے
 سارے نبیوں کا دین اسلام ہی رہا ہے۔

خطاری
حالت

اسی آیت کے پہلے حصے میں حلت و حرمت کا قانون بیان ہوا تھا اور
 بعض علم جانوروں کی تفصیل بتائی گئی تھی۔ اب اسی سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے
 ارشاد ہے فَمَنْ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ جَوْكُوْنِيْ بِجَوْكُوْنِيْ وَجَرَّ مِنْهُ
 بَشْرًا يَّكْفُ عَنَّا مَتَجَانَفًا لَّا تُجْنَمُ غَنَاهُ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو۔ اس کو
 اجازت ہے کہ وہ اللہ کی عطا کردہ اشیاء میں سے بقدر ضرورت کھا پی سکتا

ہے مطلب یہ کہ جان بچانے کے لیے اگر مردار، خنزیر یا شراب ہی میسر ہے تو پھر اسکی کم از کم مقدار استعمال کر سکتا ہے۔ یعنی اگر ایک پاؤ چیز سے جان بچ سکتی ہے تو پھر ایک سیر استعمال نہیں کر سکتا۔ یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔

برخلاف اس کے امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی گناہ کے کام کی وجہ سے مضطر ہو جائے ہوئے کھانے کی بالکل اجازت نہیں۔ ہاں اگر کسی جان کا کام یا سفر پر اضطراری حالت پیدا ہوگئی تو ضرورت کے مطابق کھا سکتا ہے۔

مثال کے طور پر اگر کوئی شخص چوری یا ڈاکہ کی نیت سے گیا ہے اور اسے اضطراری حالت پیدا ہوگئی ہے۔ تو امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک نہ وہ نماز قصر کر سکتا ہے اور نہ حرام چیز کھا پی سکتا ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ بیشک وہ گناہ کے کام پر نکلا ہے۔ مگر وہ شرعی سفر میں نماز بھی قصر کرے گا اور اضطراری حالت میں حرام اشیا بھی استعمال کر سکتا ہے۔ البتہ جس جرم کی نیت سے کوئی نکلا ہے، وہ اس کے لیے علیحدہ قابلِ مواخذہ اور قابلِ سزا ہوگا۔ فرمایا اضطراری حالت میں یہ رخصت دے دی گئی ہے۔ اور اگر کوئی شخص گناہ کی طرف مائل ہوئے بغیر حرام چیز استعمال کرے گا فَإِنَّ اللَّهَ عَفْوٌ رَحِيمٌ۔

تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے وہ چھوٹی موٹی لغزش کو معاف فرما دیگا۔

آہم قانون اور ضابطہ کی وضاحت فرمادی کہ یہ چیزیں حلال ہیں اور فلال حرام ہیں۔

لا یحبہ اللہ
ویرثہ ۶

المائدہ ۵
آیت ۴

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمْ
الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ
تَعْلَمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ فَكُلُوا مِمَّا أَمَرَ
عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ
إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ④

ترجمہ: لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا چیز حلال
قرآن دی گئی آپ کہہ دیجئے کہ حلال قرآن دی گئی ہیں تمہارے لیے پاکیزہ
چیزیں۔ اور جو کھانا تم نے تنکاری جانوروں کو کہ تم ان کو چھوڑتے ہو شہر
پہ تم ان کو سکھاتے ہو وہ چیز جو اللہ نے تم کو سکھائی ہے۔ پس کھاؤ جو
لوگوں کو کھانے کے لیے۔ اور اس پر اللہ کا نام لو۔ اور اللہ سے ڈرو۔

بیشک اللہ تعالیٰ جب حساب لینے والا ہے ④

بہائیت پہلے اللہ تعالیٰ نے ملت و جماعت کا قانون بیان فرمایا اور واضح کیا کہ تمام کردہ
چیزیں ان کے لیے جہانی یا روحانی طور پر خیر ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دین اور شریعت کی
تکمیل کا احاطہ فرمایا جو کہ قیامت تک کے لیے قابل عمل ہے۔ اللہ علی شانہ تمام نعمت
کا ذکر بھی کیا کہ اُس نے دین کے تمام فرائض اور قوانین پوسے کر دیے ہیں۔ نیز یہ کہ مسلمانوں کو
سیاہی طور پر نہی دنیا میں غلبہ حاصل ہو گیا ہے۔ پھر حلقہ حرمت کے قانون میں ہی فرمایا کہ
اُس نے اپنی کمال مہربانی سے انظار کی حالت میں حرام چیزوں کے استعمال کی اجازت بھی دے
دی ہے۔ گویا مجبوری کی حالت میں جان بچانے کے لیے اگر ممنوع چیز بھی کھا لی جائے تو

کوئی عرج نہیں، ہم اس اجازت کو دوشرا لٹ کے ساتھ مشروط کر دیا کہ ایسا شخص نہ تو دم سے بڑھنے والا ہو اور نہ لذت کا طالب ہو بلکہ محبوبک پیاس مے جان بچانا مقصود ہو۔

ابتداء سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کی ملت کے متعلق فرمایا
 اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْاَنْعَامِ یعنی تمہارے لیے موسیٰ حلال قرار
 دیے گئے ہیں۔ بشرطیکہ ان کو صحیح طریقے سے ذبح کیا جائے اِلَّا مَا ذَكَّيْنَكُمْ
 کا ذکر بھی پہلے گزر چکا ہے مگر شکار کا مسئلہ ابھی تک حل طلب تھا جس کے
 متعلق صحابہ کرام میں کئی سوال پیدا ہوتے تھے چنانچہ حضرت ابو عبد اللہ رضی اللہ عنہ
 بن حاتم طائیؓ نے شکار سے متعلق حضور علیہ السلام سے دریافت کیا جس کے
 جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر شکار کی حلت و حرمت
 کا مسئلہ بھی بیان فرمادیا۔ یاد رہے کہ حاتم طائیؓ بڑا مشہور و معروف آدمی گذرا
 ہے، اس کی موت تو میانیت پہ آئی، تاہم اُس کے بیٹے عدیؓ اور بیٹی
 کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت نصیب فرمائی، ان کی روایت میں آتا ہے
 کہ انہوں نے خود یہ مسئلہ حضور علیہ السلام سے دریافت کیا تھا۔

شکر کا مسئلہ بیان کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ چیزوں کی حلت
کو قانون تبدیل کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے یَسْئَلُونَكَ مَاذَا أَحَلَّ لَنَا
لَوْ كُنَّا فِي الْأَرْضِ نَكْنُزًا قُلْ أَحَلَّ اللَّهُ الْطَيِّبَاتِ وَأَحْضَرْتُ لَكُمْ
الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ۔ اہم البوکرہ ج ۱ ص ۱۲۱ میں کہ طیبات میں دو انواع کی اشیاء
آتتی ہیں۔ پاکیزہ اشیاء کی پہلی قسم وہ ہے جو محرمات کے مقابلے میں آتی ہے
یعنی کتاب اللہ، سنت رسول اللہ یا اجماع امت نے جن چیزوں کو حرام
قرار دیا ہے، ان کے علاوہ باقی تمام چیزیں حلال ہیں اور وہ طیبات میں
آتتی ہیں طیبات کی دوسری قسم میں وہ چیزیں آتی ہیں جو انسانی فطرت اور

مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ قَوْمَ انْ كُوسْكُھَا تے ہو وہ چیز جو اللہ نے تمہیں سکھائی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ تمہارے لیے ان شکاری جانوروں کا شکار حلال ہے جنہیں تم شکار پر بھیجنے سے پہلے ذیہ تربیت سکتے ہو۔ جب وہ اچھی طرح تربیت یافتہ ہو جائیں تو پھر ان کا کیا برا شکار تمہارے لیے جائز ہے۔ چنانچہ فرمایا فَكُونُوا مِنَ الْمُسْكِنِينَ عَلَيكُمْ پس کھاؤ جو وہ شکاری جانور تمہارے لیے روک رکھیں۔ مگر اس کے ساتھ یہ شرط ہے وَأَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيكُم لَ کہ اس شکار پر اللہ کا نام بھی لے لو۔ اب شکاری جانور جو شکار پر لڑ کر لائے گا۔ وہ تمہارے لیے حلال ہے۔

شکار عموماً دو قسم کے جانور سے ہوتا ہے یعنی درندہ شکاری جانور اور پرندہ شکاری جانور۔ درندوں میں عام طور پر کتے کے ذریعے شکار کیا جاتا ہے جسے اس مقصد کے لیے خصوصی تربیت دی جاتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے إِذَا أُرْسِلَتْ كَلْبُكَ الْمُعْلَمُ جَبْتُمْ لَيْلَةً مَلَكُ ہوئے کتے کو شکار کے لیے بھیجو وَأَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيكُم تو اس پر اللہ کا نام لے لیا کرو۔ اگر شکاری جانور چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھ دیا تو جو شکار وہ پکڑ کر لائے گا وہ تمہارے لیے حلال ہوگا۔ اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ اگر شکار تمہارے پاس زندہ پہنچ گیا ہے تو اسے شرعی طریقے سے ذبح کر لو اور اگر راستے میں مر گیا ہے، تو بھی وہ تمہارے لیے جائز ہے، تم اُسے کھا سکتے ہو۔ البتہ اس میں ایک ضروری شرط یہ ہے کہ شکاری جانور نے شکار میں سے خود کچھ نہ کھایا ہو۔ اگر شکاری جانور نے شکار کا کچھ حصہ خود کھا لیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شکار اُس نے خود اپنے لیے کیا ہے، نہ کہ تمہارے لیے۔ لہذا اس صورت میں یہ تمہارے لیے حلال نہیں ہے۔

شکاری جانور کتنے کے ضمن میں ایسی صورت بھی پیش آ سکتی ہے۔ کہ سہ صحابے ہوئے کتے کے ساتھ کوئی غیر تربیت یافتہ کتا بھی شامل ہو جائے۔

اور وہ غلو بہ شکار کو کٹھا شکار کریں۔ ایسی صورت میں کیا گیا شکار حلال نہیں ہوگا جبکہ یہ علم نہ ہو سکے کہ کون سے کتے نے درحقیقت شکار کو پکڑا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ شکار غیر تربیت یافتہ کتے نے پکڑا ہو جس پر اللہ کا نام بھی نہیں لیا گیا، لہذا ایسا شکار حلال نہیں ہوگا۔

اہم البصیغۃ جوارح کے لفظ سے یہ مسئلہ بھی نکالتے ہیں کہ شکاری کتے نے جس شکار کو پکڑا ہے اس کا زخمی ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر شکار زخمی نہیں ہوا تو پھر بھی وہ جائز نہیں ہوگا۔ بہر حال ان کے نزدیک شکار کے حلال ہونے کے لیے ضروری ہے کہ کتا تربیت یافتہ ہو، اُسے چھوٹے وقت بسم اللہ پڑھی جائے، شکاری جانور شکار میں سے خود کچھ نہ کھائے اور شکار زخمی بھی ہو۔ اگر شکار ان شرائط کے ساتھ ہوا ہے تو حلال ہوگا، ورنہ نہیں۔

پرنده شکاری جانور ہذا یا شکار وغیرہ ہوتے ہیں جن کے ذریعے لوگ سمونا پندوں کا شکار کرتے ہیں۔ ایسے شکار کے لیے بھی ضروری ہے کہ شکاری پرنده تربیت یافتہ ہو اور اُسے شکار پر چھوٹے ہوئے بسم اللہ پڑھی جائے۔ شکاری پرنده کی تربیت کی تکمیل کا اندازہ اس بات سے لگایا جائے گا کہ اُسے شکار کے لیے چھوڑنے کے بعد اگر وہ واپس بلایا جائے تو وہ فوراً واپس آجائے۔ اگر اُس میں یہ خاصیت پیدا نہیں ہوئی تو وہ پرنده تربیت یافتہ شمار نہیں ہوگا اور نہ اُس کا شکار کردہ پرنده جائز ہوگا۔ اہم ترمذی فرماتے ہیں کہ پرنده شکاری جانور کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ شکار میں سے خود کچھ نہ کھائے۔ اگر شکاری جانور نے شکار میں سے خود بھی کچھ کھا لیا ہے تب بھی وہ مالک کے لیے حلال ہوگا۔ بہر حال اگر شکار زندہ مل گیا ہے تو اُسے ذبح کیا جائیگا۔ ورنہ وہ میسے ہی حلال ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے شکار کے حدود و شرائط بیان کئے ہیں کے بعد فرمایا **وَاتَّقُوا اللَّهَ** اللہ سے ڈرتے رہو، اُس کے قانون پر عمل کرو

پرنده شکاری
کا شکار

قانون کی
پابندی

اس کی خلافت ورزی نہ کرو، ورنہ دنیا و آخرت ہر دو مقامات پر نقصان اٹھاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ طرزِ تمنا خوب ہے کہ جہاں بھی قوانین و شریع بیان کیے جاتے ہیں اس کے ساتھ یا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ یا اقصیٰ اختیار کرنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ یہاں بھی فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اس کے قوانین کی خلافت ورزی نہ کرو کیونکہ اِنَّ اللہَ سَبَّحَ نِیْعَ الْجَسَابِ وہ ملک جلد حساب لینے والا ہے۔ وہ تمہارے ہر فعل کا مہیہ کرے گا اور اگر اس کے کسی قانون کی خلافت ورزی پائی گئی، تو پھر ایسا کر لے گا۔ اسکی گرفت سے بچ نہیں سکیں گے وہ پورا پورا حساب لے گا اور سزا دیگا۔

لا یحب اللہ
ورس ہفتہ

الحمد۵
آیت۵

الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا
الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَهُمْ
وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ
أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ
مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفَحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ
وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ
فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝

ترجمہ: آج حلال قرار دی گئی ہیں تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں اور
علم من لوگوں کا جن کو کتاب دی گئی تمہارے لیے حلال قرار دیا گیا ہے اور
تمہارے علم من کے لیے حلال ہے۔ اور پاکیزہ عورتیں ایمان والیوں میں
سے اور پاکیزہ عورتیں ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی تھی تم سے
پیسے، وہ بھی تمہارے لیے حلال قرار دی گئی ہیں جب کہ تم ان کو ان
کے مرد لئے دو اس حال میں کہ تم قید نکاح میں لانے والے ہو
نہ صرف ہستی تمہارے لئے اور نہ پوشیدہ طور پر دوستی کرنے والے اور
جو شخص کفر کرے گا ایمان کے ساتھ پس بیشک اس کا عمل ضائع ہوگا
اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا ۝

گذشتہ دروس میں اہل ایمان کے لیے حرام شدہ اشیاء کا ذکر ہوا۔۔۔ پھر اللہ تعالیٰ
نے تکمیل دیں اور تمام نعمت کا مشرکہ بنایا۔ اس کے ساتھ اپنی خاص مہربانی کا ذکر فرمایا

رہطیات

جس کے تحت اُس نے حالتِ خطراری میں حرام چیزوں کو بھی بقدر ضرورت ستموں
کرنیکی اجازت مرحمت فرمائی۔ اللہ نے پاکیزہ چیزوں کی حدت کا حکم دیا، اور شکار
سے متعلق جو سوالات تھے اُن کا جواب دیا، اور واضح کیا کہ مقررہ شرائط کے تحت
کیا گیا شکار تمہارے لیے حلال ہوگا۔

اب آج کے درس میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بطور ضابطہ
اور قانون ارشاد فرمایا ہے۔ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمْ الطَّيْبَاتُ اَجْزَاءً
پاکیزہ چیزیں حلال قرار دے دی گئی ہیں۔ اَلْيَوْمَ سے مراد نزولِ آیت کا دن
اور اس کے مابعد کا زمانہ ہے۔ گزشتہ درس میں لوگوں نے سوال کیا تھا: مَاذَا
اُحِلَّ لَهُمْ؟ کہ اُن کے لیے کون سی چیزیں حلال ہیں تو اللہ نے فرمایا
تھا کہ تمہارے لیے تمام پاکیزہ اشیاء اور مقررہ شرائط کے ساتھ کیا گیا شکار حلال
ہے۔ اس درس میں اُسی چیز کو دوبارہ لایا ہے کہ سب پاکیزہ اشیاء حلال ہیں۔
البتہ حرام وہ چیزیں ہیں جن میں کوئی نہ کوئی ظاہری یا باطنی خباثت پائی جاتی ہے
البتہ طیب کے دائرہ بہت وسیع ہے۔ محرمات کو چھوڑ کر باقی سب
پاک چیزیں حلال قرار دے دی گئی ہیں۔

طیبات میں دو قسم کی پاکیزہ چیزیں شامل ہیں ایک قسم تو ان چیزوں
کی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے محرمات کے مقابلے میں صراحۃً حلال فرمایا ہے
اور دوسری قسم کی طیبات وہ اشیاء ہیں جن میں کسی قسم کی خباثت یا نجاست
موجود نہ ہو، سورۃ بقرہ میں حلال اور طیب دونوں الفاظ اکٹھے استعمال ہوئے
ہیں: كُلُوا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا زمین میں سے حلال
اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ۔ لفظ بہ تو بہرِ حلال چیز پاکیزہ ہی ہوگی مگر اس میں بھی ایک
درجے کا فرق ہے۔ بعض چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے، مگر وہ
اپنی اندرونی خباثت کی بنا پر ایک مسلمان کے لیے روا نہیں ہوتیں مثلاً ایک
شخص نے اپنی بکری کو شرعی طریقے سے ذبح کیا ہے، اب اُس کے لیے

تو یہ قطعاً حلال ہے ہرگز جو شخص وہی گوشت چوری کر کے لے جائے۔ اُس کے لیے وہ طیب چیز بھی سرم ہو جائیگی کیونکہ اس میں غیر کا حق غصب کیا گیا ہے اور کتاب سہرہ کی وجہ سے اس میں باطنی جہالت پیدا ہو گئی ہے۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے ناجائز طریقے سے بھل کی گئی ہر قسم کی چیز حرام ہوگی۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اسے حلال قرار دے رکھا ہو۔ بعض اوقات سامن یا کوئی دوسری چیز بھی ہو جاتی ہے، اُس سے بدلہ آنے لگتی ہے۔ اگرچہ ایسی چیز فی انفسہ حلال ہوتی ہے مگر اپنے اندر پیدا شدہ خرابی کی بنا پر مکر وہ تحریمی میں داخل ہو جاتی گویا حلال اور طیب میں یہ خفیف سافرق ہے۔

فرمایا تمام پاکیزہ چیزیں حلال ہیں اور ان کے علاوہ وَطَعَامُ الْإِنْسَانِ اَوْ قَسَا الْكُتُبِ حِلٌّ لَّكُمْ اَبَلْ كِتَابِ کما طعام بھی تمہارے لیے حلال کیا گیا ہے۔ سہی بکھراؤ اور مفسرین عظام سے مستقول ہے کہ یہاں پر طعام سے مراد عام کھانا نہیں۔ کیونکہ عام کھانا تو غیر مل کے ہاتھ کا بھی جائز ہے، اس میں اہل کتاب کی تخفیف کی کوئی ضرورت نہیں۔ چنانچہ یہاں پر طعام سے مراد ذبیحہ ہے۔ یعنی اہل کتاب کا ذبیحہ جانور یعنی اہل ایمان پر حلال ہے بشرطیکہ ذبح کرتے وقت اُس پر لکھوا جائے کہ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ الذِّکْرَ وَالْاِسْمَ الْعَلِیَّ ذِکْرَ قَانُونِ بِنَادِی قَانُونِ ہے۔ اور اگر اہل کتاب نے بوقت ذبح حضرت مسیح علیہ السلام یا عیسیٰ علیہ السلام یا کسی نبی غیر لکھوا جائے تو ایسا ذبیحہ حرام ہوگا۔

اہل کتاب ہی سے متعلق ایک مزید شریعت ہے کہ ذبح کرنیوالا شخص یا تو نسلی طور پر یہودی یا عیسائی ہو یا وہ کسی دوسرے مذہب ہندو، سکھ وغیرہ سے عیسائی یا یہودی ہو جو۔ البتہ اگر ذبح کرنے والا شخص اسلام کو ترک کر کے یونانی یا عیسائی بنو اسے تو وہ مرتد شمار ہوگا اور مرتد کا ذبیحہ حلال نہیں ہو سکتا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر محمد عثمانی نے بھی اس آیت میں طعام سے مراد ذبیحہ یا ہے بشرطیکہ وہ کسی مرتد شدہ کتابی کا ذبیحہ نہ ہو۔

اہل کتاب کا ذبیحہ

اہل کتاب کے ذبیحہ کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایک اور خصوصیت بھی دی ہے کہ اُن کی عورتوں سے اہل یان کا نکاح بھی حرام ہے۔ چنانچہ آیت کے گہے حصے میں ارشاد ہے وَالَّذِينَ آمَنُوا أَفْلَأَنتُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ اَلَّذِينَ آمَنُوا أَفَلَا تَعْقِلُونَ کی پاکدامن عورتیں بھی تم پر تلازل ہیں جنہیں تم سے اپنے کتاب دی گئی بل کتاب میں زور و زنا رمی دونوں گمراہ شامل ہیں۔ البتہ شرک و عورت سے ومن کا نکاح جائز نہیں یہاں کہ سورۃ بقرہ میں صریح حکم موجود ہے وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُوَفَّىٰ عَنْهُمْ مَّا وَعَدُوا یعنی مشرک عورتوں سے نہ کر دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں حضرت عمرؓ کا قول بھی ہے کہ ایک مسلمان یہودیہ یا نصرانیہ سے نکاح کر سکتا ہے مگر کوئی یہودی یا نصرانی مسلمان عورت کو نکاح میں نہیں لے سکتا۔

بعض معترضین اعتراض کرتے ہیں کہ ایک وسیع ترجمہ سبب ہوتے کے باوجود اسلام نے اہل کتاب سے نکاح کے ضمن میں عہدہ راستہ اختیار کیا ہے۔ اگر مؤمن آدمی کتابیہ سے نکاح کرے گا تب تو کتابی کوئی عہدہ عورت سے کیوں نہیں کر سکتا۔ اس ضمن میں جہرین یہودی یہودیہ کا واقعہ کوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دولت ایمان نصیب فرمائی اور کلمہ نام رکھا۔ پھر آپکا مسلمان ہے اور ابھی تک زندہ ہے، بہت بڑے مصلحت بھی ہے۔ اس نے اپنی جنگ عظیم کے بعد کا خود اپنا واقعہ نقل کیا ہے کہ رد فلسطین در شام کے علاقوں میں یہ سفر کر رہا تھا۔ وہاں خبر اس ایک ہوشیار چم غفرانہ ناصر یہ کر لیا اور اسے بھی کھانے کی دعوت دی افضل یعنی تم بھی کھاؤ۔ محمدؐ خود بیان کرتا ہے کہ میں نے کھانے میں شریک ہونے سے بھی بچ کر بہت ظاہر کی مگر اس نے کہا کہ جی نہیں میری طرح مسافر ہو، کھانا کھانے میں کیا حرج ہے۔ الغرض اس نے ایک

روٹی مجھے دی اور ایک خود اور ہم نے کھا، شروع کر دیا کہ کتاب ہے کہ پہلے تو میں اُس بدو مسلمان کی سادہ معاشرت اور بے تکلفی سے متاثر ہوا، پھر دوران گفتگو میں نے اُس سے سوال کیا کہ جب ایک مسلمان کتابی عورت سے شادی کر سکتا ہے تو کتابی مرد کسی مسلمان عورت سے نکاح کیوں نہیں کر سکتا۔ وہ دنیاوی آدمی اسلام کا گہرا شعور رکھتا تھا، کہنے لگا اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل اسلام اللہ کے تمام نبیوں حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی اُسی طرح ایمان رکھتے ہیں جس طرح وہ نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کی اُسی طرح تعظیم و تکریم کرتے ہیں جس طرح اپنے نبی کی۔ چنانچہ جب یہودیہ یا نصرانیہ عورت مسلمان کے گھر میں آئیگی تو وہ وہاں اپنے نبی کی تعظیم و تکریم ہی پائیگی اور اُسے کسی قسم کی ذہنی کوفت نہیں ہوگی۔ برخلاف اس کے یہودی نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں اور نہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ اسی طرح عیسائی نبی آخر الزمان پر ایمان نہیں رکھتے۔ لہذا جب مسلمان عورت یہودیہ یا عیسائی کے گھر میں جائے گی تو وہ ہر وقت ذہنی کوفت میں مبتلا رہیگی کیونکہ اُس کے سامنے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی بجائے توہین کی جائیگی، چنانچہ مسلمان عورت کے لیے کتابی مرد کے نکاح میں جانا جائز قرار نہیں دیا گیا۔

موجودہ زمانے
کے نصاریٰ

یہ بات قابل ذکر ہے کہ موجودہ زمانے کے نصاریٰ برائے نام نصاریٰ ہیں۔ ان کی اکثریت نہ کسی مذہب کی قائل ہے۔ نہ آسمانی کتاب کی اور نہ اللہ تعالیٰ کی نیر و ہدایت کے لوگ ہیں۔ لہذا یہ صحیح معنوں میں اہل کتاب کی تعریف میں نہیں آتے۔ اسی لیے نہ تو ان کا ذبیحہ مسلمانوں کے لیے حلال ہے اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ اہل اسلام کو اس معاملہ میں محتاط رہنا چاہیئے ہاں اگر یسوع جو جائے کہ کوئی شخص واقعی کتابی ہے، اُس کا توہین یا انجیل نہ ایمان ہے تو اُس کی دونوں چیزیں اہل اسلام کے لیے روا ہیں۔ حضرت

مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ نے بھی بیان القرآن میں یہی لکھا ہے کہ موجودہ زمانے کے نصاریٰ کا کچھ اعتبار نہیں کیونکہ یہ اہل کتاب نہیں بلکہ ملحد ہیں۔ حضرت مولانا شیخ الحدادؒ نے بھی سورۃ بقرہ کی تفسیر میں یہی بات لکھی ہے جب وہ مالٹا میں انگریزوں کے قیدی تھے تو انہوں نے عیسائیوں کا ذبیحہ کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ انہوں نے زندہ جانور کا مطالبہ کیا تاکہ وہ خود ذبح کر کے کھا سکیں۔ پانچ چھ ماہ تک معاملہ ٹکٹا رہا، آخر برطانوی حکومت کو آپ کا مطالبہ تسلیم کرنا پڑا۔ مقصد یہ ہے کہ آپ نے عملی طور پر ثابت کر دیا کہ ان عیسائیوں کا ذبیحہ مسلمانوں کے لیے حلال نہیں ہے۔

پٹے فرمایا کہ تمہارے لیے اہل کتاب کا طعم (ذبیحہ) حلال ہے، اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: وَطَعًا مِّنْكُمْ حِلًّا لَّهُمْ یعنی تمہارا طعام ان کے لیے حلال ہے، تمہارا طعام تو میرے ہی پاک ہے، تم حرام سے بچتے ہو، پاکیزہ چیزوں کو اختیار کرتے ہو اور اللہ کا نام لے کر ذبح کرتے ہو، لہذا اس کی حلت بیان کرنے کا کیا مستند ہو سکتا ہے؟ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ترمذی شریف میں موجود ہے: كَذَٰلِكَ صَفَا مَلَكٌ إِلَّا لَفِئَةً یعنی تمہارا کھانا صرف متقی لوگ ہی کھائیں، کیونکہ اگر تم نے فاسق فاجر کو کھانا کھلایا اور اس نے گناہ کا ارتکاب کیا تو اس گناہ میں تمہارا حصہ بھی شامل ہوگا۔ برخلاف اس کے اگر تمہارا کھانا متقی اور نیک لوگ کھائیں گے، پھر وہ اللہ کی اطاعت کریں گے اور اس کی عبادت کریں گے تو اس نیکی سے تمہیں بھی فائدہ حاصل ہوگا۔

حضور علیہ السلام کے اس فرمان کے پیش نظر مناسب تو یہ تھا کہ اہل کتاب کو کھانا نہ کھلایا جائے مگر اللہ تعالیٰ اسے حلال قرار دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری محبت کا کھانا صرف متقی لوگ کھائیں۔ تم محبت کے ساتھ کسی کی دعوت کرتے تو اپنے نیک، دیندار اور متقی لوگوں کی کیا کرو۔ مگر اگر غیر مسلم مجبور ہو گیا ہے، مجھوک سے مراد ہے تو پھر حسب ضرورت

کتابی کے
سیٹے پاکیزہ
کھانا

اُس کو بھی کھلا سیکتے ہو، مگر نصوص و محبت کو، دعوتِ مومن کے لیے ہی ہوتی چاہیے۔
 اس کے بعد فرمایا وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ پاکدامن مومن عورتیں
 بھی تمہارے لیے حلال ہیں۔ محصنہ سے مراد کبھی خاوند والی عورت ہوتی ہے، اور
 کبھی پاکدامن۔ یہاں سخت شاعر عورت مراد ہے جو کہ بیکار نہ ہو، شرم و حیا دور
 پاکدامنی ہی کسی عورت کا اصل زیور ہے۔ اس لیے ایک مومن کو ترغیب دی
 گئی ہے کہ نکاح کے معاملہ میں حسن و جمال یا مال و دولت پر پاکدامنی کو ترجیح دے
 جو عورت فسق و فجور میں مبتلا ہے۔ وہ پاکدامن نہیں ہو سکتی، اسی وجہ سے ہر وہ
 عورت نکاح کرنا درست نہیں۔ نظر ہمیشہ پاکدامنی پر ہونی چاہیے۔

پاکدامن
عورتوں سے
نکاح

کھانا اور نکاح دونوں انسان کی نوعی ضروریات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انکی
 حلت و عمرت کا قانون بتا دیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اہل کتاب کا
 کھانا بھی حلال قرار دیا ہے اور پیغمبرِ مومنہ پاکدامنہ اور اہل کتاب کی عورت سے
 نکاح کی اجازت بھی دی ہے اور نکاح کے معاملہ میں یہ شرط لگائی ہے
إِذَا اتَّخَذْتُمُوهُنَّ اُحْصُوا لهنَّ کہ جب تم ان کے معاہدہ کر لو۔ مُحْصِنَاتٍ
 نکاح میں لانے والے ہو یعنی تمہارا مقصد نکاح کر کے پوری ذمہ داری کا برجمو
 اٹھانا ہو، انسان نکاح کے ذریعے ایک بہت بڑا عہدہ کرتا ہے، ذمہ داری
 سر پر لیتا ہے، خاندان کی بنیاد ڈالتا ہے، فریض کی ادائیگی کا ذمہ لیتا ہے۔
 یہ سب کچھ محصنین میں شامل ہے۔ فرمایا یہی شرط ہے کہ تم ان کے معاہدہ
 ادا کر دو اور دوسری بات یہ کہ تم نکاح کرنے والے ہو غیور و مسطحین
 صرف مشورت رانی مقصود نہ ہو کیونکہ یہ چیز تو حیوانات میں بھی پائی جاتی ہے
 تاج سے تمہارا مقصود محض مستی نکالنا نہ ہو بلکہ تمام قانونی اور اخلاقی تقاضے
 پورے کرنا، مَوْفِقٌ مِّنْ حُدُودِ اللَّهِ اور نہ خفیہ طور پر دوسرے مقصود ہو
 مطلب یہ کہ تم نکاح کے ذریعے گھر آباد کرنا چاہتے ہو نہ کہ محض وقتی دوستی
 (FRIEND SHIP) کہ جب پابا کسی سے دوستی کر لی اور جب پابا اُس سے

دست بردار ہو گئے، فرمایا، ایسا نہیں ہونا چاہیے بلکہ اگر تمہارا مقصد نیک نیتی کے ساتھ نکاح کرنا ہے تو پھر تمہارے لیے پاکدامن مومنہ بھی حلال ہے اور اہل کتاب کی عورت بھی جائز ہے۔

مرتد کے
پلے وعید

فَرَّأَوْصَنَ بَيَّكَفَنَ بِأَذِيْعَمَانِ جَوَ كَرُئِيْ اِيْمَانِ كَا اِنْكَارِ كَرُئِيْ كَا۔ یعنی ایمان کو ترک کر کے مرتد ہو جانے کا فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ تَوَاسَّأَ اَعْمَالُ ضَالِّعِ ہو گیا۔ اُس نے ایمان کی حالت میں بھی جو نیکی کی تھی وہ بھی برباد ہو گئی وَهُوَ فِي الْاُخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ اور ایسا شخص آخرت میں سخت نقصان اٹھانے والا ہو گا۔ اہل ایمان اپنے ایمان اور نیک اعمال کا دفتر لے کر آئیں گے اور انہیں کاتبی حاصل ہوگی مگر مرتد کے پاس کچھ نہیں ہوگا۔ وہ خالی دامن اللہ کے حضور پیش ہوگا، اُس دن حقیقی نقصان زدہ مرتد آدمی ہوگا۔ جو بالکل خالی ہاتھ ہوگا۔

جب کوئی شخص اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جاتا ہے، تو پھر خواہ وہ یہودی کہلائے یا نصرانی، اس کا نہ تو ذبیحہ حلال ہوگا اور نہ اُن کی عورتوں سے نکاح درست ہوگا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے کتابی کے ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کو مباح قرار دیا ہے۔ تاہم احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اگر کوئی صحیح کتابی بھی ہو تو اس کے ساتھ ایسے مرسوم قائم نہیں کرنا چاہئیں حضرت حذیفہؓ نے یہودیہ سے نکاح کر لیا تو حضرت عمرؓ نے اُن کو ڈانٹ دیا تھا۔ عرض کیا، کیا اللہ تعالیٰ نے کتابیہ سے نکاح کی اجازت نہیں دی، فرمایا بیشک دی ہے مگر اس میں خطرہ ہے کہ کہیں مسلمان بدکار عورتوں کے دامن میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ تمہارے پاس یہی عورت کی عنصمت کا کیا ثبوت ہے۔ ہو سکتا ہے وہ بدکار ہو اور تمہارے اخلاق کو بھی تباہ کر کے رکھ دے۔ لہذا میں اسے پسند نہیں کرتا۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے اشارتاً یہ بھی بتلادیا کہ ایمان بہت بڑی دولت ہے۔ اسے ہمیشہ محفوظ رکھنے کی کوشش کرو کیونکہ نجات کا دار و مدار ایمان پر ہی ہے۔ دنیا میں نیکیاں وہی کام آئیں گی جو ایمان کے ساتھ مشروط ہوں

اور آخرت کی غلط کامیابی بھی ایمان پر ہی موقوف ہے۔ لہذا اس
دولت کو برباد ہونے سے بچانا ضروری ہے۔

لَا يَحِبُّ اللَّهُ
دوسری بشارت ۸

السامد
آیت ۲ و ص ۱۰۰

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا
وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ
وَأَجْلَسَكُمْ إِلَى الْكُفْيَيْنِ

ترجمہ :- اے ایمان والو! جب تم کھڑے ہو نماز کی طرف
پس وضو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک اور
سر کر اپنے سروں پر اور اپنے پاؤں کو بھی کھنوں تک وضو کر
گزشتہ دروس میں اللہ تعالیٰ نے علت و حرمت کا قانون بیان کیا
خصوصاً محرماتِ اکل و شرب کا ذکر کیا۔ اس کے ساتھ نکاح کے لیے پاکدامن
عورتوں کا بھی تذکرہ ہوا۔ ان دونوں چیزوں سے مقصود پاکیزگی کا حصول ہے
جب انسان محرماتِ اجتنب کرتے ہوئے پاکیزہ چیزیں کھائے گا تو اس کا پیٹ
پاک رہیگا۔ اور اگر نکاح کے سلسلے میں محرمات سے بچ گیا تو اسے باطنی طہارت
میل ہوگی اور اس کے اخلاق میں صفائی آگئی۔ اور اگر دونوں چیزوں میں محرمات کا
ارتکاب کریگا، تو اسے نجاست کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا جس فائدہ کھانے سے اس
کے بڑے اثرات پسے جسم پر ظاہر ہوں گے اور تمام اعضا حتیٰ کہ خون بھی پیدا
ہو جائیگا۔ اسی طرح نکاح کے معاملہ میں اگر مرد کو توڑے گا تو قلب اور روح پیدا
ہو جائیں گے۔ انسان کو باطنی طہارت عبادت کرنے سے بھی حاصل ہوتی ہے
مگر عبادت خصوصاً نماز بھی اس وقت تک ادا نہیں ہو سکتی جب تک وہ ہر قسم کی
ظاہری نجاست سے پاک نہ ہو۔ چنانچہ جنسی آدمی نماز ادا ہی نہیں کر سکتا۔ جب تک
وہ پاک صاف نہ ہو جائے۔ حیض و نفاس والی عورت نجاست کی وجہ سے نماز
ادا نہیں کر سکتی۔ اہل تہمتی نے حضور علیہ السلام کے اس فرمان کو سب سے پہلے بیان کیا ہے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبَلُ صَلٰوةَ بِغَيْرِ طَهْرٍ یعنی اللہ تعالیٰ صلات کے بغیر نماز کو قبول نہیں فرماتا۔ اور طہارت میں جسم لباس مکان اور غذا وغیرہ سب کی طہارت ضروری ہے۔ باطنی نجاست یعنی کھنر، شرک اہل نفاق وغیرہ سے پاک ہونا بھی ضروری ہے اس کے بغیر نماز یا دیگر عبادات سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ حضرت امیر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ چار بنیادی حقوق متام بنیاد کی شریعت میں پائے گئے ہیں اور یہی اخلاق باری شریعت میں بھی قیامت تک موجود رہیں گے۔ فرماتے ہیں ان میں سب سے پہلا غیر طہارت کہ ہے اس کے بعد انجاست یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے اظہار عاجزی ہے۔ تیسرا خلق سماحت ہے کہ انسان خمس اشیاء مثلاً خود غرضی اور دلچ وغیرہ سے بچتا ہے اور چوتھا خلق عدالت ہے۔ یعنی انسان عدل و انصاف کو قائم رکھے دروغہ و ریادتی کے قریب نہ جائے بہر حال شاد صاحب نے بھی طہارت کو پہلے نمبر پر رکھا ہے اور طہارت سے مراد ظاہری اور باطنی پاکیزگی ہے۔ جس کے بغیر نماز بھی اور انیس ہو سکتی۔ نماز اُم العبادات المقبولہ ہے۔ اللہ کے قریب کرنے والی عبادت کی بنیاد نماز ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں ہر قسم کی صحت کا ذکر فرمایا ہے حتیٰ کہ پیٹ کی طہارت اور عینے تاسیہ کی صحت کو بھی بیان فرمایا ہے۔ طہارت ہی کے ضمن میں عینہ صغوی اور طہارت کبریٰ غسل اور وضو کے مسائل بیان فرمائے ہیں اور پھر پانی کی عدم موجودگی میں اس کے نعم البدل تیمم کا قانون بھی بیان فرمایا ہے۔ بہر حال اللہ کے کچھ مسائل سورۃ نساء میں بیان ہوئے تھے۔ دراب انکی مزید تفصیل یہاں آ رہی ہے۔ چنانچہ آج کے درس میں سب سے پہلے وضو کا مسئلہ بیان ہو رہا ہے۔

بیشاکہ عرض کیا وضو کے بغیر انسان نماز اور انیس کر سکتا۔ اور نماز ہی انسان کی تکمیل اور تعلق باللہ کی استواری کا ذریعہ ہے۔ انسان نماز ہی کے ذریعے اپنے مالک کے سامنے عاجز و نیاز مندی کا اظہار کرتا ہے پہلے بیان کردہ چار

لے ہمسات ۵۹ و حۃ اللہ اہل الذمۃ ۵۸ و حۃ اللہ اہل الذمۃ ۵۷ (الیض)

نماز کی
اہمیت

اسو لوں میں سے دو یعنی طہارت اور اجابت نماز ہی کا حصہ ہیں۔ نماز جامع العبادات ہے اسی کے ذریعے انسانی قلب و روح کی نیاز مندی پائی جاتی ہے، زبان سے رب العزت کی ثناء بیان ہوتی ہے اور جوارح سے اس کی تعظیم بجالائی جاتی ہے۔ نماز کے ذریعے انسان کے دل میں خدا تعالیٰ کی عظمت جلوہ گر ہوتی ہے اور انسان تعلق باللہ کے لیے آمادہ رہتا ہے۔

وہی
نماز

ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ اِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَمُنِّعُونَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضو کے چار فرض بیان کر دیے ہیں۔ وضو کی سزید تفصیلات اور تشریحات حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال و اعمال میں موجود ہیں۔ وضو کی سنن اور مستحبات وغیرہ سب نبی کریم علیہ السلام نے بیان فرمادی ہیں۔ تاہم مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ نماز کے لیے وضو کی ضرورت اس وقت پیش آئے گی وَأَنْتُمْ مُحَدِّثُونَ جب کہ تم بے وضو ہو۔ اگر پہلے سے طہارت اور وضو موجود ہے تو نماز کے لیے دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ نماز کے لیے کھڑے ہونے سے مراد یہ ہے کہ جب تم نماز کا ارادہ کرو، تو مذکورہ طریقے سے وضو کر لو کیونکہ طہارت کے بغیر نماز ادا نہیں ہو سکتی اور کھڑے ہونے سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ تم سوئے تھے، اب بیدار ہوئے ہو تو وضو کے ذریعے طہارت حاصل کر لو۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر تم کسی کام میں مصروف ہو اور نماز کا وقت ہو گیا ہے اور اب اگر اس کے لیے کھڑے ہوتے ہو تو پہلے طہارت حاصل کر لو جیسو کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ جب آپ کسی کام میں مشغول ہوتے اور نماز کے لیے اذان ہو جاتی تو سب کام چھوڑ کر نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ آپ کے لیے نماز کی فکر سب سے مقدم

ہوتی۔ بہر حال فرمایا کہ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو پہلے طہارت
مہیں کر لو۔

وضو نماز کے علاوہ اور کسی چیز کے لیے بطور شرط نہیں ہے ترمذی شریف
کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام قضائے حاجت سے تشریف
لائے اور صحابہؓ نے آپ کو کھانا پیش کیا، تو آپ نے قبول فرمایا ایک
صحابی نے عرض کیا حضور! آپ نے وضو نہیں فرمایا، آپ نے ارشاد فرمایا
کیا میں نماز کا ارادہ کر رہا ہوں کہ وضو کر دوں، وضو تو نماز کی ادائیگی کے لیے
ضروری ہے نہ کہ کھانا کھانے کے لیے، کھانے سے پہلے اور بعد صرف
ہاتھ دھولینا کافی ہے، مکمل وضو کی ضرورت نہیں، ہاں یہ الگ بات ہے
کہ ہمیشہ با وضو رہنا ایک اچھی صفت ہے۔ لَا يُحَافِظُ عَلَى الْوُضُوءِ
إِلَّا مُؤْمِنٌ یعنی مؤمن آدمی ہی محافظت کرتا ہے یہ مؤمن کی خصوصی صفت
ہے کہ وہ ہمیشہ با وضو رہتا ہے تاہم یہ ضروری نہیں، البتہ قرآن پاک کو ہاتھ دھانے
سے پہلے طہارت ضروری ہے، کیونکہ خود قرآن پاک میں موجود ہے۔ لَا يَسْتَدِ
إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ یعنی اسے صرف پاک لوگ ہی چھوتے ہیں، ایک دوسری حدیث
میں یہ بھی آتا ہے کہ جس نے طہارت پر طہارت کی یعنی وضو ہوتے ہوئے
پھر وضو کیا، اس کے نامہ اعمال میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، البتہ اس کے
لیے شرط یہ ہے کہ پہلے وضو کے ساتھ کوئی فرضی یا نفلی عبادت کر چکا ہو، اگر
پہلے وضو کے ساتھ ابھی تک کوئی عبادت نہیں کی تو پھر دوبارہ وضو کرنے
سے زائد فائدہ حاصل نہیں ہوگا، بہر حال یہ ایک ثواب کی بات ہے، در
وضو پر وضو ایک اچھی صفت ہے۔

فرمایا جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو وضو کے چار فرض پورے
کرو۔ اِنْ فَرَأَيْتُمْ فِيكُمْ خِلَافًا لِّحَدِيثِ الْوُضُوءِ، سِرَّاسُ الْوُضُوءِ، وَدَعَا
تَحْتَهُ يَدَايَاكُمْ وَتَحْتَهُ رِجْلَاكُمْ، بَاقِي تَشْرِیحاتِ حَضْرَةِ عَلِيٍّ عَلَیْہِ السَّلَامُ کے قول

اور محل میں ملتی ہیں۔ جن میں نیت کرنا، ابتدا میں بسم اللہ پڑھنا وغیرہ اعضا فرض میں مذکورہ ترتیب کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے مثلاً سر کا مسح پہلے ہوگا اور پاؤں اس کے بعد دھوئے جائیں گے، ان میں سے کسی عضو کی از خود تقدیم تاخیر نہیں ہو سکتی۔ پھر یہ بھی ہے کہ ہر عضو کو کم از کم ایک دفعہ دھونا اتمام وضو کا ادنیٰ درجہ ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر عضو کو دو دو دفعہ بھی دھویا ہے اور تین تین مرتبہ بھی۔ یہ کمال درجہ ہے۔ البتہ سر کے مسح میں تثلیث نہیں بلکہ ایک ہی دفعہ سر پر ہاتھ پھیر لینا کافی ہے۔ بہر حال ایک، دو، یا تین دفعہ موقع کی مناسبت سے اعضا کو دھویا جاسکتا ہے۔ بعض اوقات پانی کی قلت ہوتی ہے تو ایک یا دو دفعہ دھولینا بھی کافی ہوگا، اسی طرح جلدی ہے، کسی سواری کے نکل جانے کا خطرہ ہے تو کم از کم ایک دفعہ پانی بہالینا بھی مکمل وضو ہے، اس میں کوئی نقص نہیں رہتا، البتہ شرط یہ ہے کہ کوئی جگہ خشک نہیں رہنی چاہیے ورنہ وضو مکمل نہیں ہوگا۔ اور نہ اس کے بعد کی گئی عبادت صحیح ہوگی۔

من اور
دھو دھونا

ارشاد ہوتا ہے۔ اے ایمان والو! جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو
فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ بِمَآءٍ طَہْرٍ یُّسَبِّحُ بِحَمْدِ اللّٰہِ اَوْ مَآءٍ غَیْرِہٖ
اس سے پہلے بسم اللہ پڑھنا اور دونوں ہاتھوں کو دھونا سنت ہے۔
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان بھی ہے کہ جب تم میں سے کوئی نیند
سے بیدار ہو، تو اس وقت تک برتن میں ہاتھ نہ ڈالے جب تک ہاتھوں کو
تین دفعہ دھو نہ لے۔ پھر ان ہاتھوں سے پانی لے کر چہرہ دھو لو۔ چہرے کے
حدود دونوں کانوں کے درمیان اور سر کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی تک ہیں۔
اس کے علاوہ اگر داڑھی گھنی ہے تو اس کا مسح کرنا مستحب ہے۔ سائے
بالوں کو بھگوانا ضروری نہیں ہے۔ اور اگر داڑھی گھنی نہیں ہے، تو اس میں پانی
ڈالنا چاہیے۔

اس کے بعد فرمایا وَایْدَیْکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ اپنے ہاتھوں کو گھنٹیوں

تک دھو۔ بعض فقہائے کا اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا کنیاں ہتھوں میں داخل ہیں یا نہیں۔ تاہم صحیح بات یہ ہے کہ کنیاں ہتھوں میں داخل ہیں اور دونوں ہاتھ کنیوں سمیت دھونا چاہیے ورنہ وضو مکمل نہیں ہوگا۔ ہاتھ دھوتے وقت انگلیوں کا خلال بھی ضروری ہے تاکہ کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے اور قطنی کی روایت میں آتا ہے کہ جب تم وضو کرو تو **خَلَّلُوا بَيْنَ أَصَابِعِكُمْ** انگلیوں کے درمیان خلال کرو **وَلَا يُخَلَّلُ اللَّهُ تَعَالَى بَيْنَهَا بِالنَّارِ** ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اُن کے درمیان آگ کے ساتھ خلال کرے۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد ہے **وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ أَسْبَغُوا وَضُوءَهُمْ** ہلاکت اٹھائیوں کے لیے دوزخ کی آگ سے، وضو مکمل بناؤ مقصد یہ ہے کہ انگوٹھوں کی کوئی جگہ خشک نہ رہے۔ کامل وضو کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب وضو کے پانی کا آخری قطرہ انسان کے اعضائے گونا گے تو اس کے تمام صغیرہ گناہ معاف ہو چکے ہوتے ہیں۔

سر کا مسح

منہ اور ہاتھ دھونے کے بعد وضو کا تیسرا فرض مسح ہے۔ منہ یا **وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ** اور اپنے سروں پر مسح کرو۔ اس بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے کہ سر کے کتنے حصے کا مسح کرنا ضروری ہے۔ اہل شافعی فرماتے ہیں کہ سر کے تھوڑے سے حصے یعنی دو چار بالوں پر بھی ہاتھ بھر دیا تو مسح ہو جائے گا۔ اہل مالک سارے سر کے مسح کے قائل ہیں اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ سر کے چوتھے حصے کا مسح فرض ہے اور پورے سر کا مستحب یہی مذہب زیادہ اوفق ہے۔ اور یہ حکم مرد و زن ہر ایک کے لیے ہے۔ مرد اپنی ٹوپی یا چٹری اور عورت اپنی اور صحنی کم از کم چوتھے حصہ سر تک ہٹا کر مسح کرے، اس سے آگے۔ اگر ٹوپی یا دوپٹہ پر بھی ہاتھ پھیر لیا تو کافی ہے تاہم گد پورے سر پر مسح کرے تو زیادہ بہتر ہے۔ حضور علیہ السلام اپنے ہاتھ مبارک پیشانی سے شروع کر کے پیچھے گدھی تک سے جاتے تھے اور پھر

اُسی جگہ واپس لستے جہاں سے مسیح شروع کیا تھا۔ بہر حال سائے سر کا مسح مستحب ہے، ضروری نہیں کیونکہ حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ کی روایت میں ناصیہ کا ذکر ہے یعنی نبی علیہ السلام نے چوتھے حصے سر کا مسح فرمایا اور اس کے ساتھ گدی تک گردن کا بھی۔ بعض لوگ گردن کے مسح کو ناپسند کرتے ہیں۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں۔ مزید پانی لیے بغیر سر کے ساتھ گردن کا مسح بھی کرے۔ البتہ معلق کے مسح کو فقہائے کرام مکروہ جاتے ہیں۔۔۔ صرف گردن کا مسح پیچھے تک جیسا کہ ابو داؤد شریف اور مسلم شریف میں بلکہ اِلٰی قَفَاہُ کے الفاظ آتے ہیں۔ پھر سر کے ساتھ کانوں کا مسح بھی ہے۔ شہادت کی انگلیاں کانوں کے اندر پھیرے اور انگوٹھے باہر پھیرے۔ یہ بھی مستحب ہے۔

پاؤں وغیرہ

چوتھے فرض کے متعلق فرمایا وَأَرْجُلُكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ یہ اُسی فَانْعَسِبَا کے ساتھ ملحق ہے یعنی اپنے پاؤں کو کعبوں تک مسح ارجلکم کی قرأت ل کی زیر کے ساتھ بھی پڑھی گئی ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ قرأت تو یہ بھی درست ہے مگر صحابہ کرامؓ نے ہمیشہ پاؤں کو دھویا ہے صرف مسح پر اکتفا نہیں کیا حضور علیہ السلام کا عمل مبارک بھی یہی ہے۔ ہاں اگر کسی شخص نے موزے پہن رکھے ہیں تو ان پر مسح تمام اہل حق کے نزدیک درست ہے۔ بعض افضی اس کو جائز نہیں سمجھتے، مگر حضور علیہ السلام کے تقریباً ستر صحابہؓ سے موزوں پر مسح ثابت ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ گرمی سردی میں ضرورت کے علاوہ بغیر ضرورت بھی موزے پہنے جاسکتے ہیں۔ اور ان پر مسح کیا جاسکتا ہے۔ عقیقہ آدمی ایک دن رات اور مسافر تین دن رات تک موزوں پر مسح کر سکتا ہے۔ بول و باز کرتا ہے، باقی وضو کرے یا مگر موزوں پر مسح کافی ہے۔ البتہ اگر جنابت لاحق ہو جائے تو پھر موزے اتار کر مکمل طہارت

ضروری ہوگی

دعا بعد
از دھو

وضو کے بعد یہ دعا بھی حضور علیہ السلام سے منقول ہے اَشْهَدُ اَنْ
لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا
عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ - اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ الْخَوَّابِيْنَ
وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ اِس دعا میں بڑی حکمت ہے۔ شاہ و عبد الحق
محدث دہلوی بھی لکھتے ہیں کہ وضو کے بعد یہ دعا پڑھ لینا چاہیے۔ اس کا
مطلب یہ ہے کہ اے پروردگار! ہم نے ظاہری طور پر تو تیرے فرمان
کے مطابق عمل کر لیا، اب باطنی طہارت بھی تو ہی عطا فرما اور مجھے طہارت
دلوں میں سے بنا دے یعنی ہمارے باطن کو بھی پاک فرما دے۔
آیت کے اگلے حصے میں طہارت کبریٰ یعنی جنابت کی حالت میں
غسل کا بیان اور طہارت ضروریہ یعنی تیمم کی حکمت اور فلسفہ بھی آئے گا۔

لا یحب اللہ ۶
درس نمبر ۹

المائدہ
آیت ۶ (مشرقا)

وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى
أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ
النِّسَاءَ فَلَمْ يَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا
فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ مَا يُرِيدُ اللَّهُ
لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ
وَلِيُنِمْ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٦﴾
وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي
وَاتَّقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللَّهَ
إِنَّ اللَّهَ عَلَيْهِ كِبَازَاتِ الصُّدُورِ ﴿٧﴾

ترجمہ :- اور اگر جنابت کی حالت میں ہو تو ابھی طہارت
موصول کرو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی جائے ضرورت
سے آنے یا تم عورتوں کے پاس گئے ہو ، پھر تم نے پانی نہیں
پایا ، پس قصد کرو پاک مٹی کا اور مل کر اپنے چہروں اور ہاتھوں
پر اس مٹی سے ، اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر تنگی ڈال دے بلکہ وہ چاہتا
ہے کہ تم کو پاک کر دے اور تاکہ تم پر اپنی نعمت پوری کر دے ،
بلکہ تم شکوہ ادا کرو ﴿۶﴾ اور یاد کرو اللہ کے احسان کو اور اس
کے وعدہ کو جو اُسے تم سے پختہ طریقے پر ٹھہرایا ہے ، جب تم نے کہا
کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی ، اور دُستے رہو اللہ سے ، بیشک
اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے دلوں کے راز ﴿۷﴾

ربط آیات

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے حلت و حرمت کا قانون بقایا - نوح اور اکل و شرب میں حلال و حرام کو واضح کیا۔ یہ دراصل طہارت ہی کا بیان ہے۔ انسان کے لیے ظاہری اور باطنی طہارت ضروری ہے۔ عبادت سے بھی انسان کو باطنی طہارت حاصل ہوتی ہے اور عبادت کرنے سے پہلے ظاہری طہارت کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ اس کے بغیر نماز بھی اور انہیں ہو سکتی۔ اور نماز کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ گذشتہ درس میں طہارت صغریٰ یعنی وضو کا مسئلہ بیان ہو چکا ہے۔ اب آج کے درس میں طہارت کبریٰ کا بیان ہے یعنی جنابت کی حالت طہاری ہو جائے تو کس طرح طہارت حاصل کرنی چاہیے۔

حدث اکبر

بے وضو ہونا حدیث اصغر ہے جب کہ جنابت کی حالت میں ہونا حدیث اکبر ہے۔ جنابت کا معنی بعد یا دوری ہوتا ہے۔ جب یہ حالت طہاری ہوتی ہے تو انسان ملائکہ سے دور ہو جاتا ہے اور جب مکمل طہارت کر لیتا ہے تو اُسے پھر ملائکہ سے مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔ جنابت کا مذکورہ معنی زمانہ جاہلیت کے عربی شاعر کے شعر سے بھی واضح ہوتا ہے۔

فَلَا تَحْزَنْنِي نَابِلًا عَنْ جَنَابَةٍ
فَإِنِّي أُمْرٌ وَسَطُ الْقُبَابِ غَرِيبٌ

شاعر کہتا ہے مجھے میرے غریب الوطن یعنی گھر سے دور ہونے کی وجہ سے محروم نہ کرنا کیونکہ ان تمام غیروں میں ایک میں ہی غریب الوطن ہوں۔ مقصد یہ کہ جنابت کا لفظی معنی دوری ہے کیونکہ جنابت کی حالت میں انسان پاکیزگی اور فرشتوں سے دور ہو جاتا ہے۔

جنابت اس حالت کو کہتے ہیں جب انسانی جسم سے مادہ تولیہ موت کے ساتھ خارج ہو۔ اخراج مادہ منوبہ خواہ مباشرت کی وجہ سے ہو یا احتلام کی بنا پر۔ آدمی ہر صورت میں جنبی ہو جاتا ہے۔ طہارت کا ایک عام قاعدہ

یہ ہے کہ انسانی جسم کے جو اعضا منکشف یعنی کھلے ہوتے ہیں۔ انہیں دھونے کا حکم ہے، جیسے منہ، ہاتھ اور پاؤں۔ اور سر چونکہ اکثر کچڑی، لٹپٹی یا رومال سے ڈھکا رہتا ہے۔ اس کے لیے صرف مسح کافی ہے۔ برخلاف اس کے جنابت سے چونکہ سارا جسم اور اعضاء متاثر ہوتے ہیں۔ لہذا سارے جسم کے لیے نجاست حکمی لاحق ہو جاتی ہے۔ جسکی وجہ سے پورے جسم کو پاک کرنا ضروری ہو جاتا ہے اس کی دوسری مثال حیض و نفاس ہے۔ ان دو حالتوں میں بھی عورت مکمل طور پر ناپاک ہو جاتی ہے، لہذا اس کے لیے بھی مکمل طہارت لازم ہے۔ حیض کی حالت میں حکم ہے کہ عورتوں کے قریب نہ جاؤ حتیٰ یطہروا۔ یہاں جنابت کی صورت کے متعلق بھی فرمایا کہ جب منی ہو جاؤ فَاطَهَرُوا تو مکمل طہارت حاصل کرو۔ غرضیکہ جنابت سے پاکیزگی کے لیے مکمل غسل فرض ہو جاتا ہے۔ جس طرح وضو کے بعض فرائض ہیں، اسی طرح غسل کے بھی فرائض ہیں جن کی ادائیگی کے بغیر نہ غسل مکمل ہوتا ہے اور نہ انسان پاک ہوتا ہے۔ وضو کے دوران کلی کرنا سنت ہے جب کہ غسل جنابت میں فرض کا درجہ رکھتا ہے اسی طرح ناک میں پانی ڈالنا وضو میں سنت ہے جب کہ غسل جنابت میں ضروری ہے۔ اس کے بغیر غسل مکمل نہیں ہوتا۔ پھر اس کے بعد پورے جسم پر پانی بہانا بھی فرض ہے حتیٰ کہ کوئی مگر خشک نہ رہ جائے کیونکہ حَتَّٰی کُلَّ شَعْرَةٍ جَسَدًا تہر بال کے نیچے جنابت ہوتی ہے۔ اسی لیے فقہانے کرام فرماتے ہیں کہ اگر پورے جسم میں ایک بال کے برابر بھی مگر خشک رہ گئی تو غسل مکمل نہ ہو گا۔ اس خطرے کے پیش نظر حضرت علیؓ کا مقولہ ہے فَمَنْ شَاكَ عَادَيْتُ رَأْسِي اسی لیے میں نے اپنے سر کے ساتھ دشمنی کی ہے یعنی پورا سر منڈوا دیا ہے تاکہ غسل جنابت میں بال برابر مگر بھی خشک نہ رہ جائے۔ چنانچہ حکم ہے کہ جنابت سے طہارت کے

یہ خوب اچھی طرح مل کر غسل کرو۔

پانی مٹھ ہے

پوری مٹھ دنیا میں پانی آلہ طہارت تسلیم کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے
وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا (الفرقان) ہم نے آسمان
سے پاکیزہ پانی نازل فرمایا ہے۔ ظہور مبالغے کا صیغہ ہے اور اس کا مطلب یہ
ہے کہ پانی خود پاک ہے اور دوسری چیزوں کو پاک کرتا ہے۔ گویا پانی اولین
آلہ طہارت ہے۔ اہم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ خوشبو
بھی آلات طہارت میں داخل ہے مگر یہ دوسرے درجے پر ہے، بہر حال
اس آیت کریمہ میں ارشاد ہے۔ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا
اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو اچھی طرح طہارت کرو۔ طہارت کا طریقہ
میں نے عرض کر دیا ہے۔

پانی کی
عدم موجودگی

یہ تو واضح ہو گیا کہ طہارت کے بغیر نہ تو قرآن پاک کو پڑھ لکھا جاسکتا ہے
اور نہ نماز یا کوئی دیگر عبادت کی جاسکتی ہے۔ اب اگر انسان بے وضو ہو
جائے یا حالت جنابت طہاری ہو جائے اور آلہ طہارت یعنی پانی بھی میسر نہ
ہو، تو طہارت کیسے حاصل کی جائے؟ اور عبادت کیسے ادا کی جائے؟
ایسی ہی صورت حال کے متعلق فرمایا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ
بِغَيْرِ ذَٰلِكُمْ فَامْسُوا بِمَاءٍ مِّنْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُ (البقرہ) اگر تم بیمار ہو، یا سفر پر ہو، یا
بغیر ان میں سے کسی ایک کی حالت میں ہو، تو جہاں سے تم پانی پاؤ، اس سے
غسل کرو۔ اگر پانی نہ ملے تو اچھی طرح مسح کرو۔ اگر نہ پانی نہ ہو، نہ
پانی نہ ہو، نہ مسح نہ ہو، تو اچھی طرح مسح کرو۔ اگر نہ پانی نہ ہو، نہ
مسح نہ ہو، تو اچھی طرح مسح کرو۔ اگر نہ پانی نہ ہو، نہ مسح نہ ہو، تو
اچھی طرح مسح کرو۔ اگر نہ پانی نہ ہو، نہ مسح نہ ہو، تو اچھی طرح
مسح کرو۔ اگر نہ پانی نہ ہو، نہ مسح نہ ہو، تو اچھی طرح مسح کرو۔

یہ اصطلاحاً غلط بول و بزد کرنے کو کہتے ہیں۔ فرمایا اگر تم رفع حاجت کے بعد آئے ہو۔ اَوْ لَمْ تَسْتَحْمُ الْمَسَاءَ یا تم عورتوں کے پاس گئے ہو۔ لمس کے دو معانی وارد ہوئے ہیں۔ اہم شافعی و لمس سے مراد صرف ہاتھ لگانا لیتے ہیں، گویا عورت کو ہاتھ لگنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ تاہم امام ابوحنیفہؒ اور دیگر ائمہ کرام لمس سے مراد مباشرت لیتے ہیں۔ لَمْ تَسْتَحْمُ باب مفاعلہ کا صیغہ ہے۔ اور اس باب کا تقاضا یہ ہے کہ فعل جانین کی طرف سے ہو، لہذا لمس کا معنی عورت سے قربت یا مباشرت ہی ہے حضرات عبداللہ بن عباسؓ، حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہؓ نے یہی معنی لیا ہے کہ جب تم عورتوں سے مقاربت کرو۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے چار علل بیان فرمائے کہ اگر تم سرریض ہو، یا سفر پر ہو، یا جائے ضرورت سے آئے ہو، یا تم نے عورتوں سے مقاربت کی ہے۔ ان میں سے کوئی صورت حال پیدا ہو جائے، فَلَمْ يَجِدُوا مَاءً پھر تم پانی نہ پاؤ۔ مذکورہ حالات میں وضو کی ضرورت ہے یا غسل کی اور پانی موجود نہیں، یا تمہیں پانی پر قدرت نہیں یا پانی کے استعمال سے بیماری کے دہلک ہونے کا خطرہ ہے۔ تو پھر کیا کرو؟ فرمایا فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا قصد کرو پاک مٹی کا، یعنی پاک مٹی سے تیمم کر لو۔ یہ تمہارے لیے وضو اور غسل کے قائم مقام ہوگا۔ تیمم کا لفظی معنی قصد کرنا ہے۔ فقہائے کرام تیمم کا معنی قصد الصعید للتطہیر کرتے ہیں یعنی طہارت کے لیے پاک مٹی کا ارادہ کرنا۔ فرمایا جب پانی میسر نہ ہو تو تیمم کر لو۔ مگر کیسے؟ فَأَمْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ قَوْلًا یعنی اس مٹی کو اپنے مونوں اور ہاتھوں پر مل لو۔ اس کی تشریح نبی علیہ السلام نے خود اپنے ارشاد مبارک سے فرمائی۔ سنو یا دونوں ہاتھوں سے ایک ضرب مٹی پر لگانو۔ اگر مٹی زیادہ لگ جائے تو ہاتھوں کو جبار دو۔ تاکہ گرد و غبار قد سے کم ہو جائے پھر دونوں ہاتھ اپنے

منہ پر کل لو۔ پھر دوسری ضرب مٹی پر لگاؤ اور دونوں ہاتھ دونوں ہاتھوں پر
 کہنیوں سمیت مل لو، تمہارا تیمم مکمل ہو گیا ضربات کی تعداد میں فقہانے کرام
 کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ایک ہی ضرب لگا کر منہ اور ہاتھوں
 پر پھیر لینا کافی ہے، مگر جمہور فقہائے کرام دو ضربات کے قائل ہیں۔ ایک
 دفعہ مٹی پر ہاتھ مار کر منہ پر مل لو اور دوسری دفعہ ہاتھ مار کر ہاتھوں پر پھیر لو۔
 صحیح حدیث میں دو ضربوں کا ثبوت موجود ہے امام ابو حنیفہؒ کا بھی یہی مسلک
 ہے۔ ہاتھوں کی تعریف میں بھی کئی قول ہیں۔ امام زہریؒ کے نزدیک ہاتھوں
 کی مدخلوں تک ہے۔ بعض کے نزدیک ہاتھ کلائی تک ہیں اور بعض
 کے نزدیک نصف ہاتھ تک۔ مگر امام ابو حنیفہؒ کہنیاں بھی ہاتھوں میں داخل
 کرتے ہیں۔ تیمم وضو کا نائب ہوتا ہے۔ اور وضو میں ہاتھ کہنیوں تک دھوئے
 جاتے ہیں لہذا تیمم میں بھی مٹی پر ہاتھ مار کر کہنیوں تک مل لینا چاہیے۔ وضو میں
 ہاتھ گیلے کر کے سر پر مسح کیا جاتا ہے اور اس کے بعد پاؤں دھونا فرض ہے
 مگر تیمم میں دو فرض پوسے کیے جائیں گے اور دو ترک کر دیے جائیں گے۔
 یعنی منہ اور ہاتھوں پر مسح ہوگا۔ اور سر اور پاؤں کو چھوڑ دیا جائے گا۔

پاک مٹی

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ صَدَقَ عَلَیْکَ طَلِبًا فرمایا ہے۔ یعنی جس
 مٹی کے ساتھ تیمم کیا جائے وہ پاک ہونی چاہیے، ناپاک جگہ پر ہاتھ مار کر تیمم
 کرنے سے تیمم درست نہیں ہوگا۔ بعض مقامات پر لوگ گندگی پھینکتے ہیں
 اگرچہ خشک ہونے پر ایسی جگہ پر نماز پڑھی جاسکتی ہے مگر اس جگہ پر ہاتھ مار کر
 تیمم نہیں کیا جاسکتا۔ تیمم کے لیے مٹی بالکل پاک عاف ہونی چاہیے۔

مٹی کے علاوہ خنجر، زمین سے کوئی بھی چیز ہو اس کے ساتھ تیمم کیا جاسکتا
 ہے، جیسے گود و بخار، پتھر، سمینٹ، چونا، پٹرال، سینٹ روڈ اور غیر وہان
 اشیاء پر ضرب لگا کر تیمم کیا جاسکتا ہے، البتہ لکڑی کی رکھڑ درست نہیں
 کیونکہ یہ جنس ارض سے تعلق نہیں رکھتی۔ پہاڑی نمک کے ساتھ تیمم کیا جا

سکتا ہے۔ بشرطیکہ ان میں نمی نہ ہو۔ دریائی نمک میں جو نمک نمی ہوتی ہے، اس لیے اُس سے تیمم جائز نہیں۔ پتھر جو نمک جس زمین سے ہے اس لیے اُس پر تیمم جائز ہے اگرچہ اس پر گہرہ وغبار نہ ہو۔ دھات مثلاً لوہا، تانبا، سونا، چاند وغیرہ پر تیمم روا نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے التُّراب طَهُوْرٌ الْمُسْلِمِ مُسْلِمَانِ کے لیے مٹی باعِث طہارت ہے خواہ دس سال تک پانی میسر نہ ہو۔ اس دوران کوئی شخص تیمم کر کے مسجد میں داخل ہو سکتا ہے۔ قرآن پاک پکڑ سکتا ہے، نماز ادا کر سکتا ہے، غرضیکہ وہ تمام امور انجام دے سکتا ہے جو وضو کرنے سے ادا ہوتے ہیں۔ بہر حال یہاں پر وضو، غسل اور تیمم تینوں مسائل بیان کر دیے گئے ہیں۔

یہ تینوں مسائل بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَا مِنْ شَيْءٍ اللَّهُ يَجْعَلُ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ اللہ تعالیٰ تم پر کوئی تنگی نہیں ڈالے گا۔ اللہ نے تمہارے لیے بڑی آسانیاں پیدا کی ہیں وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ وَهُوَ تَزَكِيٌّ اُس نے تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے، کیونکہ اس کا اپنا فرمان ہے وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ (لقبرہ) کہ وہ پاکیزہ لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ اسی لیے اُس نے طہارت کے تمام طریقے تمہیں بتلا دیے ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ یہ بھی چاہتا ہے وَلِيَسْتَمِمْ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ تاکہ تم پر اپنی نعمت پوری کر دے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے احسانات اور اس کی مہربانیاں ہیں کہ اُس نے تمہارے لیے حلت و حرمت کے احکام بیان فرما دیے ہیں۔ وضو، غسل اور تیمم کا طریقہ بتلایا ہے، تمہارے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور جو چیزیں تمہارے جسم کی ساخت کے منافی اور روح کی طہارت کے خلاف ہیں انہیں حرام قرار دیا ہے اور خاص شروط کے تحت نکاح کی اجازت دی ہے، اس سے پہلے اللہ تعالیٰ اپنے احسانات میں سے سلام کی دولت کا ذکر بھی کر چکے ہیں کہ اس کی طرف تمہاری رہنمائی فرمائی

اور پھر تم پر اپنا دین مکمل کیا، تمہیں خلافتِ ارضی، غلبہ اور عزت عطا فرمائی، قرآنِ مبینِ عظیم کتاب کے علم سے تمہارے دلوں کو منور کیا اور نبی آخر الزماں کی سنت سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ فرمایا یہ تمام احسانات اس لیے کہ لَمَّا كَسَبْتُمْ تَشْكُرُونَ تاکہ تم میرے شکر گزار بندے بن جاؤ۔ نعمت کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے، ورنہ یہی نعمت تمہارے لیے وبالِ جان بھی بن سکتی ہے۔ سورۃ سبأ میں ارشاد ہے اعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ اے آلِ داؤد! میرا شکر ادا کرو، اور میرے شکر گزار بندے بہت حقوڑے ہیں۔ اکثر لوگوں کو بشارتِ نعمتیں حاصل ہیں مگر وہ شکر نہیں کرتے۔ اسی لیے فرمایا وَإِذْ كَرَّمْنَا نِعْمَتَنَا اللہ علیکم ان نعمتوں کو یاد کرو جو اللہ نے تمہیں عطا کی ہیں۔ اور اُس کا شکریہ ادا کرتے رہو۔

فرمایا اس کے علاوہ وَمِثْلَ قَوْلِهِ الَّذِي وَاتَّقُوا یہ اس عہد کو بھی یاد کرو جو اُس نے تمہیں کچھ طریقے پر بٹھرایا ہے إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے سُن لیا اور اطاعت کی ای تمہیں کا ذکر اس امت کے بارہ میں موقر بقول کے آخری رکع میں بھی موجود ہے وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا عَفْرَانَتْ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ۔ ایمان والوں نے یہی کہا کہ ہم نے تیرے احکام سُن لیے اور اُن کی اطاعت کا عہد کرتے ہیں اے مولاِ کریم! ہمارے گناہ معاف فرمائے کہ ہمیں تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ سابقہ سورۃ میں گزر چکا ہے۔ کہ آخری امت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے بھی عہد لیے۔ مگر انہوں نے توڑ دیے۔ سورۃ نساء میں فَبِمَا كَفَرْتُمْ بِهِمْ کہ ان کے عہد توڑنے کی وجہ سے وہ لعنت کے ٹھہرے۔ اس سورۃ کی ابتدا بھی يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا کے موضوع سے ہی

عہدِ داؤد

ہوئی ہے۔ "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ" اے ایمان والو! اپنے عہدوں کو پورا کرو۔ عہد کا ایفا کرنا بہت بڑی ذمہ داری کی بات ہے جو شخص کلمہ توحید پڑھتا ہے۔ اللہ کے احکام کی اطاعت کا عہد کرتا ہے۔ تو اُسے چاہیئے کہ اپنے عہد کو پورا کرے۔ اسی لیے یہاں فرمایا کہ اپنے اس عہد کو یاد کرو عام طور پر اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ ہے کہ وہ قوانین یا احکام بیان کرنے کے بعد یا تو علم کا حوالہ دیتا ہے یا تقویٰ اختیار کرنے کا۔ چنانچہ یہاں تمیم کے احکام بیان کرنے اور اپنے احسانات کے ذکر کے بعد فرمایا "وَاتَّقُوا اللَّهَ اللَّهُ تَعَالٰی سے ڈر جاؤ۔ کہیں اس کے عہد کی خلاف ورزی نہ کر بیٹھنا یہ نہ سمجھنا کہ تم اپنے ہم جنسوں کی طرح اللہ تعالیٰ کو دھوکا دے سکو گے، بلکہ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ وہ تمہارے نیت اور ارادے سے واقف ہے۔ لہذا عہد شکنی کر کے تم اس کی سزا سے بچ نہیں سکتے۔

لا یحب اللہ
درسن نمبر ۱۰

الماندة ۵
آیت ۸ تا ۱۱

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ
بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاَنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا
تَعْدِلُوا ۚ إِعْدِلُوا ۖ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ
إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝۸ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ
عَظِيمٌ ۝۹ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ
أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝۱۰ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَذْكُرُوا نِعْمَتَ
اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هُمْ قَوْمٌ ۚ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ
أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ
إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ فَلَيْتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝۱۱

ترجمہ: اے ایمان والو! ہو جاؤ قائم بنے لئے اللہ تعالیٰ
کے لیے اس حال میں کہ تم گواہی دینے والے ہو انصاف کے ساتھ
اور نہ آوارہ کرے تم کو کسی قوم کی دشمنی کہ تم انصاف کرو چھوڑ
دو، انصاف کرو کہ یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے
نرسے رہو، بیشک اللہ تعالیٰ خوب خبر رکھتا ہے اُن باتوں کی
جو تم کرتے ہو ۝۸ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اُن لوگوں سے
جو ایمان لاتے ہیں اور اچھے اعمال کیے ہیں کہ ان کے بے ہمتی

ہے اور بڑا اجر ہے ⑨ اور وہ لوگ جنہوں نے سحر کا رستہ اختیار کیا اور جہاں آیات کو جھٹلایا یہ لوگ ہیں دوزخ والے ⑩ لے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی نعمت کو تم پر۔ جب قصد کیا ایک قوم نے کہ وہ بڑھائیں تمہاری طرف اپنے ہاتھوں کو پس روک دیا اللہ نے اُن کے ہاتھوں کو تم سے اور ڈر اللہ تعالیٰ سے اور اللہ کی ذات پر ہی چاہیے کہ ایمان والے بہرہ ور رکھیں ⑪

پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایسے عہد کا حکم دیا۔ انسانی سوسائٹی میں عہد و پیمان کو پورا کرنا بڑی قدر و قیمت رکھتا ہے۔ عہد و پیمان مخلوق کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی۔ اللہ کے عہد میں اس کی وحدانیت کو ماننا، جبرائے عمل پر یقین رکھنا، تمام احکام کی تعمیل کرنا اور ملت و حرمت کے اُن قوانین پر عمل کرنا جو اس سورۃ میں تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں محرمات نکاح اور محرمات اکل و شرب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اللہ نے شعار اللہ کی تعظیم کا حکم بھی دیا ہے۔ طہارت کے اصول بیان فرمائے ہیں ان میں ظاہری اور باطنی ہر دو قسم کی طہارت شامل ہے۔ نماز کے لیے طہارت کو شرط قرار دیا اور پھر اس ضمن میں وضو کے فرائض بیان فرمائے۔ طہارت کبیری یعنی غسل جنابت کا مسئلہ بیان فرمایا اور پھر ہائی کی مدد دستیابی یا مدد قدرت کی بنا پر تیمم کے ذریعے طہارت حاصل کرنے کا طریقہ بتلایا۔ اس کے ساتھ پھر عہد و پیمان کو پورا کرنے کا حکم دیا اور تقویٰ کی ضرورت پر زور دیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں **وَاتَّقُوا اللَّهَ كَالْفِطْرِ بَارِبَارٍ** ہے جیسے **وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ** نیز **وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ** ہ **وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ لِّذَاتِ الصُّدُورِ**

تقویٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مدد کا حکم بھی دیا کیونکہ تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ظلم سے بچ جائے اور مدد کو اختیار کرے۔ اہم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ بنیادی اصول یا اخلاق چاروں جن کی پابندی از بس ضروری ہے، اگر کسی سے دیکھا جائے

تو تمام قوانین اور شرائع اپنی اصولوں کی تشریح معلوم ہوتے ہیں۔ ان اصولوں میں پہلا نمبر طہارت کا ہے، دوسرا نمبر برائیاں یعنی خدا تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا اظہار ہے تیسرے نمبر پر مباحث ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان رذیل چیزوں سے بچ جائے اور چوتھی چیز عدالت ہے جس پر اجتماعی نظام قائم ہے جس طرح طہارت انسان کی مشابہت ملائکہ سے ہوتی ہے، اسی طرح عدل و انصاف اختیار کرنے سے انسان کی مشابہت ملائکہ اعلیٰ سے ہوتی ہے۔ لہذا جو لوگ عدل کے ذریعے اجتماعی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں ملائکہ اعلیٰ کے فرشتے ان کے حق میں بخشش کی دعائیں کرتے ہیں کہ یہ ان کے فرائض میں شامل ہے۔ اسی طرح جو لوگ اجتماعی حالت کو بگاڑنے کی کوشش کرتے ہیں ان پر ملائکہ اعلیٰ کی لعنت پڑتی ہے۔

عہد و پیمان کی پابندی ہی کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یٰۤاَیُّهَا
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوَّٰمِیْنَ لِلّٰہِ اِیْمَانِ وَالْوَلٰٓئِہِ مَآ بَیْنَہُمْ
یہ قائم ہونے والے بن جائیں شہدائے حق بالقسط جب کہ تم انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے ہو۔ قوامین کا معنی قائم رہنے والے ہو مگر کس کے لیے صرف اللہ کی خوشنودی اور رضائے لیے، اس کے علاوہ کوئی دیگر غرض نہیں نہ ہو، صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں انصاف کے ساتھ ہی گواہی دو اس گواہی میں صرف مقدمات سے متعلق گواہی ہی شامل نہیں، بلکہ اس میں وہ تمام امور آجاتے ہیں جن کا تعلق شہادت سے ہو۔ ایسے ہر معاملہ میں طرفداری اقربا پروری یا خود غرضی وغیرہ مسلک ثابت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ شہادت کے متعلق صاف حکم موجود ہے اَقِیْمُوا الشَّہَادَۃَ لِلّٰہِ یعنی شہادت محض اللہ کی رضا کی خاطر قائم کرو۔ اگر کسی گواہی کو چھپاؤ گے تو گنہگار بنو گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کا فیصلہ فرما دیا ہے وَمَنْ یَّکْتُمْهَا فَاَنۡہَ اَبۡتَغٰۤی قَلۡبُہٗۤ اٰیۡتٌۭ جَہَنَّمِۃٌۭ یَّعۡنِیۡ جَوۡکَیۡ شَہَادَتِہٖۤ اَوْ جَہَنَّمِۃٌۭ کَاۡسٍۭ کَاۡدِلٍۭ جَہَنَّمِۃٌۭ

پہلی گواہی

ہوگا۔ اور جمہوری شہادت کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے
 عَمِلْتُ شَهَادَةَ الزَّوْنِ بِإِشْرَائِي بِاللَّهِ لِعِنِّي جَمْعُوهُ لَوْ هِيَ كَا جَرَمِ الشَّرِّ تَقَاتُلُ
 کے ساتھ شرک کرنے کے برابر ہے اسی لیے شہادت زور کو اکبر الکبر کہا گیا ہے۔
 شمار کیا گیا ہے۔

شہادت کی
 وسعت

اس آیت کریمہ میں جس شہادت کا ذکر ہے۔ اُس کے متعلق حضرت
 مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اپنی تفسیر معارف القرآن میں بیان کرتے ہیں کہ اس
 میں ہر قسم کی وہ شہادتیں داخل ہیں جن سے ہمیں روزمرہ واسطہ رہتا ہے اور
 جن میں اکثر لوگ غلطیاں کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر کسی بیار کے حق میں ڈاکٹری
 سرٹیفکیٹ کہ شہادت کی حیثیت حاصل ہے مگر عموماً ایسا سرٹیفکیٹ جھوٹا ہوتا
 ہے۔ کوئی ملازم اپنی ڈیوٹی ادا کرنے کے اہل ہے یا نہیں، اس کی تصدیق ڈاکٹر
 ہی کر سکتا ہے، اگر وہ پیسے کے غلط سرٹیفکیٹ جاری کرتا ہے، تو یہ جیسے
 تقویٰ اور عدل کے منافی ہے۔ اسی طرح طلباء کی سند کا میاں کو بھی گواہی کی
 حیثیت حاصل ہے۔ ممکن ادارہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ فلاں طالب علم
 فلاں ڈگری کا اہل ہے اور اگر کسی جیلے بہانے سے غلط ڈگری جاری ہوتی
 ہے تو یہ متعلقہ ادارے کی طرف سے شہادت ہے۔ اور یہی تصور ہوگی۔ اگر فلاں
 آدمی کو رشوت یا سفارش کی بناء پر بغیر اہلیت کے ڈپلوما، سرٹیفکیٹ یا ڈگری
 جاری ہوتی ہے، تو اس کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں نکلے گا۔ جمہوری ڈگری حاصل کرنے
 والا آدمی دنیا میں گمراہی کے سوا کیا پھیلانے گا۔

اسلامی نظام
 حکومت

جمہوری نظام حکومت میں ووٹ بھی ایک امانت ہوتی ہے جو کسی اہل
 کے سپرد ہونی چاہیے مگر غلط آدمی کے حق میں رائے دینا اُس کے حق میں جمہوری
 گواہی کے مترادف ہے۔ امیدوار مقامی کونسل کا ہو، صوبائی اسمبلی کا یا قومی اسمبلی
 کا شہادت کا تقاضا یہ ہے کہ ووٹ اہل آدمی کو دیا جائے۔ مگر آج اہلیت
 کو کون جانتا ہے؟ اب تو ایکشن پارٹی کی بنیاد پر یا بڑی درجی کی وجہ سے یا

رشتہ کے زور سے جیتے جاتے ہیں۔ حالانکہ اہل آدمی کو دوش دینا صریح خیانت ہے۔ ہماری نامرادی کی بنیادی وجہ یہی ہے۔ کہ نہ ہمارا دوش صحیح آدمی کو جاتا ہے اور نہ کوئی امید کی کرن نظر آتی ہے ظاہر ہے کہ جو آدمی لاکھوں پہلے خرچ کر کے ممبر بنے، وہ ممبر بن کر کسی گنا زیادہ چل کر نیکی کو کشش کرے گا۔ اس طریقے سے ملک و قوم کی بہتری کی کیسے توقع کی جا سکتی ہے؟ جب اسمبلیوں میں فاسق فاجر لوگ جائیں گے تو وہ اسلام کے نظام کو کیسے قائم کریں گے، سرمایہ دارانہ یا محمدانہ نظریات رکھنے والے لوگ اسلامی حکومت کبھی قائم نہیں کریں گے۔ بعض حلقوں میں برادری اور پارٹی بازی کی بنیاد پر بالکل جاہل آدمی ممبر بن جاتے ہیں۔ ایسے لوگ قوم و ملت کے لیے کہا کر سکتے ہیں؟ بہر حال، ہمارے ملک اسلامی نظام نہ آنے کی بنیادی وجہ یہی ہے۔ کہ ہم دوش دیتے وقت سچی گواہی نہیں دیتے۔ اگر ہماری رائے یا انداز اور صاحب الرائے لوگوں کے حق میں جائے تو کتاب و سنت کا اسلامی نظام جس پر خلفائے راشدین نے عمل کیا، آج بھی جاری ہو سکتا ہے۔

برحالت
میں عدل

عدل و انصاف کی اہمیت کے پیش نظر فرمایا وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ اَلَّا تَعْدِلُوْا کسی قوم کی دشمنی تمہیں نا انصافی پر آمادہ نہ کرنے پائے بلکہ اِعدِلُوْا ہمیشہ انصاف کا دامن پکڑے رکھو۔ عدل بڑی ضروری صفت ہے، اجتماعی نظام کی کامیابی عدل پر موقوف ہے۔ عدل کرنے والوں کو ملا اعلیٰ سے مشابہت ہوتی ہے۔ عدل کے بغیر کوئی نظام درست نہیں ہو سکتا۔ حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے، کرئی اپنا ہوا بگاڑ۔ قریب ہی ہو یا اجنبی، رشتہ دار ہو یا پڑوسی ہر ایک کے ساتھ یکساں سلوک کرو، کسی کے ساتھ روبروایت نہ کرو کہ یہ عدل کے خلاف ہے۔ فرمایا برخلاف اس کے عدل کرو هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی عدل ہی تقوے کے قریب تر ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا

ہر طرح کی آرام و راحت حاصل کر لیں مگر آخر میں، یہ جہنم کے کندہ آثار میں
ہیں۔ ان کا حشر ویسا ہی ہو گا جیسے گذشتہ سورۃ میں آپ کا ہے **تُولَدُ مَا تَوَدُّ**
وَتَذُمَّ لَهُ جَهَنَّمَ **هَؤُلَاءِ مَصْرُوفٌ** آج کوئی اغیار کا طریقہ
اختیار کر لیا، ہم اس کا رخ اُدھر ہی پھیر دیں۔ گے جہنم روہ جانا چاہتا ہے۔
اور بالآخر وہ جہنم میں پہنچ جائے گا جو بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

انعام کا
شکر

س کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے خطاب کر کے اپنی عطا کردہ
نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ ان نعمتوں میں عسکری و عمرمت کی تعلیم،
ایمان کی دولت، اعمال صالحہ کی توفیق، عصمتِ عدل کا حصول وغیرہ ہیں۔
کوئی چھیننا انعام ہے کوئی بڑا انعام ہے۔ ان سب پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا
کرنا چاہیے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا**
نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو
جو اس نے تم پر کیں۔ یہاں پر ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ دیکھو
اللہ نے تم پر احسان کیا **اذْهَبْ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا رِجْلَكُمْ**
يَدِيهِمْ جب ایک قوم نے تمہاری طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ
کیا۔ لڑائی کا میدان تھا حضور علیہ السلام اور صحابہ کرامؓ میدانِ جنگ میں موجود
تھے۔ اہل اسلام نے ظہر کی نماز میدانِ جنگ میں ہی ادا کی۔ بعد میں کفار کو
بڑا افسوس ہوا کہ ان سے غلطی ہو گئی، جب مسلمان نماز میں مصروف تھے تو
ان پر بیکارگی حملہ کر دینا چاہیے تھا۔ پھر سوچا، کوئی بات نہیں۔ ابھی عصر کی
نماز آنے والی ہے، اور یہ نماز مسلمان کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز ہے
اُسے وہ ضرور ادا کریں گے اور ہم اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان
پر حالتِ نماز میں ہی لوٹ پڑیں گے۔ اُدھر اللہ تعالیٰ نے خاص احسان فرمایا
کہ وحی کے ذریعے صلوة خوف پڑھنے کی اجازت دے دی جس کی وجہ
سے مسلمانوں نے نماز بھی ادا کر لی اور دشمن کا دفاع بھی کرتے رہے۔

چنانچہ صلوٰۃ خوف کے طریقہ کے مطابق مجاہدین دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گروہ نے حضور علیہ السلام کی قیادت و امانت میں نصف نماز ادا کی اور اس دوران دوسرا گروہ محاذ پر کھڑا رہا۔ پھر پہلا گروہ محاذ پر چلا گیا اور دوسرا گروہ نے نصف نماز حضور علیہ السلام کے ساتھ ادا کی۔ اس طرح ہر دو گروہوں نے آدھی آدھی نماز جماعت کے ساتھ اور باقی آدھی آدھی انفرادی طور پر ادا کی۔ اس طرح نماز بھی ادا ہو گئی اور دشمن کو حملہ کرنے کا موقع بھی نہ ملا۔ اللہ نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کر کے احسانِ قبلایا ہے۔ کہ میری اس نعمت کو یاد کرو۔ کہ جب ایک قوم نے تمہیں نیست و نابود کرنے کا ارادہ کیا، فَكَفَّ يَدَيْهَا عَنْكُمْ پس ہم نے اُن کے ہاتھ ہماری طرف بڑھنے سے روک دیے۔

اللہ پر
بھروسہ

فَرَأَى الْمُؤْمِنُونَ اللَّهَ شَهِدًا لَهُمْ فَمَا يَسْتَوِيُونَ ۚ وَ عَلَى اللَّهِ فَلْيَسْتَوِي ۚ
ان مؤمنینوں نے اللہ کو اپنے گواہ کے طور پر دیکھا اور وہ خدا تعالیٰ کی ذات پر ہی بھروسہ رکھیں۔ بیشک ہمتیار اور دیگر ذرائع استعمال کرو۔ مگر نتائج کے لیے بھروسہ ہمیشہ اللہ پر ہی رکھو، کیونکہ کسی چیز میں اثر پیدا کرنا اُسی کے قبضے میں ہے۔ وہ جب چاہے گا تمہارے لیے اچھے نتائج پیدا فرمائے گا۔ اگر وہ نہیں چاہے گا، تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ لہذا تمام مسائل بروئے کار لانے کے بعد نتائج کے لیے بھروسہ اللہ پر ہی ہونا چاہیئے۔ ہر چیز کا تصرف اُسی کے پاس ہے، وہ جس ذریعہ سے کام لینا چاہے گا از خود لے لے گا۔ تم لوگ سے خلوص کے ساتھ بقدر محبت اپنا فرض ادا کرو اور اس کے بعد اُسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو کہ اہل ایمان کی یہی شان ہے۔

وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَرْتُمْ أَوْامِعُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ⑫

ترجمہ :- البتہ تحقیق اللہ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد کیا، اور بھیجے ہم نے اُن میں سے بارہ سردار، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم کرتے رہے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے اور تم میرے رسولوں پر ایمان لائے اور اُن کی تائید کرتے رہے اور قرض دیا تم نے اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض تو میں ضرور معاف کر دوں گا تم سے تمہارے گناہ، اور میں ضرور دخل کر دوں گا تم کو جہنم میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اور جس نے کفر کیا اس کے بعد تم میں سے، پس بیشک وہ گمراہ ہو گیا یہی راستے سے ⑫

ایمانی عہد

سورۃ کی پہلی آیت میں ہی ایمانی عہد کی تمقین کی گئی تھی یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ یعنی اے ایمان والو! اپنے عہد و پیمان کو پورا کرو۔

اس کے بعد دیگر آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے پابندی عہد کا حکم دیا ہے اور پھر اہل اسلام کو فرمایا کہ یہ ایفائے عہد کا قانون صرف تمہارے ہی نہیں ہے بلکہ یہ قانون بنی اسرائیل پر بھی نافذ تھا اور ان کو بھی عہد و پیمان کا پابند کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَأَوْفُوا بِأَعْهَدِهِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا عَمْدًا کو پورا کرو کیونکہ اس کے متعلق باز پرس ہوگی۔ ایفائے عہد انسانی سوسائٹی کی ترقی کے لیے ضروری ہے۔ عہد و پیمان اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہو یعنی حقوق اللہ ہوں یا انسانوں کے حقوق العباد ان سب کی وفا بہر طور ضروری ہے۔

ہر مومن جو ایمان قبول کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے مومن ہونے اور اس کے احکام کی تعمیل کا وعدہ کرتا ہے۔ میاں بیوی میں نکاح کی صورت میں بعض شرائط پر عہد و پیمان کرتے ہیں اور دونوں اپنے اپنے حقوق و فرائض کی ادائیگی کا ذمہ لیتے ہیں دو افراد میں کسی معاملہ میں شراکت کا معاہدہ ہو تو اسے بھی پورا کرنا لازم ہے۔ اسی طرح دو ملکوں کے درمیان کوئی معاہدہ ہو جائے تو دونوں کا فرض ہے کہ اس کی پابندی کریں۔ کیونکہ عہد شکنی منافق کی نشانی ہے إِذَا عَاهَدَ عَدُوٌّ جَبَّ وَهُوَ كَذِبٌ عَمْدًا کہتا ہے تو خدا ہی کرتا ہے مگر مومن کی صفت یہ ہے کہ جب عہد کرے تو اسے پورا کرے

بنی اسرائیل
سے عہد

گذشتہ آیات میں اہل اسلام کو ایفائے عہد کی تلقین ہوتی رہی ہے اب فرمایا: وَلَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ بِشَيْءٍ بَيِّنٍ مِّنْ عَمَلِهِمْ أَنَّهُمْ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرو گے۔ اور والدین، اقربا، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ احسان کرو گے اور نماز قائم کرو گے، اور زکوٰۃ ادا کرو گے، کھپیر یہ بھی ان سے عہد لیا۔

لَا تَسْفِكُون دِمَاسَكُمْ کہ تم آپس میں خونریزی نہیں کرو گے۔ اور ایک
دوسرے کو بے وطن نہیں کرو گے۔۔۔ سورۃ بقرہ میں طور پہاڑ ان کے
سروں پر معلق کر کے اللہ کی کتاب پر عمل کرنے کے عہد کا ذکر آتا ہے پھر
سورۃ آل عمران میں اللہ کی کتاب تورات کے متعلق عہد کا تذکرہ ہے۔
لَتَجِئِنَّهُ رُلَّاسٌ وَلَا تَكْتُمُونَهُ کہ تم اس کے احکام کو
لوگوں کے سامنے بیان کرو گے اور انہیں چھپاؤ گے نہیں۔

بہر حال یہاں پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے عہد کی مثال بیان کر کے
اہل ایمان کو راہ دلایا ہے کہ جس طرح ان کے لیے عہد و پیمان کا ایسا ضروری
تھا، اسی طرح تمہارے لیے بھی ضروری ہے اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق سے
کے لیے عہد و پیمان کو پورا کرو۔

بارہ نقیب

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ
اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ
عَشَرَ نَقِيبًا اور ہم نے ان میں سے بارہ نقیب مقرر کئے۔ چونکہ
بنی اسرائیل بارہ خاندانوں پر مشتمل تھے، لہذا ہر خاندان کے لیے ایک نقیب
مقرر کیا گیا۔ نقیب مورخ کو کہتے ہیں اور تنقیب کا معنی کریدنا، دیکھ بھال
کرنا، حفاظت اور نگرانی کرنا ہوتا ہے، اسی لیے نقیب سردار یا سرکردہ
آدمی کے لیے بولا جاتا ہے، کیونکہ وہ اپنے خاندان، قبیلے یا گروہ کا سربراہ
محافظ یا نگران ہوتا ہے۔ طلباء کے مانیٹر کے لیے بھی نقیب کا لفظ بولا
جاتا ہے کہ وہ جماعت کی دیکھ بھال یا نگرانی کرتا ہے۔ یہاں جس عہد کا ذکر
کیا جا رہا ہے، یہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی
وساطت سے لیا تھا اور اس کا خلاصہ آگے آرہا ہے۔

جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے بارہ نقیب مقرر کیے
تھے اسی طرح حضور نبی کریم علیہ السلام نے بھی انصار مدینہ کے بارہ نقیب

مقرر کیے تھے۔ ہجرت مدینہ سے پہلے مدینہ کے دو عظیم خاندانوں اوس
در عزر ج نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ جب وہ لوگ اسلام قبول کرنے
کے لیے مکہ مکرمہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں آئے تو آپ نے ان کے
- معاملات کی دیکھ بھال اور مکہ سے رابطہ قائم رکھنے کے لیے بارہ نقیب
مقرر کیے تھے۔ خزرج بہت بڑا خاندان تھا لہذا اس میں سے نو نقیب
مقرر کیے گئے اور قبیلہ اوس سے تین۔ یہ لوگ مدینہ میں اسلام کی تبلیغ کرتے
تھے اور مسلمانوں کی طرف سے تعمیل احکام کی نگرانی کرتے تھے۔ جب
کسی معاملہ میں ہدایت کی ضرورت محسوس کرتے تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام
سے حاصل کرتے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور بارہ نقیب مقرر فرمائے
وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ اللَّهُ تَعَالٰی نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں
یعنی اگر تم نے عہد کی پابندی اختیار کی تو میری شفقت اور مہربانی تمہارے شامل
حال ہوگی۔ تمہیں بلند درجات نصیب ہوں گے اور تم فلاح پا جاؤ گے۔
اللہ تعالیٰ کا فرمان اِنِّیْ مَعَكُمْ بہت بڑی قدر و قیمت رکھتا ہے
یہاں کوئی معمولی قضیہ کسی کو کر دے کہ فکر نہ کرنا میں تمہارے ساتھ ہوں۔
تو اس کی بھی بڑی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ کسی کی پشت پر گرنے ہو یا صدمہ مملکت
کسی کو امداد کی تسلی دے دے تو یہ متعلقہ شخص کے لیے بہت بڑی بات ہوتی
ہے مگر یہی بات شمشادہ طلق اور مالک الملک فرماتے کہ میں تمہارے
ساتھ ہوں تو پھر کس چیز کی کمی رہ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے
اپنی معیت کا وعدہ کیا مگر یہ قوم اپنے عہد و پیمان پر قائم نہ رہ سکی، جس کی وجہ
سے اللہ کے ہاں غضب علیہ کھڑی۔

اس قسم کی معیت کی کوئی ایک مثالیں قرآن پاک میں ملتی ہیں۔ جب
موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر نکلا کھڑے ہوئے تو آگے سمندر آگیا اور

فانزاور
فركوة

آگے اللہ تعالیٰ وہ شرط بیان فرمائی ہے میں جن کو پورا کرنے سے شریعت کی معیت نصیب ہو سکتی ہے ارشاد ہے۔ لَیْسَ أَقْبَمُكُمْ الصَّلَاةَ اگر تم نے نماز کو قائم کیا ۱۰ اَتَيْتُمْ الزَّكَاةَ اور زکوٰۃ دیتے ہو یا نہ دیتے ہو کے بعد نماز اور زکوٰۃ اہم ترین رکان اسلام ہیں۔ قرآن پاک میں ان دو چیزوں پر ملامت کی بار بار تاکید کی گئی ہے مہلمانوں کے گرد وہ میں شامل ہو چکی یہ دو ظہری علامات ہیں۔ نماز بدنی عبادت ہے اور اس کو تحقق حقوق اللہ سے

ہے۔ زکوٰۃ مالی عبادت ہے اور اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ نماز میں طہارت اور اجابت کی صفات پائی جاتی ہیں کیونکہ طہارت کے بغیر نماز ادا نہیں ہو سکتی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کے اظہار کا یہ بہترین نسخہ ہے۔ زکوٰۃ کے عمل میں سہاحت کی صفت پائی جاتی ہے۔ زکوٰۃ دینے والا شخص فیاض، مغرب پروری اور بنی نوع انسان سے ہمدردی کی صفات سے متصف ہوتا ہے۔ ہم شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کے ذریعے انسان میں دو اعلیٰ اخلاق پیدا ہوتے ہیں، ایک بنی نوع انسان سے ہمدردی اور دوسرے اپنی ذات سے نکل کر بیخ کنی، مال خرچ کرنے والا شخص بخیل نہیں ہوگا۔ بخل بہت بُری بیماری ہے جس کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے اَيُّ دَاءٍ اَدْوَا مِنْ الْبُخْلِ یعنی کبھی کسی سے زیادہ بُری بیماری کون سی ہو سکتی ہے۔

ایمان
بائبریل

فرمایا اگر تم نماز ادا کرتے رہے اور زکوٰۃ دیتے رہے وَامْسُتَعِبْ مِنْ سَبِيلِ اور میرے رسولوں پر ایمان لائے۔ اس آیت کریمہ میں نماز اور زکوٰۃ کہیں بیان کیا ہے اور ایمان کا تذکرہ بعد میں، حالانکہ ایمان ہی ہر عمل کی بنیاد ہے اور اس کا تذکرہ پہلے ہونا چاہیے تھا۔ مگر یہاں پر بات یہ سمجھائی جا رہی ہے کہ نماز اور زکوٰۃ کا اُس وقت تک کچھ فائدہ نہیں جب تک ایمان درست نہیں ہے یہ بھی ایک طرز بیان ہے کہ ایمان میں زور پیدا کرنے کے لیے اس کو بعد میں ذکر کیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ نیکی کی قدر و قیمت ایمان کے ساتھ ہے۔ جو شخص صحیح ایمان سے محروم ہے اُس کی لمبی لمبی نمازیں، صدقہ و خیرات اور نیکی کے دیگر امور عبث محض ہیں، ایمان کے بغیر فلاح حاصل نہیں ہو سکتی۔

فرمایا میرے رسولوں پر صرف زبانی ایمان لانا کافی نہیں، بلکہ ایمان کے ساتھ ساتھ اَلْاٰمْرُ بِالْعَمَلِ کی تائید کر دو گے۔ رسولوں

لے مسند احمد مجلہ ۱۰ ص ۱۰۹ (۱۰۹)

کی لائی ہوئی شریعت کی تعزیرت کو باعث بنو گے۔ تعزیر کا لفظ بھی اس سے ہے۔ مجرموں پر جو تعزیر لگائی جاتی ہے اُس کا معنی بھی یہی ہے کہ اس کے ذریعے جرائم کی روک تھام کرنے والے ادارہ میں قوت پیدا ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے جرائم کے متدبب میں مدد ملتی ہے۔ تو فرمایا اگر تم دین کے احکام پر عمل پیرا رہے اور تمام امور نبی کے احکام کے مطابق انجام دیے تو پھر اس کا صلہ آگے بیان ہو رہا ہے۔

قرض من فرمایا، وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا اور اگر تم اللہ کو قرض حسن درو گے۔ اللہ کو قرض لینے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی خوشنودی کے لیے غزباد و مساکین پر خرچ کیا جائے اُن کو صدقہ و خیرات دی جائے زکوٰۃ کا حکم چونکہ پہلے بیان ہو چکا ہے لہذا اس قرض حسن سے مراد نفعی صدقہ خیرات ہو گا جو خدا تعالیٰ کی رضا کی خاطر مستحقین میں تقسیم کیا جائے۔ قرض حسن وہ ہے جو خالص نیک نیتی کے ساتھ دیا جائے اور اس میں نہ کوئی ریا کاری ہو اور نہ اس سے کوئی دوسرا مفاد حاصل کرنا مقصود ہو جو شخص اللہ کے حکم کے مطابق قرض حسن دیتا ہے اُسے یقین ہوتا ہے کہ اُس کا مال محفوظ ہے اور اُسے اللہ تعالیٰ آخرت میں ضرر نہ لٹا دیں گے، لہذا اُسے قرض حسن کہنا گیا ہے قرض حسن اُسے بھی کہتے ہیں جو کوئی شخص کسی حاجت مند کو مقررہ مدت کے لیے کوئی رقم ادھار پر دے دے اور اس کے ساتھ کوئی سود یا دیگر مفاد حاصل نہ کرے، اس قرض کے لیے بھی طرفین کی طرف سے خلوص نیت کی ضرورت ہے۔ قرض لینے والا محض اللہ کی رضا کی خاطر اپنے بھائی کی مدد کرے، کہ ضرورت پوری کرنے کے بعد وہ رقم واپس کر دے۔ اگر قرض خواہ کی نیت میں ذرہ بھی فتور ہو گا اور وہ قرض لے کر احسان بتلایا گا یا کوئی چھوٹا موٹا مفاد حاصل کر لے گا تو وہ قرض حسن نہیں ہو گا اسی طرح مقروض کے لیے بھی لازم ہے کہ وہ قرض لینے وقت خلوص نیت

سے مقررہ مدت میں قرضہ کی واپسی کا ارادہ کرے اور پھر واپسی میں کسی قسم کا
پس و پیش نہ کرے۔ اگر مقرض واقعی مجبور ہے اور وقت مقررہ پر قرض واپس
کرنے پر قادر نہیں تو قرض خواہ کو چاہیے کہ "فَنَظَرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ" کے مصداق
اُسے مزید مصلحت دے اور اگر مقرض زیادہ ہی نادار ہے تو قرض کا کچھ حصہ
یا سارے کا سارا بھی معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ سے اجر عظیم کا مستحق قرار پائیگا۔
زمانہ حال میں تو قرضِ حسن کا تصور ہی ختم ہو چکا ہے۔ مادہ پرستی کے
س دور میں ہر شخص اپنے مفاد کو دیکھتا ہے اور ہر وقت دولت جمع کرنے کی
فکر میں رہتا ہے۔ جو شخص بنک میں رقم جمع کرے مقررہ سود حاصل کرنے
کی فکر میں رہتا ہے وہ کسی کو قرضِ حسن کیسے ادا کرے گا۔ اسی طرح جو شخص
قرض تو حاصل کرتا ہے مگر اس کی نیت میں مستور ہے کہ وہ واپسی کا
ارادہ نہیں رکھتا اور مقررہ وقت پر مال منول کرتا ہے تو یہ بہت بڑا
ظلم ہے۔ اسی لیے کوئی آدمی قرضِ حسن لینے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔
کیونکہ اُسے واپسی کا یقین نہیں ہوتا۔ غرضیکہ دونوں طرف کی مفاد پرستی کی
وجہ سے قرضِ حسن کا نظام ہی ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اسے
بہت بڑا عمل شمار کیا ہے۔ اور اسے نماز، زکوٰۃ اور ایمان بالرسول کے
ساتھ ذکر کیا ہے۔

فرمایا اگر تم متذکرہ امور پر عمل پیرا ہو گے اُس کا صلہ یہ ہے لَا كُفْرَانَ
عَنْكُمْ بِسَيِّئَاتِكُمْ مِمَّنْ تَمْسَئُ بِهَا كُفْرًا كُفْرًا تَمْسَئُ بِهَا كُفْرًا تَمْسَئُ بِهَا كُفْرًا
سے درگزر کروں گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا وَلَا دُخْلَنَكُمْ جَنَّتِ تَمْسَئُ بِهَا كُفْرًا
جنتوں میں داخل کروں گا، ایسے باغات تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ تمہارا ٹھکانا ایسے اعلیٰ مقامات میں ہوگا
مگر یہ بھی یاد رکھو هَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ اِنْ اَحْكَمَ بِرَعْلِهِ اَم
کھینے کے بعد کے بعد جس شخص نے انکار کیا۔ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ

وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔

اب انکار کی بھی مختلف شکلیں ہوتی ہیں۔ اگر تذکرہ احکام پر ایمان ہی باقی نہیں رہا۔ تو ایسا شخص بلاشبہ کافر ہو گیا۔ اور زبان سے تعمیل احکام کا اقرار کرتا ہے مگر عملاً انکار کرتا ہے، تو پھر کفر کے درجے کو تو نہیں پہنچتا مگر گمراہوں میں ضرور داخل ہو گیا۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَإِنَّ الْإِنْسَانَ كَفُورٌ یعنی انسان عام طور پر ناشکر گزار ہی ہوتے ہیں۔

بہر حال فرمایا کہ ایسا شخص سیدھے راستے سے بھٹک گیا، کیونکہ عبادتہ تو ایمان اور نبی کا راستہ ہے، صراطِ مستقیم اُس شخص کو مائل سے جو انبیاء و عیماں پر ایمان رکھتا ہے، اُن کے جائے ہوئے طریقے کے مطابق عبادت کا التزام کرتا ہے۔ بنی نوریع انسان کے ساتھ ہر دانہ سلوک روا رکھتا ہے اور اپنے عہد کا پابند ہے۔ اسی کے متعلق فرمایا اِنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ میری رحمت کے مقام تک پہنچنے کا یہی صراطِ مستقیم ہے۔ جو اس راستے پر چلے گا، وہ کامیاب ہوگا جو اس راستے سے بھٹک گیا وہ جہنم میں پہنچے گا۔ اللہ تعالیٰ نے عہد و پیمان کی بات بنی اسرائیل سے شروع کر کے یہی بات آخری امت کے لوگوں کو بھی سمجھائی ہے کہ جس طرح عہد و پیمان کی پابندی بنی اسرائیل پر لازم تھی، اسی طرح تم بھی عہد و پیمان اور تمام احکام بجالانے کے پابند ہو۔

السَّادَةُ ۵

بیت ۳، ۱۴۲

لَا يَحِبُّ لِلَّهِ ۶

دُرُس دِلِزِیْمِ ۱۲

فَمَا نَقَضَهُمْ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَائِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ⑬ وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِي أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ⑭

ترجمہ میں بوجہ اُن کے توڑ دینے کے اپنا عہد پوئیں نہ
نے اُن پر عنت کی اور اُن کے دلوں کو سخت کر دیا وہ جہاں
کرتے ہیں کلمہ کو اُس کے ٹھکانوں سے اور وہ ٹھکانے گئے نامہ
معا، اُس چیز سے جس کے ساتھ اُن کو نصیبت کی تھی تقی اور آپ
بیٹھ اٹھتے رہیں گے اُن کی کسی خیانت پر جگر بہت کر
لوں اُن میں سے . آپ عاف کر دیں اور درگزر کریں اللہ تعالیٰ ہر
کرتا ہے احسان کرنے والوں کو ⑬ اور اُن لوگوں میں سے جنہوں نے
کہ ہم نصاریٰ ہیں . ہم نے کیا اُن سے پختہ عہد . پس مہول نے

وہ فائدہ اٹھانا جس چیز سے جس کے ساتھ اُن کو نصیحت کی گئی تھی ،
پھر ڈال دی ہم نے اُن کے ایمانِ عداوت اور دشمنی قیمت تک
اور عنقریب اللہ تعالیٰ اُن کو بتائے گا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے (۱۴)

رابطیت

ابتداءً سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ایمان سے ہمہ کی تعین کی تھی وَهُوَ
بِالْعُقُوبَةِ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ عہد صرف تمہیں سے نہیں لیا گیا بلکہ تم سے
پہلے بنی اسرائیل سے بھی عہد یہ گئے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے توسط سے اُن میں سے
بارہ ذقیب مقرر کیے گئے بنی اسرائیل کے بارہ نسلوں کے لیے ایک ایک نصیب تھا
جو اپنے قبیلہ کی خزانہ اور حفاظت کا ذمہ دار تھا ، اللہ نے اُن لوگوں سے فرمایا کہ میری مدد
ممانے ساتھ ہوگی اگر تم نماز قائم کرتے رہو گے ، زکوٰۃ ادا کرتے رہو گے رسولوں پر ایمان
لاؤ گے اور اُن کی تائید کرتے رہو گے پھر اللہ کو فرض حسن دو گے یعنی محتاجوں پر سہارہ
کرتے رہو گے ، اگر ایسا کرتے رہو گے تو میں تمہاری خطائیں معاف کر دوں گا اور تمہیں
بانات میں داخل کر دوں گا ، پھر جس نے کلمہ کا راستہ اختیار کیا تو یقیناً جانو کہ وہ سب سے راستے
سے نکل گیا ، ہر حال اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا تذکرہ کر کے اہل ایمان کو سنبھادیا ، عہدِ پیمان
کو پورا کرنا لازمی ہے ، ورنہ انسان گمراہ ہو جاتے ہیں ۔

نقص عہد
پر لعنت

آج کے دہے میں اللہ تعالیٰ نے اُس نسل کا ذکر کیا ہے جو بنی اسرائیل کو عہد توڑنے کی
وجہ سے دی گئی ، اس جوہر کی سزا نہ صرف دنیا میں دی گئی بلکہ انہیں آخرت میں بھی سزا ملیگی ،
ارشاد ہوتا ہے قَدْ نَقَضْتُمْ مِيثَاقَهُمْ اَنْ يَكُونُوا لِي اَوْدَانًا يَلْعَنُونَ
توڑنے اپنے پختہ عہد کو ، یہاں مِثَاقُہُمْ اور یہ تاکید کے لیے آتا ہے مطلب
یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو سنتِ تاکید کی گئی تھی کہ وہ اپنے عہد کو پورا کریں مگر وہ اُن کے اُس
عہد کو توڑ ڈالنے کے لَعْنَتُہُمْ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اُن پر لعنت کی حنت
کا معنی وکیل دینا یا مدد کر دینا ہے ، اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنی حنت
دہہ بانی سے دور کر دیا ، یہ وہی دوری باللعنت ہے جو شیطان کے حنت میں بے شریک

جکی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ سریانی انجیل میں فارقیط کا لفظ موجود ہے اور اس کا معنی احمد ہے۔ یہ نبی آخر الزمان علیہ السلام کی آمد کی بشارت تھی مگر یہودیوں نے فارقیط کی بجائے شیفع اور مددگار کے الفاظ داخل کر دیے یہی لفظی تحریف ہے۔ جو لفظ اللہ نے نازل کیا تھا اُس کی جگہ دوسرا لفظ لگا دیا گیا۔

حضور علیہ السلام کی آمد کی پیشین گوئیاں تورات میں بھی موجود تھیں۔ اصل تورات میں یہ الفاظ تھے کہ وہ آخری نبی فاران کی چوٹیوں سے جلوہ گر ہوگا۔ دس ہزار قدسیوں کی جماعت کے ساتھ آئیگا۔ اُس کے دائیں ہاتھ پر آتشیں شریعت ہوگی، وہ دنیا کی قوموں سے محبت کرنے والا ہوگا اور قومیں اُس کے قدموں میں جمع کی جائیں گی، یہ تمام نشانیاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صادق آتی ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ کے ہمراہ دس ہزار صحابہ موجود تھے۔ مگر یہودیوں نے تورات میں دس ہزار کی بجائے لاکھوں لکھ دیا تاکہ یہ پیش گوئی نبی آخر الزمان علیہ السلام پر ثابت نہ ہو سکے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب فوز البکیر میں لکھتے ہیں کہ اہل کتاب نے لفظی تحریف سے زیادہ معنوی تحریف کی ہے۔ انہوں نے کلام الہی کے مطالب و معانی کو غلط رنگ میں پیش کیا اور اس طرح وہ ہدایت الہی سے مستقل طور پر محروم ہو گئے۔ انہیں تورات، انجیل کے ذریعے نصیحت کی گئی تھی تاکہ اُن کے احوال درست ہو جائیں مگر وَتَسُوْا حَقْلًا قَسَمًا ذُرْکُتُوْا بِہِ اور اُنہیں نصیحت سے منصفیہ ہونا بھلا دیئے اور اللہ کے کلام سے کچھ فائدہ حاصل کیا۔ اُس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسی دینے پر فرمایا کہ اِنی سابقہ تحریف نے متعلق ایک کو بت کچھ بتایا جا چکا ہے ہم انکی آئندہ تحریف متعلق فرمایا وَاَنْتَ لَا تَطْلُعُ عَلٰی خَائِبٰتِنَا مَتَّعُوْا اَبْاَنَکِ اَنْ کِیْ اَنْتَ دِیَا نَت یعنی تحریف سے بھی مطلع ہوتے رہیں گے۔ یہ لوگ جب بھی اللہ کے کلام میں تبدیلی کے متکلب ہوں گے، آپ دقت فوقاً اس پر مطلع ہوتے رہیں گے۔ فرمایا سارے

اہل کتاب ایک جیسے نہیں ہیں۔ اِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ اُن کی ایک
 قلیل تعداد اللہ کی۔ کتابوں میں تحریف کی مرتکب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ
 نے حضرت بنی کریم علیہ السلام کو فرمایا کہ اہل کتاب کی ان تمام تر غباثتوں کے باوجود
 فَاصْفَحْ عَنْهُمْ اَیُّ اُن کو معاف کر دیں وَاصْفَحْ اور درگزر فرمائیے
 نیکی پر قائم رہیں کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ بیشک اللہ تعالیٰ
 نیکی کو بخیرالوں کو پسند فرماتا ہے۔

میشاق نصاریٰ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے متعلق خصوصی طور پر فرمایا
 وَمِنَ الَّذِیْنَ هَآلُوْا اَنَا نَصْرٰی اِنے آپ کو نصاریٰ کہلانے والے لوگوں
 سے۔ نصاریٰ یا نصرانی انصار کے مادہ سے ہے جس کا معنی مددگار ہے
 سورۃ صفت میں موجود ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے
 کہا مَنْ اَنْصَارِیَّ اِلَی اللّٰهِ اللّٰہ کے دین کی خاطر میری کون مدد کرے گا
 قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ تو حواریوں نے کہا کہ ہم مطلوبہ
 مدد پر تیار ہیں اس وجہ سے انہیں نصرانی کہا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ
 نصاریٰ کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گاؤں ناصره کی طرف سے۔
 بہر حال جو لوگ اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہیں
 وہ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں رکھتے۔ نہ انجیل پر اُن کا صحیح ایمان ہے۔ بہر حال
 فرمایا کہ جن لوگوں نے نصاریٰ ہونے کا دعویٰ کیا اَخَذْنَا مِیْثَاقَهُمْ
 نَے اُن سے پختہ عہد لیا۔ فَتَسُوْا حَظًا مِّمَّا فُكِّرُوْا بِہِ مگر وہ اس
 چیز سے فائدہ اٹھانا مقبول گئے جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی۔ فرمایا اس
 کے نتیجہ میں فَاعْرَبْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ ہم نے اُن
 کے درمیان عداوت اور دشمنی اور کینہ ڈال دیا یہ دنیا میں ہی اُن کو سزا دے
 دی گئی کہ وہ ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔ یہ سب کچھ عہد شکنی کا نتیجہ
 تھا کہ اُن پر لعنت کی گئی اور اُن کے دلوں کو سخت بنا دیا گیا۔ پھر انہوں نے

اللہ کی کتاب میں تحریریت کی اور اصل کتب کے احکام کو قبول کئے نصاریٰ کے متعلق خاص طور پر فرمایا کہ انیس آپس کی دشمنی اور عدوت کی سزا دی گئی اِلٰی یَوْمِ الْقِيَامَةِ مَتَّعَ جو ہمیشہ انیس متی رہیگی۔ یہاں پر قیامت کے دن سے مراد یومِ آخرت نہیں بلکہ اس سے لمبا عرصہ مراد ہے۔ ان معانی کی مثال زمانہ جاہلیت کے شاعر عبید بن ابرص کے کلام سے ملتی ہے۔ یہ شخص اپنے زمانے کا عظیم شاعر تھا مگر حضور علیہ السلام کی ولادت سے اکیس سال پہلے مر گیا تھا۔ عرب کے کسی علاقے کا بادشاہ قبیلہ بنی اسد پر ناراض ہو گیا اور اُس نے قتل عام کا حکم دے دیا۔ شاعر نے کھڑے ہو کر بادشاہ کے سامنے قصیدہ پڑھا اور معافی کی درخواست اِن الفاظ میں کی

اَنْتَ الْغَلِيْتُ عَلَيْهِمْ وَهُمْ الْعَبِيدُ اِلٰی الْقِيَامَةِ
تم بادشاہ ہو خدا کے لیے ان پر ظم کرو۔ یہ قیامت تک تمہارے غلام رہیں گے مطلب یہ کہ لوگ بسے عرصے تک تمہارے مطیع و فرمانبردار رہیں گے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے متعلق فرمایا کہ ان میں غیر محمد و عرصہ کے لیے عدوت ڈال دی گئی۔

اہل کتب
مسلمان

جن خرابیوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے متعلق کیا ہے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ سب خرابیاں خود اہل ایمان میں بھی پیدا ہو چکی ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے متعلق فرمایا لَتَشْتَبِعَنَّ سَنَئِي مَنْ قَبْلَكُمْ حَدُّوا النَّعْلَ بِالنَّعْلِ تم بھی پہلے لوگوں کے نقش قدم پر ہی چلو گے جس طرح جوتا جوتے کے ساتھ برابر ہوتا ہے۔ اسی طرح تم میں اور سابق امتوں میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ چنانچہ جو خرابیاں اللہ نے اہل کتاب کی گنوائی ہیں وہی خرابیاں اس امت میں بھی موجود ہیں۔ نقصِ عمدہ مسلمان قوم کا شیوہ بن چکا ہے۔ عمدہ انفرادی ہو یا اجتماعی، ملکی سطح کا ہو یا بین الاقوامی اُس کی خلافت و رزی کی مثالیں زبانِ زد عام ہیں اسی طرح تمام مسلم اقوام میں سنگدلی کی بیماری بھی پیدا ہو چکی ہے، کوئی کسی کے ساتھ

لے بخاری ص ۲۹، دجلہ ص ۱۰۹، مسلم ص ۲۲۹، مستدرک ص ۲۹، و ترمذی ص ۲۹

احسان و مروت کا سلوک کرنے کے لیے تیار نہیں۔ آج محسن لوگ مفقود ہیں جو قرآن پاک کے اس حکم کی تعمیل پر کمر بستہ ہوں اِنَّ اللّٰهَ يَآمُرُ — بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ۔ اس کے بجائے خود مسلمانوں میں سنگدلی پیدا ہو چکی ہے، افسوس کا مقام ہے کہ اب مسلمانوں سے طہارت، ساحت، اخبات اور عدل جیسے اصول منہ موڑ چکے ہیں۔

جہاں تک تحریف کا تعلق ہے مسلمان لفظی تحریف پر توجہ دے رہے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی حفاظت کا ذمہ خود سے رکھا ہے۔ تاہم مسلمانوں کے ہر فرقے میں کسی نہ کسی حد تک معنوی تحریف ضرور پائی جاتی ہے اپنے ذاتی مفاد یا اپنے فرقہ کو تقویت پہنچانے کے لیے قرآن پاک کے مطالب و معانی کو غلط رنگ میں پیش کرنا۔ اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی غلط تادیل کرنا تحریف معنوی ہی تو ہے۔

سید جمال الدین افغانی عالم اسلام کے بہت بڑے رہنما ہوئے ہیں۔ فرقہ پرستی وہ مسلمانوں کی فرقہ پرستی سے سخت بیزار تھے۔ کہا کرتے تھے کہ اگر میرا بس چھ تو دس بارہ سال کے بچوں کو چھوڑ کر باقی سب آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دوں۔ اُن کا تجزیہ یہ تھا کہ وجودہ نسل فرقہ پرستی میں اس حد تک آگے نکل چکی ہے کہ اب ان کا واپس آنا ناممکن ہے۔ اہل اسلام کو راہِ راست پر لانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ان سب کو یکدم نیست و نابود کر کے نئی نسل کو برپا کر کے سمجھانے کی کوشش کی جائے تو شاید وہ سمجھ جائیں۔ کیونکہ موجودہ نسل اپنی دگر سے بیٹھے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔ آپ فرما رکھتے تھے کہ اپنے دو سو سالہ دور حکومت میں انگریز نے تمہیں اس طرح میں کر رکھا دیا ہے جس طرح کوئی چیز کھول میں پسی جاتی ہے۔ انہوں نے اہل اسلام کی اجتماعیت اور خلافت کو ختم کر کے اسکی جگہ فرقہ بندی کی بیماری پیدا کر دی ہے۔ اب نہ اسے اندر نہ بیخفتہ رکھی دیکھو دنیا میں تمہاری کوئی حیثیت

نہیں رہی۔ انگریز کا واحد مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کا اپنے دین کے ساتھ تعلق قائم نہ رہے۔ بلکہ ان کا تعلق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ بھی منقطع کر دیا جائے۔ فرماتے تھے کہ دنیا میں ہر جگہ مسلمان ان خرابیوں میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی نئی قوم کو اٹھانے جو ان سب کی سرکوبی کرے اور قرآن پاک کے پروگرام پر عمل پیرا ہو تو شاید حالات درست ہو جائیں۔ ورنہ اور کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ فرماتے تھے عربوں اور ترکوں کے تعلقات کا جائزہ لے لیں ان کی دشمنی ختم ہونے میں نہیں آتی۔ اسی طرح مذہبی فرقہ واری ہے۔ ہر فرقہ مدرسہ کے خون کا پیاسا ہے۔ یہ وہی خرابی ہے جو اہل کتاب میں خفتنِ عمل کی وجہ سے پیدا ہوئی اور آج مسلمانوں میں بھی موجود ہے۔ ان میں سنگدل پید ہو چکی ہے، احسان ختم ہو گیا ہے، اخبات، سماجیت اور عدل کہیں نظر نہیں آتے اور پھر سب کے بڑھ کر یہ تحریک کی لعنت ہے۔

مولانا عبید اللہ سندھی بھی غنیمت مسلمان اور دروہل کھنے والے انسان تھے۔ انگریزوں کے دور میں آپت پچیس سال تک برصغیر سے جلا وطن رہے۔ آپ نے ایک سال روس میں، سات سال افغانستان میں، چار سال ترکی میں اور بارہ سال سے زیادہ عرصہ مکہ مکرمہ اور دوسری جگہ بسر کیا۔ آپ بھی انگریز کے سخت مخالف تھے۔ آخر میں جب واپس ہندوستان آئے تو فرمایا کہ میری خواہش تو یہ تھی کہ عمر کے آخری لمحات حرمِ شریف میں گزاریا مگر میں آپ لوگوں کو یہ بتانے کے لیے واپس آیا ہوں کہ جسے طوفان برپا ہیں۔ انگریز تمہارے مذہب کی جڑ اکھاڑ رہے ہیں مگر تم سمجھ رہے ہو کہ ہم ترقی کر رہے ہیں لہذا اپنے دین کو بچانے کے لیے قائم ہو جاؤ اپنے اندرونی اختلافات کو ختم کر کے دین حق کے مددگار بن جاؤ، ورنہ پوری دنیا میں تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی اور تمہارا غبار کے دستِ نگر بن کر رہ جاؤ گے۔

الغرض! فرمایا کہ ہم نے نصاریٰ کے درمیان عداوت اور دشمنی

عیسائی
فرقہ

ڈال دی اور وہ گروہوں میں تقسیم ہو کر رہ گئے۔ ہر فرقہ دوسرے کا دشمن بن گیا۔ آج بھی دیکھ لیں۔ روٹ کیٹھو ملک اور پرائسٹ آپس میں کس طرح دست درگرمیاں ہیں، برطانیہ اور سکاٹ لینڈ والوں کے تنازعہ کی بنیاد کیا ہے۔ مختلف اعتقاد رکھنے والے لوگ کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹے والے یا تیسرا خدا تسلیم کرنے والے یا بالکل بعینہ خدا ماننے والے ایک دوسرے کے ساتھ گتھم گتھا ہیں۔ یہی عداوت اور اختلاف مختلف سلطنتوں کے درمیان دشمنی کی بنیاد بن چکے ہیں اللہ نے فرمایا کہ یہ سب کچھ ان کے لیے سزا کے طور پر ہے۔

یہ تو دنیا میں سزا مل رہی ہے۔ جب قیامت کا دین آئیگا اور حساب کتاب کی نازل آئے گی تو ان کا کیا دھرا ان کے سامنے کر دیا جائے گا۔ س دین بہ مختوں کو بتایا جائے گا کہ تم اپنی بدکرداری کی وجہ سے سزا کے مستحق ٹھہرے ہو۔ فرمایا وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ اور عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں بتائے گا کہ جو کچھ وہ دنیا میں کرتے تھے۔ بہر حال اہل کتاب کی خرابیاں بیان فرما کر مسلمانوں کو خبردار کر دیا گیا ہے کہ غم بھی ان کے نقش قدم پر نہ چل سکن۔

يَا مَلِكِ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ
 كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَلَعَنُوا
 عَنْ كَثِيرِهِ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ⑮
 يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ
 وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ
 إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ⑯

ترجمہ: اے ابی کتاب! تحقیق آگیا ہے تمہارے پاس ہمارا
 رسول جو علم کرتا ہے تمہارے لیے بہت سی چیزیں جن کو تم چھپاتے
 کتاب میں سے اور دگر کرتا ہے بہت سی چیزوں سے تحقیق
 آگیا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور کھول کر
 بیان کرنے والی کتاب ⑮ اللہ اس کے ذریعے ہدایت دیتا ہے
 اُس کو جو چاہی کرتا ہے اُس کی خوشنودی کی سستی کے راستہ کی
 اور نکالتے اُن کو اندھیوں سے روشنی کی طرف اپنے حکم سے اور
 چلتا ہے اُن کو مستقیم ⑯

گزشتہ دروس میں ابی کتاب کے دونوں فرقوں کی نفی عمدہ کی غرضی بیان
 ہو چکی ہے۔ یہودیوں کے متعلق مخصوص طور پر بیان ہو چکا ہے کہ یہ لوگ عمدہ توڑنے
 کی حربے ملعون ٹھہرے اور اُن کے دل سخت کر دیے گئے۔ پھر اس کے نتیجے
 میں اُنہوں نے کتاب اللہ میں تحریف کی اور دین میں بگاڑ پیدا کیا اور جو نصیحت انہوں

رابطات

کی گئی تھی، اس کو فراموش کر بیٹھے پھر نصاریٰ کے متعلق فرمایا کہ انہوں نے بھی عہد کا پاس کیا اور جو نصیحت کی گئی تھی اُس کو بھول گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس دنیا میں ان کے درمیان عداوت اور بغض ڈال دیا گیا، وہ فرقوں میں بٹ کر ایک دوسرے کے دشمن بن گئے اور ان کے درمیان انفرادی صلوات بھی پیدا ہو گئی۔ بہر حال فرمایا کہ یہ تو دنیا کی سزا تھی، اب آخرت میں ان کا سارا کیا دھرا اُن کے سامنے رکھ دیا جائے گا اور چہرہ دافنی سزا کے مستحق ہوں گے۔ ایک ایسا دور بھی آنے والا ہے۔

تیسرے

اب یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو نصیحت فرمائی ہے کہ اگر تم نقض عہد کی لعنت اور سزا سے بچنا چاہتے ہو تو اس کا ایک ہی راستہ ہے کہ نبی آخر الزمان پر ایمان لے آؤ۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے يَا هٰٓؤُلَآءِ اَلْكُتٰبِ فَذٰ جَاؤْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْ اٰہْلِ كِتٰبٍ ہے یعنی اللہ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ علی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو چکے ہیں۔ اگر دنیا کی ذلت اور آخرت کی رسوائی سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہو تو اُن کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ۔ اس رسول اعظم کی ایک خاص نشانی یہ ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُفِّرُوْا عَنْكُمْ رِجْسَكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کہ تم اپنے گناہوں سے پاک ہو جاؤ۔ وہ تمہارے سامنے بہت سی چیزیں ظاہر کرتا ہے جسے تم کتاب میں سے چھپاتے تھے۔

یہودیوں کی طرف سے کتمان حق کے سلسلے میں اسی سورۃ میں آگے آئے گا کہ وہ رجم کے حکم کو چھپاتے تھے۔ خود یہودیوں کے درمیان زہم کا ایک واقعہ پیش آگیا۔ وہ لوگ مندر دریافت کرنے کے لیے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر آپ نے انہی کے علماء سے دریافت کیا کہ تمہاری کتاب کے مطابق زانی کی سزا کیا ہے۔ انہوں نے تو رات کے حکم کو چھپانے کی کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن سلام کے

نہیجے اُسے ظاہر فرما دیا کہ زنا کی سزا رجم ہے۔ آج بھی بائبل کے ترجمے میں یہ آیت موجود ہے کہ جو کوئی بڑوسی کی بیوی سے زنا کرے لگا، وہ جان سے مارا جائے گا، گویا تورات میں بھی زانی سزائے موت کا مستحق ہے۔

اسی طرح عیسائیوں نے حضور علیہ السلام کے اسم مبارک اور آپ کی نشانیوں کو چھپانے کی کوشش کی۔ جیسا کہ کل عرض کیا تھا۔ انہوں نے اپنی کتاب سے فاد قلیط کا لفظ ہی نکال دیا جس کا معنی احمد ہوتا ہے۔ آپ کی نشانیوں میں سے دس ہزار قدسیوں کے الفاظ میں بھی تحریف کر دی۔ آپ کی آمد کے متعلق پیش گوئیوں کو حذف کر دیا۔ بلکہ اگر کوئی شخص ان سے پوچھتا کہ نبی آخر الزمان کی بعض نشانیوں کو ظاہر کرو تو یہ بد بخت ایسی نشانیاں بتلاتے جو حضور علیہ السلام کے خلاف پڑتیں۔ گزشتہ سورۃ کی تفسیر میں یہ بات عیاں ہو چکی ہے کہ جب مشرکین مکہ ان یہودیوں سے پوچھتے کہ بتاؤ ہمارے دین سچا ہے یا مسلمانوں کا، تو یہ کہتے کہ تمہارا دین زیادہ بہتر ہے۔ حالانکہ اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ کتابوں سے واقف ہیں، انبیاء کو جانتے ہیں۔ مگر کس قدر خائن، متعصب اور بددیانت ہیں کہ محض اسلام دشمنی کی وجہ سے مشرکین کے مذہب کو اچھا بتلاتے ہیں۔

تورات میں یہ آیت موجود تھی کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا فرمایا، مگر انہوں نے اُس کے آگے از خود یہ بڑھادیا کہ پھر ساتویں دن آرام کیا۔ حالانکہ یہ کفر کا کلمہ ہے۔ آرام کی ضرورت تو اُسے ہوتی ہے جو تھک جائے مگر اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے پاک ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ پر افترا باندھا۔ اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سورۃ ق میں فرمائی وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ ہم نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان تمام چیزوں کو چھ دن میں پیدا کیا اور ہمیں کوئی تھکاوٹ

لاحق نہیں ہوئی۔ بہر حال یہ بھی اُن کی طرف سے تحریف فی المکتب کی ایک مثال ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمارا نبی بہت سی ایسی چیزوں کو بیان کر دیتا ہے جن کو تم چپاتے تھے۔

وَكَيْفَعُوا عَنْ كَثِيرٍ اور کئی چیزوں سے درگزر کرتا ہے۔ بعض ضروری چیزوں کو ظاہر کر دیتا ہے مگر بعض غیر اہم چیزوں سے تعرض ہی نہیں کرتا کہ ان کو ظاہر کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، البتہ جنہیں مخفی رکھنے میں کوئی قباحت پائی جاتی ہے۔ اور جس سے مزید الجھنیں پیدا ہو سکتی ہیں انہیں ظاہر فرما دیتا ہے۔ اور یہ سب کچھ وحی کے ذریعے ہوتا ہے مگر گزشتہ درس میں بھی آچکا ہے۔ کہ یہ لوگ جس قدر خیانتیں کرتے ہیں آپ ان پر وقتاً فوقتاً مطلع ہوتے رہیں گے۔

نور اور کتاب

فرمایا دوسری بات یہ ہے قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ تحقیق آئی ہے تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک روشنی اور کھلی کتاب۔ یہاں پر الفاظ نور اور کتاب میں خاص طور پر توجہ طلب ہیں۔ عام مفسرین کے نزدیک دونوں الفاظ کے درمیان عطف تفسیری ہے اور ان دونوں الفاظ سے ایک ہی چیز مراد ہے یعنی قرآن کریم۔ نور بھی دبی ہے اور کتاب میں بھی اُسی کو کہا گیا ہے۔ گزشتہ سورۃ ناس کے آخر میں بھی نور کا لفظ اپنی معانی میں استعمال ہوا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَنُزْلٌ مِّنْ لَّبِئْكُمْ نُورٌ مُّبِينٌ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل آچکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف نور مبین بھی نازل فرمایا ہے۔ گویا نور مبین سے مراد قرآن کریم ہی ہے۔ سورۃ اعراف میں بھی نور کا لفظ قرآن پاک کے لیے آیا ہے۔ وَاسْتَبْشِرُوا النُّوْرَ الَّذِي اُنْزِلَ مَعَهُ اور انہوں نے اُس نور کی پیروی کی جو اُس کے ساتھ اتارا گیا اور یہی لوگ نومیابی حاصل کرنے

وائے ہیں بمطلب یہ کہ نور اور کتاب سے مراد ایک ہی چیز ہے اور وہ ہے قرآن پاک۔ اور یہ اس لحاظ سے کہ ہر چیز کو کھول کھول کر یعنی واضح طور پر بیان کرنا ہے

ان معانی پر یہ قرینہ بھی موجود ہے کہ رسول کا ذکر نوآیت کے پہلے حصے میں آچکا ہے "قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ تَحْقِيقُ تَمَلُّکِے پاس ہمارا رسول آچکا ہے۔ لہذا اس دور کے حصہ آیت میں نور سے مراد رسول نہیں بلکہ کتاب یعنی قرآن مجید ہے انہی معانی پر قرینہ اگلی آیت کے ابتدائی حصہ میں بھی آیا بات دہاں ہے "يَهْدِي بِهٖ اللّٰهُ اَللّٰهُ اس کے ذریعے ہدایت دیتا ہے۔ ہدایت کی ضمیر صیغہ واحد ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی ایک ہدایت دہندہ چیز کا ذکر ہو رہا ہے اور وہ ہے قرآن کریم جو نور بھی ہے اور واضح کتاب بھی۔ گریہ دو مختلف چیزیں ہوتیں تو ضمیر واحد کی بجائے تثنیہ استعمال ہوتی یعنی يَهْدِي بِهٖ اللّٰهُ کی بجائے يَهْدِي بِهِمَا اللّٰهُ کے الفاظ آتے اور معنی یہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں چیزوں کے ذریعے ہدایت عطا کرتا ہے اور واقع میں بھی یہی ہے کہ اللہ کا نبی اور قرآن پاک دونوں ہی ذرائع ہدایت ہیں مگر کیا یہ مستعملہ ضمیر واحد سے عیاں ہے کہ نور اور کتاب ایک ہی چیز ہے۔

تاہم بعض مفسرین عظام مثلاً ام بیضاویؒ اور ام ابن جریر طبریؒ نے ان دو الفاظ کو دو مختلف معانی پر محمول کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ نور سے مراد حضور علیہ السلام کی ذات مقدسہ ہے اور کتاب مبین سے مراد قرآن حکیم ہے مگر راجح تفسیر پہلے بیان کر رہی ہے۔ اور اگر ان حضرات کے مطابق نور سے حضور علیہ السلام کی ذات بھی لی جائے تو اس کا معنی نور ہدایت ہو گا یعنی آپ کے پاس نور ہدایت اور واضح کتاب آچکی ہے قرآن میں ذرے کے مختلف معنی بیان ہوئے ہیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے۔ خود قرآن و بھی نور

کہا گیا ہے۔ اسلام بھی نور ہے جیسے فرمایا اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ
بِالْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّنْ تَرْتِیۡہٗ (زر مر) جس کا سینہ اللہ تعالیٰ سے
نے اسلام کے لیے کھول دیا، وہ اپنے رب کی طرف سے عطا کردہ نور پر
ہے۔ ایمان کے متعلق سورۃ شوریٰ میں موجود ہے۔ وَمَا كُنْتَ تَدْرٰی
مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاٰیْمٰنُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰہٗ نُورًا لِّہٖدٰی
بِہٖ مِّنْ قَبْلِہٖ ۚ مِّنْ عِبَادِنَاۤ اُولٰٓئِکَ لَا یَعْلَمُوْنَ
اور ایمان کیا چیز ہے مگر ہم نے اسے نور بنایا جس کے ذریعے ہم اپنے
بندوں میں جسے چاہیں ہدایت دیتے ہیں۔

عربوں میں نور ممانورہ کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور اس سے
مراد فرزند یا جماعت ہوتی ہے۔ اس ضمن میں شبیب بن برسا کا یہ شعر
حماسہ میں موجود ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَا نُوْرٌ قَوِّیْمٌ وَّلَا نَمَآ یَبۡتَغِیۡنِ فِی الظُّلُمٰتِ الْاِنۡسَ نُوْرُہَا
اے مخاطب کیا تم دیکھتے نہیں کہ ہم قوم کا نور ہیں۔ ہماری قوم کا نور
لوگوں کے سامنے اندھیروں میں واضح ہوتا ہے۔ مقصد یہ کہ ہم اس لحاظ
سے نور ہیں کہ لوگ ہماری رائے کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ لفظ
ہادی اور راہنما کے لیے بھی استعمال ہوتا۔ اس لحاظ سے اگر نور کا لفظ حضرت
علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات سے وابستہ کیا جائے تو اس کا مطلب یہ
ہوگا کہ آپ نور ہدایت ہادی اور راہنما ہیں۔

میسے نور کا اطلاق خود اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھی کیا گیا ہے سورۃ نور
میں موجود ہے اللّٰهُ نُورٌۭ السَّکۡنٰتِ وَالۡاَمۡنِ یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں
اور زمین کا نور ہے۔ نور اللہ تعالیٰ کی صفت قدیمہ بھی ہے اور اس سے
مراد ایسا نور ہے جو خود ظاہر ہے اور دوسری چیزوں کو ظاہر کرنے والا
ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس صفت میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔

بہر حال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس لحاظ سے نور ہیں کہ آپ کے ذریعے سے ہدایت، روشنی، ایمان، تقویٰ اور طاعت حاصل ہوتی ہے۔ اس معنوم سے کسی کو مجال انکار نہیں۔ اللہ کے سلسلے سے نور ہدایت ہیں، نبی کا اتباع باعث نجات، ورنہ تو ہمیں باعث کفر ہوتا ہے۔

نور اور بشر

البتہ اہل بدعت نے نور کے لفظ سے غلط معنوم اخذ کیا ہے۔ اور انہوں نے نور سے مراد حضور علیہ السلام کی ذات مبارک لیا۔ اور پھر اس کا تقابن بشر کے ساتھ کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کا انکار کر دیا حالانکہ قرآن پاک میں بیسیوں جگہ حضور علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کی بشریت کا اعلان کیا گیا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے بشر (انسان) اور نبی حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا اِنَّا خَلَقْنَاكَ مِنْ طِينٍ یعنی میں مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں۔ سورۃ نبی اسرائیل میں موجود ہے کہ جب کفار نے نبی علیہ السلام سے کوئی قسم کے معجزات طلب کیے تو اللہ نے فرمایا اِنَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَلَا كُنْتُمْ اَنْتُمْ رُسُلًا مِنْ تَوْحِيدِ رُسُلِ بَشَرٍ سورۃ کہف میں بھی آپ کی زبان سے کھلوا قُلْ اِنَّمَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ یعنی میں بھی تمہاری طرح انسان ہی ہوں۔ سورۃ ابراہیم میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی زبان سے کھلوا قَالَتْ لَهُمْ دُسُّهُمُ اِنْ نَحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ اِنَّ رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ كَانُوا مِنْ نَحْوِ مَا اَنْتُمْ بِمُتَّبِعِيْنَ جیسے بشر، لہذا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، نوازنا ہے مقصد یہ کہ انبیاء کی بشریت کا انکار نص قطعی کا انکار ہے۔ مگر بل بدعت ایک قدم اور آگے چلے اور نوحیہ سے نوحیہ کا عقیدہ وضع کیا۔ گویا حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نور میں سے ایک ٹکڑا ہیں جو علیحدہ ہو گیا ہے (العیاذ باللہ) یہ تو وہی عیسائیوں کا تین خداؤں والا عقیدہ ہے جسے موزن زہرف

میں یوں بیان کیا گیا ہے ”وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا“
 یعنی مشرکوں نے اللہ کے بندوں میں سے اُس کا جزو بنالیا۔ یہ تو انکارِ شریعت
 ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ انبیاء میں صاف فرمایا ہے ”وَمَا أَدْنَا
 قَبْلَكَ إِلَّا رَجَالًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ“ یعنی اے نبی علیہ السلام آپ سے
 پہلے بھی ہم نے انسانوں ہی کو نبی بنا کر بھیجا جن کی طرف ہم نے وحی کی
 گویا تمام سابقہ انبیاء مرد اور زنان تھے۔ اللہ کے وہ برگزیدہ بندے حضرت
 آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، وہ کھاتے پیتے تھے اور تمام امورِ طبعیہ
 انجام دیتے تھے۔ وہ بیویاں اور اولاد رکھتے تھے اور زندگی کے تمام افعال
 پورے کرتے تھے ان پر موت و حیات طاری ہوتی۔ اس کے ساتھ ساتھ
 وہ وحی الہی کے مورد تھے اور جس ہستی پر وحی نازل ہوتی ہے اُس سے عالی
 مرتبت کوئی دوسرا انسان نہیں ہوتا۔

اس مقام پر بعض لوگوں کو مزید غلط فہمی ہوئی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ
 حضور علیہ السلام کو انسان تسلیم کرنے سے العیاذ باللہ آپ کی توین ہو جائیگی
 اُن کے مطابق حضور علیہ السلام کو انسان ماننا اپنے ہم مرتبہ خیال کرنا ہے۔ ایسا برگزیدہ
 نہیں۔ مرتبہ کے لحاظ سے کوئی شخص حتیٰ کہ کوئی نبی بھی آپ کے برابر نہیں ہو
 سکتا۔ کوئی ذی شعور آدمی تو اپنے اساتذہ کو بھی اپنے سے اعلیٰ دارِ فہم سمجھتا ہے
 چہ جائیکہ وہ نبی کی ذاتِ مقدسہ کو اپنے برابر قرار دے۔ نبی علیہ السلام کو اپنے
 بھائی یا باپ کے ہم مرتبت سمجھنا تو کلمہ کفر ہے۔ نبی معصوم ہوتے ہیں۔
 جب کہ عام انسان خطا کار ہیں۔ لہذا یہ محض پراپیگنڈہ ہے کہ فلاں شخص
 پیغمبرِ اسلام کو بڑے بھائی کے برابر سمجھتا ہے۔ اس کے باوجود انبیاء علیہم السلام
 کی انسانیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ وہ سب آدم علیہ السلام کی اولاد
 اور اپنے اپنے خاندان اور نسب میں سے ہیں۔ اُن کی بشریت کا انکار نہ ہو
 گمراہی ہے۔

فرمایا تھا ہے پاس اللہ کی جانب سے نور اور کتاب ہمیں آچکی ہے جس کی خصوصیت یہ ہے کہ یَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ ابْتِغَىٰ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ہر اُس شخص کو سلامتی کے راستے کی ہدایت دیتا ہے جو اُس کی خوشنودی کی پیروی کرتا ہے۔
 وَ يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ، اور اپنے حکم سے انہیں کفر، شرک، بدعات اور معاصی کے اندھیروں سے اسلام، ایمان، نیکی، تقویٰ کی روشنی کی طرف نکالتا ہے۔ انسان کے دل میں روشنی، بصیرت اور یقین کامل پیدا ہوتا ہے۔ دوسرے مقام پر اللہ نے ایمان اور اسلام کو روشنی اور کفر کو اندھیرے سے تشبیہ دی ہے سورۃ النعام میں ارشاد ہوتا ہے: "أَوْ مَنْ صَكَانَ مَيِّتًا فَاحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَا مَثَّلَهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا أَفَبَلَدًا شُخْصٌ جَبِلَ" (کفر کی وجہ سے سردہ تھا، ہم نے اُس کو اسلام کی وجہ سے زندہ کیا، اور اُس کے لیے ایمان کی روشنی کر دی جس کے ذریعے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔ کیا وہ اُس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو کفر کے اندھیرے میں پڑا ہوا ہو، اور اُس سے نکل ہی نہ سکے۔

بہر حال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خوشنودی کے متبع کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے وَ يَهْدِي لَهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ اور انہیں سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ کے نیک بندے اسی راستے پر چل کر جنت جیسے اعلیٰ مقام میں پہنچ جاتے ہیں برخلاف اس کے کفر کا راستہ اختیار کرنے والوں کے متعلق پہلے بیان ہو چکا ہے "فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ تَحَدَّىٰ سَوَاءَ السَّبِيلِ" اِس کے بعد جس نے کفر کا راستہ

اختیار کیا تو وہ سیدھے راستے سے بھاگ گیا۔ اس نے جس کپڑے پر
 سفر کا آغاز کیا ہے، وہ بالآخر اُسے جہنم میں لے جائیگی۔ صراطِ مستقیم
 سے بھٹکنے والوں کا یہی انجام ہوگا۔

لَا يُحِبُّ اللَّهُ

در کس چارہ دوم ۱۴

السامد۵

آیت ۱۰

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ
قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ
الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَآمَنَهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا
وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يُخْلِقُ
مَا يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ①

ترجمہ :- البتہ تحقیق کاذب ہونے وہ لوگ جنوں نے کہا کہ
بیشک اللہ تعالیٰ بعینہ مسیح ابن مریم ہے۔ اے پیغمبر! آپ کہ دیجئے
پس کون مالک ہے اللہ کے سامنے کسی چیز کا مگر وہ ارادہ
کرے کہ ہلاک کر دے مسیح ابن مریم اور اُن کی والدہ کو اور جو
زمین میں ہیں سب کے سب اور اللہ ہی کے لیے ہے سلطنت
آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے وہ پیدا کرتا
ہے جو چاہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ①
پہلے اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے نفیض عہد کا ذکر کیا اور دونوں گروہوں

ربط آیت

کو دنیا میں دی گئی سزا سے آگاہ کیا یہودیوں کے متعلق فرمایا کہ وہ نفیض عہد کے
نتیجے میں معون بٹھریں۔ لنگہ لہنے۔ انہوں نے کتاب الہی میں تحریف کی اور
جو نصیحت انہیں کی گئی اُس کو فراموش کر دیا۔ اسی طرح نصاریٰ کے متعلق فرمایا
کہ وہ بھی نصیحت کو بھول گئے جس کے نتیجے میں اُن کے درمیان عداوت
دشمنی اور کینہ ڈال دیا گیا۔ پھر اُن کو اشارتاً یہ بتلادیا کہ ایک دن آنے والا ہے ۔

جس دن اس دنیا میں کی گئی کارگزاری کی سزا انہیں بھگتنا ہوگی۔ پھر فرمایا اگر دنیا کی لعنت اور آخرت کے عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو اس کسے یہ فرق ایک ہی راستہ ہے کہ اللہ کے آخری نبی اور اس پر نازل کی گئی کتاب پر ایمان لے آؤ۔ یہ ایسی روشنی ہے جو ہر چیز کو کھول کر بیان کرنے والی ہے۔ عذاب الہی سے بچنے کی یہی ایک صورت ہے۔

عیسائیوں کی
فرقہ بندی

اب اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے متعلق فرمایا ہے کہ ان میں بھی بہت سی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ اب ان کا اعتقاد کفر و شرک میں ملوث ہو کر بالکل فاسد ہو چکا ہے۔ اللہ نے ان کے مختلف فرقوں کا بھی رد فرمایا ہے۔ نصاریٰ کا ایک فرقہ ایسا ہے جو مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ کہتا ہے ہے۔ یعنی آپ اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ عقیدہ اہمیت ہے اور اس کے ماننے والوں کا تسلط و دی فرقہ مشہور ہو گیا۔ نصاریٰ کا ایک اور فرقہ ایسا ہے جو مسیح علیہ السلام کو تین خداؤں میں سے ایک کہتے ہیں۔ یہ عقیدہ تثلیث کو ماننے والا مذکا فی فرقہ کہلاتا ہے۔ یہ لوگ باپ، بیٹا اور روح القدس تین خدا ماننے ہیں، اگرچہ خدا تین بھی ہیں اور جب یہ مل جاتے ہیں، تو ایک خدا بن جاتا ہے، ایک فرقہ یعقوبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام بعینہ خدا ہیں۔ کیونکہ خدا نے مسیح کے اندر حلول کیا ہے۔ یہ دیگر مشرکین والا حلولی عقیدہ ہے۔ اللہ نے ان تینوں فرقوں کے متعلق صاف فرمایا ہے کہ یہ کافر ہیں

عقیدہ
عنیت

عقیدہ تثلیث کا ذکر تو آگے آیا، تاہم یہاں پر عنیت کا عقیدہ کہنے والوں کا رد کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّهُمْ لَمَسِيحٌ بَنُ مَرْيَمَ وَهَ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ کہنا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ بعینہ مسیح ابن مریم ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام میں حلول کیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ معلولی یا اتحادی فرقہ بھی کہلاتا ہے۔ یہ

عقیدہ: کل ہندوؤں جیسا عقیدہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا کسی بھی شکل میں
مشکل ہو سکتا ہے۔ اور کسی شے میں حلول کر سکتا ہے اور اس کے ساتھ اتحاد
کر سکتا ہے۔ اسی عقیدے کے مطابق خدا نے مسیح علیہ السلام میں حلول کیا
اور پھر وہ دونوں متحد ہو گئے۔ ان کو اللہ نے کافر فرمایا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں پر مہربانی فرماتا ہے
اور ان پر اپنی تجلیات نازل فرماتا ہے تو انہیں خدا تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جاتا
ہے، انہیں عروج نصیب ہوتا ہے اور وہ انسانیت کے بلند ترین مقام پر
پہنچ جاتے ہیں مگر جو لوگ یہ تصور قائم کرتے ہیں کہ وہ خدا کے ساتھ مل جاتے
ہیں، اور پھر بعینہ خدایں جلتے ہیں، وہ کفر میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اللہ کے برگزیدہ بندے انسانیت میں
کمال حاصل کرتے ہیں مگر ان کے پیڑ کا رُکن سے صادر ہونے والے کالات کو ان کے ذاتی کالات
سمجھنے لگتے ہیں، حالانکہ ان سے جو خارجی عادت چیزیں ظاہر ہوتی ہیں وہ اللہ تعالیٰ
کی مشیت اور قدرت سے ہوتی ہیں۔ اسی اشتباہ میں مبتلا ہو کر ایسے لوگ
کافر بن جاتے ہیں۔ نبی کا معجزہ یا ولی کی کرامت اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت
ہوتی ہے، اللہ کا اپنا فعل ہوتا ہے۔ مالک الملک جس کے ہاتھ پر سے ظاہر
کرتا ہے، اُسے عزت عطا کرتا ہے مگر یہ لوگ ان کا ذاتی فعل سمجھ کر انہیں
الوہیت کے منسوب تک پہنچا دیتے ہیں۔ یہی کفر ہے۔

مسیح علیہ السلام کی بیدارش حیرت انگیز طریقے سے عمل میں آئی۔ آپ اور
ان کی ولیدہ اللہ کے مقربین میں سے ہیں اللہ نے دونوں کو عزت بخشی۔
ایک نبی ہے اور ایک صدیقہ ہے۔ لیکن نصاریٰ نے ان کے متعلق بالکل
باطل عقیدہ وضع کر لیا ہے ان کو مسیح علیہ السلام کی غیر معمولی پیدائش کی وجہ سے
غلطی لاحق ہوئی ہے۔ چونکہ مسیح علیہ السلام کا باپ کوئی نہ تھا، اس لیے
انہوں نے آپ کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف کر دی۔ اور جو معجزات آپ کے
ہاتھ سے صادر ہوئے، ان کی۔۔۔ وجہ سے انہوں نے آپ کو

الہمیت کے درجے تک پہنچا دیا اور اس طرح یہ لوگ شدید گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے کہہ دیا کہ مسیح ابن مریم بعینہ خدا ہے۔ وحدت الوجود والوں میں سے ہے جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا مخلوق کے روپ میں ظاہر ہوا ہے اور بعینہ مخلوق کے ساتھ متحد ہو گیا ہے۔ وہ بھی کفر یہ عقیدہ رکھتے ہیں سید علی جوہری نے کشف المحجوب میں صوفیائے بارہ فرسوں کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں ان میں سے دس گمراہ حق پر ہیں اور دو گمراہ ہیں جو حلولی عقیدہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ علاجِ حلیٰ عقیدے کا قائل نہیں تھا۔ وہ وحدت الوجود کے ملکہ کا قائل تھا مگر حلول کا نہیں۔ فرماتے ہیں جو دو فرقے حلول کے قائل ہیں، وہ کافر اور زندقہ ہیں لہذا وحدت الوجود کے یہ معنی اہرگز نہیں کہ خدا بعینہ مخلوق کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے۔ یہ تو حلول اور اتوار والا عقیدہ ہے جو کفر پر منتج ہوتا ہے۔

اللہ کی
قدرت ہمارے

آگے اللہ تعالیٰ نے عقیدہ عینیت کی تردید کے ضمن میں حضور علیہ السلام کو فرمایا قُلْ اَبُو بَكْرٍ مَيِّكُمُ اِنْ اَرَادَ اَنْ يَهْلِكَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَاُمَّهُ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا اَكْرَمُ عِنْدَ اللّٰهِ اور وہ کرے کہ مسیح علیہ السلام، اُن کی والدہ اور تمام اہل زمین کو ہلاک کر دے، تو خدا تعالیٰ کے سامنے کون دم مار سکتا ہے اور اس کے ارادے کو کون بدل سکتا ہے وہ قادر مطلق ہے۔ اگر وہ ہلاک کرنا چاہے هَمَنْ يَهْلِكُ مِنْ اللّٰهِ شَيْئًا لَوْ هَدَاكَ سَائِلٌ کون کسی چیز کا مالک ہے جو اللہ کی مشیت کو روک سکے۔ مقصد یہ کہ نصاریٰ کا یہ عقیدہ بالکل باطل ہے کہ مسیح علیہ السلام بعینہ خدا ہے۔ فرمایا آپ کی حیثیت تو اتنی ہے کہ اگر مالک الملک اُن کو، اُن کی والدہ اور روئے زمین پر بسنے والی تمام مخلوق کو ہلاک کرنا چاہے تو اس کے ہاتھ کو کون پکڑ سکتا ہے۔ ازل سے سے کہہ رہے ہیں کہ تمہارا مالک کی اجتماعی قوت بھی اللہ تعالیٰ کے ارادے کو کم از کم وقت کے لیے بھی

لے کشف المحجوب فارسی ۱۸۳۰ (فہام)

ملتی نہیں کر سکتی۔ جب وہ انہی قدرت کا مالک ہے تو اس کے ساتھ
 مسیح علیہ السلام کو کیسے شریک کرتے ہو۔ خدا تعالیٰ کی قدرت ذاتی اور
 لامحدود ہے جب کہ مخلوق کی قدرت عطائی اور محدود ہے۔ اللہ تعالیٰ
 اپنی مخلوق کو اتنی ہی طاقت اور قدرت عطا کرتا ہے، جتنی وہ اپنی مصیبت
 کے مطابق مناسب سمجھتا ہے۔ اس کے مقابلے میں اس کے تمام بندے
 عاجز محض ہیں جس کا اعتراف یہ لوگ ہر وقت کرتے رہتے ہیں۔ حقیقت
 یہ ہے کہ توانائی کا سرچشمہ واحد ذاتِ خداوندی ہے، وہی قدرت اور طاقت
 کا مالک ہے۔

خود مسیح علیہ السلام جنہیں خدائی کا درجہ دیا جا رہا ہے وہ بھی خدا کے سامنے
 اپنی عاجزی ہی کا اظہار کرتے ہیں۔ چنانچہ انجیل مرقس میں یہ آیت موجود ہے
 کہ ”اے باپ! ہر چیز تیری قدرت کے تحت ہے، تو مجھ سے موت
 کا پیالہ ٹال لے۔ اس طرح نہیں جو میں چاہتا ہوں، بلکہ اس طرح جیسا تیرا
 ارادہ ہے۔ سارا اختیار تیرے قبضہ میں ہے، تو اگر چاہے تو مجھ سے
 موت کا پیالہ ٹال سکتا ہے، جس طرح تو چاہے“ غرضیکہ مسیح علیہ السلام کا عقیدہ
 تو یہ ہے کہ اختیار وارادہ صرف خدا تعالیٰ کا ہے۔ لہذا تم انہیں یا ان کی
 والدہ کو خدائی کے منصب پر کیسے بٹھاتے ہو۔ یہ تو نہایت گستاخی اور بددی
 کی بات ہے کہ ان کے حق میں خدائی کا دعویٰ کیا جائے۔ وہ نہ تو خود خدا
 ہیں اور نہ ان میں الوہیت کی کوئی صفت لگتی ہے۔ بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے
 عاجز بندے ہیں۔

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت حضرت مریم کو فوت ہو
 چکی تھیں البتہ حضرت مسیح علیہ السلام اب بھی زندہ ہیں تو یہ حقیقت انہی کے
 متعلق اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر وہ آپ کو اود تمام اہل ارض کو آں واحد
 میں ہلاک کرنا چاہے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ ہلاکت کا معنی فوت ہونا ہوتا

ہے جیسے فرمایا کُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَ اللَّهِ الْكَافِرُ کی ذات
کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی یعنی فانی ہے۔ نیست و نابود ہونے والی ہے
بہر حال اُس کے ارادے میں کوئی بھی عمل نہیں ہو سکتا۔ شیخ علامہ نے بھی فرمایا ہے
۱۔ اوست سلطان ہر چہ خواہد آں کند

عالی را درمے ویران کند

بادشاہ اور سلطان تو وہ ہے جو چاہے کرے اور سب جہان کو آن واد میں
فنا کر دے۔

شاہ عبدالقادر محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات انبیاء کے
متعلق ایسی بات اس لیے کرتے ہیں تاکہ اُن کی اُمت انہیں بندگی کی حد سے
اگے نہ بڑھا دے۔ ورنہ انبیاء تو اللہ کے مقرب بندے ہوتے ہیں وَ اِنَّهُمْ
عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ وہ تو بڑے برگزیدہ
اور اللہ کے منتخب بندے ہوتے ہیں وہ عالی مرتبت ہونے کی بنا پر
وہ قسم کے خطاب کے لائق نہیں ہوتے مگر امت کو سمجھانے کے لیے
بہا اوقات ایسا خطاب کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی خیمہ کو الوہیت کے درجے تک
پہنچاؤ گے تو گمراہ ہو کر جہنم رسید ہو گے۔

اللہ کی
تہمت تھیلین

میاں یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ کوئی نہیں
تو اُن کی تخلیق کیسے ہوئی۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا
ہے وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا
آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا مالک خدا ہے وعدہ لا شریک ہی ہے وہ با اختیار
ہے یَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وہ جو چاہے پیدا کرے، اُسے نہ تو اسباب کی
ضرورت ہے اور نہ وہ کسی چیز کا محتاج ہے۔ اُس نے آدم علیہ السلام کو ماں
اور باپ دونوں کے بغیر پیدا فرمایا اور مسیح علیہ السلام کی پیدائش میں حضرت آدم
کی مثال پیش کی اِنَّ مَثَلَ عِيسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ

علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام کی سی سمجھو **حَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ** جسے چلی سے پیدا کیا گیا۔ اُن کا ماں باپ کون تھا۔ کوئی نہیں۔ اسی طرح محمد وہ چاہے تو بغیر ماں کے پیدا کر دے۔ چنانچہ ماں خوا کے متعلق یہی مشورہ ہے کہ اُسے حضرت آدم علیہ السلام کے جسم سے پیدا کیا گیا حضرت مسیح علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا، اُن کی ماں موجود ہے۔ اور عام نوع انسانی کے متعلق فرمایا **فَجَعَلَ مِنْهُ التَّوَجِّينَ الذَّكَرَ وَالتَّأُنثٰی** انس انسانی میں سے مرد و زن کے جوڑے بنائے۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ ان چاروں صورتوں میں سے جس صورت میں چاہے کسی کو پیدا کرے لہذا اس کے لیے مسیح علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کرنا کون سا مشکل کام ہے۔ وہ **خَلَقَ الْعِیْسٰی** ہے جو کوئی اس کی صفت خاصہ میں اُس کا شریک بنائے گا، وہ کافر ہو جائے گا۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے یہاں سمجھائی ہے۔

شاہ اسماعیل
شہید

یہی ملکہ شاہ اسماعیل شہید نے اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں بھی بیان فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں اگر خدا چاہے تو جبرائیل جیسے فرشتے اور محمد علی اللہ علیہ وسلم جیسے ہزاروں پیغمبر پیدا کر دے۔ یہی بات اللہ نے یہاں فرمائی ہے **يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ** وہ خالق جو چیز چاہے پیدا کر دے۔ مگر ہر عبت نے شاہ صاحب کی اس بات کو بہت اچھا لایا ہے۔ اُسے غلط معانی پر محمول کیا کہ حضور علیہ السلام کی تو نظیر ہی ممکن نہیں مگر انہوں نے کہہ دیا کہ اللہ ہزاروں پیدا کر سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس آیت اور شاہ صاحب کے قول سے قادر مطلق کی عظمت کا بیان مقصود نہیں کہ وہ ایسا کرنے پر قادر ہے اگرچہ وہ حضور نبی کریم علیہ السلام جیسا کوئی دوسرا پیدا نہیں فرمائے گا کیونکہ یہ خاص خصوصیت بھی اللہ ہی نے آپ کو عطا کی ہے۔ مگر وہ اس پر قادر تو ہے، اُس کی قدرت کا انکار نہ کفر کے مترادف ہے۔ اسی طرح

وہ ہزاروں لاکھوں جبرائیل پیدا کرنے پر بھی قادر ہے اگرچہ جبرائیل ایک ہی
 اُس کی مشیت اور ارادے میں کون دخل اندازی کر سکتا ہے۔ مگر یا لوگوں
 نے شاہ اسماعیل شہید کی تحریکِ جہاد کی مخالفت میں اُن پر کفر کا فتویٰ بھی لگا
 دیا کہ یہ بے ادب اور گستاخ ہیں۔ اُن کا اصل مقصد ان چیزوں میں الجھا
 کہہ لوگوں کے جذبہ جہاد کو کمزور کرنا تھا، باطل پرست طاقتیں ہمیشہ ایسے ہی
 ہتھکنڈے استعمال کرتی ہیں تاکہ مسلمان آگے بڑھ کر اپنا اصل مقام نہ حاصل
 کر سکیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تخلیق کا تھا یَخْلُقُ مَا يَشَاءُ
 وہ جو چاہے پیدا کرے مگر اہل بدعت نے اُسے غلط معانی پہنائے۔
 اس کے بعد فرمایا **وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** اللہ تعالیٰ
 ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ بھی پہلی بات کا تتمہ ہی ہے۔ جب وہ ہر چیز پر
 قادر ہے تو جو چاہے پیدا بھی کر سکتا ہے۔ اس میں کون سی پٹھنے کی
 بات ہے۔ چنانچہ اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا اللہ
 نے عیسائیوں کے عقیدہ حلول کی تردید فرمائی ہے کہ بغیر باپ کے پیدا ہو سکی
 دوسرے عیسیٰ علیہ السلام خود خدا نہیں بن گئے بلکہ وہ اللہ کے عاجز بندے
 اور مخلوق ہیں۔ انہیں اللہ بنانے کا عقیدہ کفر یہ ہے، اسی لیے اللہ نے
 صاف فرمادیا **لَقَدْ كَفَىٰ الَّذِيْنَ... الْآيَةُ** ان لوگوں نے صریحاً کفر
 کیا جنہوں نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام بعینہ خدا ہیں۔ اب اگلی آیات میں دیگر
 عقائدِ باطلہ کا ذکر بھی آئے گا۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ غَنُ ابْنُ اللَّهِ وَحِبَابُهُ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۝ (۱۸) يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَىٰ فَتْرَةٍ مِّنَ الرَّسُلِ أَنَّ تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِن كَثِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (۱۹)

ترجمہ: اور کہا یودیوں نے اور نصاریوں نے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں (لے بغیر! آپ کہ دیجئے۔ پس وہ تمہیں کیوں سزا دیتا ہے تمہارے گناہوں پر۔ (ایسا نہیں ہے) بکر خدا انسان جو ان میں سے جن کو اللہ نے پیدا کیا۔ وہ بخشتا ہے جس کو پاسے اور سزا دیتا ہے جس کو پاسے اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جاتا ہے (۱۸) اے اہل کتاب! تحقیق تمہارے پاس آیا ہے ہمارا رسول جو کھول کر بیان کرتا ہے تمہارے لیے رسولوں کے وقفے پر۔ تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی نہیں آیا غرضی

سنائے والا اور نہ کوئی ڈانسنے والا۔ بیشک کیا ہے تمہارے پاس خوشخبری
سنائے والا اور ڈانسنے والا اور اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز پر قدرت رکھنے

والا ہے (۱۹)

گزشتہ آیت میں اللہ نے عیسائیوں کے عقیدہ عینیت کا رد فرمایا تھا نصاریٰ حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کو بعینہ خدا سمجھ کر حلولی اور اتحادی عقیدہ کے قائل ہیں۔ مگر ذات خداوندی اس
چیز سے پاک ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام یا کسی دیگر شخصیت میں حلول کرے، وہ کسی روپ
میں ظاہر نہیں ہوتا۔ لہذا عقیدہ عینیت سخت کافرانہ عقیدہ ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ قادر مطلق
ہے وہ چاہے تو عیسیٰ علیہ السلام ان کی والدہ اور مائے زمین پر بسنے والی ساری مخلوق کو
یکدم ہلاک کر دے، اس کو کون روک سکتا ہے بہر حال اللہ نے یسود و نصاریٰ دونوں گمراہوں
کی تردید فرمائی کہ دونوں گمراہی اور شرک میں مبتلا ہیں۔

اس سے پہلے یسودوں کے متعلق بیان ہو چکا ہے کہ انہوں نے عہد کو توڑا جس کی
پاداش میں وہ ملعون ٹھہرے، سنگدل بن گئے اور پھر انہوں نے کتاب الہی میں تحریف کی لیسیں
انہوں نے لوگوں کے لیے گمراہی کو سامان پیدا کر دیا۔ نصاریٰ کا حال بھی یسودوں سے
مختلف نہیں ہے، وہ بھی نصیریت کو فراموش کر کے سزا کے مستحق ہوئے نصاریٰ کو اس دنیا
میں یہ سزا دی گئی کہ ان کے اپنے درمیان عداوت اور دشمنی پیدا کر دی گئی۔ پوری عیسائیت کی
تاریخ میں ان کے فرقے، پارٹیاں اور حکومتیں ایک دوسرے کے خلاف ہر سر پیکار رہی ہیں۔
اور آج بھی ان کا یہی حال ہے۔ یہ نہ اعتقادی محاذ سے آپس میں متفق ہیں اور نہ سیاسی طور پر۔
ایک دوسرے کے خلاف رشتہ دوانیاں کرتے رہتے ہیں، تاہم اہل اسلام کو نقصان پہنچانے
کے لیے لکھے ہو جاتے ہیں۔ برطانیہ اور امریکہ آج بھی ایک دوسرے سے متنفر ہیں۔ ہم
عقیدہ ہونے کے باوجود برطانیہ کا زابر روس کے ساتھ بڑے عرصے تک اختلاف رہا۔
اٹلی، فرانس اور جرمنی سے بھی جنگیں ہوتی رہیں۔ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد **فَاَعْرَبْنَا
بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ** کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ یہ تو اس دنیا کی سزا ہے

اس کے بعد آخرت کا عذاب تو اپنے وقت پر آنے والا ہے۔
 حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ کسی موقع پر کچھ یہودی
 عالم تصور علیہ السلام کے پاس آئے۔ آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور
 کہا کہ اللہ سے ڈرو اور گمراہی کا راستہ چھوڑ دو، اس کے بجائے ایمان کا
 صراطِ مستقیم اختیار کرو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہؓ نے بھی یہودیوں
 سے کہا کہ تم جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، آپ کا تذکرہ،
 آپ کی صفات و علامات تمہاری کتابوں میں موجود ہیں مگر تم آپ پر ایمان
 کیوں نہیں لاتے۔ یہودی کہنے لگے آپ ہمیں اپنے دین سے بغض کرتے
 ہیں اور کسی ممکنہ عذاب سے ڈراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب
 کو اس آیت میں دہرایا ہے وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ يَهُدِيكُمُ الْيَهُودُ
وَالنَّصَارَىٰ يَهُدِيكُمُ الْيَهُودُ اور نصاریٰ نے کہا يَا خَنُؤُا أَبْنَوْا لِلَّهِ وَاحِبًا ہم تو اللہ کے بیٹے
 اور اس کے محبوب ہیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حقیقی باپ
 تو نہیں ہے مگر وہ ہم پر باپ کی طرح شفیق ہے، لہذا تم ہمیں کس چیز سے
 ڈراتے ہو ہم محبوبانِ خدا ہیں، وہ ہمیں کوئی سزا نہیں دے گا۔ یہودیوں
 کے اس باطل عقیدہ کا تذکرہ سورۃ بقرہ میں بھی ہو چکا ہے۔ وَقَالُوا لَنُؤْتِيَنَّكَ
السَّنَاءَ اَللّٰہُ اَیَّامًا مَّعْدُودَةً کہنے لگے ہم انبیاء کی اولاد
 میں سے ہیں۔ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف نسبت رکھتے ہیں، وہ
 ہمیں دوزخ میں نہیں جانے دیں گے اور اگر بالفرض سزا ملی بھی تو معدودہ
 چند دن کے لیے جتنے دنوں ان کے آباؤ اجداد نے کھڑے کی پوجا کی تھی۔
 اور وہ صرف چالیس دن تھے۔ وگرنہ ہم تو محبوبانِ خدا ہیں، وہ ہمارے
 ساتھ بیٹوں جیسا مہربان ہے، وہ ہمیں دوزخ میں کیسے داخل کرے گا۔
 اُن کی کتابوں میں یہ بھی موجود ہے کہ قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام
 دوزخ کے دروازے پر موجود ہوں گے اور کسی ختم شدہ اسرار کی کو اس

محبوبانِ خدا
 ہونے کا دعوے

میں نہیں جانے دیں گے۔

عیسائی بھی اس معاملہ میں پیچھے نہیں ہے۔ سورۃ بقرہ میں موجود ہے کہ انہوں نے بھی ایسا ہی دعویٰ کیا ”وَقَالُوا لَنْ نَبْدُخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارًا“ یعنی جنت کے ٹھیکیدار ہم ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے علاوہ کوئی شخص جنت میں نہیں جاسکتا، جنت میں وہی جائیگا جو ہماری اعتقاد پر ہوگا۔ بہر حال — جب مسلمانوں نے اہل کتاب کو آخرت کے عذاب سے ڈرانا چاہا تو کہنے لگے ہم اللہ کے بیٹے اور اُس کے محبوب ہیں، ہمیں کسی دوزخ کا خوف نہیں ہے۔ ہماری نجات قطعی ہے۔ ہمیں کوئی عمل کرنے کی بھی ضرورت نہیں، کفائے کا عقیدہ رکھنے والوں نے تو صاف کہہ دیا کہ مسیح علیہ السلام سولی پر چڑھ کر ہمارا کفار بن چکے ہیں، لہذا ہمیں اب کسی نیک عمل کی ضرورت نہیں۔ ہم ہر صورت میں نجات یافتہ ہیں۔

مجموعیت
کی بنیاد

حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کے شرائع میں یہ بات موجود ہے کہ انسان کو اللہ کی مجموعیت صحیح اعتقاد اور اچھے اعمال کی بنیاد پر حاصل ہوتی ہے۔ ”يُحِبُّونَهُ وَيُحِبُّهُمْ اللَّهُ“ اللہ کے بندے اللہ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ اُن سے محبت کرتا ہے۔ اللہ ایمان والوں کو محبوب رکھتا ہے جو نیک اعمال انجام دیتے ہیں، باطل اعتقاد، صرف صاحبزادگی یا محض کو بزرگ کے ساتھ نسبت کچھ مفید نہیں، حضرت نوح علیہ السلام کے صلیبی بیٹے کے متعلق اللہ نے فیصلہ فرمایا تھا ”إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ“ یہ تیرا بیٹا نہیں ہے۔ اللہ نے حقیقی بیٹے کی نفی کر دی کیونکہ ”إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ“ اس کا عمل اچھا نہیں ہے۔ غرضیکہ مجموعیت کا مدار ایمان، تقویٰ اور اعمالِ صالحہ پر ہے مگر اہل کتاب کہتے ہیں کہ ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ سورۃ بقرہ میں بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد موجود ہے کہ جو نیک

کرے گا۔ تقویٰ اختیار کرے گا۔ اور اعمال صالحہ انجام دے گا، وہ بہشت میں جائیگا اور جو اعتقادی یا عملی برائی کا ارتکاب کرے گا، وہ یقیناً جہنمی ہوگا، وہ خدا کا پیارا کیسے ہو سکتا ہے۔

شرک کی
ابتداء

دنیا میں جس قدر شرک پایا جاتا ہے وہ کسی قوم میں یکدم وارد نہیں ہوا۔ بلکہ بتدریج آیا ہے۔ انجیل میں لفظ باپ کا اطلاق خدا تعالیٰ کے لیے کیا گیا ہے چنانچہ مسیح علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ”میں تمہارے اور اپنے باپ (خدا) کے پاس جاتا ہوں، وہ تمہارے پاس ایک اور مددگار کو بھیجے گا جو تمہارے ساتھ ہے گا، میں جاؤں گا تو وہ آئیگا، امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ ابتداء میں باپ سے ہی مراد لیا جاتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر شفقت کے اعتبار سے اُن کے بمنزلہ باپ کے ہے مگر بعد میں اہل کتاب نے اُسے حقیقی باپ اور بیٹے پر محمول کر لیا مشرکین میں بھی شرک آہستہ آہستہ آیا۔ ابتداء میں اُن کا اعتقاد یہ تھا کہ بت اللہ کے ہاں اُن کے سفارشی ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن کی بات رد نہیں کرتا، مگر بعد میں آنے والی نسلوں میں یہ اعتقاد جڑ پکڑ گیا کہ یہ بت خود خدا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں اعتقادات کا رد فرمایا۔ کہیں فرمایا کہ دیکھو! انہوں نے خود اپنے ہاتھ سے مورتیاں بنائیں اور انہیں خدا کا درجہ دیا اور پھر خود ہی اُن کی پوجا شروع کر دی۔ سفارشی عقیدے کے متعلق فرمایا کہ جن کو تم خدا کے ساتھ شریک کرتے ہو یا جبری سفارشی بناتے ہو اُن کو کوئی اختیار حاصل نہیں۔ اور نہ کوئی ایسی سفارش کر سکتا ہے۔ ”مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ“ کون ہے جو اللہ کی اجازت کے بغیر اُس کے سامنے سفارش پیش کرے سفارش تو ساری اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ انہوں نے کیسا عقیدہ بنالیا کہ یہ معبود اللہ کے ہاں اُن کی لازماً سفارش کر کے چھڑالیں گے۔ بہر حال ابتداء میں عیسائیوں کے عقیدہ انبیت کا مطلب یہ تھا کہ وہ خدا کے محبوب ہیں مگر بعد میں سے

حقیقی جیسے پر محمول کرنے لگے، چونکہ مسیح علیہ السلام کا باپ کوئی نہیں لہذا خدا ہی اس کا باپ ہے (العیاذ باللہ) اور اس طرح انہوں نے یہ باطل عقیدہ وضع کیا۔

اہل کتاب
کی تعذیب

اہل کتاب کے دعویٰ مجہولیت کے خلاف اللہ تعالیٰ نے ایک دلیل پیش کی ہے۔ ارشاد ہے قُلْ لِّیْ بَغِیْرِہٖ۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر تم واقعی اللہ کے پیارے ہو فَلِمَ لَمْ یُعِذْ بِکُمْ بِذُنُوبِکُمْ تو اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے گناہوں کی سزا کیوں دیتا ہے۔ ان کی پوری تاریخ ان پر نازل ہونے والی آفات سے بھری پڑی ہے۔ کبھی ان پر سخت نعرہ کو مسلط کیا، کبھی غلام بنایا گیا۔ اور کبھی صحراؤں میں دوڑایا گیا۔ سوال یہ ہے کہ کیا خدا اپنے پیاروں کو ایسی ہی سزائیں دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا دعویٰ ہی باطل ہے۔ یہ جھوٹے ہیں ان میں کوئی خصوصیت نہیں اللہ نے فرمایا بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّثْلُ سَآءَ مَا کَتَبَ لَکُمْ تم اس کی مخلوق میں سے ایک بشر ہو، انسان ہو۔ بشر کھال کو کہتے ہیں۔ انسان کی کھال دو سکر جانداروں کی نسبت واضح ہوتی ہے۔ جب کہ دیگر چرند، پرند وغیرہ کے جسموں پر بال یا پر ہوتے ہیں اور ان کی کھال نظر نہیں آتی، نوع انسانی کی اس خصوصیت کی وجہ سے بشر کہا جاتا ہے۔ بہر حال فرمایا کہ اللہ کے نزدیک تمہیں دیگر انسانوں کی نسبت کوئی خصوصیت حاصل نہیں اور اس کا قانون یہ ہے کہ یَفْضَحُوْا لِمَنْ یَّشَآؤْ جسے چاہے معاف کر دے۔ دنیا میں یہ معافی رعایتاً بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ مہلت دے دے، مگر حقیقی معافی اُمّی کے لیے ہے جو ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دے۔ برخلاف اس کے وَلِیْعَ ذَنْبُ مَنْ یَّشَآؤْ وہ جس کو چاہتا ہے، سزا بھی دیتا ہے۔ اُس کے راستے میں کوئی چیز مائل نہیں ہو سکتی اور اس کی سزا کا قانون یہ ہے کہ وہ کسی گستاخی، بے ادبی، بدعتیدگی یا

بہ اعمال کی دوسرے آیا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر اُس شخص کو سزا میں مبتلا کرے گا جو ظالم، مشرک، منافق یا فاسد ہوگا، جو کوئی انبیاء اور اُن کی شرايع کا انکار کرے گا۔ وہ اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکے گا۔

فرمایا در کھو! وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالدَّرَجٰتِ
بَيْنَهُمْ اَسْمٰنٌ وَزَمِيْنٌ اور اُن کے درمیان ہر چیز پر اختیار و قدرت
اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔ وہ کمال حکمت کا مالک ہے۔ جس کو چاہے
معاف کرے یا عدل و انصاف کے ساتھ سزا دیدے، اُسکی مشیت
اور ارادے میں کوئی مزاحم نہیں ہو سکتا اور جب وہ گرفت کرے تو پھر
چھڑا بھی کوئی نہیں سکتا۔ وَهُوَ يَخِيْدُ وَلَا يُخَادُّہُ دوسروں کو پناہ دیتا ہے
مگر اس کے مقابلے میں کوئی دوسری ہستی پناہ نہیں دے سکتی، ارض و سما کی ساری
بادشاہی اُسی کے پاس ہے وَالْیَدِ الْعَصِيْدُ اور ہر ایک آدمی کو اُسی
کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ دوسری زندگی بھی اُسی کے قبضہ قدرت میں ہے
وَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُولٰٓئِیْ اگر پہلی زندگی کا مالک وہ ہے تو دوسری زندگی
بھی اُسی کی ملکیت ہے۔ لہذا محبت کے جھوٹے دعویدار اور باپ بیٹے کا
رشتہ جتانے والوں کو اگر اس دنیا میں تمہارے ملت بھی مل گئی تو آخرت
میں ضرور پکڑے جائیں گے۔

رسولوں کے
درمیان وقفہ

آخری نبی اور رسول کی آمد کا تذکرہ گذشتہ آیات میں بھی ہو چکا ہے، اب
پھر بطور نصیحت فرمایا یٰۤاَہْلَ الْکِتٰبِ اے اہل کتاب! قَدْ جَاؤْکُمْ
رَسُوْلُنَا تَحْقِیْقًا آگیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول اور وہ کرنا کیا ہے۔
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا عَلٰی فِتْنَةٍ مِنَ الرَّسُوْلِ جو کھول کر بیان کرتا
ہے تمہارے لیے رسولوں کے وقفے پر۔ یعنی یہ رسول آخر الزمان ایسے وقت
میں آیا ہے کہ اس سے پہلے عرصے تک کوئی رسول مبعوث نہیں ہوا۔
حضرت سلمان فارسیؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا اَنَا اَوَّلُی بَعِیْسَی ابْنِ مَرْثَمَہ میں عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ زیادہ
 اولیٰ یعنی قریب ہوں لَیْسَ بَیْنِی وَبَیْنَکُم نَبِیٌّ اُن کے اور میرے
 درمیان کوئی نبی نہیں آیا۔ گویا جی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی تھے
 حضور علیہ السلام کی ولادت باسعادت ۵۷۰ھ میں ہوئی اور آپ کو نبوت
 ۵۸۵ھ میں عطا کی گئی۔ اس طرح آپ کے اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان
 پورے چھ سو سال کا وقفہ ہے۔ البتہ عربوں میں رسول کی بعثت کو ہزار سال
 سے بھی زیادہ عرصہ گزر چکا تھا کیونکہ اس سرزمین کے گذشتہ نبی حضرت
 اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔ اس دوران دوسری اقوام میں تو انبیاء مبعوث
 ہوتے رہے مگر عرب ایک طویل عرصہ تک محروم رہے لہذا اتنی لمبی مدت
 یہ رسول کے چرچے سے ناواقف رہے۔ اسی لیے عربوں میں لقب امی مشور
 ہو گیا۔ فترۃ الرسل کا تذکرہ حضرت حسان بن ثابتؓ کے شعر سے بھی ملتا ہے
 نبیؐ جاؤنا من بعد فترۃ و فی الارض اوثان قد بد

عرب میں
 شرک کی ابتدا
 حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد پندرہ یا سولہ سو سال تک عرب لوگ
 آپ ہی کے دین پر رہے۔ حضور علیہ السلام کی بعثت سے تقریباً چار سو سال
 قبل اس خطے میں شرک کی ابتدا ہوئی۔ ایک شخص عمرو بن قنیشہ یا عمرو بن عجمی
 عرب سے باہر کسی دور کے علاقہ میں گیا اور وہاں سے کچھ عورتیاں لے آیا
 پھر اُس نے یہاں بھی عورتیاں بنانی شروع کیں اور اس طرح عرب میں شرک
 کا آغاز ہوا۔ قصی ابن کلاب کے زمانے تک لوگ بالکل دین اسماعیلی پر تھے
 اس کے بعد شرک کی لعنت پیدا ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضور علیہ السلام
 کی بعثت تک عرب بھی دور کے علاقوں کی طرح شرک میں ڈوب چکا تھا
 اُس زمانے تک ہزاروں میں کوئی ایک آدمی توحید کا تصور رکھتا تھا۔
 ورنہ غالب اکثریت شرک میں طوط ہو چکی تھی۔ اہل کتاب میں سے بھی اُس
 کے لوگ توحید پر قائم تھے تاہم مجموعی طور پر پوری دنیا شرک کی اتھاہ گھڑیوں

میں غرق ہو چکی تھی۔

سیح علیہ السلام
کے فرائض

قرآن حکیم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو دو فرائض سونے
تھے۔ پہلی ڈیوٹی یہ تھی کہ آپ بنی اسرائیل کو صراطِ مستقیم کی تبلیغ کریں کیونکہ آپ
کو مبعوث ہی اس قوم کی طرف کیا گیا تھا جیسے فرمایا وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَآئِيلَ
(آل عمران) آپ کا حلقہ تبلیغ صرف بنی اسرائیل تھے نہ کہ پوری دنیا۔ آپ کا
دوسرا فرض منصبی یہ تھا وَمَا بَشَرًا يَأْتِيهِمْ أَفْجَىٰ مِنْ أَفْجَىٰ الْأُمَمِ
أَحْسَمُ (سج) یعنی آپ اس بات سے — کی خوشخبری سنا دیں۔ کہ
میرے بعد ایک عظیم الشان رسول آنے والا ہے جس کا نام احمد ہوگا۔ اس
کو سریانی زبان میں فارعلیط کہتے ہیں جس کا معنی ستودہ جہان ہے۔ تاہم جیسا
کہ گذشتہ دروس میں بیان ہو چکا ہے۔ جیسا یوں نے اس لفظ کو انجیل سے
حذف کر دیا کیونکہ یہ حضور علیہ السلام پر صادق آتا تھا۔ گذشتہ ڈیڑھ صدی تک
یہ لفظ انجیل میں موجود تھا مگر موجودہ انجیلوں سے حذف کیا جا چکا ہے۔ انجیل
میں تخریفات کے متعلق خود ان کے بڑے بڑے پادریوں نے تسلیم کیا ہے۔
کہ موجودہ انجیل میں تین ہزار سے زیادہ اغلاط موجود ہیں۔ اب اصل انجیل
کو تلاش کرنا ممکن نہیں رہا، جملہ انجیل کی ایک سو بیس تک کی تعداد کا پتہ
چتا ہے مگر اس وقت چار انجیلیں ہستی، لوقا، یوحنا اور مرقس تو بائبل کے
ساتھ ملی ہوئی ہیں اور پانچویں انجیل برناباس بھی موجود ہے۔

اہم حجت

بہر حال فرمایا کہ رسولوں کے اس طویل عرصہ کے بعد تمہارے پاس ہمارا
رسول آگیا ہے، جو تمہیں تمام احکام کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ پہلے بھی
گزر چکا ہے کہ مصلحت کے مطابق بعض احکام کو تفصیل کے ساتھ بیان
کر دیتا ہے اور جسے بنی اسرائیل چھپاتے تھے انہیں ظاہر کرتا ہے اور
بعض کم اہمیت کے معاملات سے درگزر کرتا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ
کا مقصود یہ ہے کہ وہ تم پر اپنی محبت پوری کر دے أَنْ تَقُولُوا مَا جَلَلْنَا

لا یحب الله .

المائدة د

درس شانزوم ۶

آیت ۲۰ تا ۲۳

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ لِقَوْمِهِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ
 عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا
 وَآتَاكُمْ مَالَهُ يُوتِ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴿٢٠﴾ لِقَوْمِهِ
 ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ
 وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَى أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خِيسِرِينَ ﴿٢١﴾ قَالُوا
 لِمُوسَى إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ ۖ وَإِنَّا لَنَ نَدْخُلُهَا
 حَتَّى يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا دَاخِلُونَ ﴿٢٢﴾
 قَالَ رَجُلَيْنِ مِّنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا
 عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ ۖ
 وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٣﴾

ترجمہ : اور (وہ واقعہ قابل ذکر ہے) جب موسیٰ میرا پیغمبر نے
 اپنی قوم سے کہا : اے میری قوم ! یاد کرو اللہ کے احسان کہ جو اُس نے
 تم پر کیا ہے جب کہ اُس نے تمہارے اندر نبی بنائے اور تم کو بادشاہ
 بنایا اور تم کو وہ چیز دی جو اُس نے نہیں دی کسی کو جہاں والوں میں
 سے ﴿۲۰﴾ اے میری قوم کے لوگو ! داخل ہو جاؤ پاک سرزمین میں جو
 اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے ، اور نہ لوٹو اپنی پشتوں پر پس ہو
 جاؤ گے تم نقصان اٹھانے والے ﴿۲۱﴾ اے لوگوں نے کہا ہے موسیٰ !

کہ اگر تم اپنے عہد پر قائم رہے تو میری مدد تمہارے شامل حال رہی جس کے نتیجے میں تم جنت کے حقدار بن جاؤ گے۔ مگر بنی اسرائیل نقض عہد کے مرتکب ہوئے جس کے نتیجے میں ملعون ٹھہرے۔ پھر اللہ نے اہل کتاب کے باطل عقائد کا تذکرہ بھی کیا کہ یہود نقض عہد کی وجہ سے مغضوب علیہ ٹھہرے اور عیسائی تثلیث اور انیسیت کے عقیدے میں طوط ہو کر راہ راست سے ہٹ چکے گئے۔

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو وہ واقعہ یاد دلایا ہے جب اُس نے اُن پر مہربانی فرما کر انہیں غلامی سے آزادی دلائی اور اُن سے ارض مقدس میں آباد کاری کا وعدہ فرمایا۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے غلط کردار اور اُن کی ناکامی کا تذکرہ فرمایا ہے۔ انا تبارہل ایمان کو بھی خبردار کر دیا گیا ہے کہ اگر تم بھی یہودیوں جیسا کہ در ادا کر دو گے تو تم بھی اُن کی طرح ناکامی کا منہ دیکھو گے۔

ان آیات میں مذکور وعدہ کی ابتدا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوتی ہے اللہ نے اُن سے وعدہ فرمایا تھا کہ شام و فلسطین کی سرزمین تیری اولاد کو دی جائیگی۔ آپ کا وطن مولودی تو بابل تھا جو بغداد سے شریا استی میل دور آباد تھا۔ اُس زمانے میں یہ وسیع آبادی کا متمدن شہر تھا، وہاں پر عظیم حکومت قائم تھی۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے وہاں سے ہجرت کی تو عرصہ دراز تک اُن کے ہاں اولاد نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بشارت دے رکھی تھی کہ تیری اولاد کو بہت پھیلادوں گا۔ بلکہ تورات کی روایت کے مطابق جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ اے ابراہیم! یہ لوگ تجھے نیست و نابود کرنے پر تئے بیٹھے ہیں میری شہیت یہ ہے کہ تیری اولاد کو ریت کے ذروں کی طرح پھیلادوں گا۔

شاہ عبدالقادر محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ تاریخ کا طویل عرصہ گزر گیا

ارض مقدس
کا وعدہ

حق کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ آگیا۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کی تکمیل یوں کی کہ بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے آزادی حاصل ہوئی دشمن ہلک ہوا، اور بنی اسرائیل بحر قلزم کو عبور کر کے صحرائے سینا میں پہنچ گئے۔ اس وقت پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ اے بنی اسرائیل! تم قابض قوم تہا کرو تاکہ شام و فلسطین کی وہ سرزمین تمہارے قبضہ میں آئے دی جانے۔ جو تمہارے حصے میں بھی جا چکی ہے۔

ارض مقدس کی واکنداری

گذشتہ دروس میں یہ مذکورہ آچکا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے بارہ قبائل میں بارہ نصیب مقرر فرمائے تاکہ وہ اپنے اپنے قبیلے کی نگرانی کر سکیں۔ جب انہیں جہاد کا حکم ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں بارہ نصیبوں کو مقبوضہ مقدس سرزمین کے حالات معلوم کرنے پر مامور کیا تاکہ وہاں کے حالات اور قابض قوم عمالقہ کی قوت کے مطابق جہاد کی تیاری کی جاسکے۔ آپ نے انہیں یہ بھی سمجھا دیا تھا کہ تم اس قوم کی ظاہری طاقت اور شان و شوکت کو بنی اسرائیل کے سامنے ظاہر نہ کرنا ورنہ وہ بد دل ہو کر جہاد سے گریز کریں گے، حالانکہ اللہ نے اُس زمین کی واکنداری کا وعدہ فرمایا ہے اور وہ ضرور ہمیں فتح نصیب کرے گا۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو قوم عمالقہ کی وجہ سے دیکھ کر سخت مرعوب ہوئے۔ ان میں سے دس آدمیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت پر عمل نہ کیا اور واپس آکر اپنی قوم کو اس قوم کی قوت کے ایسے افسانے سنائے کہ بنی اسرائیل ہمت ہار بیٹھے اور انہوں نے جہاد سے انکار کر دیا۔ اگرچہ باقی دو نصیبوں کا لب اور یوشع علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق ارض پاک کی خوبیاں بیان کر کے قوم کو جہاد پر آمادہ کرنا چاہا، مگر قوم سخت بد دل ہو چکی تھی۔ لہذا موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو اس واقعہ سے سخت کوفت ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے بطور سزا بنی اسرائیل کو فرمادیا کہ اس حکم عدولی کی وجہ سے تم

چالیس سال تک صحراؤں میں سرگردان پھرتے رہو گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔
 پھر ضرور بن مصر سے ستونچھتر سال بعد جب نئی نسل تیار ہوئی تو انہوں نے دشمن
 کا مقابلہ کر کے شام و فلسطین کا علاقہ فتح کیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا وعدہ
 پورا ہو گیا۔ اگر یہ لوگ ابتداء ہی میں جہاد کے لیے تیار ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ
 ان کی مدد فرماتا اور وہ اُسی وقت مقدس سرزمین پر قابض ہو جاتے مگر
 اپنی بندگی کی وجہ سے انہیں چالیس سال تک صحراؤں میں رہنا پڑا۔
 ارشاد ہوتا ہے وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اَمْسُوا وَقْعَكُمْ اِيَادِيكُمْ وَجِب
مُوسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ نے اپنی قوم سے کہا لِقَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
 اے میری قوم! اللہ کے ان احسانات کو یاد کرو جو اُس نے تم پر کیے۔
 مؤرخین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جن احسانات کی طرف اشارہ ہے
 وہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے ۱۴۴۰
 سال قبل کیے تھے۔ پھر جب مسیح علیہ السلام کا زما آیا تو انہوں نے اپنی قوم
 کو اللہ کے وہ احسانات یاد دلائے۔ پھر مسیح علیہ السلام کے بعد چھ سال
 کا مزید عرصہ گزر گیا۔ جب کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی
 اور اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے ذریعے گزشتہ واقعات کا تذکرہ فرمایا۔
 مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل پر سب سے بڑا احسان یہ
 تھا کہ اللہ نے انہیں توحید پرست بنایا۔ بحیثیت قوم بنی اسرائیل خدا کی وحدت
 کا تصور رکھتے تھے۔ البتہ باقی احسانات کا تذکرہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ
 نے یوں بیان فرمایا ہے اِذْ جَعَلْنَا فِيْكُمْ اَنْبِيَاءً تمہاری قوم
 میں اللہ تعالیٰ نے بحیثیت نبی پیدا فرمائے تفسیری روایتوں میں آتا ہے کہ
 مجموعی طور پر بنی اسرائیل میں چار ہزار نبی مبعوث ہوئے۔ جو کہ اللہ کا بہت
 برا احسان ہے۔ بنی کی بعثت بڑی فخر کی بات ہے کہ اُسی کے ذریعے
 انسان کا ایمان، عقیدہ اور عمل درست ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی

بنی اسرائیل
پر احسانات

وعدانیت سے روشناس ہوتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ سبلا احسان تم پر یہ فرمایا کہ تم میں ہزاروں نبی مبعوث فرمائے۔

پھر فرمایا وَجَعَلَكُمْ مَلُوكًا اور تم کو بادشاہ بنایا۔ طبری طبری سطحیں عطا فرمائیں۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی عظیم سلطنتیں تاریخ کا اہم حصہ ہیں۔ حضرت طاہرؑ کی بادشاہت کا تذکرہ بھی سورۃ بقرہ میں آچکا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بے شمار طویل القدر بادشاہ پیدا کیے۔ یہ خدا کی مہربانی اور اس کا احسان تھا۔ عام طور پر بادشاہ تخت و تاج کے مالک کو کہا جاتا ہے، مگر حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل ہر خوشحال اور آسودہ حال آدمی کو بادشاہ کہتے تھے۔ صحیح مسلم شریف میں بھی آتا ہے کہ کچھ لوگ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کے پاس گئے اور کہنے لگے اَلَسْنَا فَقَرَاكَ الْهَاجِرِیْنَ کیا ہم محتاج اور مہاجر نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا، کیا تمہاری بیوی موجود ہے عرض کیا موجود ہے آپ نے پوچھا تمہارے پاس مکان بھی ہے، کہا مکان بھی ہے، آپ نے فرمایا پھر تم محتاج کیسے ہو اَنْتَ مِنْ الْاَعْنَسِیَا تم تو غنی ہو۔ اس شخص نے پھر عرض کیا، حضرت میرے پاس تو خادم بھی ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا اَنْتَ مِنْ الْمَلُوكِ پھر تو ملوک میں سے ہے یعنی خوشحال آدمی ہے کیونکہ تیرے پاس بیوی ہے، پہنے کے لیے مکان ہے اور خدمت کے لیے خادم بھی موجود ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یاد دلایا کہ تم میں انبیاء پیدا کئے، تمہیں خوشحال بنا یا تم میں عظیم سلطنتوں والے بادشاہ بنائے۔ ان میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہی جن، انس اور طیور پر بھی تھی۔ آپ کو ہوا پر بھی تسلط حاصل تھا، آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی رَبِّ اعْزِزْ لِّیْ وَهَبْ لِّیْ مَلْکًا لَا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ اے اللہ مجھے معاف کر دے اور

ایسی سلطنت عطا کر جو میرے بعد کسی کو حاصل نہ ہو، چنانچہ اس دعا کے نتیجے میں اللہ نے آپ کو ہیشمال حکومت عطا فرمائی۔ اس کے علاوہ بنی اسرائیل میں بڑے بڑے فوجی جرنیل، حکم، فلاسفر، دانش ور اور صاحب علم لوگ پیدا ہونے لگے۔ یہ سب بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے احسانات تھے۔

آگے فرمایا **وَأَشْكُمُ مَّا لَكُمْ يُؤْتِي أَحَدٌ مِّنَ الْعَالَمِينَ** اور تمہیں وہ چیز عطا کی جو جہاں بھر میں کسی کو نہ دی گئی۔ یہ عظمت و تفوق بنی اسرائیل کو اپنے دور میں بحیثیت قوم حاصل ہوئی۔ اللہ نے ایسا اعزاز اور شرف عطا کیا کہ کوئی دوسری قوم بنی اسرائیل کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ پھر ہی عظمت اللہ تعالیٰ نے آل ابراہیم میں سے قریش اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی، اس کا ذکر احادیث اور قرآن میں بکثرت موجود ہے **وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا** امت محمدیہ کریمہ برتری عرصہ دراز تک دنیا میں حاصل رہی۔ اللہ تعالیٰ نے تمام قوموں اور ملتوں میں اس امت کو سرفراز فرمایا مگر بالآخر ان میں بھی وہی قباحتیں پیدا ہو گئیں جو بنی اسرائیل میں پائی جاتی تھیں اور حضور علیہ السلام کی حذو والنعل بالنعسل والی پیشین گوئی پوری ہو گئی۔ آخری امت بھی بنی اسرائیل کے نقش قدم پر ہی چل پڑی۔ آج بنی اسرائیل والی تمام بُری خصلتیں اور ذلتیں مسلمانوں میں موجود ہیں حتیٰ کہ مشرک اور دہریے بھی ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اس کے برخلاف دنیا کی ذلیل ترین یہودی قوم مادی لحاظ سے آج مسلمانوں سے کہیں آگے ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے احسانات یاد دلانے کے بعد فرمایا **يَقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ** اے میری قوم! تم ارض مقدسہ میں داخل ہو جاؤ جو

ارض مقدسہ

اللہ نے تمہارے لیے لکھی ہے۔ سرزمین شام و فلسطین کو مقدس اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ یہ ایک نہایت ہی زرخیز خطہ ہے۔ جسے اللہ نے تمام ظاہری اور باطنی خوبیوں سے نوازا ہے بعض محضریں اس خطہ میں اردن کو بھی شامل کرتے ہیں۔ اس کے بابرکت ہونے کی انبیاء کے دعائیں کیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین میں ہزاروں انبیاء مبعوث فرمائے یہ علامہ حضرت ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کا وطن ہونے کے علاوہ سینکڑوں اور ہزاروں دیگر انبیاء کا مولد و مسکن رہا ہے۔ ظاہری طور پر یہ بھی بڑا زرخیز خطہ ہے۔ پانی کے چشمے، باغات، بہرہ زار اور معتدل موسم ہے، اس سرزمین کو قبلہ اول ہونے کا بھی شرف حاصل ہے مگر یہی مقام اب پاک ہاتھوں میں چلا گیا ہے۔ دراصل مسلمان ہی اس سرزمین کے امین، انکی حفاظت اور تقدس کے ذمہ دار تھے، مگر عربوں کی بد اعمالیوں کی وجہ سے اب مسلمان زلت کا شکار ہیں۔

مصر کے عظیم شاعر شوقی نے بھی اس سرزمین کی شان و شوکت کا تذکرہ اپنے کلام میں کیا ہے۔ ہمارے ہاں علامہ اقبال کی طرح یہ بھی عربوں کا قومی شاعر تھا۔ عربی ادب سے واقف لوگ کہتے ہیں کہ گزشتہ ایک ہزار سال میں اتنا عظیم شاعر پیدا نہیں ہوا۔ اس نے ۱۹۲۱ء میں وفات پائی، وہ دمشق کے متعلق کتاب ہے۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَاسْتَنْيَنْتُ جَنَّتَهُ
دَمِشْقُ رَوْحٍ وَجَنَّتُ وَرَحْمَانُ

میں اللہ پر ایمان لایا ہوں مگر میں نے جنت کو مشقی کہہ دیا ہے مجھے جنت پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس سرزمین پر دمشق جنت کے نمونے کے طور پر موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں جنت کی تمام خوبیاں۔ پھل، پھول، پانی کے چشمے، باغات، نہریں وغیرہ پیدا کی ہیں

اس شعر میں اگرچہ شاعرانہ مبالغہ ضرور ہے مگر اس سرزمین کی خوبیاں ایسی ہیں
 بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا کہ اس خطہ ارضی
 میں داخل ہو جاؤ، اسے اللہ نے تمہارے مقدر میں کر رکھا ہے۔ اللہ نے
 حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی وعدہ کیا تھا کہ اس سرزمین کو تیری اولاد
 کا مرکز بناؤں گا۔ لہذا تم اس میں داخلے کے لیے جہاد کا آغاز کرو وَاَلَا تَتَذَكَّرُونَ
 عَلٰی اَذْبَارِصْفَرٍ اور اپنی پشتوں پر نہ پھرنایم یعنی بد دل ہو کر واپس نہ آجانا
 بلکہ آگے کی طرف بڑھنا۔ اور اگر تم پیچھے کی طرف مڑے فَنَسْقِلْبُوهَا خَبْرًا
 تم نقصان اٹھانے والوں میں ہو جاؤ گے۔ اللہ کے حکم کی تعمیل میں اقدام کرو
 تو ملک فتح ہو جائے گا۔ مگر بنی اسرائیل کہنے لگے قَالُوا لِمَ يَأْمُرُكَ
 فِيهَا قَوْمًا حَبَّارِينَ وَاَمَّا تُوْمَرُی زَبْرُی قوم عمالقہ رہتی ہے
 وہ بڑے قد اور طاقتور لوگ ہیں۔ ہم اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لہذا
 وَتَاَمِّنْ سَدَّ خَلْفَهَا حَتّٰی يَخْرُجُوْا مِنْهَا هَمَّ اُنْ کے علاقے
 میں سرگز داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں۔
 فَاِنْ يَخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ جب وہ لوگ اس سرزمین
 سے نکل جائیں گے تو پھر ہم داخل ہو جائیں گے۔ ہم اُن کی موجودگی میں
 نہیں جاسکتے۔ کیونکہ وہ بڑے زبردست لوگ ہیں۔

فرمایا قَالَ رَجُلَيْنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ فِيْ سَعْدِ اَوَّلِ
 نے کہا جو اللہ کا خوف رکھتے ہیں۔ یہ وہی حضرات کالب اور یوشع ہیں
 جنہیں موسیٰ علیہ السلام نے دیگر نقیبوں کے ہمراہ ارض مقدسہ کے حالات
 معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ باقی دس آدمی تو قوم عمالقہ سے خوف زدہ
 ہو گئے مگر ان دو حضرات نے موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت پر عمل کرتے
 ہوئے انہیں جہاد کی ترغیب دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے
 بعد ہی حضرات آپ کے جانشین ہوئے، حضرت یوشع علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ

نے نبوت سے بھی سرفراز فرمایا۔ تو ان آدمیوں کے متعلق فرمایا کہ اَللّٰهُ عَلَیْہِمْ حَمَاحٌ اَللّٰہُ تَعَالٰی نے ان پر انعام فرمایا تھا۔ ایمان کا حصول اور نبی کا اتباع بہت بڑا انعام اور اللہ کا احسان ہے جو ان کو حاصل ہوا۔ تو ان دو حضرات نے قوم سے کہا اَدْخُلُوا عَلَیْہِمْ نَبَاۃً تم ایک مرتبہ قوم عاتقہ کے دروازے میں داخل ہو جاؤ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْہُ فَاِنۡکُمْ عَلٰی بَوْدٍ جب تم داخل ہو جاؤ گے تو تمہیں غلبہ بھی حاصل ہو جانے کا۔

ان آدمیوں کی ایمان پر بخشنے کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کا نتیجہ تھی۔ تو کل علی اللہ جب اللہ کا نبی فرما رہا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے حکم ہے کہ اس زمین میں داخل ہو جاؤ۔ یہ تمہیں دے دی گئی ہے تو اب اس کی طرف نہ جھنے میں کوئی ہچکچی بہت نہیں ہونی چاہیے۔ جب اللہ نے فتح کا وعدہ کر لیا ہے تو ممکن ہے کہ بغیر جنگ کے ہی فتح حاصل ہو جائے تاہم ایسے عظیم کام کے لیے پوری تیاری کے ساتھ نکلنا بھی ضروری ہے انہوں نے یہ بھی کہا وَ عَلٰی اللّٰہِ فَلْيَتَوَكَّلِ اتم اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھو، اپنی ظاہر کمزوری کو خاطر میں نہ لاؤ، اسلحہ کے فقدان سے مت گھبرائو بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق جلاؤ ہو جاؤ، تمہیں اللہ کی تائید حاصل ہے لہذا فتح تمہاری ہوگی

گذشتہ رکوع میں بھی گزر چکا ہے کہ اللہ نے بنی اسرائیل سے فرمایا تھا کہ اگر تم نماز قائم کرو گے، زکوٰۃ ادا کرو گے، میرے رسولوں پر ایمان لاؤ گے، انکی تائید کرو گے تو اِنِّیْ مَعَکُمْ مِّنۡ تَہَاۤیَہٗ سَآئِجَ ہِیۡاں بھی فرمایا کہ تم اللہ پر بھروسہ رکھو اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنٰیۡنَ اگر تم ایمان رکھتے ہو اور ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی ذات پر مکمل اعتماد کرتے ہو اس کے حکم کی تعمیل کر گزرو۔ وہ مسبب الاسباب ہے، تمہارے قلیل ساز و سامان میں بھی اثر پیدا کرے گا، تاہم تمہاری طرف سے تعمیل حکم کا مظاہرہ تو ہونا چاہیے بہر حال ان دو حضرات نے بنی اسرائیل کو سمجھانے کی کوشش کی مگر جیسا کہ اگلی

آیات میں آ رہا ہے، قوم نے حکم کی تعمیل سے صاف انکار کر دیا جس کے نتیجے میں وہ عرصہ دراز تک وطن سے محروم رہے پھر کچھ زمانہ گزرنے کے بعد نئی نسل آئی، نیا خون پیدا ہوا، اچھے شعور کے لوگ آگے آئے اور انہوں نے جہاد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ارض مقدسہ بنی اسرائیل کو عطا فرمادی۔

المائدہ ۵

آیت ۲۳، ۲۶

لا یحب اللہ ۶

درس ہند ہم ۱۰

قَالُوا يَسُوئِي إِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا أَبَدًا مَا دَامُوا فِيهَا فَاذْهَبْ
 أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ﴿٣٣﴾ قَالَ رَبِّ
 إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَآخِي فَأَفْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ
 الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٣٥﴾ قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ
 أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ فَلَا نَأْسَ
 عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٣٦﴾

بج

ترجمہ :- اے مومن! بیشک ہم ہرگز داخل
 نہیں ہوں گے اس ملک میں کبھی بھی جب تک کہ وہ جبار لوگ اس
 میں ہوں گے۔ پس ہا تو اور تیرا پورا دھار دروں جاکر لڑو۔ بیشک
 ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں ﴿۳۳﴾ موصی (علیہ السلام) نے کہا، اے میرے
 پروردگار! میں نہیں اختیار رکھتا مگر اپنے نفس پر اور اپنے بھائی پر
 پس فیصلہ کر دے۔ بہتے دریاہی اور غاصق قوم کے درمیان ﴿۳۵﴾ فرمایا
 اللہ تعالیٰ نے پس بیشک وہ سرزمین حرام قرار دی گئی اے پر پائیس
 برس تک۔ یہ سرگردان ہوں گے زمین میں پس نہ افسوس کرو تو ناخوش
 کرنوالی قوم پر ﴿۳۶﴾

بطایات

گزشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ موصی علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ
 کے انعامات یاد دلانے کے لئے کہاں سے کہاں انہی انبیاء مبعوث فرمائے عظیم
 بادشاہ مقرر فرمائے اور انہیں دنیا بھر میں فضیلت عطا کی۔ اس کے بعد موصی علیہ السلام

نے قوم کو بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت برہمہ عیہ السلام سے وعدہ کیا تھا
 ہے کہ ریح مقدس میں تیری اولاد کو آباد کروں گا لہذا اُس پر قبضہ کرنے کے
 لیے بہادری سے قوم نے کہا کہ وہاں جبار لوگ رہتے ہیں۔ جب تک
 وہ وہاں سے چلے نہ جائیں، ہم وہاں داخل نہیں ہوں گے۔ البتہ ان میں
 سے دو آدمی ایسے تھے جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان راسخ کیا تھا۔
 اور اُن میں انبیا کی اطاعت و فرمانبرداری کا جذبہ موجود تھا۔ انہوں نے بھی
 قوم سے کہا کہ تم اس ملک کے دروازے میں داخل ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں
 فتح عطا کرے گا اور اس طرح اللہ کا وعدہ پورا ہو جائیگا۔ یہ دو حضرات
 کولب اور یوشع تھے۔ مؤخر الذکر کو اللہ تعالیٰ نے بعد میں نبوت بھی عطا فرمائی۔
 موسیٰ علیہ السلام نے بارہ آدمیوں کو دشمن کے حالات معلوم کرنے کے
 لیے بھیجا تھا۔ جن میں سے دو نے قراقرم پر بھروسہ رکھتے ہوئے بنی اسرائیل
 کو جہاد کی ترغیب دی، البتہ باقی دس آدمیوں نے قوم مخالف کی شر زوری کے
 قصے سنائے جن کی وجہ سے بنی اسرائیل میں بزدلی پیدا ہوئی اور انہوں نے حضرت
 موسیٰ علیہ السلام سے کہا قَالُوا لِمُوسَىٰ اِنَّ لَكَ اَنْتَ وَخَلْفُكَ اَبَدًا مَّا
 دَامُوا فِيْهَا اَلَمْ يَأْتِ مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَام ! ہم اس سرزمین میں اس وقت تک
 داخل نہیں ہوں گے جب تک یہ جبار قوم وہاں موجود رہے۔ تو زت کے
 باب کنئی میں اس طرح آیت ہے کہ جب دو ایمان دانوں نے قوم کو جہاد کی
 ترغیب دی اور کہا کہ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اُس سرزمین میں داخل
 ہو جاؤ تو وہ لوگ سخت غصے میں آ گئے اور روزِ چاند شروع کر دیا انہوں نے
 حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے سخت ناراضگی کو ظاہر کیا اور کہنے
 لگے کہ اس سے تو بہتر تھا کہ ہم مصر میں ہی مہجرت کر لیتے یا بحرِ افرودہ کے دورے
 ہی چلا کر ہو جاتے تاکہ اس وقت تلوار کی زد میں نہ آتے۔ انہوں نے کہا
 کہ اگر ہم قوم مخالف کے مقابلے میں لگے تو اسے جانیں گے۔ جہاد کی

قوت کا

بود اور بچے یتیم ہو کر دشمن کے قبضے میں چلے جائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ
 انہوں نے دو نصیحت کثرت کان پر سنگ ہری کی بھی گوشش کی کیونکہ وہ بتاتے
 تھے کہ یہی لوگ انہیں ہلاکت میں ڈالنا چاہتے ہیں۔
 مذکورہ دو آدمیوں کے علاوہ پوری قوم نے جہاد کرنے سے انکار کر دیا۔
 جب کہ صبح اللہ کے انبیاء حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو
 سخت کوفت ہوئی۔ وہ لوگ اپنے رسولوں کے ساتھ نہایت گستاخی سے
 پیش آنے اور کہنے لگے فَاذْهَبْ نَتَّ وَرَبَّنَا فَقَاتِ
اے موسیٰ علیہ السلام! تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو۔ اِنَّا هُمْ نَا قَعِدُوْنَا
 ہم تو یہیں بیٹھیں گے۔ مجھ تمہارے ساتھ لڑائی میں شریک نہیں ہو سکے۔
 مفسرین کلام بیان فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے اس جواب کو مجازی
 اور حقیقی دونوں معنوں پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ اگر اس جملے کو مجازی معنوں
 میں لیا جائے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ اے موسیٰ علیہ السلام ہم میں تو لڑائی کرنے
 کی ہمت نہیں ہے، لہذا آپ جائیں، خدا تعالیٰ آپ کا مددگار ہوگا۔ فرماتے
 ہیں کہ یہ معانی تو کسی حد تک قابلِ برداشت ہیں۔ اس سے کفرِ زہم نہیں
 آتا۔ ورنہ اگر ان الفاظ کو حقیقی معنوں پر محمول کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اے
 موسیٰ علیہ السلام! تم خود جہاد نہ چلو اور اپنے رب کو بھی ساتھ لے لو جس طرح
 دوسرے لوگوں کو امداد کے لیے شریک کیا جاتا ہے۔ مفسرین کلام فرماتے
 ہیں کہ یہ نہایت بے ادبی گستاخی اور کفر کا کلمہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ
 کو انسانی سطح پر لے آنا کفر کے مترادف ہے۔ بنی اسرائیل کی ایسی ہی گستاخی
 کا ذکر سورۃ بقرہ میں بھی ہو چکا ہے جب انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے
 صاف کہہ دیا اِنَّكَ لَنْ تَقُوْمَ اَنْتَ وَرَبُّكَ اَنْتَ وَرَبُّكَ اَنْتَ وَرَبُّكَ اَنْتَ وَرَبُّكَ
 بات کو یہ گویہ نہیں نہیں گئے جب تک اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے نہ
 دیکھ لیں۔ اس سے ادبی کو نتیجہ یہ نکلا کہ ایک کبھی آئی اور سب کو جہاد کو کمتر

کر دیا۔ یہاں پر بھی بنی اسرائیل نے اسی قسم کی گستاخی کی، خدا کی نعمتوں کی قدر کی اور اللہ کے عظیم المرتبت رسولوں کا کچھ لحاظ نہ رکھا اور ان کے حکم کا صاف انکار کر دیا۔

صحابہ کرام
کی جان نثاری

برخلاف اس کے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی جان نثاری کے واقعات زبان زد عام ہیں۔ منجملہ ان کے جنگ بدر کی تیاری کا واقعہ ہے۔ جب قریش مکہ کی طرف سے جنگی تیاری کی خبر پہنچی تو حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام کو جمع فرمایا اور جنگ کی تیاری کے لیے ان کی رائے طلب کی چنانچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے دشمن سے ٹکرا جانے کا مشورہ دیا، اس پر آپ خاموش رہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر اپنی جان نثاری کا یقین دلایا مگر آپ پھر بھی خاموش رہے۔ حضرت عمرؓ سمجھ گئے کہ آپ انصار مدینہ کی طرف سے یقین دہانی چاہتے ہیں چنانچہ آپ نے انصار کی طرف اشارہ کیا کہ اب تمہارے بولنے کا وقت ہے۔ چنانچہ انصار میں سے حضرت سعد بن معاذؓ نے عرض کیا کہ حضور اگر آپ کا روئے سخن ہماری طرف ہے تو ہم آپ کو قسم اٹھا کر یقین دلاتے ہیں۔ کہ اگر آپ حکم دیں گے تو اپنے گھوڑوں کو برگِ افادہ تک لے جائیں گے اور انہیں سمندر میں دھرائیں گے بھی دریغ نہیں کریں گے ہم آپ کے اشارے پر ہر طرح کی قربانی دینے پر تیار ہیں عرض کیا حضور! آپ ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی مانند نہیں پائیں گے جنہوں نے اپنے نبی سے یوں کہا تھا کہ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اس کے بعد ماجرین میں سے حضرت مقداد بن اسودؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا، حضور! آپ یقین جانیں کہ ہم آپ کے دائیں، بائیں، آگے اور پیچھے غرضیکہ ہر طرف سے دشمن کا مقابلہ کریں گے ہم جان کی بازی لگا دیں گے، آپ ہمیں موسیٰ علیہ السلام کی قوم جیسا نہیں پائیں گے۔ انصار و ماجرین کے اس جوش و جذبہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

بہت خوش ہوئے آپ کا چہرہ مبارک چمکنے لگا اور آپ نے اللہ کا نام لے کر کوچ کا حکم دے دیا۔ بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضور غلام النبیین کی اقسام کے نظریات کا یہ ایک تقابلی جائزہ ہے۔

الغرض! جب قوم موسیٰ نے جہاد سے صاف انکار کر دیا تو اللہ کے نبیوں کے دل پریشان ہو گئے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت عاجزی کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں دعا کی قَالَ رَبِّ اجْنُبْنِي وَارْحَمْنِي وَسَانِدْنِي۔ اُمْلِكْ اِنَّ لِّفَتْسِي وَاجْتِي اَسْءَدُ رَدَّاهُ رَا! میں مجھ اختیار نہیں رکھتا سوائے اپنی اور اپنے بھائی کی جان کے یعنی میں تو ہر حالت میں تیرا فرمانبردار ہوں اور میرا بھائی بھی میری بات ماننا ہے۔ مگر اس قوم پر میرا کچھ بس نہیں چتا یہ میری بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اب ان کے ساتھ میرا نباہ نہیں ہو سکتا۔ لَمَّا فَافَزَقَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ہمارے اور فاسق قوم کے درمیان تفریق ڈال دے۔ اے مولا کریم! اس قوم نے تیرے حکم کو ٹھکرا دیا ہے، یہ فسق و معصیت میں مبتلا ہیں، تیرے انعام کو مستبول کر لے کی بجائے بددلی کا مظاہرہ کر رہے ہیں، اس لیے تو ہمارے درمیان اب اپنا فیصلہ ہی صادر فرما دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، ان کو دنیاوی نذر بھی ملی کہ فی الوقت ایک نعمت سے محروم ہو گئے۔ اس واقعہ کے تین سال بعد حضرت ہارون علیہ السلام کو پیکر ہو گئے اور پھر مزید ایک سال بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ان سے جلے اور اس طرح اللہ کے نبیوں اور قوم کے درمیان جدائی پیدا ہو گئی۔ جدائی کا یہ مطلب نہیں کہ دونوں انبیاء قوم کو چھوڑ کر کسی دوسرے علاقے میں چلے جاتے یہ بات ان کے شایانِ غان نہ تھی اور وہ اپنی قوم کے ساتھ رہنا بھی پسند نہ کرتے تھے، لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا مستبول کی اور دونوں انبیاء کی فوتیدگی سے مطلوبہ افتراق عمل میں آگیا۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا اور اپنے

بھائی کو ذبحہ تو کیا ہے مگر ان دو کامل ارباب لوگوں حضرت کو سب اور یثیع
 کو ذکر اپنے ساتھ کیوں نہیں کیا۔ پھر تشریح کلام بیان فرماتے ہیں کہ قوم سے
 افتراق میں ان دو حضرات کو اپنے ساتھ شامل نہ کر لیگی دو وجوہات جو کتب
 میں پہلی درجہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعائیت حضرت اب اور
 تنگدلی کی حالت میں کی تھی۔ اور ایسی حالت میں بعض اوقات آدمی کو مہم
 کو مختصر کرنے کے لیے کسی چیز کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ اس کی دوسری وجہ
 یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہر وہ علیہ السلام تو آپ کے بھائی اور نبی تھے۔ ان کے
 متعلق آپ کو یقین تھا کہ یہ میرے ساتھ ہے لہذا اس کا نام اپنے ساتھ شامل
 کر دیا مگر باقی دو حضرات کے متعلق انہیں مکمل یقین نہیں تھا۔ آپ کا خیال
 تھا کہ ہو سکتا ہے آزمائش آنے پر وہ بھی ثابت قدم نہ ہو سکیں گے، لہذا
 آپ نے قوم سے افتراق میں ان کو اپنے ساتھ شامل نہ کیا، یا دیکھتے کہ حضرت
 یثیع علیہ السلام کو اس وقت نبوت نہیں ملی تھی جس کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام
 ان سے پرہیز کر رہے تھے۔ ان کو نبوت موسیٰ علیہ السلام کی وفات
 کے بعد عطا ہوئی۔

مفسر قرآن مولانا شاہ اشرف علی نقی نقی سی آیت سے استدلال کرتے
 ہیں کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہرون علیہ السلام کو پورے وثاق
 کے ساتھ اپنے ساتھ لے کر لیا۔ اسی طرح شیخ بزرگ کو اپنے مہربان شاگرد
 پر تصرف بھل جاتا ہے اور دو یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ میرا فلاں شاگرد
 یا میرا فلاں کام میں میرے ساتھ شراب ہو گا۔ گو یا شیخ کو اختیار حاصل ہے
 کہ وہ اپنے مرید کو اپنے ساتھ تمام کرے۔

بنی اسرائیل کی بے ادبی استغنی اور نہ کہ عدویٰ کی بنا پر معتبر ہے
 نے فرمایا: *فَاِنْ فَتَنَّاكَ فَتَمَحَّدْ عَلَيْنَا*۔ اور یہاں سے
 ان کے منہ میں شام و غروب کی صورتیں ہیں جس سے ان کے بے ادبی

پہچان
 آتی

دے دی گئی۔ اگر وہ لوگ جہاد پر آمادہ ہو جا۔ تے تو اللہ تعالیٰ اسی وقت نہیں
 وہ نعمت عطا کر دیتا مگر ان کی بزدلی کی وجہ سے انہیں یہ سزا ملی کہ وہ ارض
 مقدس سے چالیس سال تک کے لیے محروم ہو گئے۔ حدیث شریف
 میں آتا ہے ان الغلبہ لیعمروا من الذوق بالذنب یعنی بندہ اپنی
 معصیت کی وجہ سے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔ یعنی جب کوئی گناہ
 کرتا ہے تو اسے ملنے والی نعمت بھی روک لی جاتی ہے چنانچہ اللہ نے
 حکم دے دیا کہ اب یہ قوم چالیس سال تک رخصتِ قدس میں داخل نہیں ہو سکتی۔
 مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ اس چالیس سالہ دور میں تمام لوگ
 بنی اسرائیل ختم ہو گئے اور ان میں سے کوئی بھی سرزمینِ مقدس میں پہنچ
 سکا۔ اس دوران نئی نسل پیدا ہوئی۔ انہوں نے اپنے اندر تنقید پیدا کی۔
 پھر حضرت یوشع علیہ السلام کی قیادت میں انہوں نے جہاد کیا تو وہ ارضِ قدس
 کو فتح کرنے میں کامیاب ہوئے۔ مگر نہ چالیس سال تک ان کی
 حالت یہ رہی یکتھفون فی الارض وہ سزا کے طور پر اسی سزا
 سینا میدان تیسہ میں دیوانوں کی طرح سرگردان پھرتے رہے۔ سرفہر
 میں گزر چکے تھے کہ وہ اس میدان میں۔ سے سے پھرتے رہے۔ انکی
 سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے
 ان پر اپنی مہربانی جاری رکھی۔ جب ان کے خیمے چٹ گئے تو سزا
 وَ ظَلَلْتَ عَلَيْكُمْ الْعَمَاءَ ہم نے تم پر بادلوں کے سایے
 کر دیے اور جب بھوکوں مرنے لگے تو انہیں خلیفہ لکھا
 وَ سَكَنَ قَوْمٌ دَسَوٰی یعنی اندھ اور شیریں خوراک ہم پہنچائی۔

غلامی بہت بُری چیز ہے۔ اس کی وجہ سے لوگوں میں قبیح صفات
 پیدا ہوتی ہیں۔ کمینگی و کینا جیسی بری خصلتیں جنم لیتی ہیں۔ انوں سے دشمنی
 و بغض سے دنیا و دین کے تباہ ہوتے ہیں۔ جنی سرسبز بھی ہے

عرصہ تک غلامی میں رہنے کی وجہ سے اچھی خصلتوں سے محروم ہو چکے تھے لہذا انہوں نے اللہ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ پھر جب نئی نسل آئی غلامی کے اثرات ختم ہوئے تو ان میں ملی جوش و جذبہ نمود کر آیا۔ پھر انہوں نے جہاد کر کے اپنا وطن حاصل کر لیا۔

موسیٰ علیہ السلام
کو تلی

چونکہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے سخت مایوس ہو چکے تھے۔ اُن کی مسلسل نافرمانی اور معصیت کی وجہ سے آپ کو اُمید کی کوئی کرن نظر نہیں آرہی تھی، ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دی فَتَلَا تَأْتِسُ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ آپ اس فاسق قوم پر افسوس کا اظہار نہ کریں۔ یہ نعمتِ خداوندی سے محروم ہو چکے ہیں اب ارضِ مقدس کی نعمتِ الٰہی کی آئندہ نسل کو ملے گی۔ اس قسم کی تشفی کی مثالیں دیگر انبیاء کے متعلق بھی ملتی ہیں۔ چنانچہ شعیب علیہ السلام کی قوم نے جب آپ کے پیغام اور نصیحت کو قبول نہ کیا تو فرمایا فَكَيْفَ السَّيِّئُ عَلَى قَوْمٍ كَافِرِينَ اس کا فخر قوم پر کس طرح اظہار افسوس کیا جائے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو کافر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے مگر یہاں پر بنی اسرائیل کے متعلق ایسا نہیں کہا گیا کیونکہ وہ لوگ نافرمان اور گنہگار تھے مگر نبی کی ملت میں ہی تھے۔ حضرات موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو اللہ کے نبی تسلیم کرتے تھے مگر اپنی گستاخی، بے ادبی اور بد اعمالیوں کی وجہ سے سزا بھی پاتے تھے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنِ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَ قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَا قُلُوبَ لَكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝۲۷ لَبِئْسَ بَسْطَتَ إِلَى يَدِكَ لَتَقَتِّلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِي إِلَيْكَ لَا قُلُوبَ لَكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝۲۸ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبْشُرَ بِإِشْعَى وَلَوْ أَنَّكَ فَتَكُونُ مِنَ أَصْحَابِ النَّارِ وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ۝۲۹

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ ان کو پڑھ کر سنیں کہ آدم علیہ السلام

کے دو بیٹوں کا حق کے ساتھ جب کہ ان دونوں نے قربانی پیش کی
پس ان میں سے ایک قبول کی گئی اور دوسرے سے قبول نہ کی گئی دوسرے کو کہہ دیں

قتل کر دلوں کا۔ اُس نے کہا بیشک اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے متقیوں

سے ۝۲۷ اگر تو بڑھائے گا میری طرف اپنا ہاتھ مجھے قتل کرنے

کے لیے تو میں نہیں بڑھائے والا ہوں ہاتھ تیری طرف مجھے قتل کرنے

کے لیے۔ بیشک میں خوف کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے جو تمام جانوں

کا پروردگار ہے ۝۲۸ میں چاہتا ہوں کہ تُو نے تو یہ گناہ بے گناہ

اور اپنا گناہ۔ پس جو جائے گا تو دوزخ والوں سے اور میں

سزا ہے ان لوگوں کی جو ظلم کرنے لگے ہوتے ہیں ۝۲۹

پچھلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی بدولت کا حال ذکر کیا تھا۔

کہ وہ دشمن سے مقابلہ کر کے یلے تیار نہ ہوئے جس کی پادش میں چاہیں اس تک سرزمینِ تقدس سے محروم ہے۔ جس طرح دشمن کے مقابلے میں ہزولی لکھا بہت بُری بات ہے اسی طرح قتلِ ناحق پر دلیر ہو، جی قبیح خلعت ہے۔ اسی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے آیت کے درس کی آیت میں آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا حال ذکر کیا ہے۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے دونوں فرقوں کے نقصِ عمدہ کا تذکرہ فرمایا تھا۔ یہودی عمدہ شکنی کی وجہ سے ملعون ٹھہرے، پھر سنگدل ہوئے اور اللہ کی کتاب میں تحریف کے مرتکب ہوئے۔ اسی عمدہ شکنی کی وجہ سے گمراہ و نصاریٰ باہمی جنگ و جدل میں مبتلا ہوئے۔ چنانچہ ابتدائے سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بھی ایفائے عہد کی تلقین کی **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا وَفُوا بِالْعُقُودِ** یعنی اے ایمان والے عہد و پیمان کو پورا کرو۔

آدم علیہ السلام
کے دو بیٹے

آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا تھا۔ یہ بھی قاتل کی طرف سے عمدہ شکنی کی وجہ سے ہوا تھا۔ ارشاد ہوتا ہے **وَاسْأَلْ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنِ آدَمَ بِالْحَقِّ** یعنی پوچھو انہی کے بارے میں کہ آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا حال پڑھ کر مٹا دیں حق کے ساتھ نہ کہ معنیِ خبر کا حال یا واقعہ ہوتا ہے۔ اور ابنِ آدم سے عام طور پر انسان مراد لیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ انسان آدم علیہ السلام کی بیعتِ تہم حضرت عید متذکرینِ عباسیہ علیہ السلام کے بعد متذکرینِ محمدیہ و قتلِ دوزخ و غیرہ فرماتے ہیں کہ اس آیتِ کریمہ میں مذکور دو بیٹوں سے حضرت آدم علیہ السلام کے بعض بیٹے مراد ہیں۔ ان دو بیٹوں یعنی بائیں اور قاتل کا تذکرہ تورات میں بھی موجود ہے۔ تفسیرِ روحِ البیان میں لکھا ہے۔

دو بیٹوں کو واقعہ حضور علیہ السلام کی اجابت سے ہزاروں سال پہلے پیش آیا اور اس کا ٹھیک طور پر علم خیر وحی الہی کے نہیں ہو سکتا تھا لہذا اللہ تعالیٰ نے وحی ہی کے ذریعے اپنے پیغمبر کو فرمایا کہ آپ بنی اسرائیل اور دوسرے لوگوں کو اس واقعہ کی ٹھیک ٹھیک تفصیلات سنا دیں تاکہ ان کو علم ہو سکے کہ اللہ تعالیٰ کے کس قدر قبیح نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

پیدائش اور نکاح

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ سب کے جدا جدا حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں بر حمل سے دو جنموں کے پیدائش ہوتے تھے جن میں ایک لڑکا ہوتا اور دوسری لڑکی۔ چنانچہ جب آدم علیہ السلام اپنی زندگی کے ایک ہزار برس مکمل کر کے اس دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ ایک ہزار سے زیادہ اولاد یعنی لڑکے لڑکیاں چھپے چھپوڑ گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو ایسا ہی منظور تھا۔ نسل انسانی کی ابتدائی اور سے پوری دنیا میں پھیلنا مقصود تھا۔ لہذا حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں کثرت سے بچے پیدا ہوئے۔ جب بچے جوان ہوتے اور ان کے نکاح کا مسئلہ پیدا ہوتا تو آپ کی شریعت کے مطابق ایک حمل کے لڑکے اور دوسرے حمل کی لڑکی کا آپس میں نکاح کر دیا جاتا اور اس طرح نسل انسانی بڑھنے در پھینے لگی۔

وجہ نماز
اور قربانی

آدم علیہ السلام کے دو بیٹے قابیل اور قابیل دو مختلف جنموں (حملوں) سے تھے مگر اتفاق کی بات کہ وہ آپس کے ساتھ پیدا ہوئے تو لڑکی اچھی شکل و صورت کی نہ تھی جب کہ قابیل کی جڑواں بہن خوب صورت تھی اب اس وقت کی شریعت کے مطابق قابیل کا نکاح قابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کے ساتھ ہونا چاہیے تھا مگر وہ بے پسند نہیں کرتا تھا اور اس کی بجائے اپنے ساتھ جنم لینے والی خوب صورت لڑکی سے نکاح کا خواہشمند تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے انہیں سمجھایا کہ ایسا کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ حکم خداوندی کی طرف سے دیا گیا ہے کہ قابیل اپنی ضدیہ عیسیٰ اور قابیل

بھی اُسی لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا تھا کیونکہ شریعت کے مطابق اُس کے نکاح میں وہی آنی چاہیے تھی۔ آخر کار آدم علیہ السلام نے یہ تدبیر پیش کی کہ دونوں بھائی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نیاز یا قربانی پیش کریں اور جس بھائی کی قربانی قبول ہو جائے گی۔ اُس کا موقف درست تسلیم کیا جائے گا۔ چنانچہ دونوں بھائی اس تجویز پر رضا مند ہو گئے۔

ہابیل کا پیشہ گھربانی تھا، اُس نے ریوڑ پال رکھے تھے اور قابیل کاشتکاری کرتا تھا۔ چنانچہ ہابیل نے اپنے جانوروں میں سے ایک اچھا اور عمدہ جانور منتخب کیا اور اُسے اللہ کی راہ میں ذبح کر دیا۔ دوسرے بھائی قابیل نے اپنے نسلے کی پیداوار میں سے ردی مال قربانی کے لیے پیش کیا۔ جیسا کہ سورۃ آل عمران میں بیان ہو چکا ہے، قربانی کی قبولیت کی نشانی یہ تھی کہ متعلقہ چیز کو ایک خاص مقام پر رکھ دیا جاتا تھا، آسمان سے آگ نازل ہوتی تھی اور قبولیت کی صورت میں قربانی کی چیز کو جلا کر رکھ کر دیتی تھی اسی طریقے کے مطابق دونوں بھائیوں نے اپنی اپنی قربانی اللہ کی بارگاہ میں پیش کی اس آیت کہ مِیْمَہ میں اسی چیز کو ہاں بیان کیا گیا ہے۔ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا جب دونوں نے قربانی پیش کی فَقَبِلَ مِنْهُمَا اَحَدُہُمَا تَرَان میں سے ایک یعنی ہابیل کی قربانی قبول کر لی گئی۔ وَلَکُم مِّنْ قَبْلِ مِنْ الْاٰخِرِ اور دوسرے یعنی قابیل کی قربانی قبول نہ کی گئی۔

اس پر قابیل حسد کی آگ میں جل گیا اور اُس نے غصے میں آکر دوسرے بھائی ہابیل سے کہا قَالَ لَا قَبْلَکَ میں تجھے مار ڈالوں گا کیونکہ تو میری خواہش کے راستے میں حائل ہے۔ تیرا کام تمام کر کے ہی میں اپنے لیے راستہ صاف کر سکتا ہوں اس کے جواب میں ہابیل نے کہا کہ بھائی! طیش میں نہ آؤ۔ قربانی کی قبولیت یا عدم قبولیت تو اُس مالک الملک کے ہاتھ میں ہے جس کے حضور قربانی پیش کی جاتی ہے۔ اور اُس کا قانون یہ ہے

قابیل کا اردو
قتل

قُلْ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ کہ خدا تعالیٰ متقیوں کی قربانی قبول فرماتا ہے۔ اگر تیری قربانی قبول نہیں ہوئی تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے تقویٰ کی صفت سے متصف کیا ہے اور میری قربانی قبول فرمائی ہے۔ اگر تجھ میں بھی یہ صفت پائی جاتی تو اللہ تعالیٰ تمہاری قربانی بھی قبول کر لیتا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنے دوستوں کے سامنے یہ دعا پڑھائی کہ اے اللہ! میری قربانی قبول فرما۔ آپ حکیم الامت کہلاتے تھے۔ ان کا قول ہے کہ بخدا اگر مجھے یقین ہو کہ میری یہ دعا قبول ہو گئی ہے تو یہ میرے لیے دنیا و مافیہا سے زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ اس آیت کریمہ کی رو سے کہ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ میں سمجھوں گا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے متقین کی صف میں شامل کر لیا ہے۔

ہابیل کی
فرغندی

بہر حال ہابیل نے قاتل کی قتل کی دہمکی کے جواب میں ایک تو اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ اُس کی قربانی کی عدم قبولیت میں میرا کوئی قصور نہیں کیونکہ اللہ متقیوں کی قربانی قبول فرماتا ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ کہ لے بھائی! لَبِثَ اَنْتَ بِالْاَرْضِ يَدًّا لِّتَقْتُلَنِي اگر دہمکی کے مطابق تو مجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہتھ بڑھائیگا تو اس کے جواب میں مَا اَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيْ اِلَيْكَ لَا قُوَّةُ لِيْ بِكَ تَبَارَكَ الَّذِيْ يَرْفَعُ الدُّرُجَاتِ مَنْ يَّشَاءُ وَلَا يَخْفَىٰ اِلَيْهِ السُّرُورُ میں تمہاری طرف سے قتل سے اپنا ہتھ نہیں بڑھاؤں گا۔ کیونکہ اَلِیْسَ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعَالَمِیْنَ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں کہ کہیں اُس کی گرفت میں نہ آجاؤں، لہذا میں تیرے ساتھ کوئی زیادتی کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ ہابیل کی طرف سے بھائی کے خلاف ہاتھ نہ اٹھانے کا عزم اس وجہ سے تھا کہ اگر اپنے دفاع کے لیے بھی ہاتھ اٹھایا تو اسے جارحیت کا ہتھ نہ سمجھا جائے۔ اور جب دو اشخاص ایک دوسرے پر حملہ آور ہوں تو دونوں مجرم ہوتے ہیں خواہ ابتدا کسی طرف سے ہو۔ اسی لیے حضور علیہ السلام

وہاں ہے قاتل و مقتول صلاہکم فی النار
قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں۔ یہی کہ اگر نے عرض کیا، حضور! قاتل
تو جہنمی ٹھہرے کہ وہ قتل ناحق کا مرتکب ہوا مگر مقتول کو کیسی سزا؟ فرمایا
بَلَّغْكَ عَنْ حَرِيضٍ عَلَى قَاتِلٍ صَاحِبِهِ وَوَهَبِي بِنِي
ساتھی کو قتل کرنے پر جو میں تھا یعنی ارادہ تو دونوں کا یہی تھا کہ ایک دوسرے
کو قتل کر دیں مگر ایک کو قتل ہو اور دوسرا مقتول نہ ہو ہم اپنے ارادہ کے
اندر سے دونوں جہنمی ہیں۔

اس تمام پر یہ سول پیدا ہوتا ہے، کہ ان احکام کی روشنی میں کیا کسی مظلوم
کو پہنچانے کا حق نہیں؟ تو بعض مفسرین گمراہ فرماتے ہیں کہ مظلوم
کے لیے اپنا دفاع نہ کرنا صرف حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں جائز
تھا، ہماری شریعت میں ایسا حکم نہیں ہے۔ بلکہ یہاں تو حکم یہ ہے قَاتِلُوا
مَنْ يَمْلِكُ بِيَدِهِ مَكِيلًا عَنِتُّمْ قَاتِلُوا بِلِقْوِهِمْ جَزَاءُ بِلِقْوِهِمْ
کمرے، اگر انہی کسی طرح جواب دو۔ ہماری شریعت میں مظلوم کو بدتر لینے
کی اجازت ہے اور اگر صبر کیا جائے اور شہادت حاصل ہو جائے تو یہ
مقام عزیمت ہے۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے آخری دور میں نہ خود مصیبت
پر ہمت اختیار کیا اور نہ اپنی فرج کو ان کا مقابلہ کرنے کی اجازت دی۔ یہبت
اونچا درجہ ہے جسے حاصل ہو جانے، تاہم انتقام لینے کی رخصت ہے
بہر حال بابل نے عزیمت کا راستہ اختیار کیا اور کہا کہ اے میرے بھائی
میں تیرے خلاف ہتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ اَلَيْسَ اُرِيدُ اَنْ تَبْقَا بِاَنْفُسِي
وَأَكْفِكَ مِنْ يَدِي اے بھائی میں تو میرا گناہ اور اپنا گناہ بھی لے کر لوٹے۔ یہاں
اشکال پیدا ہوتا ہے کہ قاتل اپنے گناہ تو سامنے لے لیا مگر مقتول کے
گناہوں کا بوجھ کیسے اٹھائیگا جب کہ قرآن پاک کا عام ضابطہ یہ ہے کہ
اَنْ تَبْقَا بِاَنْفُسِي وَتَكْفِيَ مِنْ يَدِي اَنْفُسِي اَنْفُسِي اَنْفُسِي اَنْفُسِي اَنْفُسِي

سنا ہوں
کہ

کے گناہ کا بوجھ دوسرے نہیں اٹھاتا۔ تو مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں بابائی کا مطلب بابیل کے سارے گناہ نہیں بلکہ صرف اس کے قتل کا گناہ مراد ہے جسے قابیل اٹھا کر سے جائیگا۔ حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری فرماتے ہیں کہ ان الفاظ سے ایک لطیف مطلب بھی اخذ کیا جاسکتا ہے حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے السیف محاذ الذخوب یعنی تلوار گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔ اسی لیے شہید کے تہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں اِلَّا الَّذِینَ سَوَّاهُ قَرْضُ غُیْرٍ کے کہ وہ معاف نہیں ہوتا جب تک کہ قرض خواہ خود معاف نہ کرے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ بابیل کے کلام کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ مجھے قتل کر کے میرے گناہوں کے مٹانے کا بھی تو ہی سبب بنے گا۔ گویا میرے گناہ بھی سے جائیگا اور تیرے اپنے گناہ تو میرے ساتھ ہی ہوں گے۔ فرماتے ہیں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مقتول کے تمام گناہ قاتل کے سر پر ڈال دیے جائیں گے۔

قاتل کا
انجام

فرمایا جب تو ایک قتل ناحق کا ارتکاب کر ہی بیٹھے گا فَتَكُونُ مِنَ صَاحِبِ السَّارِ پس تو جہنمیوں میں سے ہو جائے گا۔ یعنی تیرے لیے دوزخ واجب کر دی جائیگی۔ قتل چند اکبر الجبار یعنی بڑے گناہوں میں سے ایک ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا ذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ جو کسی مومن کو عمدہ قتل کرے گا۔ تو اس کی سزا دائمی جہنم ہے۔ اگر قتل کو حلال سمجھ کر کیا ہے۔ تو قاتل کا فرار مرتد سمجھا جائے گا اور ہمیشہ دوزخ میں جلا ہے گا۔ اور اگر حلال نہیں سمجھتا مگر قتل کا مرتکب ہوا ہے تو بے عرصہ تک سزا پانے کے بعد ایمان کی بدولت رہائی حاصل کرے گا۔ فرمایا وَ ذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِیْنَ ظلمہ کرنے والوں کی یہی جزا ہوا کرتی ہے۔ کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

بہر حال جب قابیل نے ہابیل کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، تو ہابیل نے
 نے اسے ہر چند سمجھانے کی کوشش کی کہ ایسا کرنے سے تو قانون خداوندی
 کو توڑے گا جسکی بدولت تو خدا تعالیٰ کی ابدی گرفت میں مبتلا ہو گا۔

لا یحب اللہ ۶

درس نوزدہم ۱۹

السائدۃ ۵

آیت ۳۰ ۲۱۲

فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ
فَاصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ
فِي الْأَرْضِ لِسُوءِ كَيْفِ يُؤَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ قَالَ
يُؤَيِّلَتِي أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَذَا الْغُرَابِ
فَأُؤَارِي سَوْءَةَ أَخِي فَاصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ ﴿۳۱﴾

یہاں اسی طرح ہے

ترجمہ : پس آدمہ کیا اُس کو اُس کے نفس نے اپنے بھائی
کے قتل پر ، پھر اُس نے اُس کو قتل کر ڈالا ، پس ہو گیا وہ نقصان
اٹھانے والوں میں ﴿۳۰﴾ پھر بھیجا اللہ نے کڑے کو ، وہ زمین کو
کھدیتا تھا تاکہ دکھائے اُس کو کہ کس طرف چھپائے وہ اپنے
بھائی کی لاش کو ۔ وہ کہنے لگا : بے افسوس ! کیا میں عاجز
ہو گیا ہوں اس بات سے کہ میں جو جاؤں اس کڑے جیسا کہ میں
اپنے بھائی کی لاش کو چھپا لوں ، پھر ہو گیا وہ پھٹانے والوں میں ﴿۳۱﴾

بطا آیت

آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کے درمیان تنازعہ کا ابتدائی حصہ گذشتہ درس میں بیان ہوا
تھا۔ دونوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی اپنی قربانی پیش کی۔ قابیل کی قربانی قبول ہو گئی
جب کہ قابیل کی نہ ہوئی۔ اُس نے غصے میں آکر اپنے بھائی کو قتل کی دھمکی دی مگر قابیل
نے کہا کہ اس میں میرا کیا قصور ہے۔ اللہ کے ہاں قربانی کی قبولیت کا معیار یہ ہے
کہ وہ متقیوں سے قبول کرتا ہے۔ اگر تم بھی تقویٰ کی صفت سے متصف ہوتے
تو اللہ تعالیٰ تمہاری قربانی بھی قبول فرماتا۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ اگر تو مجھے قتل کرنے کیلئے

اپنا ہاتھ میری طرف بڑھائیگا۔ تو میں تیرے قتل کے لیے اپنا ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا، کیونکہ میں اُس اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام جانوں کا پروردگار ہے۔ اور اگر تم نے مجھے قتل کر ہی دیا۔ تو پھر تمہیں میرے قتل کا گناہ اور خود اپنے گناہ بھی اٹھانا ہوں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم جنہی بن جاؤ گے۔

یاد کرو اس کے کہ ہابیل نے بڑی موثر بات کی مگر قابلِ اپنے ارادے سے باز نہ آیا۔ اللہ جل شانہ نے اس کیفیت کو یوں بیان فرمایا ہے فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ اُس کے نفس نے اُسے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا۔ طوعت کے کئی ایک معنی آتے ہیں جیسے آمادہ کر دینا، آمادہ کر دینا، مزین کر دینا، ہموار کر دینا وغیرہ۔ بہر حال قابل کے نفس نے اُسے اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ ہابیل کو اپنے راستے سے ہٹائے، فَقَتَلَهُ پھر اُس نے اُس کو قتل کر دیا۔

نفس کی آمادگی کے متعلق خود قرآن میں موجود ہے۔ اِنَّ النَّفْسَ لَمَّاعَاتٌ بِالسُّوءِ نفس کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ انسان کو برائی پر آمادہ کرتا ہے۔ کوئی بھی گناہ کرتے وقت ابتداء میں جھجک محسوس ہوتی ہے پھر آہستہ آہستہ انسان کا نفس اور شیطان اس کو برائی پر آمادہ کر لیتا ہے پھر جب وہ ایک دفعہ گناہ میں طوٹ ہو جاتا ہے۔ تو اُس کے لیے راہ ہموار ہو جاتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے۔ واعظ اللہ فی قلب کل مؤمن ہر مومن کے دل میں خدا کی جانب سے ایک داعظ ہوتا ہے۔ اور اس سے مراد انسان کا ضمیر ہے جو بیدار ہوتا ہے اور ہر برائی پر اُسے خبردار کرتا ہے۔ انسان جب اس نصیحت کو نظر انداز کر کے پہلی مرتبہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ تو اس کے دل پر سیاہ داغ لگ جاتا ہے۔ پھر بھی اُس کے لیے موقع ہوتا ہے کہ توبہ کرے اور آئندہ اُس سے باز آجائے۔ اگر الیا کر لے تو سیاہ دھبہ صاف ہو جاتا ہے اور

بھائی کا
قتل

اگر گناہ پڑا صبر کرنا ہے تو دل کی سیاہی بڑھتی جاتی ہے حتیٰ کہ سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **كَلَّا بَلْ يَكْسِبُونَ** لو! ان لوگوں کی بے نیازیوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر زہم چڑھ گیا ہے اور ان کے دل سیاہ ہو چکے ہیں۔ بہر حال فرمایا کہ قاتل کے نفس نے اُسے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر لیا اور اس نے اُسے قتل کر دیا۔

طریقہ قتل کے متعلق تفسیری روایات میں آتا ہے کہ بائبل کہیں سورہ قصص۔ قاتل کو موقع مل گیا اور اُس نے اُس پر سے پتھر مار کر بھائی کا سر کھل دیا۔ قتل کی جو بھی صورت ہو، اللہ نے فرمایا کہ اس فعل کے ارتکاب کے بعد **فَاَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ** وہ نقصان اٹھانے والوں میں ہو گیا قاتل کو ظاہری نقصان تو یہ ہوا کہ اُس کے ماں باپ سخت ناراض ہو گئے۔ گویا بھائی سے محرومی اور والدین کی ناراضگی بذاتِ خود بہت بڑا نقصان ہے۔ عرب لوگ کہا کرتے ہیں **المرء کثیر باخیه** بھائیوں کی وجہ سے آدمیوں کی اکثریت ہوتی ہے۔ فارسی کا قول بھی ہے **ہر کہ برادر ندارد**۔ قوت بازو ندارد جس کا بھائی نہیں ہے، اُس کے پاس قوت بازو نہیں ہے۔ بھائیوں کی تائید ان کی طاقت کا ذریعہ ہوتا ہے مصیبت کے وقت بھائیوں کے تعاون کی ضرورت پڑتی ہے۔ تو بھائی کو قتل کر کے دوسرا بھائی قوت بازو سے محروم ہو گیا۔ یہ بہت بڑا نقصان ہے فارسی والے کہتے ہیں **ہر کہ در ندارد شفقت ندارد** جسکی ماں نہیں ہے وہ شفقت سے محروم ہے۔ اور **ہر کہ زن ندارد آسائش تن ندارد** جسکی بیوی نہیں ہے اُسے جسم کا آرام میسر نہیں ہے۔ اللہ نے بھی منشاء کو تمنا کے لیے بیویاں پیدا کی ہیں **لِيَتَسَكَّنُوا إِلَيْهِنَّ** تاکہ تمہیں راحت نصیب ہو۔ اسی طرح ایک بھائی کے لیے دوسرا بھائی بھی بہت بڑی نعمت ہے

خاص طور پر نیک اور مستحق بھائی سے محرومی نقصانِ عظیم ہے۔
 اس دنیوی اور فوری نقصان کے علاوہ آخرت کا شدید ترین اور دائمی
 نقصان بھی پیش آنے والا ہے، بھائی کا قتل انتہائی ظلم اور قطع رحمی کی
 بدترین مثال ہے۔ دنیا میں خورنیزی کی ابتدا اسی قتل سے ہوئی اس سے پہلے
 کوئی خون نہیں بہا تھا۔ اس اولین قتل کا اثر نہ صرف والدین اور بھائی پر ہوا
 بلکہ پورے ماحول پر ہوا۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ قتل کا بدنِ سیاہ ہو گیا،
 ناجی دنیا میں پھیل کر ڈوبے ہو گئے، درختوں کے ساتھ کانٹے لگ گئے
 اور اسی طرح کئی دیگر ناگوار تغیرات پیش آئے۔ یہ سب تغیری روایات
 میں آتا ہے۔

محرومی نقصان اس میں سے ایک عظیم ترین نقصان یہ ہے کہ
 اس قتل ناحق کا بال قاتل ہمیشہ کے لیے قائم ہو گیا۔ اب قیامت تک جتنے
 بھی قتل ناحق ہوتے رہیں گے ان کا گناہ متعلقہ قاتل کے علاوہ اولین قاتل
 قابل کے نامہ اعمال میں بھی درج ہوتا ہے گا کیونکہ حضور علیہ السلام کا ارشاد
 مبارک ہے لا ذلۃ اول من مسن القتل اس لیے کہ قابل نے
 دنیا پر پل قتل کر کے اس جرم کو راسخ کیا۔ اب ہر ایسے فعل کی برائی اسکو
 بھی ملتی ہے گی۔ اسی طرح جو شخص کسی نیکی کا دستور قائم کرے گا، اس پر
 عمل کرنے والے ہر شخص کے علاوہ اس کا ثواب اس کے اولین جاری
 کنندہ کو بھی پہنچتا ہے گا۔ غرضیکہ اس لحاظ سے بھی قابل کے لیے بہت
 بڑا نقصان ہے کہ دنیا کے ہر قتل میں سے اس کو حصہ ملتا ہے گا۔

تدفین میت

چونکہ اس سے پہلے کسی انسان کی موت واقع نہیں ہوئی تھی، اس
 لیے قابل کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ بھائی کی بے جان لاش کو کیسے
 ٹھکانے لگائے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ وہ لاش کو کندھے پر اٹھانے
 پھر تا ہا اور جب وہ گلے سڑنے لگی تو دریاغ چکرنا شروع ہو گیا، اس

سے اُسے مزید پریشانی لاحق ہو گئی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اُس کی راہنمائی فرمائی: **فَبَعَثَ اللَّهُ غُلَّابًا** اللہ نے کیسے کو بھیجا **سَيَجْعَلُ فِيكَ رَحْمَةً** تو زمین میں کریمہ مانتھا۔ اس کا ذکر بائبل میں بھی موجود ہے مگر وہاں کوہے کی بجائے جنگلی فاختہ کے الفاظ ہیں۔ بائبل تو تحریف سے پاک نہیں رہی اور یہاں اللہ تعالیٰ نے صراحتاً کوہے کا ذکر فرمایا ہے۔ لہذا یہی بات درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام کوہے سے لیا۔

کوہے کے ذریعے راہنمائی کے متعلق مفسرین نے کئی واقعات لکھے ہیں۔ مثلاً یہ کہ دو کوہے آپس میں لڑ پڑے، پھر ایک نے دوسرے پر ٹکروں وغیرہ فوج ڈالے حتیٰ کہ اُسے مار ڈالا۔ اس کے بعد زمین کو کہہ کر گڑھا بنایا اور مردہ کوہے کو اس میں دفن کر دیا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ کسی مردہ جانور کے دفن کرنے کا واقعہ پیش نہیں آیا تھا بلکہ کوئی بھی ایسی چیز جسے فوری استعمال کرنا مطلوب نہ ہو اُسے آئندہ استعمال کے لیے زمین میں دبا دیا جاتا ہے تو ایسا ہی کوئی واقعہ قایم کے سامنے پیش آیا تھا۔

اس سلسلہ میں اللہ کی طرف سے کوہے کا انتخاب بڑا معنی خیز ہے کہ کی فطرت میں یہ چیز پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے ہم جنس کی لاش پر بڑا شور مچاتے ہیں اور سب کوہے لکھے ہو جاتے ہیں۔ پھر جب تک وہ لاش کسی ٹھکانے نہ لگ جائے کوہوں کی بے چینی اور شور و غل جاری رہتا ہے۔ چنانچہ بائبل کی لاش کی تدفین کے لیے بھی اللہ نے کوہے سے کام لیا اس نے اپنی چونچ اور پنجوں سے زمین کو کہہ دیا اور مردہ کوہے یا کسی دوسری چیز کو اس گڑھے میں دفن کیا۔ مقصد یہ تھا **لِيَرِيكَ كَيْفَ يُوَارِي سَوْوَةَ أَخِيهِ** کہ قبیل کو دکھا دیا جائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو کیسے چھپائے۔ **سَوْوَةَ** لاش پہ بھی لہ لہاتا ہے اور اعضائے مستورہ پر بھی، اور اس کا اطلاق مطلق جسم پر بھی ہوتا ہے۔ بہر حال اس پہلی سبت کے تدفین کا طریقہ اللہ نے

ایک کو سے کے ذریعے سمجھا دیا۔
 میت کی تدفین ایک فطری عمل ہے، اس سے جسم انسانی کی عظمت
 بھی ہو جاتی ہے اور اس کی توہین و تذلیل بھی نہیں ہوتی، اس کے علاوہ میت
 کو ٹھکانے لگانے کے سارے طریقے غیر فطری ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے
 زمین کا یہ بھی ایک خاصہ بیان فرمایا ہے ”الْعُرْجُجُ عَلِ الْأَرْضِ
 كِفَاتَاهُ أَحْيَاءٌ وَ أَمْوَاتٌ“ (مرسل) یہ زمین زندوں کو بھی
 اپنے اہر پر تھامتی ہے اور مردوں کو بھی سمیٹ لیتی ہے۔ سورۃ عبس میں
 فرمایا کہ ہم نے انسان کو لطف سے پیدا کیا۔ پھر اس نے زندگی کی تمام منازل
 طے کیں ”كُنَّا نَسْفَحُ الْمَوَاتِلَ فَأَقْبَرْنَا“ پھر ہم نے اُسے موت دی اور
 اُسے قبر کے سپرد کر دیا۔ گویا مرے کو قبر میں دفن کرنا ایک فطری عمل ہے
 بندو اپنے مردوں کو جلا ڈالتے ہیں۔ جو کہ اشرف المخلوقات کی سخت توہین
 ہے مجوسی لاش کو اونچی جگہ پر کھلے عام رکھ دیتے ہیں۔ چیلیں آکر اُس کا
 گوشت نوچ لیتی ہیں۔ اُسکی ہڈیاں تنچے گھر پڑتی ہیں جنہیں بعد میں ٹھکانے
 لگا دیا جاتا ہے۔ یہ سب غیر فطری طریقے ہیں۔ انسان کی عزت و احترام
 کا تقاضا یہی ہے کہ اُس کے مردہ کو ادب و احترام کے ساتھ زمین میں
 دفن کر دیا جائے۔

الطہارۃ

بہر حال جب قابیل نے ایک کو سے کو دیکھا کہ اُس نے زمین کو پر کر
 مردہ کو دفن کیا ہے تو اپنے آپ پر افسوس کرنے لگا قَالَ یٰوَسَّیْلٰتِی
 اَیْجَزْتُ لِمَ افسوس کیا میں اتنا عاجز آ گیا ہوں اَنْ اَکُوْنَ مِثْلَ هٰذَا
 الْفَرَاکِ کہ میں اس کو سے جیسا بن جاؤں۔ مطلب یہ تھا کہ افسوس میں
 ایک کو سے جتنی عقل بھی نہیں رکھتا۔ ایک پرندے نے تو لاش کو دفن
 کر دیا مگر مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا۔ یہ قابیل کی طرف سے اظہارِ ناسف
 کے الفاظ تھے۔ اپنی کم عقلی اور کمزوری کو ظاہر کرنے کے بعد اُس نے

کو سے سے سبق سیکھا فَأَوَّلِي سَوَاءَ آخِي مجھ سے تو اتنا بھی نہ ہو کہ میں اپنے بھائی کی میت کو چھپا دیتا یعنی زمین میں دفن کر دیتا۔

قانون
ایٹلئے عمدہ

اس سورۃ مبارکہ کی ابتدا میں اہل ایمان کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے۔
”أَوْفُوا بِالْعُقُودِ“ یعنی اپنے عمدہ و پیمان کو پورا کرو اور نقصان عمدہ کا ارتکاب مت کرو۔ اگر عمدہ کو پورا کرو گے تو تمہیں ترقی نصیب ہوگی اور عمدہ شکنی کے مرتکب ہو گے تو بُرے نتائج سامنے آئیں گے۔ یہودی عمدہ شکنی کی وجہ سے ہی سنگدل اور ملعون ٹھہرے اور نصاریٰ باہمی جنگ و جدل میں مبتلا ہوئے۔ اہل ایمان کو سمجھایا گیا ہے کہ اگر تم بھی اہل کتاب کی روش پر چلو گے تو یہ بیماریاں تمہارے اندر بھی پیدا ہو جائیں گی، انسان قانون کا مکلف ہے اور اس کی پابندی میں ہی اس کا عروج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں ملکیت اور بہیمیت کی باہمی کش مکش رکھ دی ہے۔ اب یہ اس کی فطرت کا تقاضا ہے۔ وہ صفت ملکیت کو غالب لا کر قانونِ خداوندی کی پابندی کرے۔ اگر اس کی خلاف ورزی کرے گا تو انسانیت کے دائرہ سے نکل کر بہیمیت والوں کے گروہ میں شامل ہو جائے گا، بلکہ اُن سے بھی کم تر درجے میں چلا جائیگا۔ اللہ نے فرمایا ہے۔ ”ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ“ جب وہ قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے تو درندوں، پرندوں اور کیڑے مکوڑوں سے بھی ذیل تر ہو جاتا ہے۔ اور قابیل کے ساتھ ایسا ہی ہوا۔ اُس نے قانونِ خداوندی کے خلاف کیا تو اللہ نے اُسے دکھا دیا کہ وہ کوس جیسے جانور سے بھی ذیل ہو گیا ہے۔

جس
نذمت

بہر حال قابیل نے اللہ تعالیٰ کے قانون کو توڑا، بھائی کو قتل کیا، پھر لاش کو ٹھکانے لگنے سے بھی عاجز رہا، ان سب باتوں کا نتیجہ یہ نکلا
فَأَصْبَحَ مِنَ الْمَدْمُونِ وہ نذمت اٹھانے والوں یعنی کچھپتا سنے والوں میں ہو گیا۔ اُسے اپنی عاجزی اور بے عقلی پر افسوس ہوا جسکی وجہ

سے اُسے احساسِ مذمت ہوا۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے التوبة الندم
یعنی توبہ مذمت ہی کا نام ہے۔ جب کوئی شخص غلط کام کر بیٹھتا ہے۔ پھر
اُسے مذمت ہوتی ہے اور وہ اس کام سے باز آجاتا ہے۔ وہ اُنڈھ کے
لیے بھی عزم کر رہا ہے کہ ایسے کام کا اعادہ نہیں کرے گا۔ توبہ ہی توبہ ہے۔ مگر
قابلِ کامعائدہ مختلف ہے۔ وہ اپنی بے عقلی پر اظہارِ مذمت کر رہا تھا۔
کرتے ایک کو بے جیسی عقل بھی حاصل نہیں، مگر وہ اپنے فعلِ قتل پر نادم نہیں
ہوا اور نہ اُس نے توبہ کی، لہذا وقتی طور پر تو اُسکی پریشانی دور ہو گئی۔ مگر حرم
قلعہ میں ہمیشہ کے لیے عذاب کا مستحق بن گیا۔

مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ كَتَبْنَا عَلَى بَنِي إِسْرَءِيلَ أَنَّهُ مَنْ
قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ
فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا
فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ
رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ بَعْدَ
ذَلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ ﴿٢٢﴾

ترجمہ :- اس وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھا
کہ بیشک شان یہ ہے کہ جس نے قتل کیا کسی نفس کو بغیر کسی
جان کے یا بغیر زمین میں فساد کرنے کے تو گویا اس
نے سب لوگوں کو قتل کر دیا۔ اور جس نے زندہ رکھا اس ایک
جان کو، پس گویا کہ اس نے زندہ رکھا سب لوگوں کو۔ اور اللہ
تحقیق آئے ہیں ان لوگوں کے پاس ہمارے رسول واضح باتیں
کر، پھر بہت سے ان میں سے اس کے بعد زمین میں البتہ افسوس
کرنے لگے ہیں ﴿۲۲﴾

گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں
کا تذکرہ فرمایا تھا۔ ان میں سے ایک نے دوسرے کو تعدی اور ظلم کے ساتھ
قتل کر دیا چونکہ اس سے پہلے روئے زمین پر کوئی موت واقع نہیں ہوئی
تھی، اس لیے قاتل اپنے بھائی کی لاش کو ٹھکانے لگانے سے متعلق پریشان

ہو گیا۔ اس عظیم گناہ کی وجہ سے اُس کی عقل اس حد تک جواب دے چکی تھی کہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس لاش کو کیا کرے آخر کار اللہ تعالیٰ نے ایک کورے کو بھیج کر مردہ کو دفن کرنے کی تدبیر بتلائی۔ قاتل بھائی اس فعل پر نادم نہ ہوا مگر یہ ندامت تو بہ کی ندامت نہ تھی بلکہ یہ اُس کی کمزوری اور کم عقلی کی بنا پر تھی کہ وہ ایک پرندے جتنا شعور بھی نہ رکھتا تھا۔ کورے نے تو مردہ کورے کو زمین میں دفن کر دیا مگر وہ اتنا بھی نہ کر سکا۔

اب آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانی جان کے احترام کا ذکر فرمایا ہے اور اس ضمن میں روئے سخن بنی اسرائیل کی طرف ہی ہے کیونکہ پہلے سے انہی کا ذکر آ رہا ہے۔ بنی اسرائیل جبار کے معاملے میں نہایت بزدل واقع ہوئے تھے۔ گزشتہ رکوع میں بیان ہو چکا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی انتہائی قہقہہ و ترغیب کے باوجود یہ قوم جبار کے لیے آمادہ نہ ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چالیس سال تک ارض مقدس سے محروم رہے۔ پھر نئی نسل نے قربانی پیش کی، دشمن قوم سے جبار کیا تو اللہ نے انہیں وہ نعمت عطا کر دی۔ بنی اسرائیل ایک طرف تو جنگ کے معاملہ میں اس قدر بزدل تھے مگر دوسری طرف قتل ناحق میں بڑے تیز تھے۔ انہوں نے بہت سے بے گناہ لوگوں کو قتل کیا، جیسا کہ گزشتہ سورتوں میں گزر چکا ہے اللہ کے نیک بندے بھی ان کے ظلم سے محفوظ نہ رہ سکے۔ سورۃ بقرہ شاہد ہے "وَقَتُلُوا الضَّالِّينَ فَالْحَقُّ وَالْحَقُّ ذُو الْفَضْلِ وَالْحَقُّ ذُو الْفَضْلِ"۔ ان کا یہ فعل آدم علیہ السلام کے بیٹے کے فعل قتل کے مشابہ تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے قتل ناحق کی قیامت کے متعلق انہی کو بات سمجائی ہے

ارشاد ہوتا ہے مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ اُصْلِحْ رِجْلَكَ اَجَلٌ مَّعْنٰی ہوتا ہے شر کو کھینچ کر لانا۔ اس کو مطلق علت کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ چونکہ آدم علیہ السلام کے بیٹے نے ناحق قتل کر کے

اللہ قتل
ناحق

ظلم و تعدی کا ثبوت دیا، اس علت کی بناء پر یعنی اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے
 اندادِ قتل کے لیے بنی اسرائیل پر یہ قانون نازل کیا ہے۔ جیسا کہ گذشتہ دروس
 میں بیان ہو چکا ہے قتلِ ناحق بہت قبیح حرکت ہے۔ یہ انسان کے لیے
 تباہ کن ہے اسی کی پاداش میں "فَتَكُونُ مِنَ أَصْحَابِ النَّارِ" انسان
 جہنمی بنتا ہے۔ قتلِ ناحق کے وبال کے متعلق گذشتہ سورۃ میں بھی گزر چکا
 ہے۔ "وَمَنْ يَفْعَلْ مُؤْمِنًا مَّتَّعِمًا فَجَبَّارًا وَهُوَ جَاهِلٌ" جو کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے گا اس کے لیے جہنم واجب ہو گئی۔
 اس کے علاوہ "وَلَعَنَّا" کے الفاظ بھی آئے ہیں کہ ایسے شخص پر اللہ
 کا غضب اور ناراضگی نازل ہوتی ہے۔ غرضیکہ قاتل کی دنیا اور عاقبت
 دونوں ضراب ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس قبیح جرم کے
 انداد کے لیے یہاں پر قانون بیان فرمایا ہے۔

قصص
 کی پہلی

سورۃ بقرہ میں قصاص کا قانون بیان ہو چکا ہے "وَلَكُمْ فِي
 الْقِصَاصِ حَكِيمَةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ" اے عقلمند و! تمہارے
 لیے قصاص کے قانون میں زندگی ہے۔ اگر اس قانون کو ٹھیک طور
 پر جاری کرو گے تو تمہاری زندگیاں محفوظ ہو جائیں گی اور قتل کی وارداتیں
 روک جائیں گی، بصورتِ دیگر قتل ہوتے رہیں گے اور تمہاری جانیں ہمیشہ غیر محفوظ
 رہیں گی۔ ہمارے پٹنے ملک میں ابھی تک انگریز کا تعزیراتی قانون نافذ ہے۔
 جس کے نتیجے میں دن رات دھڑا دھڑا قتل ہو رہے ہیں اگر اسلام کا قانون
 قصاص نافذ ہوتا تو قتل کی وارداتیں روک جاتیں۔ اس کے برخلاف سعودی عرب
 میں اسلامی تعزیرات نافذ ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ پوری دنیا کے مقابلے میں
 اس خطہ ارضی پر قتل کے کیس نہ ہونے کے برابر ہیں۔ قتل کی واردات شاذ و نادر
 ہی ہوتی ہے اور وہ بھی ایسے لوگوں سے جو غیر مالک سے آکر سعودیہ میں
 ملازمت کرتے ہیں۔ عربوں میں تو قتل بہت شاذ ہوتا ہے۔ کیونکہ وہاں قصاص

یعنی قوانین خداوندی کی خلاف ورزی کرنا۔ اُن میں بگاڑ پیدا کرنا، چنانچہ ایسے لوگ واجب القتل ہوتے ہیں کیونکہ یہ لوگ اللہ کے دین میں فساد پیدا کرتے ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شرارتیں کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ جو کفریہ ماہڈاکہ ڈانا لوگوں کو تنگ کرنا سب فساد ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔ سہ کے راستے سے روکنا جیسے فرمایا "وَكَيْفَ مَسَدُ وَنَا عَزَّ سَبِيلِ اللّٰهِ" ان سب لوگوں کے خلاف جہاد کرنا اور ان کو مارتا باطل درست ہے۔

بہر حال فرمایا کہ جس نے کسی شخص کو نہ تو جان کے بارے میں قتل کیا اور نہ میں فساد برپا کر نیکی دے۔ بلکہ بلا و کسی کی جان لینے کا مترکب ہو گا۔ قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا تو اُس نے ایک شخص کو قتل نہیں کیا بلکہ یوں سمجھو کہ اُس نے تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ ایک جان کا اُلوٹ پوری نسل انسانی کے اُلوٹ کے برابر ہے۔ یہ بات حضور علیہ السلام نے یوں سمجھائی کہ دنیا میں جب بھی کوئی قتل ناحق ہوتا ہے الْاَمَانَةُ نزل علی ابن ادم تو ایک حصہ گناہ آدم علیہ السلام کے اُس بیٹے پر بھی ڈالا جاتا ہے جس نے دنیا میں انسانی قتل کی ابتدا کی تھی لَا نَدَا اَوَّلُ مَنْ مِّنَ الْقَتْلِ کیونکہ جرم قتل کا وجہی موجب ہے۔ کسی کام کی ابتدا کرنے والا اُس کے پیچھے آنے والوں کا زمرہ ہوتا ہے۔ کام اچھا ہو یا بُرا، موجب کو اس کا عہدہ ملتا رہتا ہے۔ اگر کسی نے اچھا طریقہ جاری کیا ہے، لینے نبی کی سنت کا اجرا کیا ہے تو اس کا عمل کرنے والوں کے ساتھ ساتھ ایسے کام کی ابتدا کرنے والے کو بھی برابر جرم مل رہیگا۔ اسی طرح اگر کسی نے بُرے کام کی بنیاد رکھی ہے، کسی بدعت کا اجرا کیا ہے تو اس بُرے کام کے ہر مائل کے گناہ کے ساتھ ایک ایک گناہ اُس کے جاری کنندہ پر بھی ڈالا جاتا ہے گا۔ الغرض! یہاں پر فرمایا کہ جس نے ایک آدمی کو قتل کیا، اُس نے سب لوگوں کو قتل کیا، کیونکہ ہر قتل کا گناہ اس کے موجب کے نامہ اعمال میں بھی درج ہوتا ہے گا۔

جس طرح ایک آدمی کا قتل سب آدمیوں کا قتل ہے اسی طرح فرمایا۔ وَمَنْ أَحْيَاهَا جس نے ایک آدمی کو زندہ رکھا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا اُس نے گویا سب آدمیوں کو زندہ رکھا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے شرفِ دے کے خلافت کسی ایک انسانی جان کی خطا کی، اُس نے گویا تمام نسلِ انسانی کی حفاظت کا فریضہ انجام دیا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں انسانی جان کی قدر و قیمت بہت زیادہ ہے اور اس نے ایک جان کی حفاظت کو پوری نوعِ انسانی کی حفاظت کے برابر قرار دیا ہے۔

ابن ماجہ شریف میں سند حسن کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے لَنْ وَالِ الدُّنْيَا أَهْوَنَ عَلَى اللَّهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُؤْمِنٍ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی ایک مومن آدمی کا قتل پوری دنیا کی تباہی سے بھی بڑا ہے۔ یہی شریف کی روایت میں یہ بھی آتا ہے وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ اشْتَرَوْكَ بِقَتْلِ رَجُلٍ لَمْ يَدْخُلْهُمُ اللَّهُ النَّارَ أَرْضِ السَّمَاءِ کی ساری مخلوق مشترکہ طور پر کسی قتل میں شریک ہو تو اللہ تعالیٰ سب کو جہنم میں ڈال دے گا، ایک انسانی جان کا اتنا بڑا احترام اور اتنی قدر و قیمت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے بیتِ اللہ شریف کو خطاب کر کے فرمایا هَآءَا عَظْمَتُكَ وَأَعْظَمَ حُرْمَتُكَ وَأَطْيَبُكَ یعنی اے اللہ کے گھر! تو کتنا پاک ہے اور تیری حرمت کتنی عظیم ہے مگر میں کہتا ہوں کہ اللہ کے ہاں ایک مومن کی جان کی حرمت کچھ سے بھی زیادہ ہے۔ بہر حال احترام اور حفاظتِ جان کا یہ قانون بنی اسرائیل کو خطاب کر کے سمجھایا کیونکہ اس معاملہ میں وہ مد سے تجاوز کر چکے تھے۔

حضور علیہ السلام نے اہل ایمان کو بھی فرمایا تھا کہ ایک وقت ایسا آنے کا جب تم بھی یہود و نصاریٰ کے نقش قدم پر چل نکلو گے، جو جو قباحتیں ان میں پائی جاتی تھیں وہ تم میں بھی عود کر آئیں گی۔ اگر وہ قتلِ ناحق کے عادی بن

قتل کی
فراوانی

چکے تھے تو تم بھی اُن سے پیچھے نہیں رہو گے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اہل ایمان میں سب سے پہلا قتل ناحق حضرت عثمانؓ کا ہوا یہ مسلمانوں کے درمیان تلوار چلنے کی ابتدا ہوئی جو اب تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ ہمارے ملک میں انگریزی تعزیراتی قانون کی بدولت قتلوں کی بھرمار ہے۔ ایک اخباری رپورٹ کے مطابق پاکستان کے ایک ضلع میں ایک سال کے اندر ایک ہزار قتل ہوئے۔ صدر ایوب کے زمانہ میں متعلقہ سیکرٹری نے اسبلی میں یہ رپورٹ پیش کی تھی کہ غالباً تین سال کے عرصہ میں اس ملک عزیز میں سو لاکھ ہزار قتل ہوئے۔ قتل کی فراوانی کا انداز یہ ہے کہ میں نے خود اخبار میں پڑھا کہ ایک سگرٹ کے تارے میں ایک آدمی نے دوسرے کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ معمولی معمولی باتوں پر قتل ناحق کی یہ واردتیں انسانی خون کی ارزانی پر گواہ ہیں حالانکہ اسی چیز کو روکنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اللہ قتل کا قانون بنی اسرائیل کو سمجھایا ہے۔

فَرِیَا، وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ هَآءِ سُلُوكُ
 مَسْئُومٍ کَثْرَتِ
 بنی اسرائیل کے پاس واضح باتیں لے کر آتے تھے۔ بیانات سے مراد محض معجزات نہیں بلکہ احکام اور دلائل بھی مراد ہیں اگرچہ ہمارے رسول واضح تعلیم اور اصول لے کر آتے تھے۔ انہوں نے اللہ کے عابد کردہ حدود و قیود ان پر واضح کر دیے اس کے باوجود تھے اِنْ کَثُرَتْ مِنْهُمْ
 بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُتْسِقُونَ پھر اس کے بعد ان میں اکثر لوگ
 زمین میں اسراف کرنے والے ہیں سابقہ انبیاء نے بھی بالوضاحت حلت و حرمت اور جائز و ناجائز کے قوانین بیان فرمائے اور پھر سب آخر میں اُنے
 والے ختم المرسلین علیہ السلام نے بھی واضح کر دیا کہ مَا مِنْ شَیْءٍ
 يُقَرَّبُ بِكُمْ اِلَى الْجَنَّةِ وَیُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ
 یعنی جنت کے قریب اور دوزخ سے بعید کر نیوالی تمام چیزیں تمہیں بتا دی

گئی ہیں جبکہ کل کو کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں علم نہیں ہوا۔ اب ان کے پاس کوئی محبت باقی نہیں رہی۔ یہ لوگ اپنی غفلت، جہالت، اور نادانی پر پچھتے جائیں گے۔ قتل نامحی اور دیگر عیوب سے بچنے کی تدابیر بتلا دی ہیں، گناہ اور ان کے درجہ جات واضح کر دیے ہیں۔ گناہوں سے بچنے کی تدابیر واضح کر دی ہیں، سوسائٹی میں امن و امان کے قیام کے اصول سمجھا دیے ہیں اور معاشرے کے افراد کی عزت و احترام کا طریقہ بتا دیا ہے لہذا اب یہ ان کا کام ہے کہ پوری دنیا سے فتنہ و فساد کو قلع قمع کر کے معاشرے کو امن کا گوارہ بنادیں۔

اسراف کا اظہار معنی مراعت ال سے آگے بڑھنا ہے معاملہ کھانے پینے کا ہو یا لباس کا، مسئلہ سیاسی ہو یا سماجی کسی بھی موقع پر حد سے آگے نہیں بڑھنا چاہیے۔ اگر ایک روپے کا کھانا کفایت کر سکتا ہے تو دس روپے خرچ کرنا فز، اسراف ہوگا۔ حدود شریعت کو توڑ کر حرام چیزوں کی طرف رغبت کرنا اسراف ہی کہلے۔ اللہ نے فرمایا اَللّٰهُمَّ لَا تُسْرِفْنَا مگر مراعت ال سے آگے نہ بڑھو۔ بے جا خرچ نہ کرو۔ یہاں پر یہی بات سمجھائی گئی ہے کہ ہماری رسول واضح احکام اور دلائل سے کہہ آئے ہیں مگر اس کے باوجود لوگوں کی اکثریت اسراف و تبذیر کا شکار ہے انہیں مراعت ال سے آگے نہیں بڑھنا چاہیے۔ اسی سلسلہ میں اب اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے چوری اور ڈاکے کا قانون بتایا ہے اور منجبین کی سزا کا ذکر کیا ہے۔

المائدہ ۵

آیت ۲۳ تا ۲۴

لا یحب اللہ ۶

درس بست ربکا ۲

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ
فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ
أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ
ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ
عَذَابٌ عَظِيمٌ ③ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ
تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ④

ترجمہ: بیشک جو اُن لوگوں کی جڑھتے ہیں اللہ اور
اُس کے رسول سے . اور کشتش کرتے ہیں زمین میں فساد کی
یہ ہے کہ اُن کو قتل کیا جائے یا انہیں سولی پر لٹکایا جائے یا
کٹنے بائیں اُن کے ہاتھ اور پاؤں اُلٹے سیدھے . یا اُن کو دُور
کر دیا جائے زمین سے . یہ اُن کے لیے سوائے دُنیا میں وہ
اُن کے لیے آخرت میں عذابِ عظیم ہے ③ مگر وہ لوگ جنہوں
نے توبہ کر لی پیشتر اس کے کہ تم اُن پر قابو پاؤ . تو جان لو کہ
بیشک اللہ تعالیٰ بخشتش کرنے والا اور مہربان ہے ④

بطایات

مذمت آیات میں اللہ نے آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا ذکر کیا تھا جن
میں سے ایک نے ظلم و تعدی کے ساتھ دوسرے کو قتل کر دیا اور اس ضمن میں
اللہ تعالیٰ نے قتلِ ناجائز کی مذمت بیان فرمائی . چونکہ بنی اسرائیل میں یہ بیماری بکثرت
موجود تھی اس لیے اللہ نے فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل کی تعلیم کے سلسلے میں یہ بات

لکھدی کہ جو کوئی کسی شخص کو بغیر قتل نفس اور بغیر فساد فی الارض کے قتل کرے تب وہ گویا تمام انسانوں کا قاتل ہے کیونکہ دنیا میں جس قدر قتل ناحق ہوتے ہیں ان سب کا ایک ایک وبال سب سے پہلے قاتل پر بھی پڑتا ہے۔ ایک شخص کا قاتل پوری دنیا کے انسانوں کے قتل کی راہ ہموار کرتا ہے۔ اس کے برعکس فرمایا کہ جو شخص کسی ایک انسانی جان کی حفاظت کرتا وہ گویا تمام نسل انسانی کی حفاظت میں شریک ہوتا ہے۔

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے فساد کی ایک اور قسم کا ذکر کر کے مفسد کو دہی جانے والی سزا کو بیان فرمایا ہے۔ لفظ فساد لینے اندر بہت وسیع معانی رکھتا ہے۔ ویسے تو کفر، شرک اور قتل ناحق فساد ہی کی اقسام ہیں۔ کسی کے مال و جان کو نقصان پہنچانا کسی کی عزت و آبرو سے کھینچنا فساد ہی کے حصے ہیں مگر اس آیت کریمہ میں فساد کی ایک قسم حوالہ دینا یا دیکھتی کا ذکر کر کے اُس کی سزا کو بیان فرمایا ہے۔ اس سے اگلی آیات میں جہاد فی سبیل اللہ اور تقویٰ کا بیان ہے اور اُس کے بعد پھر فساد ہی کی ایک قسم چوری اور اس کی سزا کا ذکر ہے۔

چوری اور ڈاکہ میں فرق ہے۔ چوری کی صورت میں تو خفیہ طریقے سے کسی کا مال حاصل کیا جاتا ہے۔ مگر ڈاکے میں علی الاعلان بزدل قوت مال حاصل کیا جاتا ہے اور اگر ضرورت پڑے تو جان کو مارنے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔ ڈاکو جب ڈاکہ کے ارادہ سے نکلتے ہیں تو وہ مطلوبہ کام کے لیے افرادی قوت جمع کرتے ہیں اسلحہ مہیا کرتے ہیں، اپنی جان کی حفاظت کا بندوبست کرتے ہیں اور پھر اس ظلم و تعدی کا آغاز کرتے ہیں۔ چونکہ ڈاکو پوری تیاری کے ساتھ اپنے کام کا آغاز کرتے ہیں اس لیے وہ حملہ آور ہو کر مال و اسباب چھین لیتے ہیں اور بعض اوقات عورتوں کو بھی اغوا کر لیتے ہیں، چونکہ مخالف فریق اس ناگہانی آفت کے لیے پہلے سے تیار نہیں ہوتا

ڈاکہ کی
تعریف

اس لیے بسا اوقات ڈاکوؤں سے تعرض کرتا ہے تو وہ اس کی جان تلف کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ لہذا عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ اس قسم کے حالات میں لوگ خود ہی سب کچھ ڈاکوؤں کو پیش کر دیتے ہیں اور اگر کوئی جیل و حجت کرتا ہے تو اسے مال کے ساتھ جان سے بھی ہاتھ دھوئے پڑتے ہیں۔ ڈاکے کی بیماری قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے اور ساری دنیا اس میں مبتلا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مستعدان اور ترقی یافتہ کھلانے والے ممالک میں ڈاکے کی شرح ترقی پذیر ممالک کی نسبت بہت زیادہ ہے مشرقی ممالک میں گریہ و بکا موجود ہے مگر امریکہ اور برطانیہ جیسے صفت اول کے ملک بھی اس سے محفوظ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو صاف فرمادیا ہے۔ "وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَاسَادَ" وہ فتنہ و فساد کو بالکل پسند نہیں کرتا، مگر دنیا کا شاید ہی کوئی خطہ ڈاکے جیسے قبیح جرم سے مامون ہو۔

قرآن پاک میں حدود کا ذکر بہت مختصر ہے البتہ تعزیرات کا وسیع بیان موجود ہے۔ حدود میں چوری، شراب نوشی، قذف، زنا، ارتداد، بغاوت اور ڈاکہ شامل ہیں۔ جرائم کی نوعیت کے اعتبار سے اسلام نے تین قسم کی سزائیں مقرر کی ہیں۔ حدود مقررہ تعزیرات ہیں اور ان میں کمی بیشی نہیں کی جاسکتی۔ دوسری قسم قصاص ہے۔ یہ سزا قتل ناحق کے جرم میں دی جاتی ہے سزاؤں کی تیسری قسم تعزیرات ہیں جن کا باب بہت وسیع ہے۔ اسلامی نظام میں تعزیرات کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ البتہ مختلف جرائم کی سزائیں جو یہ کہنا مسلمان حاکم کی صوابدید پر ہے۔ وہ جرم کی نوعیت کے اعتبار سے جو سزا مناسب سمجھے، عائد کرے۔ تاہم اصولی بات یہ ہے کہ ظلم کسی صورت میں بھی قابل برداشت نہیں ہے

اللہ اللہ رسول
سے جنگ

ارشاد باری تعالیٰ ہے اِنَّ مَا جَنَّاؤُا الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا اللّٰهَ وَرُسُلَهٗ بِشَكِّ سِنَانٍ لَّوْ كُنَّ كِىْ جَوَالِدٍ اَوْ اُسْ كِىْ رَجُلٍ سَاخَتْ جَنْكُ كِهْتِ

ہیں وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے یہاں پر دو جہازم کا تذکرہ کر کے پھر ان کی سزا بیان فرمائی ہے یعنی اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ اور فساد فی الارض امام ابو بکر جصاصؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑائی کو حقیقی معنوں پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ رسول کے ساتھ لڑائی تو پھر بھی کسی حد تک قابل منہم ہے مگر اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ جنگ کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ وہ تو قادر مطلق ہے جب چاہے کسی کو فی الفور فنا کر دے، اُس کے ساتھ مقابلہ کی کون جرات کر سکتا ہے۔ اسی لیے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں پر اللہ کے ساتھ لڑائی کو حقیقی معنی کی بجائے مجازی معنوں پر محمول کیا جاتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک مامون لوگوں کے ساتھ لڑائی کرنا خود اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنگ کرنے کے مترادف ہے۔ مسلمان کی جان و مال محفوظ ہے۔ اسی طرح مسلمان ملک میں خدا کے قانون کی بالادستی کو تسلیم کرنے والے غیر مسلم ذمی بھی مومن ہیں۔ ان کے مال، جان، عزت، آبرو کی حفاظت اسلامی حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ اگر کوئی فرد یا گروہ مامون لوگوں کے ساتھ تعرض کرتا ہے، ان کے مال چھینتا ہے، جان کے ساتھ کھیلتا ہے یا ان کی عزت و آبرو کے درپے ہوتا ہے، تو وہ گویا اللہ کے قائم کردہ امن کو تباہ کرتا ہے اور اس طرح خود اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں جنگ کے لیے اکھڑا ہوتا ہے۔ اللہ سے جنگ کی مثال درجہ مقام پر بھی ملتی ہے فرمایا اگر سود غوری سے باز نہیں آتے فَادْنُوا مِنْهُ جَنَابَ اللَّهِ وَ رُسُولِهِ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ یہاں پر بھی اللہ اور رسول کے ساتھ جنگ کو انہی معانی میں لیا گیا ہے۔

امام ابو بکر جصاصؓ نے روایت بیان کی ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے حضرت معاذؓ سے فرمایا، اے معاذؓ! تھوڑی سی ریاکاری بھی شرک میں داخل ہے۔ ریاکاری عملی شرک ہے اور اس سے بچنا چاہیے۔ دوسری بات یہ فرمائی مَنْ اَذْنٰی وَلِیْتًا فَقَدْ بَارَزْنِی بِالْحَرْبِ یعنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس نے میرے ولی کو ایذا پہنچائی اس نے مجھے جنگ کا چیلنج دیا۔ یہاں بھی مجازی معنی مراد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ آنے سے جنگ تو نہیں کرتا، مقصد یہی ہے کہ قانون کی خلاف ورزی کرنا، امن و امان کو تباہ کرنا گویا خدا تعالیٰ سے لڑائی کرنا ہے۔ کسی ہستی کے نافذ کردہ قانون کی خلاف ورزی خود اُس ہستی کے ساتھ دشمنی کے برابر ہے، اللہ اور اُس کے رسول نے تو امن قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ اب جبران کے اس قانون کو توڑنا ہے گویا خدا کے ساتھ جنگ کرنا ہے، بہر حال یہاں پر حقیقی جنگ مراد نہیں ہے بلکہ اللہ نے یہ لفظ مبالغہ کے طور پر فرمایا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنگ کرنے سے مراد اُس کے بندوں سے جنگ کرنا ہے۔ "يُحَادِّثُونَ اللَّهَ" کی یہی توجیہ کی جاتی ہے کہ منافقین اللہ تعالیٰ کو دھوکہ تو نہیں دے سکتے، یہ لفظ مجازاً اس کے بندوں کے لیے استعمال کیا گیا کہ وہ مؤمنوں کو دھوکہ دیتے ہیں اسی طرح يُحَادِّثُونَ اللَّهَ سے مراد اللہ سے جنگ نہیں بلکہ اُس کے بندوں کے ساتھ جنگ مراد ہے۔ اس طرح یہ مجاز مرسل ہو جائیگا جس میں اولیاء کو مضامین مذکور ماننا پڑے گا اور مطلب یہ ہوگا يُحَادِّثُونَ اللَّهَ اَوْلِیَاءُ اللہ یعنی جو اللہ اور رسول کے دوستوں سے لڑتے ہیں اُن کی سزا یہ ہے تہاں تک اس آیت میں بیان کردہ دوسرے جرم فساد فی الارض کا تعلق ہے تو کفر اور شرک سے بڑھ کر اور کیا فساد ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قانون کی خلاف ورزی اور گناہ کا ارتکاب زمین میں فساد ہی تو ہے۔ جو شخص دوسرے شخص پر ظلم و تعدی کرتا ہے، وہ فساد فی الارض کا مرتکب ہوتا ہے اور

ایسے ہی لوگوں کے متعلق اس آیت میں سزا کا ذکر کیا گیا ہے۔
ملک میں امن و امان قائم کرنے کی ذمہ داری اسلامی حکومت اور
جماعت المسلمین پر عائد ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ حکومت جماعت ہی کی
 فرع ہے۔ لہذا یہ جماعت اور حکومت دونوں کا فرض ہے۔ کہ وہ
 خود قانون کی پابندی کرے اور امن و امان کے مسئلہ سے عمدہ برادر ہونے کے
 لیے ایسی انتظامیہ وجود میں لائے جو عوام الناس کو اسلامی قانون پر عملدرآمد
 پر مجبور کر سکے، اللہ نے فرمایا ہے کہ جہاد کی ضرورت اس وقت تک ہے
 جب تک فَتَنَةٌ مَّحَلٌّ طُورٌ بِمُخْتَمِرٍ ہو کر وَيَكُونُ الَّذِينَ لِلَّهِ دِينَ خَالِصًا اللہ
 کا قائم نہ ہو جائے، لوگ خدا کے قانون کی پابندی کرنے لگیں، معاشرے
 کے ہر فرد کو امن و امان اور اس کا جائز حق حاصل ہو اور ہر شخص ظلم و زیادتی
 سے محفوظ ہو۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی معرکہ الآرا کتاب حجتہ اللہ البالغہ
 میں فرماتے ہیں کہ بعثت انبیاء کے مقاصد میں ایک یہ مقصد بھی شامل ہے
رفع الظلم من بین الناس لوگوں کے درمیان ظلم کو رفع
 کرنا۔ انبیاء کرام کی بعثت کا اولین مقصد تو اصلاح عقیدہ ہوتا ہے تاکہ
 انسان کی فکر کو درست کیا جائے تاہم ایک دوسرے پر ظلم کا قلع قمع بھی
 انبیاء کے مشن میں داخل ہے۔ چنانچہ تمام انبیاء اس فرض کو انجام دیتے آئے
 ہیں اور ظلم کے خلاف آواز اٹھاتے رہے ہیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا اس ملک میں ابھی تک انگریزی قانون رائج ہے
 جو بلاشبہ امن و امان کے قیام میں ناکام ہو چکا ہے۔ بلکہ ہماری انتظامیہ کی حالت
 یہ ہے کہ یہ خود بڑے بڑے جرائم میں ملوث ہوتی ہے اور مجرموں کو ان کی پست
 حاصل ہوتی ہے۔ جن لوگوں کے فرائض میں امن و امان کی نگرانی ہو اور وہ
 اس کام کے لیے باقاعدہ تنخواہ وصول کرتے ہوں، اگر وہی لوگ مجرموں
 نے حجتہ اللہ البالغہ ص ۲۳ (نہضت)

کی حوصلہ افزائی کرنے لگیں تو امن کیسے قائم ہو سکتا ہے۔ ہماری پولیس سے کون واقف نہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ شاید ہی ڈکیتی کی کوئی واردات ایسی ہو جس میں خود پولیس کو دخل حاصل نہ ہو، نظام سرمایہ دارانہ ہو یا اشتراکی، حکومت ہو یا جمہوریت، جب تک قانون نافذ کرنے والے ادارے اپنے فرض کو کما حقہ ادا نہیں کر رہے گے۔ لوگ ظلم و جور کی چکی میں پستے رہیں گے۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں جرمِ ڈاکہ کی مختلف نوعیتوں جرمِ اور ان کی سزا کا ذکر کیا ہے۔ اس جرم میں واردات کی نوعیت چار اقسام سے ہو سکتی ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ ڈاکہ کار کتاب ہوا ہے مگر مجرمین مال حاصل نہیں کر سکے بلکہ صرف قتلِ ناحق کے مرتکب ہوئے ہیں۔ تو فرمایا اے مجرمین کی سزا یہ ہے اَنْ يُقَتَّلُوْا کہ ان کو بھی سزا کے طور پر قتل کیا جائے اور دوسری صورت یہ ہے کہ ڈاکو مال بھی لے گئے ہیں اور کسی جان کو بھی تلف کیا ہے۔ ایسے مجرمین کے متعلق فرمایا اَوْ يُصَلَّبُوْا اِنَّ کُوسُوْلٰی پُر ٹکایا جائے۔ چونکہ اس واردات میں دو جرائم کا ارتکاب ہوا ہے، لہذا اس کے لیے سزائیں بھی دو تجویز کی گئی ہیں۔ پہلے مجرم کو زندہ سولی پر ٹکایا جائے گا پھر نیزے مار مار کر اُس کو ہلاک کر دیا جائیگا۔ یہ حکم کی صوابدیر پر منحصر ہے کہ مجرم کو کھلے عام سولی پر ٹکائے اور پھر عبرت کے لیے دو یا تین دن جس قدر مناسب سمجھے ٹکٹائے۔

ڈاکہ کی واردات کی تیسری قسم یہ ہو سکتی ہے کہ ڈاکو مال حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں، البتہ کسی جان کا ضیاع نہیں ہوا۔ ایسی صورت میں فرمایا اَوْ تَقَطَّعْ اَیْدِیْہُمْ وَارْجُلُہُمْ مِّنْ خِلَافِ ڈاکو کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹ دیا جائے۔ مَثْ خِلَافِ کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہاتھ وایاں کاٹا ہے تو پاؤں بایاں کٹے گا اور اگر ہاتھ بایاں ہے تو پاؤں وایاں ہوگا۔ اب جو واقعی صورت یہ رہ گئی ہے کہ

ڈاکہ تو ڈالا گیا ہے مگر ڈاکو اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے، نہ تو کوئی مال و متاع حاصل کر سکے ہیں اور نہ کسی جان کو نقصان پہنچا ہے۔ مثال کے طور پر فرقہ ثانی کو بروقت اطلاع مل گئی ہے اور وہ چوکس ہو گئے ہیں۔ یا آگ سے مقابلہ ہو گیا ہے اور ڈاکو ناکام واپس لوٹ گئے ہیں، تو ایسی صورت میں مجرمین کی تحذیر کے متعلق فرمایا اَوْفُوا بِعَهْدِكُمْ مِّنْ اَلْاَمْرِ مَنِ الْمَرْحُومِ کے مرتکبین کو زمین سے ہٹا دیا جائے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک زمین سے ہٹانے کا مطلب یہ ہے کہ مجرم کو ملک بدر کر دیا جائے۔ یہ بھی اچھی خاصی سزا ہے۔ یہ کہ کسی کو کھمبارہ اور وطن سے دُور کر دیا جائے۔ مگر امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر ایسے شخص کو ملک بدر کیا گیا تو جہاں جائیگا، ہو سکتا ہے وہاں اس مجرم کا پیر ارتکاب کرے، لہذا آپ کی رائے میں۔ یُتَعَفَّوْا مِّنَ الْمَرْحُومِ کا مطلب یہ ہے کہ اسے قید میں ڈال دیا جائے۔

ڈاکہ کے مقام کے ضمن میں بھی فقہانے کدھ کے درمیان قدسے اختلاف پایا جاتا ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شہر کی آبادی میں ڈاکہ ڈالنے کی نوبت نہیں آتی کیونکہ وہاں پر پولیس اور دیگر حفاظتی انتظام ہوتے ہیں لہذا ڈاکہ کا اطلاق کسی شہر میں کی گئی واردات پر نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ڈاکہ کی واردات خواہ کسی بھی مقام پر ہو، وہ ڈاکہ ہی کہلائے گی اور مجرم کی نوعیت کے مطابق سزا دی جائیگی۔ ڈاکہ ڈالنے کے لیے جن لوازمات کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً انفرادی قوت اسلحہ، سواری (گھوڑا، موٹر سائیکل، کار) وغیرہ کے ساتھ اگر ڈاکہ ڈالا گیا ہے تو ایسی واردات خواہ شہر، دیہات یا قصبہ میں ہو بہر حال ڈاکہ تصور ہوگی اور مجرموں کو مناسب سزا دی جائیگی۔

ان چاروں اقسام کی سزا کے متعلق فرمایا ذَلِكْ لَّهْمُ خِزْيٍ

دنیا اور آخرت کی سزائی

فِ الدُّنْيَا يَوْمَ انْ - کے - یہ دنیا کی رسوائی ہے۔ جب سولی پر لٹکنے
جائیں، ہاتھ پاؤں کٹیں گے یا قید و بند کی سزا ہوگی تو دنیا میں بدنامی کا ہٹ
ہوگی۔ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ اے
لوگوں کو آخرت میں بھی سب سے بڑا عذاب ہوگا۔ گویا دنیا اور آخرت بڑے
مقامات پر مجرمین کے لیے ذلت و رسوائی کا سامان ہوگا۔

اس آیت سے امام ابوحنیفہ استدلال کرتے ہیں کہ کسی جرم میں حد
کا قیام اُس جرم کا کفارہ نہیں بن جاتا بلکہ یہ تو زجر یعنی تنبیہ ہوتی ہے البتہ بعض
روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ جب کسی شخص پر حد جاری ہوگئی تو وہ اس کے
لیے کفارہ بن گئی۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ سزا آخرت کے لیے کفارہ
بن جاتی تو پھر اس آیت کریمہ میں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب کا علیحدہ
بیان نہ کیا جاتا۔ - معلوم ہوا ہے کہ حد یا تعزیر دنیا کے نظام کو درست
رکھنے کے لیے ضروری ہے اور توبہ آخرت کے عذاب سے بچنے کے لیے
ہے۔ عام طور پر جب کوئی مسلمان کسی جرم میں سزا پاتا ہے تو وہ توبہ کر لیتا
ہے اور وہ آخرت کے عذاب عظیم سے بچ جاتا ہے۔ البتہ اگر کوئی دلی
جرم کو جائز سمجھتا ہے تو ایسے شخص کے لیے حد یا تعزیر دنیا کی رسوائی ہے
اور آخرت میں سب سے بڑا عذاب بھی ہے۔

توبہ قبل از
گرفتاری

فَرَأَى الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدَرُوا عَلَيْهِمْ
ہاں جس شخص نے اُس پر قابو پائے جانے سے قبل توبہ کر لی۔ وہ اپنے جرم
پر نادم ہو گیا، تو پھر اُس پر حد جاری نہیں ہوگی، اُسے صرف حق تلفی کا ازالہ کرنا
ہوگا۔ اگر کوئی حق تلفی ہوتی ہے۔ کسی سے کوئی چیز چھپی ہے تو واپس کسے
اُس پر حد جاری نہیں ہوگی۔ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ
اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہے۔ اگر اس نے سچے دل سے توبہ کر لی ہے
تو وہ معافی کا مستحق ہے۔ یاد ہے کہ معافی کا قانون صرف چوری

کے جرم میں ہے۔ باقی قابلِ مدح جرائم زنا، قذف، شراب نوشی، ارتداد، وغیرہ میں جرم ثابت ہونے پر مدد لازماً جاری ہوگی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ
وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۷﴾ إِنَّ
الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا
وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ
الْقِيَامَةِ مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ وَلَا هُمْ يَهْتَدُونَ ﴿۳۸﴾ وَلَهُمْ
عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۳۹﴾ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿۴۰﴾

ترجمہ :- اے ایمان والو! ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور تلاش
کرو اس کی طرف وسیلہ اور جہاد کرو اُس کے راستے میں
تاکہ تم فلاح پا جاؤ ﴿۳۷﴾ بیشک جن لوگوں نے کفر کیا، اگر
اُن کے لیے ہو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اور
اُس جیسا اور بھی ہو اُس کے ساتھ تاکہ وہ فریہ دیں اس کو
قیامت کے دن عذاب سے تو نہیں قبول کیا جائے گا اُن
سے اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿۳۸﴾ وہ
پاہیں گے کہ نکل جائیں دوزخ کی آگ سے اور نہیں ہوں
گے وہ نکلنے والے اُس سے اور اُن کے لیے عذاب ہو
گا دائمی ﴿۴۰﴾

بنی اسرائیل کے نقضِ عہد کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی ربط آیت

کے دو جیوں کا ذکر کیا۔ ایک بیٹے نے ظلم و تعدی کی اور دوسرے کو ناحق قتل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حفاظت جان کی تعلیم دی اور فرمایا کہ ایک انسانی جان کا قتل پوری نسل انسانی کے قتل کے برابر ہے اور ایک جان کی حفاظت تمام انسانی سوسائٹی کی حفاظت کے مترادف ہے۔ پھر اللہ نے فساد فی الارض کی مذمت بیان فرمائی اور اس کی ایک قسم ڈکیتی کی مزا کا ذکر کیا۔ اس درس کے بعد فساد فی الارض کی دوسری قسم سرقہ کا بیان ہو گا تاہم درس میں اہل ایمان سے خطاب کر کے بعض چیزوں کا مطالبہ کیا گیا ہے کیونکہ بنی اسرائیل میں پاٹی جلنے والی ضربیوں سے بچنے کے لیے مطلوبہ چیزوں کی پابندی ضروری ہے۔

بنی اسرائیل چونکہ جہاد سے گریز کرتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو جہاد کا حکم دیا ہے۔ وہ قوم فتن و فجور میں مبتلا تھی، اہل ایمان کو اس سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ بنی اسرائیل ظلم و زیادتی کے مرتکب ہوتے تھے۔ قتل ناحق اور ڈکیتی جیسی قبیح حرکات کرتے تھے، اللہ نے اہل ایمان کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ آج کے درس میں کفار کے بڑے انجام سے بھی خبردار کیا گیا ہے۔ پھر اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ قیامت کے دن کفار کی طرف سے زمین بھر مال و دولت بھی فدیہ میں قبول نہیں کیا جائے گا، بلکہ وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ آخرت میں کام آنے والی چیزیں تقویٰ، اطاعت عدل و انصاف اور جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ** یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو۔ تقویٰ یا خوف خدا کی اولین علامت یہ ہے کہ انسان بد عقیدگی سے بچ جائے، شرک اور کفر کو قریب نہ آنے دے۔ اس کے بعد دوسرے نمبر پر معاصی ہیں، انہیں ترک کرنا ہو گا، کافر

خوف خدا

مشرک اور منافق متقی نہیں ہو سکتا۔ اہم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ تسوی کا مفہوم ہے حفاظت برہمد و شرعیہ یعنی شریعت کی قائم کردہ حدود کی حفاظت کرنا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ متقی وہ لوگ ہیں جو کفر، شرک، لفاق اور معاصی سے بچ سکتے ہیں اور نیکی پر عمل کرتے ہیں۔ عدل و انصاف ان کا خاصہ اور لازمہ ہوتا ہے۔

خوف خدا سے مراد ایسا ڈر نہیں جیسا کہ سانپ یا بکھر سے آتا ہے۔ بلکہ اس خوف سے مراد یہ ہے کہ انسان کہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی خوشنودی سے دور نہ جا پڑے۔ انسان کے دل میں یہ خوف ہمیشہ موجود رہنا چاہیے کہ کوئی کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نہ ہو جائے۔

فرمایا اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ اور اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ لفظ وسیلہ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ وسیلہ کا معنی قرب ہوتا ہے۔ اس کا دوسرا معنی مرتبہ اور پھر حاجت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ تاہم مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حسن بصریؒ اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں پر وسیلہ تلاش کرنے کا مطلب ہے تَقَرَّبْنَا إِلَيْهِ بِمَا عَمِلْنَا وَالْعَمَلُ بِمَا يُرْضِيهِ یعنی اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرو۔ اس کی اطاعت کے ساتھ اور اس چیز کے ساتھ جو اللہ کو راضی کرتی ہے۔

لفظ وسیلہ اس اور ص دونوں کے ساتھ آتا ہے اور اس کا معنی قرب اور اتصال ہے۔ عربی شاعر کہتا ہے

إِذَا غَفَرَ الْوَاشُونَ عَدْنَا لَوْصَلْنَا

وَعَادَتِ التَّصَافِي بَيْنَنَا وَالْوَسَائِلُ

جب چغل خور غافل ہوتے ہیں تو ہم اپنے قرب کی طرف لوٹ آتے ہیں اور ہماری محبت اور قرب کے تمام وسائل پلٹ آتے ہیں۔ مطلب یہ کہ

عربی زبان میں وسیلہ قرب کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔
 وسیلہ جنت میں ایک اعلیٰ مقام کا نام بھی ہے۔ حضور علیہ السلام کا ذمہ
 مبارک ہے کہ وسیلہ ایک بلند ترین مقام ہے اور وہ اللہ کی مخلوق میں سے صرف
 ایک شخص کو ملے گا۔ یہ امید کرنا ہوں کہ وہ میں ہی ہوں گا، لہذا اذان کے بعد
 مجھ پر درود پڑھا کر دو اور میرے لیے وسیلے کی دعا کیا کر دو اللہم
 رَبِّ هَذِهِ الدَّعْوَةُ الثَّامِنَةُ وَالْمَلُوءَةُ الْعَنَابِيَّةُ
 اِنَّ مُحَمَّدًا الْوَسِيْلَةَ..... الخ اس دعا سے امت کے حق
 میں بھی بہتری ہوگی۔ گویا اُس منزلت کا نام وسیلہ ہے جسے ہم اذان کے
 بعد دعا میں طلب کرتے ہیں حضرت مولانا شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ وسیلہ
 حق تعالیٰ کے مقامات قرب میں سے بلند تر مقام ہے۔
 عربی میں وسیلہ کا معنی حاجت بھی آتا ہے۔ زمانہ جاہلیت کا شاعر
 کہتا ہے۔

اِنَّ الرِّجَالَ لَهُمُ الْيَدُ وَوَسِيْلَةٌ
 اِنْ يَأْخُذُوْكَ تَكْحَلِيْ وَتَخْضَبِيْ

عورت کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔ کہ مردوں کو تیری ضرورت یعنی
 حاجت ہے۔ لہذا تم آنکھوں پر سرمہ لگا لو۔ اور ہاتھوں کو مندی سے
 رنگ لو۔

بہر حال اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرنے کا مطلب یہ بھی ہے کہ اس
 کی طرف توجہ ہو اپنی حاجتیں اُسی سے طلب کر دو۔ حاصل کلام یہ کہ تقرب
 الی اللہ کے جتنے بھی ذرائع ہیں وہ سب وسیلہ کہلا سکتے ہیں۔ تو فرمایا
 اللہ تعالیٰ کی ناخوشی، بعد اور ہجر سے ڈر کر اس کا قرب حاصل کرنے کی کوشش
 کر دو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے جب درمیان کے تمام راستے طے ہو جائیں
 جن پر چل کر اُس تک پہنچ سکتے ہیں۔

توسل
بالذات

جیسا کہ عرض کیا وسیلہ کا معنی اگرچہ تقرب، اطاعت، حاجت یا منزلہ و مرتبہ ہے مگر تقرب الی اللہ کے ذرائع میں ہر ایسی چیز داخل ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی خوشنودی مد نظر ہو۔ چنانچہ تقرب الی اللہ کے ذرائع میں انبیاء اولیاء اللہ اور صاحبین کی محبت و رفاقت بھی شامل ہے۔ اسی لیے اگر دعائیں کسی نیک آدمی کا توسل پیش کیا جائے تو یہ ضروری تو نہیں مگر مباح ہے اور اس کا معنی یہ ہوگا کہ ہمیں جو محبت اور الفت اس بزرگ کے ساتھ ہے اس کے وسیلے سے ہم خدا کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے مقصد کو پورا فرمائے۔ کسی کی ذات کے توسل کا یہی مطلب ہے، نہ یہ کہ ہم اس بزرگ کو حاضر و ناظر جانتے ہیں اور یہ کہ وہ ہماری ہر بات کو جانتا ہے اور خدا خواہ راضی ہو یا ناراض وہ ہر صورت میں ہمارا کام کروا دیگا۔ توسل کا یہ مطلب تو مشرکین کا عقیدہ ہے۔ یہ تو وہ جبری شفاعت والا مسئلہ آگیا۔ حالانکہ خداوند تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے ”مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ“ اور سورۃ بقرہ میں بھی ہے ”وَلَا تَنْفَعُكَ شَفَاعَتُهُ“ یعنی نہ تو اللہ کی اجازت کے بغیر کسی کو شفاعت کی اجازت ہوگی اور نہ ایسی سفارش کوئی فائدہ دیگی۔ باطل پرست یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہم جو چاہیں کرتے رہیں ہمارے بزرگ ہمیں چھڑالیں گے، یہ بالکل مشرکانہ اور جبری شفاعت کا عقیدہ ہے۔

حضرت مجتہد العنملیؒ فرماتے ہیں کہ ہم دعا کرتے ہیں بِحُرْمَةِ النَّبِيِّ وَاللّٰهِ حُضُورِ نَبِيِّ كَرِيمٍ اور آپ کی آل کے واسطے کے ساتھ۔ یعنی اے اللہ اپنے نبی کی حرمت اور عزت کے ساتھ ہماری دعا قبول فرما، حرمت، طفیل، وسیلہ اور حق کا یہی معنی ہے۔

خدا یا بحق بنی فاطمہ کہہ بد قول ایماں کنی خاتمہ
اے خدا یا! حضرت فاطمہ کی اولاد کے طفیل ہمارا خاتمہ بالایمان فرما

کہیں وجاہت کا ذکر ہے اور کہیں الفت اور محبت کا تذکرہ ہے اولیاء اللہ سے محبت رکھنا بھی نیک عمل ہے ہر نیک آدمی سے اتصال اور الفت ایمان کی نشانی ہے اس لیے اُن کے توسل سے دعا کرنا نیک عمل ہی کا واسطہ ہے اس صفت کے بغیر کسی کی ذات کا توسل مراد نہیں ہے بزرگان دین انہی معنوں میں توسل کو جائز قرار دیتے ہیں اس کے برخلاف مشرکین جبری شفاعت کے قائل ہیں کہ خدا راضی ہو یا نہ ہو ہمارے بزرگ ہر حالت میں ہماری مراد پوری کر دیں گے وہ کہتے تھے مَا لَعْنَهُ هُمْ اِلَّا لِيُقَرَّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰی ہم اُن کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کا قرب دلادیں گے ہم تو براہ راست خدا کی بارگاہ میں نہیں پہنچ سکتے لہذا یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیتے ہیں چونکہ یہ عقیدہ معبودان باطلہ کی عبادت کے مترادف ہے اس لیے شرک ہے ہر حال حاجت ہر حالت میں اللہ تعالیٰ سے ہی طلب کی جاتی ہے اور نبی یا ولی کی حیثیت محض وسیلہ کی ہوتی ہے کہ دعا مانگنے والا اُن سے محبت رکھتا ہے۔

وظیفہ
شیخ عبداللہ

اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ سے یوں دعا مانگنا کہ اے اللہ شیخ عبدالقادر جیلانی کے وسیلے سے ہماری دعا قبول کر درست ہے مگر لوگ اُنٹ وظیفہ پڑھتے ہیں یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیخ عبداللہ اس جملے میں شیخ عبدالقادر کو مقصود بنا کر اُن سے حاجت طلب کی جاتی ہے اور درمیان میں اللہ کو وسیلہ بنایا جاتا ہے یعنی اے عبدالقادر! خدا کے وسیلے سے ہمیں کوئی چیز عطا کر دے یہی تو شرک ہے شاہ اسماعیل شہید اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں شرک کی تردید میں لکھتے ہیں کہ اگر اس کا یوں الٹ کر دیا جائے یا اللہ شہید للشیخ عبدالقادر جیلانی تو درست ہے یعنی اے مولا کریم! شیخ عبدالقادر کے وسیلے سے میری حاجت پوری کر دے اس میں مقصود اور حاجت روا خدا تعالیٰ کو تسلیم کیا جائے گا اور شیخ عبدالقادر کو محبت

کا وسیلہ پیش ہو گا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وسیلہ، طفیل یا حرمت کنہ درست نہیں ہے، مگر جیسا کہ عرض کیا کہ یہ کوئی لازمی نہیں ہے بلکہ صرف مباح ہے اگر کوئی ایسا وسیلہ استعمال نہیں کرتا تو ظاہر ہے کہ دعائیں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی اور اگر یہ چیز بزرگوں سے ثابت ہے، تو اسے مباح کی حیثیت حاصل ہے۔ بہر حال اس سے ایسا وسیلہ مراد نہیں جو مشرک سمجھتے ہیں۔

البتہ اعمال کا توسل سب کے نزدیک جائز ہے۔ امام ابن تیمیہ اور دیگر بزرگین توسل باعمال دین اس پر متفق ہیں۔ ہماری شریعت میں تین آدمیوں کا ذکر آتا ہے جو ہمارے ایک غار میں پھنس گئے تھے۔ انہوں نے اپنے اپنے نیک اعمال کے توسل سے دعا مانگی تو اللہ نے ان کو مصیبت سے نجات دے دی تھی۔ لہذا سید علی ہجویریؒ کے توسل سے دعا کرنا۔ ان کے نیک اعمال ہی کا توسل پکڑنا ہے نہ کہ محض ان کی ذات کا۔ آپ ایک صاحب آدمی تھے۔ آپ ہزاروں آدمیوں کی ہدایت کا ذریعہ بنے۔ لوگ کھڑا و شرک سے نکل کر ایمان اور توحید کی روشنی میں آئے، ہم ان کے پیروکار ہیں، ہمیں ان سے محبت ہے اے اللہ! ان کی برکت اور طفیل سے ہماری حاجت پوری کر دے اس طرح تو جائز ہے۔ اور اگر ان بزرگوں کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب سمجھ لیا جائے تو جبری شفاعت کا عقیدہ رکھے گا کہ یہ ضرور ہی ہیں چھڑالیں گے۔ یا خود ہماری حاجت پوری کر دیں گے تو یہ سو فیصدی صریح اور جلی شرک ہے جو کہ قطعی طور پر حرام ہے۔ بہر حال وسیلہ کے لفظ کی تشریح میں نے عرض کر دی۔

جہاد فی سبیل اللہ

فرمایاے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ تیسری چیز فرمایا **وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ** اور جہاد کرو اس کے راستے میں تاکہ تم نفع پانا اور جہاد میں برکت کا جہاد یعنی مالی، جانی، قلمی اور زبانی شامل ہے جس طرح کفر کو مٹانے اور ظلم کی فوج کٹی کے لیے جانی اور مالی جہاد کیا جاتا ہے۔ اس طرح قلمی جہاد بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ جن لوگوں نے قرآن پاک کے تراجم

کے ہیں، بڑی بڑی تفسیریں لکھی ہیں، حدیث کی کتابیں مرتب کی ہیں۔ انہوں نے اپنے قلم سے جبار کیا ہے۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ موجود ہے ”جَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ“ یعنی مال اور جان کے ذریعے جہاد کرو۔ دین کی اقامت اور اسکی تقویت کے لیے جو شخص مال خرچ کر رہا ہے بلاشبہ وہ جہاد میں حصہ لینا ہے۔ نظام اسلام کی سر بلندی کے لیے روپیہ خرچ کرنا جہاد ہے۔ اس کے برخلاف کھیل نمشتے پر خرچ کرنا فضول عمارت بنانا، عیاشی اور فحاشی پر خرچ کرنا شیطان کے راستے پر خرچ کرنا ہے اگر مسجد یا مدرسے کی تعمیر پر خرچ کیا جائے گا، کتاب کی اشاعت میں تعاون کیا جائیگا تو یہی مال ترشہ آخرت بن جائے گا۔

ابوداؤد شریعت کی حدیث میں موجود ہے جَاهِدُوا الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَالْأَنْفُسُ كُفَّارَ وَمُنَافِقِينَ کے ساتھ، مالوں، جانوں اور زبانوں کے ساتھ جہاد کرو۔ کفر و شرک اور برائی کی تردید میں تبلیغ کرنا جہاد باللسان ہے۔ اسی طرح خدا اور رسول کا پیغام غیر مسلموں تک پہنچانا بھی زبان کے ذریعے سے جہاد ہے۔ مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ دین کا پیغام غیر مسلم اقوام تک پہنچانے کی بجائے آج کل مسلمانوں کی زبانیں آپس کی طعن و تشنیع پر ہی لگی ہوئی ہیں ایک دوسرے فرشتے کے خلاف زہر اگلا جا رہا ہے، مگر اصل کام کی طرف بہت کم توجہ دی جا رہی ہے۔ جہاد باللسان تو یہ ہے کہ جن لوگوں تک دین کی روشنی نہیں پہنچ پاتی انہیں اس سے روشناس کرو۔ زبان تقریر اور بیان سے دین کا پیغام گھر گھر پہنچاؤ۔ مگر آج کے فرغت ہے کہ وہ غیر مسلموں تک اسلام کی روشنی پھیلانے، تبلیغی جماعت والے جو عورتوں کی بہت کوشش کر رہے ہیں اس کا دائرہ کار بھی زیادہ تر مسلمانوں تک ہی محدود ہے۔ غیر مسلموں کی طرف رخ کرنا کسی کو ہمت ہی نہیں پڑتی، جب ان سے اسلام

کی بات کی جاتی ہے تو رد جواب کہتے ہیں کہ دین کی خوبیاں گنوائے سے پہلے انہیں اپنے آپ پر نافذ کر کے تو دکھاؤ۔ پہلے اپنے آپ کو درست کر دیکھو جاری طرف رخ کرنا۔

مسلمان کا کردار

ہمارے ایک دوست نریننگ کے لیے سوئڈن گئے۔ واپسی پر میں نے پوچھا کہ وہاں کسی کو دین کی دعوت بھی دی ہے کہنے لگے ہاں، میں نے بعض لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تھی مگر انہوں نے عجیب و غریب جواب دیا۔ کہنے لگے اسلام میں داخل کر کے کیا تم ہمیں بھی اپنی طرح چور اور غلام بنانا چاہتے ہو۔ انہوں نے اپنا تجربہ بیان کیا کہ وہ جس اسلامی ملک میں گئے ہیں وہاں کے لوگوں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑا پایا ہے کوئی دس کا غلام ہے اور کوئی امریکہ کا۔ مسلمانوں کے ملکوں میں چوری عام ہے، دھوکہ اور فریب ہنہ کیا تم ہمیں بھی ویسا ہی بنانا چاہتے ہو۔ ہمارے دوست کہنے لگے کہ میں ان کے اس جواب سے محنت شرمسار ہوا۔ حقیقت یہی ہے کہ مسلمانوں جیسے چوروں اور غلاموں کا دین کون اختیار کرے گا، دنیا بھر کے اغواء، ڈاکے زنا اور فتنہ و فساد مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں۔ فرقہ واریت کی کوئی شکل و صورت شیطان نے ایجاد نہیں کی جو مسلمانوں میں پائی جاتی ہو۔ مسلمانوں کا کردار دیکھ کر اسلام کی طرف لوگ کیسے رغبت کریں گے۔

جاپان کے پروفیسر مینام کا اسلام آباد میں انٹرویو لیا گیا تھا۔ اس سے پوچھا گیا کہ تم مسلمان کیسے ہوئے۔ کہنے لگا میں مسلمانوں کو دیکھ کر مسلمان نہیں ہوا۔ بلکہ خوش قسمتی سے قرآن پاک کا جاپانی زبان میں ترجمہ مجھے میسر آگیا۔ یہ کتاب پڑھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ یہ واقعی اللہ کی سچی کتاب ہے۔ لہذا میں نے اسلام قبول کر لیا۔ پہلے زمانے میں لوگ مسلمانوں کا کردار اور عمل دیکھ کر اسلام لاتے تھے مگر اب وہ عملی اور اخلاقی کشش مسلمانوں میں باقی نہیں رہی۔

جہاد کے لیے جماعت کی تنظیم ضروری ہے۔ اسلامی معاشرہ میں

صائب المرءے لوگوں کی ایسی جماعت ہونی چاہیے جو داخلی اور خارجی معاملہ کے لیے مناسب منصوبہ بندی کر سکے۔ اندرون ملک امن و امان کا قیام اور لوگوں کے مال و جان کی حفاظت داخلی مسئلہ ہے اور کفار کے ساتھ جہاد خارجی معاملہ ہے۔ ان دونوں امور کی انجام دہی کے لیے ایک اچھی سوسائٹی کی ضرورت ہے۔ جو اچھے افراد سے معرض وجود میں آسکتی ہے۔

کفر کا انجام

اَللّٰهُ تَعَالٰی نے آخرت میں کفار کی بے بسی کا تذکرہ فرمایا ہے۔
اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِحٰكَمِہٖ دَہْ لَوْ كَانُوْا اِلَہٰہُ مِمَّا رَفِیَ الْاَرْمٰہِیْنَ جَمِیْعًا وَّ مِثْلَہٗ مَعَدَہٗ
 جو کچھ زمین میں ہے اگر سب کا سب ان کا ہو جائے اور اُس جیسا مزید بھی۔ یعنی اگر پوری زمین سونے چاندی اور مال و دولت سے بھری اُن کی ملکیت ہو اور اس سے ڈبل کے مالک بھی وہ ہو جائیں اور پھر وہ اس پورے مال کو لیتے تھوڑا بہت سے عذابِ یومِ القیامۃ قیامت کے دن کے عذاب کے برے میں فدیہ دینا چاہیں مَا نَقْبَلُ مِنْہُمْ تَوٰہِیْنَ سے یہ فدیہ قبول نہیں کیا جائیگا۔ اول تو قیامت کے دن اس بات کا امکان ہی نہیں کہ کوئی شخص زمین بھر مال و دولت کا مالک ہو، تاہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرض کر لیا ہو جائے اور وہ شخص یہ سب کچھ بلکہ اس سے دگن بھی فدیہ ادا کر کے عذاب سے بچنا چاہے تو بچ نہیں سکے گا ایسے لوگ اپنے انجام کو لازماً پہنچیں گے وَلَکُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ اور انہیں دائمی عذاب کا مزہ چکھنا ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ آخرت کی فلاح اس مال و دولت پر نہیں بلکہ اس کا انحصار تقویٰ، جہاد، تقرب الی اللہ، ایفائے عہد، احترامِ شریعت جیسے اعمال صالحہ پر ہے۔

فرمایا کفار لوگ آگ کے عذاب میں مبتلا ہونے کے بعد یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ اُس دوزخ سے نکلنا چاہیں گے

وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا مَكْرَهُ اس سے نکل نہیں سکیں گے۔
 جہنم کے شعلے اُن لوگوں کو جہنم کے کندے تک لائیں گے اور وہ کوشش
 کریں گے کہ چھلانگ لگا کر باہر کود جائیں مگر انہیں دوبارہ جہنم کی گمریوں
 میں پھینک دیا جائیگا۔ سورۃ الم سجدہ میں بھی ایسے لوگوں کے متعلق آتا ہے
 عَلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا حَتَّى يَسْمُوا
 بِأَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ۔ انہیں دوبارہ اُس میں پھینک دیا جائے
 گا۔ جہنم سے آزادی کا واحد ذریعہ ایمان اور تقویٰ ہے۔ جو لوگ ان اوصاف
 سے خالی ہوں گے اُن کے لیے وہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہو
 گی اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ وَكَهْمُ عَذَابٌ مُّقِيمٌ
 اور ان کے لیے عذاب ہوگا دائمی۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جِزَاءً بِمَا
كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝۳۸ فَمَن
تَابَ مِن بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ
عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۳۹ أَلَمْ تَقْلَمِ
أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ يُعَذِّبُ
مَن يَشَاءُ وَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۴۰

ترجمہ :- اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے
والی عورت ، پس کاٹ ڈالو ان کے ہاتھ یہ سزا ہے اُس کی
جو انہوں نے کیا ۔ یہ عبرت ناک سزا ہے اللہ تعالیٰ کی
جانب سے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اور حکمت والا ہے ۝۳۸
پھر جس شخص نے توبہ کر لی اپنے ظلم کرنے کے بعد اور اس نے
اصلاح کر لی تو اللہ تعالیٰ اُس کی توبہ قبول کرتا ہے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ
بخشنہ کرنے والا مہربان ہے ۝۳۹ اے مخاطب ! کیا تم نہیں جانتے
کہ بیشک اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی ۔
سزا دیتا ہے جس کو چاہے اور بخشتا ہے جس کو چاہے اور
اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ۝۴۰

گزشتہ سے پورے درس میں اللہ تعالیٰ نے فساد فی الارض کی ایک اہم

یاد دلائی

شکل ڈکیتی کا ذکر کیا تھا کہ اس میں جان، مال، عزت اور آبرو کا ضیاع ہوتا ہے۔ پھر ڈکیتی کی چار اقسام اور ہر ایک قسم کے لیے مقررہ سزا کا بیان ہو چکا ہے۔ اس کے بعد گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تقویٰ اور جہاد کی ترغیب دی۔ پھر اللہ نے کافروں کے بُرے انجام سے آگاہ فرمایا۔ اب آج کے درس میں فساد فی الارض کی ایک دوسری قسم سرقہ کا بیان ہے۔ ڈاکر اور چوری ایک ہی قبیل سے ہیں۔ تاہم ڈاکے کی صورت میں بیگانے مال پر بزدل قوت قبضہ کیا جاتا ہے اور بعض اوقات جان کا اتلاف بھی ہوتا ہے۔ سرقہ کجبری بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں چوری سرقہ صغریٰ ہے، اور اس میں محفوظ مقام سے خفیہ طور پر مال حاصل کیا جاتا ہے۔ چوری کبیرہ گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس پر حد مقرر کی ہے۔ کہ چور خواہ مرد ہو یا عورت اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے اس کے ساتھ ساتھ خیانت بھی کبیرہ گناہ تصور ہوتا ہے، مگر اس کے لیے اللہ نے حد مقرر نہیں کی۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس مقام پر اپنی تفسیر میں ایک نہایت لطیف نکتہ بیان کیا ہے۔ اور پھر اس کا جواب بھی لکھا ہے فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں السارق (چوری کرنے والا مرد) کا ذکر پہلے کیا ہے اور السارقة (چوری کرنے والی عورت) کا ذکر بعد میں۔ اس کے برخلاف سورۃ نور میں جہاں جرم زنا کی سزا کا ذکر ہے۔ وہاں زانیہ عورت کا ذکر پہلے ہے اور زانی مرد کا بعد میں اَلَّذِیۡنَ یُؤْتُوۡنَ بِالْزَّیۡنٰتِ وَالَّذِیۡنَ یُؤْتُوۡنَ بِالزَّیۡنٰتِ فرماتے ہیں کہ اس تقدم و تاخر کی حکمت کے متعلق میں نے اپنے استاد محترم حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ سے استفسار کیا، آپ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے شاگردوں میں سے ہیں۔

آپ دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس تھے۔ مولانا تھانویؒ فرماتے

مرد و زن میں
تقدم و تاخر

ہیں کہ استاد محکم نے اس کی تشریح اس طرح بیان فرمائی کہ چوری کے معاملے میں عورت کی نسبت مرد طاقتور اور باہمت ہوتا ہے، کام کاج اور محنت مشقت کرنے کے قابل ہوتا ہے لہذا اگر وہ چوری کا ارتکاب کرے تو عورت کی نسبت زیادہ ذمہ دار اور زیادہ گناہ گار ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے چوری کے معاملہ میں اس کا پہلے ذکر کیا ہے السَّارِقُ۔ اور عورت چونکہ مرد کے مقابلہ میں کمزور واقع ہوئی ہے۔ زیادہ محنت مشقت بھی نہیں کر سکتی، اس لیے اس میں سرقہ کا گناہ کم نوعیت کا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر مرد کے ذکر کے بعد کیا ہے۔

جہاں تک فعل زنا کا تعلق ہے۔ اس میں عورت اس فعل شنیع کی زیادہ ذمہ دار ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں شرم دیا کہ زیادہ مادہ رکھا ہے اس لیے اگر عورت اس فعل کا ارتکاب کرتی تو مرد کی نسبت زیادہ ذمہ دار اور زیادہ گناہ گار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زنا کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے عورت کو مقدم رکھا ہے اور مرد کو مؤخر کیا ہے۔

سرقہ کا
نصاب

ارشاد ہوتا ہے وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ اس آیت کریمہ میں صرف قطع بد کا حکم ہے، مگر اس بات کی وضاحت نہیں کی گئی کہ چور کا ایک ہاتھ کاٹا جائیگا یا دونوں۔ تاہم تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ چوری کا جرم ثابت ہونے پر صرف ایک ہاتھ کاٹا جائے گا، نہ کہ دونوں البتہ چوری کے نصاب کے متعلق فقہانے کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے، حسن بصریؒ، فرقہ خوارج کے لوگ اور بعض دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں پر مطلق چوری کا ذکر ہے لہذا اس کا کوئی نصاب نہیں، کم سے کم مالیت کی چوری پر بھی ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ تاہم مجتہد علماء و فقہاء، صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ اور سلف صالحین سرقہ کے نصاب کے قائل ہیں۔ احادیث سے

بھی چوری کا نصاب ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ چوری کا نصاب ایک چوتھائی دینار یا تین درہم کی مالیت کے برابر ہے۔ اس سے کم مالیت کی چوری پر قطعہ کی سزا نہیں ہے۔ یاد رہے کہ دینار سونے کا سکہ ہوتا تھا اور اس کا وزن چار ماشے ہوتا تھا۔ درہم چاندی کا سکہ تھا اور اس کا وزن تقریباً سوا تین ماشے ہوتا تھا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی چوری کا نصاب تین درہم ہی ہے، بعض علما پانچ درہم کے بھی قائل ہیں۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگردان رشیدہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اور امام سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ چوری کا نصاب دس درہم ہے اس سے کم مالیت کے سرقہ پر مد جاری نہیں ہوگی۔ در اہل روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں ایک دھال کی چوری پر چور کا ہاتھ کاٹا گیا۔ اُس وقت تک دھال کی قیمت تین درہم یا پانچ درہم تھی۔ بعض روایات میں دس درہم کا ذکر بھی آتا ہے اس لیے مختلف فقہانے کرام کے نزدیک چوری کا نصاب تین پانچ یا دس درہم ہے۔ بہر حال دس درہم پر کسی کا اختلاف نہیں اور احتیاط بھی اسی میں ہے کہ دس درہم سے کم مالیت کی چوری پر ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

قابل مد
سرقہ

سرقہ جاری کرنے کے لیے بعض دیگر چیزوں کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ مثلاً یہ کہ چوری محفوظ جگہ سے کی گئی ہو۔ محفوظ جگہ سے مراد یہ ہے کہ جس مکان سے چوری کا ارتکاب ہوا اس میں قفل پڑا ہو یا جس صندوق سے چیز نکالی گئی ہے، اس میں ہالانکا ہوا ہو، یا مال کی حفاظت کے لیے پریدار مقرر ہے مگر اس کے باوجود چوری کا ارتکاب ہو گیا تو ایسا سرقہ قابل مد ہوگا۔ اور اگر ایسا مال چوری کیا گیا ہے جسکی حفاظت کا کوئی

بند و بست نہیں کیا گیا تھا، تو اس پر مد جاری نہیں ہوگی۔

شرائط کے مال میں سے اگر حصے دار کوئی چوری کر لے تو اس پر بھی حد نہیں لگے گی۔ اسی لیے عصابہ کراٹھ سے منقول ہے کہ بیت المال کی چوری پر حد نہیں کیونکہ بیت المال میں ملکی باشندہ ہونے کی حیثیت سے چور کا بھی حق شامل ہے بعض معمولی چیزوں پر بھی مد جاری نہیں کی جاتی مثلاً جلد غراب ہو جانوالی اشیاء، مغلہ سبزی، ترکاری، پکا ہوا گوشت، ہڈیاں وغیرہ یا روٹی وغیرہ کا سرکہ حد سے مستثنیٰ ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ باغ سے پھل توڑنے یا کھجور کے درخت کے تنے سے سگورا نکلانے پر بھی حد نہیں لگتی۔ اس کے علاوہ بعض رعایتیں بھی ماحل میں مثلاً قحط سالی کے زمانہ میں اگر کوئی شخص فاقہ کشی سے مجبور ہو کہ چوری کر رہا ہے تو اس کو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ قطع یہ چونکہ سخت سزا ہے۔ اس لیے شریعت نے اس معاملہ میں بعض رعایات بھی دی ہیں۔ ایک عام قانون یہ ہے کہ اِذْ رَعَوْا الْحُدُودَ بِالشُّبُهَاتِ یعنی اگر کسی معاملہ میں شک پڑ جائے تو بھی حد کو ساقط کر دو۔ مد جاری کرنے کے لیے قطعی ثبوت ہونا لازمی ہے۔ اگر کسی پر حد مسروقہ جاری ہوگئی تو مسروقہ مال اگر موجود ہے تو واپس کیا جائیگا اور اگر ضائع ہو گیا تو ملزم پر تادیب نہیں ڈالا جائے گا البتہ اگر حد جاری نہیں ہو سکی تو پھر مسروقہ مال یا اس کا بدلہ واپس کرنا لازمی ہوگا۔

ہاتھ کی تعریف میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ ثبوت جرم پر کتنا ہاتھ کوٹا جائے گا۔ ایک شاذ قول یہ بھی ہے کہ کندھے تک ہاتھ تصور ہوتا ہے۔ لہٰذا کندھے تک کاٹا جائے گا مگر راجح قول یہ ہے کہ ہاتھ کلائی سے قطع ہوگا پہلی دفعہ چوری ثابت ہونے پر دائیاں ہاتھ کاٹا جائیگا اور دوسری مرتبہ اگر تکلیف جرم پر بائیاں پاؤں کٹنے سے نیچے کاٹ دیا جائیگا۔ ام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ تیسری دفعہ چوری ثابت ہونے پر ہاتھ یا پاؤں نہیں کاٹا جائیگا بلکہ ملزم کو قید میں

کیفیت
قطع یہ

ملہ البتہ اگر حاکم من سب سے تو اس پر تعزیر لگا سکتا ہے۔ سوانی

ڈال دیا جائیگا تاوقتیکہ یقین ہو جائے کہ وہ اس فعل شنیع سے آئب ہو چکا ہے البتہ یہ حاکم کی صواب دہ پر ہے، اگر وہ مناسب سمجھے تو دوسرا لکھ دیا یا نوں کھ کا حکم بھی دے سکتا ہے۔ یہ تعزیر ہوگا اور تعزیر میں تو سزا موت بھی دی جاسکتی ہے، یہ حالات کے مطابق فیصلہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ شرابی کے متعلق بھی آتا ہے۔ کہ تین دفعہ مد جاری کرنے کے باوجود اگر کوئی شخص شراب نوشی سے باز نہیں آتا تو حاکم وقت تعزیر اُس کے قتل کا حکم دے سکتا ہے اہم شاد ولی اللہ محدث دہلوی اس قسم کے عادی مجرم کے متعلق فرماتے ہیں۔
 اَعْدَاهُمُ اَوْفَقُ مِنْ وُجُوْدِهِ یعنی اُس کے وجود سے اس کا معدوم کر دیا جانا بہتر ہے تاکہ سوسائٹی ایسے گندے شخص سے پاک ہو جائے۔ بہر حال ایسی سزا تعزیر ہوگی، یہ مد میں شامل نہیں ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ چوری وغیرہ کے معاملات آپس میں رفع دفع کر لیا کرو و حضور نے سننا! جب معاملہ کسی عدالت کے روبرو پیش ہو جائے تو پھر معافی کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس سے پہلے اگر فریقین از خود کسی نتیجہ پر پہنچ جائیں، تو اس کی اجازت ہے۔

قطع یہ حکم نیچے کے بعد فرمایا جَبَّاءُ بِمَا كَسَبَا یہ جزا ہے۔ اُس چیز کی جو انہوں نے کھائی۔ انہوں (مرد یا عورت) نے سرقہ جیسے قبیح فعل کا ارتکاب کیا جو کہ کبیرہ گناہوں میں شمار ہوتا ہے لہذا اُن کے لیے ہاتھ کاٹنے کی سزا ہی مناسب ہے۔ اُن کے جرم کا تقاضا ہے کہ انہیں یہ سخت سزا دی جائے۔ فرمایا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرتناک سزا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تنبیہ کی گئی ہے، کہ کوئی شخص سرقہ جیسے کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ کرے۔

ایک اعتراض
اور اس کا جواب

بعض ملحد قسم کے لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ایک انگلی کاٹ جانے کی ریت پانچ اونٹ ہیں۔ اور یہ مجرم کو ادا کر دینی پڑتی ہے اس کے برخلاف

لَعَلَّكُمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۚ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَافِلٌۭ عَنِ ٱلْعَٰمِلِينَ ۚ
 کہ آسمان اور زمین کی ساری بادشاہت اللہ تعالیٰ کی ہے وہ مالک الملک
 اور قہر مطلق ہے یُعَذِّبُ مَن یَّشَآءُ وہ جسے چاہے سزا
 دے دے۔ وہاں چرن و چرا کی کوئی گنجائش نہیں۔ وہ اپنی حکمت کے ساتھ
 احکام نازل کرتا ہے۔ کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اُس کی طرف سے مقرر کردہ
 سمیت سزاؤں پر اعتراض اٹھا سکے۔ اُس کے تمام قوانین مبنی بر حکمت ہیں
 وَیَغْفِرُ لِمَن یَّشَآءُ وہ جسے چاہے معاف کرے وہ معاف
 کرنے پر بھی قادر ہے۔ کسی چھوٹے بڑے، انس، جن یا ملائکہ کو کائنات میں
 تصرف حاصل نہیں، ہر قسم کا تصرف قانون عاید کرنے والے کو ہی حاصل ہوتا
 ہے۔ وہ مالک ہے ہمنشا و مطلق ہے، وہ جس طریقے سے چاہے تصرف
 کرے، بندوں کا کام صرف اطاعت کرنا ہے ان کی بہتری اسی میں ہے
 وَٱللَّهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت
 رکھنے والا ہے۔ اُسے معافی اور سزا کا کھلی اختیار ہے۔ اُس کی مخلوق میں
 سے کسی کو اعتراض کا حق حاصل نہیں۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ
 مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ
 وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا سَمَّعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّعُونَ لِقَوْمٍ
 آخِرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ يُخَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ
 يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَذَا فَخُذُوهُ وَإِنْ لَمْ تُؤْتَوْهُ
 فَاحْذَرُوا وَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ
 مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُمْ
 قُلُوبَهُمْ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَلَهُمْ فِي
 الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ④۱ سَمَّعُونَ لِلْكَذِبِ
 أَكَلُوا لِلشَّحْتِ ۖ فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ
 أَوْ اعْرِضْ عَنْهُمْ ۖ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ
 يَضُرُّوكَ شَيْئًا ۚ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ
 بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ④۲ وَكَيْفَ
 يُحْكِمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ
 ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ④۳

ترجمہ: اے رسول! نہ غم میں ڈالیں آپ کو وہ لوگ جو

دوڑتے ہیں کھڑکی طرف۔ اُن لوگوں میں سے جنہوں نے کہا ہے کہ ہم ایمان لائے ہیں اپنے منہ سے صرف، اور اُن کے دل ایمان نہیں لائے اور اُن لوگوں میں سے جو یہودی ہیں، بہت سُنتے ہیں وہ جھوٹ کو۔ وہ سُنتے ہیں دوسری قوم کے لیے جو آپ کے پاس نہیں آئے وہ تخریفات کرتے ہیں کلام کو اس کی جگہ سے اور کہتے ہیں کہ اگر ایسے جائز تم وہ بات جو تمہاری مرضی کے مطابق ہے پس لے لو اُس کو۔ اور اگر تم کو نہ دی جائے وہ بات تو بچتے رہو۔ اور جس شخص کے پاس میں اللہ چاہے نفع میں ڈانا پس ہرگز نہیں ملے گا۔ ہوں گے آپ اُس کے لیے اللہ کے سامنے کچھ چیز کے یہی لوگ ہیں کہ نہیں ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے کہ اُن کے دلوں کو پاک کرے۔ اُن کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں مذابِ عظیم (۴۱) یہ بہت سُنتے ہیں جھوٹ کو اور کھاتے ہیں حرام پس اگر یہ آپ کے پاس پس آپ فیصلہ کریں اُن کے درمیان یا اعراض کریں اُن سے۔ اور اگر آپ اعراض کریں گے اُن سے تو آپ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور اگر آپ فیصلہ کریں تو فیصلہ کریں اُن کے درمیان انصاف کے ساتھ، بیشک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں کے ساتھ (۴۲) اور یہ لوگ کس طرح آپ کو منصف بنائیں گے حالانکہ ان کے پاس قیامت ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے۔ پھر یہ روگردانی کرتے ہیں اس کے بعد۔ اور نہیں ہیں یہ لوگ ایمان والے (۴۳)

گذشتہ رکوعات میں پہلے اہل کتاب کی طرف سے نقصِ عمد کا ذکر ہوا۔ درمیان میں اللہ تعالیٰ نے فساد فی الارض کی قباحت بیان فرمائی

رُبط آیات

آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا تذکرہ ہوا، اُن میں سے ایک نے فساد فی الارض کا ارتکاب کرتے ہوئے دوسرے کو قتل کر دیا، پھر بھائی کی لاش کو ٹھکانے لگانے کے سلسلے میں قاتل بھائی کی بیوقوفی کا ذکر بھی ہوا اور پھر اس کے آخرت کے انجام کی نشاندہی کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو قتل نفس کی بلی سے آگاہ کیا اور قرأت میں موجود انسانی جان کے تحفظ کا قانون ان کو یاد کر دیا پھر ڈکے اور چوری کے جرائم کا تذکرہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی سزائیں بھی بیان فرمائیں۔ اہل کتاب میں سے خصوصاً یہود کی خباثتوں کا زیادہ ذکر ہے، اور اب کچھ ذکر منافقین کی قباہتوں کا بھی آ رہا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ پیغمبر اسلام کو تسلی بھی دی جا رہی ہے۔

منافقوں
کی دُورخی

ارشاد ہوتا ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُبَيِّنُ لِمَنْ يَكْفُرُ الْكُفْرَ۔ رسول مقبول! لاکھنؤ نہ
الَّذِينَ يُبَيِّنُونَ لِمَنْ يَكْفُرُ الْكُفْرَ ابْنِ كُفْرٍ كَرِهَ لَكَ كُفْرُكُمْ
جو دُور دور کر کفر میں جا رہے ہیں۔ مَنْ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا
بِأَفْعَالِهِمْ اور وہ اُن لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے محض زبانی طور
پر کہا کہ ہم ایمان لائے ہیں وَلَمْ تَكُنْ لَهُمْ وَلَمْ تَكُنْ لَهُمْ
مگر اُن کے دل مومن نہیں ہونے۔ یہ اُن منافقین کا ذکر ہے۔ جن کی اکثریت
مدینے کے یہودیوں میں سے تھی۔ کفار کے ساتھ اُن کا میل جول نبی علیہ السلام
پر شاق گذرتا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ منافقین کی مذموم
حرکات سے آپ رنجیدہ نہ ہوں، بلکہ اہل حق کے مطابق اپنا فریضہ احسن طریقے
سے انجام دیتے رہیں۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص بُرائی کی طرف رُخ کرتا ہے
تو اس کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں، وہ خود اُن سے نبٹ لے گا۔ بہر حال آیت
کے اس حصہ میں اللہ جل شانہ نے ایک طرف یہود اور منافقین کی مذمت بیان
فرمائی ہے تو دوسری طرف اپنے پیغمبر کی حوصلہ افزائی بھی کی ہے۔ دراصل منافقین
نے دُورخی پالیسی اختیار کر رکھی تھی ذَٰلِجْهَيْنِ الَّذِي يَأْتِي هُوَ لَآ يُولِجُهُ

وَهُؤُلَآءِ لَیُّوَجِبُہِمْ جِبِّ مُسْلِمَانِیْنَ کِی مَجَالِسِ مِی آتے تَوَا ان کی طَرَفِ دَرِی
 کھتے اور جب یہود و کفار کے پاس جاتے تَوَا ان سے دُعا دَرِی اور مَسْلَمَانِیْنَ
 سے عَدَا دَرِی کا اظہار کرتے۔ اُن کے ذہنوں میں اس تَقَرُّرِ اَرِی نہیں تھَا مگر وہ کفار
 کے قَرِیْب تر تھے، اسی لَیْلَہِ اللہ تعالیٰ نے ان کی ذمَّتِ بَیَانِ فَرَمائی سہ۔
 مَنَافِقُونَ کے تَذْکِرے کے سَا تھ اللہ تعالیٰ اُن یہودیوں کی نَاشِ دِی
 بھی کی ہے جو اہلِ اِیْمَان کے خِلَافِ رِیْشہ دِزَانِیوں میں مَصْرُوف تھے، اور
 اِسْلَام کو دُک سَیْنِیَانے کا کوئی مَوْقِع ہَا تھ سے نہیں جَانے لَی تھے۔ فَرَمَا
 وَمَنْ اَلَّذِیْنَ هَا دُوْا اور یہودیوں میں سے بھی کچھ لوگ لَی
 ہیں مَسْمُوعُونَ لَیْلَہِ کَذِبِ جو بہت زَیَادہ سُننے والے ہیں جھوٹ کر۔
 مَطْلُبِ یہ کہ اِسْلَام کے خِلَافِ جھوٹی باتوں میں بہت دِکھی لَی تے ہیں۔
 مَسْمُوعُونَ لِقَوِیْمِ الْاٰخِرِیْنَ دوسری قوم کے لَیْلَہِ بہت زَیَادہ سُننے
 والے ہیں۔ مَسْمُوعُونَ کا عام فہم معنی تو سُننے والے ہی ہیں۔ اللہ نے
 یہودیوں کی یہ خُصْلَتِ بَیَانِ فَرَمائی ہے۔ کہ جو کوئی اِسْلَام کی مَخَافَت میں
 جھوٹی نوئی بات کر تَا تھَا اُسے بڑے غُور سے سُن تے تھے اور پھر اُن کے
 سَا تھ اِسْلَام دُشْمَن پَر اِیْکِنڈے میں شَرِیک ہو جاتے تھے۔ مَسْمُوعُونَ
 کا دوسرا معنی جاسوسی کرنا ہے۔ یہ لوگ اِیْخَار کے لَیْلَہِ اِسْلَام کے خِلَافِ جاسوسی
 کرتے تھے۔ یہودیوں کا ایک طَبَقہ اِیْا بھی تھَا جو پیغمبرِ اِسْلَام صلی اللہ علیہ وسلم
 کی مَجَالِسِ میں حَاضِر ہو کر آپ کی باتیں بھی سُن تَا تھَا۔ اُن کا مَقْصِد یہ ہوتا تھَا۔
 کہ یہاں سے کوئی کمزور بات ہَا تھ آئے تو اُس میں جھوٹ ہَا کر پُنے بڑوں
 کے پاس جاکر کریں اور اِس طَرَح اُن سے دَا دِوَصُول کریں۔ اِس طَرِیقے سے
 یہ لوگ اِسْلَام کے خِلَافِ پَر اِیْکِنڈے میں مَعَاوَن بَن تے تھے۔ بہر حال فَرَمَا کہ لَیْلَہِ
 یہودیوں کا مَسْلَمَانِیْنَ کی مَجَالِسِ میں اَنَا دِیْن میں رِغْبَت کی وجہ سے نہیں ہوتا تھَا
 بلکہ اِس قوم کے لَیْلَہِ جاسوسی کرنا ہوتا تھَا لَکھُ یَا تَوَا کہ جو آپ کے

جہوں یہودی

پاس نہیں آئے۔ یعنی آپ کے پاس آئیں گے لوگ آپ کی باتیں ان تک پہنچتے ہیں۔ جو آپ کے پاس نہیں پہنچتے۔

تحریر
فی الکتاب

فرمایا، یہ یہودی لوگ اسلام دشمنی میں تو پیش پیش ہیں مگر ان کی اخلاقی سیٹی کا یہ حال ہے کہ مُحَسِّنُ فُؤَادِ الصَّالِحِينَ اَبَعَدَ مَوَاضِعِهِم کلام الہی کو اپنے موقع محل سے تبدیل کر دیتے ہیں۔ چنانچہ تورات میں مذکور جہالم کی سزاؤں میں از خود کمی بیشی کر لیتے تھے۔ اگر کوئی ذی اثر آدمی جہرم کا ارتکاب کرتا، تو اسے معمولی سزائے کر چھوڑ دیتے اور اگر کوئی غریب آدمی کسی جہرم میں ملوث ہو جاتا، تو اسے پوری سزا دی جاتی۔ آہستہ آہستہ انہوں نے زنا کے جہرم میں رحم کی سزا کو بالکل ختم کر دیا اور اس کی بجائے مرتکبین کی تذلیل و تحقیر کے معاملے کو ختم کر دیتے۔ اس سلسلے میں مفسرین کلام یہودیوں میں پیش آئے وائے ایک زنا کے کیس کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ یہودیوں میں ایک شادی شدہ جوڑے نے زنا کا ارتکاب کیا۔ وہ خود تو رحم کی سزا کو ختم کر چکے تھے۔ لہذا انہوں نے منصوبہ یہ بنایا کہ اس معاملہ کو مسلمانوں کے پیغمبر کے پاس لے چلیں۔ اگر وہ ہماری مرضی کی سزا دیں تو اسے قبول کر لیا جائے اور اگر وہ رحم کی سزا تجویز کریں تو پھر انکار کر دیا جائے۔ چنانچہ یہودی یہ مقدمہ لے کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ اس معاملہ میں فیصلہ فرما دیجئے، ان میں ایک یہودی عالم ابن صور یا بھی تھا۔ نبی علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ تورات میں زنا کی سزا کا کیا حکم ہے۔ آپ نے خاص طور پر دریافت کیا کہ کیا وہاں پرنگاری کی سزا نہیں ہے۔ تو یہودی عالم نے انکار کر دیا۔ اس پر آپ نے تورات کا نسخہ منگو کر یہودی کو پڑھنے کے لیے کہا۔ جب وہ رحم کی آیت پہ پہنچا تو اسے چھپانا چاہا۔ اس آیت پر انگلی رکھ کر اس کا اگلا کچھلا حصہ پڑھ دیا۔ وہاں پر حضرت عبداللہ بن سلام بھی موجود تھے۔ جو تورات کے بہت بڑے عالم تھے، انہیں اللہ نے ایمان کی دولت عطا کی تھی۔ انہوں نے

رجم والی آیت کی نشاندہی کر دی جس پر یہودی بہت نادام ہوئے اور ان کی خباثت کا راز کھل گیا۔

اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کہ یہودی خود تو تحریف کے مرتکب ہوتے ہیں اور اگر کوئی معاملہ حضور خاتم المرسلین کے پاس آئے ہیں تو ان کی سازش یہ ہوتی ہے يَقُولُونَ اِنْ اَوْ بَيِّنْتُمْ هَذَا فَذُوهُ یعنی اگر تماری مرضی کا فیصلہ مل جائے تو اسے قبول کر لو، ورنہ اِنْ لَّمْ تَقُولُوْهُ فَاْخَذُوْا اور اگر تمہیں مطلب کا فیصلہ نہ ملے تو اس سے بچ جاؤ یعنی قبول نہ کرو۔ اسی پالیسی کے تحت انہیں صوریانہ بھی رجم کے حکم کا انکار کیا، مگر حضور علیہ السلام نے منبرِ نبی میں سمجھے اللہ وحدہ لا شریک کی قسم دینا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام کو سخت دی اور فرعون کو عرق کیا اور جس نے تورات کو نازل فرمایا، تم سچ سچ بتاؤ کیا تورات میں رجم کا حکم موجود نہیں ہے۔ یا لآخر اس یہودی عالم کو اس بات کا اقرار کرنا پڑا۔ اس پر دوسرے یہودی اس کے خلاف ہو گئے اور اس سے لکھنے لگے۔ تاہم یہودیوں کی طرف سے تحریف فی الکتاب کا ثبوت میاہو گیا۔

قدرت میں تحریف کا ارتکاب یہودیوں کا ہیانا مشغلہ ہے ہر نئے ایڈیشن میں کوئی نہ کوئی تبدیلی واقع ہو جاتی ہے، مگر خدا کی قدرت وہ آیت آج بھی تورات میں موجود ہے۔ تورات کے اردو نسخوں میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ جو شخص پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرے وہ جان سے مارا جائے گا گویا شادی شدہ زانی کے لیے سزائے موت ہے اور یہ وہی سزا ہے جو دین محمدی میں بھی دستورِ قائم ہے۔ یہود کی طرف سے بائبل میں تحریف لفظی کی کئی ایک مثالیں بھی موجود ہیں جیسا کہ کسی گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے۔ کہ بائبل میں فارقلیط کا لفظ موجود تھا جس کے معنی احمد ہیں اور یہ لفظ حضور زاتم الانبیاء کی بعثت پر دلالت کرتا ہے، مگر انہوں نے فارقلیط کی

بجائے مددگار یا وکیل کا لفظ داخل کر دیا۔ بہر حال تحریف فی الکتاب کے مختلف
 طریقے استعمال کرتے تھے، کبھی کسی حکم کو بالکل چھپا جاتے، کبھی الفاظ تبدیل کرتے
 اور کبھی الفاظ کا مطلب غلط بیان کرتے، یہ سب تحریف ہی کی مختلف اقسام ہیں
 اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، آپ ان کے بائیس غم زدہ نہ ہوں، ان
 کی مریت کے لیے زیادہ فکر مند نہ ہوں، کیونکہ وَمَنْ يُشِدَّ لِلَّهِ فِشْنَتَهُ
 فَلَنْ تَمِلَّ لَهُ مِنْ اللَّهِ شَيْئًا جس کو اللہ فتح دے گا
 چاہے یعنی گمراہ کرنے کا ارادہ کرے، اُس کے لیے آپ کسی چیز کے مالک
 نہیں ہیں۔ یعنی آپ اُن کو راہِ راست پر لانے پر قادر نہیں ہیں۔ فَسَدَّ
 أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّهِ أَنْ يَهْدِيَهُمْ قُلُوبُهُمْ
 یہی لوگ ہیں کہ جن کے دلوں کو پاک کرنے کا اللہ تعالیٰ ارادہ نہیں رکھتا۔ یہ
 لوگ کفر و نفاق میں اتنے آگے بڑھ چکے ہیں کہ ان کی دلپسندی کی کوئی امید باقی
 نہیں رہی اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسی شخص کے دل کو پاک کرتا ہے جسے
 خود طلب ہو جو شخص اپنی غلطی کا احساس کر کے اپنی اصلاح کا خرمحمد
 ہو، اللہ تعالیٰ اُس کی راہنمائی فرماتا ہے اور اُس کے دل کو کفر، شرک و نفاق
 سے پاک صاف کر دیتا ہے۔ برخلاف اس کے جو لوگ عنادی اور باطل پرست
 ہوتے ہیں۔ ان کے مقلق اللہ نے فرمایا خَسِمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ
 اُن کے دلوں پر مہر لگا چکی ہیں سَلَا سَلَا رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ
 مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ اپنی بہکرداری کی وجہ سے ان کے دل زنگ آکر
 ہو چکے ہیں، المذاب وہ حق کی طرف نہیں آسکتے۔ ہاں! اللہ تعالیٰ کا یہ
 وعدہ اب بھی موجود ہے وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ
 سُبُلَنَا جو ہماری طرف آنا چاہتے ہیں ہم ضرور ان کی سیدھے راستے
 کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف آجاتے ہیں پھر
 اللہ ان کے دل پاک کر دیتا ہے

حضور کر
 تل

بہر حال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ باطل پرست لوگوں کے دل پاک نہیں کرتا
لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ اُن کے لیے دنیا میں رسوائی ہے وَلَهُمْ
فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ اور اُن کے لیے آخرت میں بھی عذاب
 عظیم تیار کیا گیا ہے۔ اگر بغیر توبہ کیے اُن کا خاتمہ یہودیت پر ہی ہو گیا تو بہت
 بڑی سزا کے مستحق ہوں گے۔

فرمایا سَمِعُونَ لِلْكَذِبِ یہ لوگ جھوٹی باتیں سننے کے بڑے
 عادی ہیں یا یہ کہ جھوٹوں کے لیے جاسوسی کرتے ہیں تاکہ لوگ اسلام سے متنفر
 ہو جائیں۔ اس کے علاوہ یہ لوگ اَكْتَلُونَ لِلشَّحْتِ حرام خور بھی ہیں۔
 اور وہ اس طرح کہ احکام میں غلط فتویٰ دیکر لوگوں کا مال کھاتے ہیں، مقدسات
 میں غلط فیصلے کر کے رشوت لیتے ہیں۔ سود کے موجد یہی لوگ ہیں اور
 اس کے ذریعے بھی حرام خوردی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ سورۃ آل عمران
 میں گزر چکا ہے کہ یہودی عربوں کا مال ناجائز طریقے سے کھاتے تھے
 اور اُن کا فتویٰ تھا کہ اُمّی لوگوں کا مال اُن کے لیے حلال ہے۔ یہ سب
 اُن کی حرام خوردی کے ذرائع تھے۔ اس کے علاوہ سَمِعْتَ غیر اللہ کی نذر و نیاز
 پر بھی صادق آتا ہے۔ قرآن پاک میں موجود ہے۔ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ
الْاَحْبَابِ وَالْمُتَّبِعِيْنَ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْبَطْلِ
 یہودیوں کے اکثر علماء اور مشائخ لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے تھے
 غیر اللہ کی نذر و نیاز اسی قبیل سے ہے جو یہودی علماء بغیر ڈکار لے کھا
 جاتے تھے۔ مگر حضور علیہ السلام کی پیشین گوئی کے مطابق یہ حضرات اب
 مسلمان مولویوں اور پیروں میں بھی پیدا ہو چکی ہیں۔ حلال و حرام کی تخصیص کیے
 بغیر ان کو بھی کھانے سے غرض ہے۔ خواہ کسی راستے سے آئے۔ آج
 گنڈے تعویذ کا سلسلہ بھی بڑی ترقی کر گیا ہے۔ جاہل عورتیں خود ساختہ
 پیرزں کے دہم فریب میں گرفتار ہیں۔ ہر جائز و ناجائز مقصد کے لیے

حرام خوردی

تو بیرون پر قیاس خرچ کرتی ہیں اور کھانے والے یہ حرام کائی کرکھا ہے ہیں۔
یہ سب چیزیں نعمت کا حصہ ہیں۔

یہودیوں کے
مقدمات

فرمایا یہ یہودی اپنے مقدمات کا فیصلہ آپ کے کرنا چاہتے ہیں فَانْ
جَلَّ مَوْلَاكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمُ اِذَا تَنَازَعُوْا
کر آجائیں تو آپ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ
یا ان سے اعراض کریں یہ آپ کی صوابدید پر ہے فیصلہ کرنا پسند کریں تو
کر دیں ورنہ جواب دے دیں۔ وَ اِنْ تَقَرَّرْ عَنْهُمْ اَلْاَرَابُ
ان سے اعراض کا فیصلہ کریں یعنی ان کے مقدمات کی سماعت کو پسند
نہ کریں تو پھر قیاس کی کوئی بات نہیں ہے فَلَنْ يُّفْضِلَ وَكَا شَيْئًا
یہ لوگ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وَ اِنْ حَكَمْتَ اور اگر ان کے مقدمات
نمٹنا چاہیں فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ تو آپ ان کے درمیان
حق و انصاف کی بنیاد پر فیصلہ کریں اِنِّیْ وَاِنْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ
روشنی میں ان کی حق رسی کریں کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ
اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ آپ مکمل انصاف کے
مطابق فیصلہ کریں۔

اے اللہ تعالیٰ نے خود ہی استفسار نہ بلکہ میں فرمایا وَ كَيْفَ يَحْكُمُ لَكُمْ
وَ عِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ وہ لوگ آپ کو کیسے منصف بنائیں گے جبکہ
ان کے اپنے پاس تو رات موجود ہے۔ فَبَيْنَا حُكْمُ اللّٰهِ جس میں
اللہ تعالیٰ کے احکام موجود ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اگر حق کا فیصلہ مطلوب ہو
قرآن کے پاس تو رات موجود ہے اس کے احکام کے مطابق فیصلہ خود کر
سکتے ہیں مگر چونکہ یہ جیلے بہانے سے احکام الہی سے گریز کرتے ہیں لہذا
آپ کے پاس آتے ہیں کہ شاید آپ ان کی مرضی کے مطابق فیصلہ کر دیں
مگر آپ کے لیے حکم ہی ہے کہ آپ حق و انصاف کے دامن کو مضبوطی

سے تھے رہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ وہی لوگ ہیں جو انصاف پر قائم رہتے ہیں۔

فرمایا تورات میں واضح احکام کی موجودگی کے باوجود يَتَوَلَّوْنَ مِنْكُمْ اَلْبَدَ ذٰلِكَ یہ لوگ ان احکام کو ٹال جاتے ہیں، اُن سے روگردانی کرتے ہیں۔ تورات میں خود قرین کی ہے، اور اسب اپنی پسند کے فیصلے کے لیے دوسروں کا سہارا ڈھونڈتے ہیں۔ چونکہ زنا کا کس حضور علیہ السلام کی عدالت میں پیش ہو چکا تھا لہذا آپ نے تورات اور قرآن پاک کے حکم کے مطابق مرد و زن کے لیے سزائے موت کا حکم دیا صحیح احادیث میں موجود ہے کہ فیصلہ سنانے کے بعد حضور علیہ السلام نے فرمایا اَکْهَدُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے میری وجہ سے اُس حکم کو زندہ کر دیا جسے یہودیوں نے چھپا رکھا تھا۔ فرمایا وَمَا اَوْلٰیکَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ان لوگوں میں ایمان کی کوئی رفق باقی نہیں۔ اگر ان میں کچھ بھی خوفِ خدا ہوتا تو خدا کی کتاب پر ایمان لاتے۔ اُس کے احکام کو دوبارہ زندگی بخشنے اور دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے، مگر یہ باطل پرست فرقہ کفر و شرک اور معاصی میں غرق ہو چکا ہے۔

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا
الْمُبِيتُونَ الَّذِينَ اسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّيْنُونَ
وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا
عَلَيْهِ شُهَدَاءَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْا اللَّهَ وَلَا
تَشْتَرُوا بِآيَتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ
بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: بیشک ہم نے انہی ہے تورات جس میں ہدایت
اور روشنی ہے فیصلہ کرتے تھے اس کے ساتھ اللہ کے نبی جو
فرمانبردار تھے۔ (وہ اُن لوگوں کے لیے فیصلہ کرتے تھے جو یروسی
ہوئے۔ اور اسی کے مطابق فیصلہ کرتے تھے درویش لوگ اور عالم
لوگ اس وجہ سے کہ اُن کو نجان بنایا گیا تھا اللہ کی کتاب پر اور
وہ اس پر گواہ تھے۔ پس نہ ڈرو تم لوگوں سے اور ڈرو مجھ سے
اور نہ خریدو میری آیتوں کے بے قیمت تھوڑے۔ اور جو فیصلہ نہ کریں
اس کے مطابق جو اللہ نے نازل کیا ہے پس یہی لوگ ہیں کافر ﴿۴۴﴾

ربط آیت

گذشتہ درس میں اہل کتاب کی مذمت کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے
حضرت علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ لوگ آپ کے ساتھ کیسے متفق ہو
سکتے ہیں حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے
اگر یہ تورات میں مذکور حکم الہی کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تو ظاہر ہے

کہ یہ بددیانت ہیں۔ اور آپ کے پاس اپنا مقدمہ اس لیے لائے ہیں کہ یہ اپنا مفاد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ معاملہ زنا کا تھا جس کی منہ امت ہزاروں تغیرات کے بعد بھی تورات میں موجود ہے۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ اگر آپ کا فیصلہ ان کی مرضی کے مطابق ہوگا تو ان لیں گے، ورنہ نہیں۔ بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ آپ کے پاس آئیں تو آپ ان کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کریں چنانچہ حضور علیہ السلام نے انہی کے علاوہ سے تورات میں مذکور سزائے موت کو ثابت کیا اور پھر اس حکم کے مطابق زانی مرد زن کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ پھر حضور نے اللہ کا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ اللہ نے میری وجہ سے تورات کے اس حکم کو زندہ کر دیا جسے یہودی لوگ چھپا رہے تھے۔ اب آج کی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نازل کردہ کتب تورات کی حیثیت کو واضح کیا ہے۔ اس کے مناقب بیان کیے ہیں اور لوگوں کو اس کے مطابق فیصلہ کرنے کی ہدایت فرمائی ہے اس کے بعد انجیل اور آخر میں قرآن پاک کے متعلق بیان آئیگا۔

نزول تورات

یہاں تورات کے متعلق ارشاد ہے۔ اِنَّا اَنْزَلْنَاكَ التَّوْرَةَ
 ہم نے تورات کو نازل فرمایا۔ تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی
 اور اس کا ذکر سورۃ اعراف میں یوں ہے۔ وَكُتِبْنَا لَهُ فِي الْاَنْوَاجِ
 مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّا وَضَعَتْهُ قُوْلُفُصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ
 ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تختیوں پر لکھی کھائی کتاب عطا کی جس میں ہر قسم کی نصیحت
 اور قوانین موجود ہیں۔ اللہ کی نازل کردہ یہ کتاب زمانے کے دست برد سے
 محفوظ نہ رہ سکی اور نزولِ قرآن کے زمانہ تک اس میں بہت سا تغیر و تبدل ہو
 چکا تھا، تاہم اس میں بعض اصل باتیں بھی موجود تھیں۔ مولانا عبید اللہ سندھی فرماتے
 ہیں کہ موجودہ تورات کی مثال بعض کتب احادیث کی طرح ہے کہ جس میں صحیح روایات
 بھی ہیں اور غلط بھی۔ ہر دور میں تورات، تحریف کا شکار ہو رہی ہے۔ گزشتہ
 درس میں گزر چکا ہے ”فَيَحْزَنُ قَوْمٌ اَلْكَلِمَةَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ“

یہودی خود تورات کے احکام کو اپنے موقع محل سے بدل دیتے تھے۔ یہ بڑے بددیانت لوگ تھے تاہم فی الجملہ تورات میں آج بھی بعض صحیح باتیں موجود ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے مطابق ہیں۔ البتہ صحیح اور غلط کا امتیاز صاحب علم لوگ ہی کر سکتے ہیں، یہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے چنانچہ شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ تورات کا مطالعہ ہمارے خاندان کے نصاب تعلیم کا حصہ ہے، چونکہ یہود و نصاریٰ سے اکثر واسطہ رہتا ہے لہذا ہم نے تورات کو بھی اپنی تعلیم کا حصہ بنا رکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہمارے سلسلہ ولی اللہی کے اکثر بزرگ تورات کا مطالعہ کہہ کے لوگوں کی — راہنمائی کرتے رہے ہیں۔ یہ صاحب علم ہی بنا سکتا ہے۔ کہ موجود تورات کی کون سی آیت قرآن و سنت کے مطابق ہے اور کون سی اس کے خلاف ہے۔ اس وقت تورات میں بعض ایسی بخش باتیں ہیں جو اللہ کے نبیوں سے منسوب کی گئی ہیں مگر اللہ کا کوئی نبی بھی ایسی بات نہیں کر سکتا، بلکہ ان کا دھڑا بھی سوء ادب ہے۔ ایسی چیزیں کتاب الہی کی تحریر کا زندہ ثبوت ہیں۔ مشرکین نے بھی یہودیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ملت ابراہیمی میں گناہ پیدا کر دیا تھا۔ انہوں نے دین ابراہیمی کو ایسا خراب کیا کہ سیت اللہ شریف کا طواف بالکل برہنگی کی حالت میں ہونے لگا، مرد اور عورتیں سب ننگا طواف کرتے تھے اور پھر فتنہ کی بات یہ ہے کہ اُسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے، یا خدا کی طرف نسبت کرتے تھے کہ اللہ نے ایسا ہی حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید سورۃ اعراف میں فرمائی ہے۔ "قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَا وَ الطَّوْغُوتِ عَلٰی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ" اے پیغمبر! صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہ دیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ کبھی بے حیائی کی بات کا حکم نہیں دیتا۔ اُس کے احکام تو صحیح اور حکیمانہ ہوتے ہیں۔ اللہ اس کا رسول ایسی بات نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے تورات کو نازل فرمایا مگر بعد میں خود اس کے نفل تورات

ما۔ نے والوں نے تہمیدیاں پیدا کر دیں، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل جب
فرعون کی غلامی سے آزاد ہو گئے تو انہوں نے خود قانونِ الٰہی کا مطالبہ کیا کہنے
لگے کہ ہم صہبوں سے فرعون کی غلامی میں جکڑے ہوئے تھے اور ہم اس کا قانون
مانند پر مجبور تھے۔ اب جبکہ ہم آزاد ہو چکے ہیں۔ ہمارا اپنا کوئی قانون ہونا چاہیے
جسکی روشنی میں ہم اپنی زندگی بسر کریں۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی اس
خواہش کا اظہار اللہ تعالیٰ سے کیا تو اللہ نے فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام! آپ
کو وہ طور پسایک ماہ کا اعتکاف کریں جس کے بعد ہم آپ کو کتاب دیں گے،
چنانچہ آپ کو وہ طور پر تشریف لے گئے۔ اعتکاف کی مدت ایک ماہ سے
بڑھ کر چالیس دن ہو گئی، ہم اس تکمیل پر اللہ تعالیٰ نے تختیوں پر کچھی لکھا لی توریت حضرت موسیٰ علیہ السلام
پر نازل فرمائی، اگر جب قانون کی یہ کتاب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم پر پیش کی تو وہ ایسی صحیح کرنے لگے
کہنے لگے اے موسیٰ علیہ السلام اس کتاب کے احکام بڑے سخت ہیں۔ لہذا
سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ہم نے احکام سن لیے مگر ان پر عمل کرنے سے
قاصر ہیں لہذا ہم ان کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ نے حکم دیا خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ
بِقُوَّةٍ جو کچھ ہم نے دیا ہے۔ اس کو مضبوطی سے پکڑو وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ
اور اس کو خوب یاد کرو اور اس پر عمل کرو مگر اس قوم نے جیلے بانوں سے
تورات کے احکام ماننے سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ اس میں طرح طرح
کی تحریف کرنے لگے، جو آج تک جاری ہے۔ اور اس کتاب کا بیشتر حصہ
تغیر و تبدل کا شکار ہو چکا ہے۔

تورات کا لفظی معنی قانون (LAW) ہے۔ یہ عبرانی یا سریانی زبان کا لفظ ہے۔ اسی طرح انجیل کے معنی بشارت کے ہیں کیونکہ اس میں ہی نگران علیہ السلام کے متعلق بشارت دی گئی ہے۔ تیسری آسانی کتاب زبور ہے جس کا معنی صحیفہ ہے۔ "وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا" اس کتاب میں اللہ کی حمد ثنا اور اخلاقی باتیں زیادہ ہیں اور قوانین و احکام کم تعداد میں ہیں۔

آسمانی کتب
کے لفظی معنی

اللہ تعالیٰ کی چوتھی اور آخری کتاب قرآن پاک ہے۔ جس کا مفی معنی پرمی جانے والی کتاب ہے۔ اصل میں قرآن کا معنی جمع کرنا ہے۔ پڑھنے میں چونکہ حروف جمع کیے جاتے ہیں، اس لیے اسے قرآن یعنی پرمی جانے والی کتاب کہا جاتا ہے۔ قرآن پاک کے متعلق انسائیکلو پیڈیا آف بریٹانیکا والے لکھے ہیں

ENCYCLOPAEDIA OF BRITANNICA: IT IS THE MOST WIDELY READ BOOK IN THE WORLD.

یعنی قرآن پاک دنیا میں سب سے زیادہ پرمی جانے والی کتاب ہے۔

ہدایت
اور نور

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب تورات کو نازل کیا فِيهَا هُدًى وَنُورٌ اس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ سورۃ نساء میں موجود ہے وَكَانَ لَنَا إِلَيْنكُمْ نُورٌ مُبِينٌ ہم نے تمہاری طرف کھلا نور نازل فرمایا اس نور سے مراد چراغ یا لمب کی روشنی نہیں ہے بلکہ اس سے قلبی بصیرت مراد ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا هَذَا بَصَائِرُ لکھنا قرآن پاک کی آیات لوگوں کے لیے بصیرت ہیں جو کوئی ان کو پڑھے گا، ایمان لاے گا، اس کا دل روشن ہو جائے گا اور وہ حق و باطل میں امتیاز کرنے کا اہل ہو سکے گا۔ اس روشنی کی وجہ سے وہ حلال و حرام اور جائز و ناجائز میں تمیز کر سکے گا۔ بہر حال نور سے مراد قلبی روشنی ہے اور ہدایت سے وہ قوانین اور ضابطے مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ ہم نے تمہاری طرف تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور نور ہے۔

قرآن پاک میں بینات کا ذکر بھی آتا ہے مَا آتَيْنَا مِنْ البینات والہدٰی جو کچھ ہم نے بینات اور ہدایت میں سے آتا ہے مفسر قرآن مولانا عبید اللہ سندھی ہمارے زمانے میں قرآن پاک کا گہرا درک رکھنے والے بزرگ ہونے میں۔ آپ بہت بڑے عالم اور تجربہ کار تھے۔ مدہ فرماتے ہیں کہ بینات سے مراد وہ کھلی کھلی اور عام فہم باتیں ہیں جنہیں ہر شخص

آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ اس میں توحید، ذکر، فکر، صبر اور نماز وغیرہ آتے ہیں۔ اور ہدایت سے مراد وہ باریک باتیں ہیں جو اس کی تعلیم و تشریح کے ساتھ ہی سمجھیں آسکتی ہیں۔ الغرض فرمایا کہ تورات میں ہدایت اور روشنی ہے۔

يَخْلُكُم بِهَا الَّذِينَ اسْلَمُوا الشَّرَّكَ بَنِي اس
 تورات کی روشنی میں فیصلے کرتے تھے اور وہ سائے انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار تھے۔ بنی اسرائیل میں اللہ نے ہزاروں انبیاء مبعوث فرمائے جن کو حکم دیا جاتا رہا کہ اس تورات کے احکام کی نشر و اشاعت کرو۔ اسلام کے لفظ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ کے سائے بنی اسلام والے لوگ تھے نہ کہ یہودیت یا نصرانیت والے۔ تمام انبیاء کا دین تو اصل ایک ہی رہا ہے اور وہ سائے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہی کی دعوت دیتے رہے البتہ ان میں ننان دسکان کی حسبے بعض فرقوں میں اختلاف پایا جاتا تھا۔ مگر بنیادی طور پر دین ایک ہی تھا۔

تو فرمایا اللہ کے بنی اسی تورات کے مطابق فیصلے کرتے تھے لِلَّذِينَ هَادُوا اَنْ لُّوگوں کے لیے جو یہودی ہوئے۔ چونکہ تورات بنی اسرائیل کے لیے ہی نازل ہوئی تھی اس لیے اللہ کے بنی یہ قانون اس قوم پر نافذ کرتے رہے اور پھر یہ ہے کہ انبیاء کے علاوہ وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ رَبَّ دالے یعنی درویش لوگ بھی اسی تورات کے مطابق فیصلے کرتے رہے۔ رِجَّت کا تذکرہ پہلے بھی ہو چکا ہے۔ اللہ کی مخلوق میں ہزاروں لاکھوں درویش گنوتے ہیں جو اسی کتاب کے مطابق فیصلے کرتے رہے۔ وَالْاَحْبَابُ دالے عالم لوگ یعنی تورات کو جاننے اور سمجھنے والے لوگ بھی تورات کے احکام پر عمل کرتے اور کرتے رہے۔ احبار جبر یا جبر کی جمع ہے اور اس سے وہ علماء مراد ہیں جو تورات کے حاملین تھے۔ وہ بھی لوگوں کے فیصلے تورات کے مطابق کرتے تھے۔ يَمَّا اسْتَفْطَا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شٰهَدًا اسلے کو ان لوگوں کو تورات کا

وراثت بطور
 حکم

محافظ اور تحریک بنایا تھا۔ اور وہ اس پر گواہ تھے یا کچھ ذرا ایسی جگہ کہ لوگوں کو تورات کی طرف دعوت دیں اور اس کے احکام پر عمل کر لیں۔ قرآن پاک اور تاریخ سے یہ بات ثابت ہے۔ کہ اہل کتاب کے علماء و مشائخ میں یقیناً تورات کے عامل موجود تھے۔ جنہوں نے تورات کو سینوں سے لگا رکھا تھا، مگر بعد میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے جن کے متعلق قرآن پاک نے بتایا: **إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُفُّونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ** بہت سے عالم اور درویش ایسے ہیں جو لوگوں کا مال ناحق طریقے سے کھاتے ہیں اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ ان لوگوں نے تورات پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور اس کی بجائے غیر اللہ کی نیازیں کھانا شروع کر دیں۔ اور تعویذ، گنڈوں اور جادو کے ذریعے لوگوں کا مال مٹا کر ناشروع کر دیا۔

اشاعت میں
میں رکاوٹ

لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنے کی مختلف صورتیں ہیں کبھی اصل احکام میں تحریف کر کے اور ان کو غلط معانی پہنا کر صحیح بات پر عمل کرنے سے روک دیا جاتا ہے۔ اور کبھی احکام الہی کا سرسجھا انکار کر کے اس پر عمل درآمد کے راستے میں رکاوٹ ڈالی جاتی ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ احکام الہی کے مکلف لوگ اپنی بے عملی کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو دین سے بظن کھینے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اللہ کی آخری کتاب قرآن اگرچہ تحریف سے پاک ہے اور دین اسلام محفوظ ہے۔ مگر مسلمان اپنی بے عملی کی وجہ سے دوسروں کے لیے کوئی اچھا نمونہ پیش نہیں کرتے جس کی وجہ سے غیر مسلم اسلام کے قریب آنے پر آمادہ نہیں ہوتے، دنیا کے پڑھے لکھے لوگ، ماہرین قانون، دانشور، انجینیئر، ڈاکٹر وغیرہ جب مسلمانوں کے عمل کی طرف دیکھتے ہیں تو اسلام سے بظن ہو جاتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو اسلام کا عملی نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں مگر جب انہیں اسلامی اصولوں کا عملی نمونہ میسر نہیں آتا تو وہ اسلام کی طرف رغب

نہیں ہوتے، اس طرح گویا ہم خود لوگوں کو اسلام سے دُور کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ اور یہی چیز دین کے راستے میں دکاوٹ ہے۔

یہاں ایک بات اور توجہ طلب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے علماء و مشائخ کو تورات کا محافظ اور نگران بنایا مگر وہ کتاب الہی کی حفاظت کی ذمہ داری پوری نہ کر سکے جس کی وجہ سے تورات میں اس قدر تحریف ہو چکی ہے کہ ایک عموماً آدمی کے لیے اصل اور نقل میں امتیاز ممکن نہیں رہا۔ برخلاف اس کے قرآن پاک کی حفاظت کا ذمہ خود خدا تعالیٰ نے لیا اِنَّا خَوْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَلَمَّا نَا لَكَ لِحِفْظُكَ، بیشک اس ذکر (قرآن پاک) کو ہم نے ہی نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ چنانچہ گزشتہ چودہ صدیوں کی تاریخ شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام میں سرِ مو بھی تبدیلی نہیں آئی۔ البتہ مسلمانوں کی بد قسمتی یہ ہے کہ یہ اس کتاب پر عمل پیرا نہیں رہ سکے بلکہ اس سے مسلسل اعراض برت رہے ہیں اہل اسلام کے پاس اللہ کا ایک قانون موجود ہے جو دنیا میں دیگر کسی قوم کے پاس نہیں۔ اس کے باوجود بے عملی کی وجہ سے یہ دنیا جہنم اور قید خانہ بنی ہوئی ہے جبرائیل کی بھر مار ہے۔ کفر و شرک کی کوئی انتہا نہیں رہی اگر اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمان اس کتاب پر عمل کر کے دنیا کی کاپی اپٹ سکتے ہیں، تو آج مسلمان اپنا کھویا ہوا دقار بحال کیوں نہیں کر سکتے۔

آج مسلمان پوری دنیا میں سیاسی اقتدار سے محروم ہیں بعض اسلامی ممالکوں کے پاس سرمایہ کی کمی نہیں، تمام وسائل بھی موجود ہیں مگر وہ خدا کی کتاب پر عمل کرنے سے گریزاں ہیں کہیں شخصی حکومت ہو یا جمہوریت، سرمایہ دارانہ نظام ہو یا اشتراکی، سب نے قرآن پاک کی تعلیمات کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔ اسلامی نظام حکومت اپنانے کے لیے کوئی بھی تیار نہیں، یہودیوں کی بیماری مسلمانوں میں بھی پیدا ہو گئی ہے۔ یعنی جو حکم اپنی مرضی کے مطابق ہے

سکتا البتہ
سے اعراض

اُسے قبول کر لو اور جوابی خواہش کے خلاف ہے اُسے چھوڑ دو۔ آج جہاں
نے قرآن و سنت کو اپنی مرضی کے تابع کر لیا ہے، ان حالات میں دنیا حقیقی
تنقی کی منازل کیسے طے کر سکتی ہے، یہ اہل کتاب و الانفاق ہے جس میں مکان
بھی جتلا ہو چکے ہیں۔ جب تک اس خطا رضی پر انگریز حکومت کرتا رہا اُس وقت
تک ایک بہانہ موجود تھا مگر اب قرآن و سنت کا نظام اپنانے میں کوئی اہم مانع
ہے، ابھی تک دو سو سال پہلے انگریز کا بنایا بنواعد اللہی نظام رائج ہے، ہم ابھی
تک اُسے نہیں بدل سکے۔ اہل بات یہ ہے کہ کتاب اللہ کی بالادستی کا جذبہ
ہی ختم ہو کر رہ گیا ہے، ہم ابھی تک خود ساختہ قوانین کے غلام بنے بیٹھے
ہیں۔ اس معاملہ میں نہ کوئی انفرادی کوشش ہو رہی ہے اور نہ اجتماعی، نہ کوئی
حکومت اس طرف توجہ دیتی ہے نہ کوئی سیاسی پارٹی، ہر ایک کو اپنا ذاتی
مضاد عزیز ہے، اعلیٰ کلمۃ الحق کا جذبہ مفقود ہو چکا ہے۔ یہ سب کچھ کتاب
سے اعراض کا نتیجہ ہے۔

غیر
خوف

فرمایا کتاب اللہ پر عمل کرنے کے خلاف کسی کو خاطر میں نہ لاؤ فَلَاحُ
تَحْشَوْا النَّاسَ اس معاملے میں لوگوں سے مت ڈرو کہ اگر کتاب اللہ
پر عمل شروع کر دیا تو وہ کیا کہیں گے۔ کسی فرد یا جماعت کی پروا نہ کرو، کسی
بڑی سے بڑی حکومت کو خاطر میں نہ لاؤ کہ اسلامی نظام اپنانے سے وہ کیا
کہیں گے۔ فرمایا باطل پرست لوگوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لو وَخَشَوْنَ
اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔ کہ کہیں میرے احکام کی خلاف ورزی نہ ہو جائے
اگر تم دنیا کی شیر طاقتوں اور نام نہاد مذہب قوموں کی طرف دیکھتے ہو
تو تم اسلامی معاشرہ قائم کر سکو گے اور نہ دنیا کو امن و چین نصیب ہوگا۔
ایسی صورت میں تم اغیار کے غلام بن کر رہ جاؤ گے۔ نہ تمہارا ذہن اپنا ہوگا
اور نہ سیاست۔ حضور علیہ السلام کے صحابہ کرامؓ تو چھوٹی سے چھوٹی سنت پر
عمل کرنے میں حجاب محسوس نہیں کرتے تھے، مگر آج ہمارے اخلاق کا دیوالیہ

ہی نکل چکا ہے، ہم خدا تعالیٰ کی بھلے غیر اللہ سے خوفزدہ ہیں۔ حضرت
 حذیفہؓ کا واقعہ حدیث میں آیا ہے کہ کھانا کھاتے وقت ایک لقمہ ہاتھ سے
 گر پڑا۔ آپ نے اُسے فوراً اٹھایا اور صاف کر کے کھا لیا۔ کسی نے کہا کہ یہاں کے
 لوگ آپ سے محسوب سمجھتے ہیں، حضرت حذیفہؓ نے عجیب جواب دیا۔ کہنے
 لگے اِنَّكَ سُنَّةٌ حَبِيبِي مُحَمَّدٍ يَقُولُ هَلْ لَكَ مِنَ الْمَنَافَةِ
 کیا میں ان یہود و نصاریٰ کے کہنے پر اپنے پیارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت
 کو ترک کر دوں۔ آج یہ جذبہ غم ہو چکا ہے، ہم نے ہر کام کے لیے بغیر
 کی طرف دیکھنا شروع کر دیا ہے جس کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔

مسئلہ پر
 ہم اعتقاد

فرمایا مجھ سے ڈرو وَلَا تَشْكُرُوا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَلِيلًا
 اور نہ ضرر ہو میری آیتوں کے بسے دنیا کا حقیر سامان یعنی غلوڑی قیمت بمقدار
 کے غلط فیصلے، رشوت لے کر غلط فتویٰ دینا۔ حکم کو تبدیل کر کے لوگوں کی
 مرضی کے مطابق ڈھالنا یہ سب کچھ چند ٹکوں کے لیے کیا جاتا ہے۔ اسی
 لیے اللہ نے فرمایا۔ دنیا کے حقیر مال کے بسے میری آیتوں کو نہ بیچ ڈالو، یہ
 بالآخر ختم ہونے والی ہے اور پھر تمہیں اپنے کیے پر سخت ندامت ہوگی۔
 یاد رکھو اللہ کے احکام کی خلاف ورزی نہ کرو کیونکہ وَمَنْ كَفَرَ
 بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ جِسْمًا أَنزَلَ اللَّهُ جس نے اللہ کے نازل کردہ احکام کے
 مطابق فیصلہ نہیں کیا فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ پس یہی لوگ
 کافر ہیں۔ اہم محمدؐ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ
 جس نے خدا کے نازل کردہ احکام پر دل سے یقین نہ کیا تو وہ صریح کافر
 ہے۔ اور اعتقاد ہے مگر اس پر عمل نہیں تو اس کا حکم اگلی آیتوں میں آ رہا
 ہے۔ ایسے لوگوں کو ظالم اور فاسق کہا گیا ہے۔ یہود کا حال یہ تھا کہ کتاب اللہ
 پر ان کا اعتقاد رہی اٹھ چکا تھا، وہ اللہ کے احکام کو اپنی خواہش کے
 مطابق چلانے لگے تھے۔ قرآن پاک کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔ جو

اللہ کی کتاب اور اس کے احکام پر مکمل اعتقاد نہ رکھے، انہیں غیر ضروری
تصور کرے وہ قطعی کافر ہے۔ برطانیہ، فرانس، امریکہ اور روس کے نظام
کو برتر سمجھنے والا صریح کافر ہے۔

لَا يَحِبُّ اللَّهُ
رَسِيْبَتَ شَيْءٍ

الْمَالَةِ
آیت ۴۵ تا ۴۷

وَكُنَّا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنْ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ
بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ
بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ
فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ
اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٤٥﴾ وَقَفَّيْنَا عَلَى
آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ
يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ فِيهِ
هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ
التَّوْرَةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٤٦﴾
وَلِيَحْكُمَ هَدَّ الْإِنْجِيلَ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ
فِيهِ وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ
هُمُ السَّاقُونَ ﴿٤٧﴾

ترجمہ: اور ہم نے بکھ دیا تھا ان (بنی اسرائیل) پر اس
تورات میں کہ بیشک جان کے بستے جان کو قتل کیا جائے گا اور
آنکھ کے بستے آنکھ اور ناک کے بستے ناک اور کان کے بستے کان
اور دانت کے بستے دانت اور زخموں کو قصاص ہے پس جس شخص نے
معاف کر دیا پس وہ اس کے لیے کفارہ ہو گا اور جس نے محکم نہ

کیا اُس چیز کے ساتھ جس کو اللہ نے نازل کیا ہے۔ پس یہی لوگ خالد
 ہیں (۴۵) اور پہلے انبیاء کے پیچھے ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا جو تصدیق
 کرنے آئے تھے اُس چیز کی جو اُن سے پہلے تھی تو رات اور
 ہم نے اُن کو انجیل دی، اس میں ہدایت اور روشنی تھی اور وہ
 تصدیق کرنے والی تھی اُس کی جو اس سے پہلے تھی تو رات اور
 ہدایت اور نصیحت تھی متقیہ کے لیے (۴۶) اور چاہیے کہ فیصلہ کریں
 انجیل ملے بھی اُس کے مطابق جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اس میں
 اور جو کوئی اللہ کی نازل کردہ چیز کے مطابق فیصلہ نہیں کر لیا پس یہی لوگ ہیں فزول (۴۷)

بجایات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ہم نے تو رات کو موسیٰ علیہ السلام پر
 نازل فرمایا، اس میں ہدایت اور روشنی ہے اللہ کے نبی اس کے مطابق فیصلہ کہتے
 تھے مگر اس میں بنی اسرائیل نے گڑبڑ پیدا کر دی وہ تو رات پر عمل نہیں کرتے تھے
 بلکہ اس میں انہوں نے لفظی اور معنوی اور دو طرح سے تحریف کر دی۔ الفاظ کو بھی
 تبدیل کر دیا اور معانی بھی الٹ پٹ کر دیے مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو لوگ اللہ کی
 نازل کردہ تو رات کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے، وہ کافر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف
 سے نازل کردہ احکام شریعت پر عدم اعتقاد اور اس کی تصدیق کفر کے مترادف ہے۔
 اور اگر کوئی شخص کتاب اللہ کی تصدیق کرنے کے بعد اُس پر عمل نہیں کرتا، تو وہ کفرانِ
 نعمت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی یہی غرابی بیان فرمائی۔ اسی تسلسل میں اللہ نے
 حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا مِّنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ اَتَىٰ جِبۡ
 یعنی لوگوں کو ظلم سے بچانے اور قتل ناحق کر کے مارنے کے لیے اللہ نے بنی اسرائیل کو یہ
 تعلیم دی تھی کہ جو کوئی کسی کو ناحق قتل کرے گا یا کسی ایسے شخص کو قتل کرے گا جو زمین میں فساد
 مانتا نہیں ہوا۔ تو ایسا کرنا پوری نسل انسانی کو قتل کرنے کے برابر ہے۔ اور جو کوئی کسی
 ایک جان کی حفاظت کرتا ہے، وہ گویا پوری نسل انسانی کی حفاظت کرتا ہے۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی طرف سے نقصانِ عہد کا ذکر کیا تھا۔ یہود اور نصاریٰ دونوں گمراہ اللہ کے ساتھ کیے گئے عہد و پیمان کو توڑنے کے مرتکب ہوئے تھے۔ اسی عہد شکنی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا: وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَآيَةٍ مِّنْهُمْ ۚ كَرَّ آبُ أَنْ كِي خِيَانَتٍ ۚ بِرَبِّكَ مَطْلَعٌ ۚ ہوتے رہیں گے۔ چنانچہ زنا کا جو واقعہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا گیا اُس میں تورات کے احکام کو چھپا کر یہودیوں نے مذہبی خیانت کا ارتکاب کیا۔ مگر اللہ نے اُس کو ظاہر کر دیا۔ دوسرا معاملہ یہودیوں کے دو قبیلوں بنو قریظہ اور بنو نضیر کے درمیان قصاص کا تھا۔ ان میں سے بنو نضیر اپنے آپ کو بنو قریظہ پر فوقیت دیتے تھے اگر بنو قریظہ کا کوئی آدمی بنو نضیر کے کسی شخص سے قتل ہو جاتا تو اس کا قصاص نہیں دلاتے تھے کیونکہ وہ بنو قریظہ کو حقیر سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ ایک معمولی آدمی کے بدلے معزز شخص کی جان نہیں لی جاسکتی۔ اللہ تعالیٰ نے تورات میں قانونِ قصاص سب کے لیے مساوی درجے کا نازل فرمایا تھا، اس میں چھوٹے بڑے، امیر غریب، اعلیٰ و ادنیٰ کی کوئی تفریق نہ تھی مگر انہوں نے مختلف خاندانوں کے درمیان تفریق پیدا کر کے اپنی خیانت کا ایک اور ثبوت فراہم کر دیا تھا۔

اللہ نے فرمایا کہ تمہارے تو قصاص کا واضح قانون دیا تھا و کتبنا علیہم فیہا ہم نے اُن پر اس قرآن میں لکھ دیا تھا اَنْتَ الْمَفْسُ بِالْأَنْفُسِ کہ بیشک جان کے بدلے جان ہے۔ اس میں کسی چھوٹے بڑے کا امتیاز نہیں۔ قاتل کو مقتول کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ یہ قانون تو اللہ نے بنی اسرائیل کے لیے تورات میں بیان فرمایا، تاہم شریعت محمدیہ میں بھی یہی قانون نافذ ہے۔ کہ کسی مسلمان کے قتلِ عمد میں قاتل کو بھی قتل کیا جائے گا حضرت اہم البصیفہ کے فتویٰ کے مطابق ذمی آدمی کا مال و جان اور عزت و آبرو بھی

قانون
قصاص

اُسی طرح محفوظ ہے جس طرح ایک مسلمان کا ذمی کے بدلے میں مسلمان کو بھی قتل کیا جائیگا۔ بشرطیکہ ذمی کا قتل قتلِ عمد ہو۔ اگر قتلِ عمد نہیں بلکہ قتلِ خطا ہے یا قتلِ شبہ عمد ہے تو اس صورت میں قصاص کی بجائے دیت ادا کرنا ہوگی۔ جیسا کہ گذشتہ سہدہ میں بیان ہو چکا ہے، قتلِ خطا یہ ہے کہ ارادہ کسی مالور وغیرہ کو مارنے کا تھا مگر غلطی سے کوئی انسان زد میں آکر قتل ہو گیا۔ اور قتلِ شبہ عمد کی تعریف یہ ہے کہ موت کسی لیے آکر سے واقع ہوئی ہو جو مام طہہ پر قتل کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔ غرضیکہ فقہ حنفی میں ذمی کا قتل بھی مسلمان کے قتل کے برابر ہے۔ تاہم بعض دیگر ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ ذمی اگرچہ مسلمانوں کی رعایا ہے مگر وہ کافر تو بہر حال ہے اور اس کے متعلق حضور علیہ السلام کا فرمان ہے لَا يُقْتَلُ مُشْرِكٌ بِسَکَّافٍ یعنی کافر کے بدلے مومن کو قتل نہیں کیا جائیگا، لہذا ذمی کافر کے قصاص میں مومن کی جان نہیں لی جاسکتی ہے۔ مگر اہم صاحب فرماتے ہیں کہ یہ حکم ذمی کافر کے لیے نہیں بلکہ یہ عربی کافر کے لیے ہے، پھر اس غیر مسلم شہری پر یہ حکم عاید نہیں ہوتا۔ اہم صاحب کا قول عقلی طور پر بھی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس سے انسانیت کا احترام ظاہر ہوتا ہے اور یہ ایک ایسا اصول ہے جو غیر مسلموں کو اسلام کے قریب آنے میں مدد دیتا ہے۔

اعضاء کا
قصاص

جان کے بدلے جان کے بعد مختلف اعضا تلفی کے متعلق فرمایا
وَالْعَيْنَيْنِ بِالْعَيْنَيْنِ آنکھ کے بدلے میں آنکھ ہے یعنی اگر کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کی آنکھ پھوڑتا ہے تو قصاص میں اُمکی آنکھ بھی پھوڑی جائیگی
وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ اگر کسی کا ناک کاٹا ہے تو اس کے بدلے میں اس کا ناک کو کاٹا جائیگا۔ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ اگر کسی کا کان ضائع ہوا ہے۔ تو اسے بھی کان کاٹنے کی اجازت ہے۔ وَالْيَدَ بِالْيَدِ اور دانت کا قصاص دانت ہی ہے۔ اگر دانت ضائع ہوا ہے تو ضرب لگانے والے

کا دانت بھی اکھاڑ جائیگا۔ وَالْجُرُوحُ قِصَاصٌ اور تمام زخموں میں قصاص ہے جب قہم کا زخم کسی کو لگایا گیا ہے، اسی قہم کا زخم بدلے میں لگایا جائیگا۔ غرضیکہ قصاص کا قانون ایک ایسا قانون ہے جو فانی الارض کرنے والے کو مجبور کرتا کہ وہ کسی کو نقصان پہنچانے سے پہلے اس کے نتائج پر اچھی طرح غور کرے

یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اعضاء اور زخموں کا قصاص اسی صورت میں جائز ہے۔ جب کہ وہ لگائے گئے زخم کے عین مطابق ہو اور اس میں کمی بیشی ممکن نہ ہو۔ مثال کے طور پر اگر ناک پھٹے حصے سے کٹی ہے جہاں پر بڑی نہیں تو قصاص میں ناک کا اتنا حصہ کاٹ دینا تو ممکن ہے، لیکن اگر اوپر والے حصے میں ناک کی ہڈی بھی توڑی گئی ہے تو قصاص میں اسی جگہ بعینہ اتنی ہڈی توڑنا ممکن نہیں کیونکہ ایسا کرنے میں بھڑکی بہت کمی بیشی ضرور واقع ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی شخص کی ٹانگ کی یا بازو کی ہڈی توڑی گئی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ بعینہ اسی جگہ سے اتنی ہی ہڈی قصاص میں توڑی جائے، تو ایسے حالات میں قصاص ممکن نہیں رہتا، لہذا ہر ایسے زخم کے بدلے میں قصاص کی بجائے دیت لازم آئیگی۔

فَرِيَا فَمَنْ قُتِلَ فَبِهِ فَهَوُ كَفَّارَةً لِّكَ جِرْكَوٰی كَا
گئے زخم کا صدقہ کرے یعنی جارج کو معاف کرے تو اس کا یہ فعل اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا۔ معافی کی صورت یہ ہے کہ زخم خوردہ نہ تو قصاص میں زخم لگانے والے کو زخم لگائے اور نہ اس سے دیت وصول کرے۔ تو یہ بہت بڑا کام ہے، اللہ اس سے اُس شخص کے سابعہ گناہوں کا کفارہ بنائے گا۔ اگر مضروب پوری دیت معاف کر دیتا ہے تو آخرت میں اُس کے سائے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اور نصف دیت معاف کر لے تو نصف گناہوں کی معافی کا حقدار ہو جائیگا۔ بہر حال یہ متیقنوں کا شیوہ ہے۔

زن
انی

معافی کا قانون یہ ہے۔ کہ قتل کی صورت میں مقتول کا ولی معاف کر سکتا ہے۔ اگر مقتول کے کئی وارث ہوں تو سب کی رائے لی جائیگی۔ البتہ اگر ان میں سے ایک وارث بھی قاتل کو معاف کرتا ہے تو اس سے قصاص مل جائے گا۔ البتہ دیت دینا پڑیگی۔ اور اگر مکمل معافی ہو جاتی ہے تو یہ مقتول کے گناہوں کا کفارہ بن جائیگا۔ زخم خوردگی کی صورت میں معافی کا اختیار خود منسوب کو حاصل ہوتا ہے۔ وہ چاہے تو قصاص یا دیت لے لے اور اگر وہ بالکل معاف ہی کر دیتا ہے تو یہ بہت بڑی بات ہے اور اس کے لیے آخرت میں نذرِ بھات ہے۔

آگے فرمایا کہ قصاص کا قانون تو یہ ہے۔ البتہ وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ جَوَکُؤِی اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا، فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ تو یہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں گزشتہ درس میں ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ کافر ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ کے احکام کی تصدیق ہی نہیں کی، اور جو شخص قانونِ الہی کو برحق تسلیم کرتے ہوئے اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا ہے وہ ظالم ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام
بطور مصدق

فرمایا کہ عیسائیوں کا حال بھی یہودیوں سے ملتا جلتا ہے۔ ان میں تعصب و عناد، ظلم و زیادتی اور سنگدلی اگرچہ یہودیوں سے قدرے کم ہے مگر خدا کی کتاب سے اعراض اور تاویل و تحریف کرنے میں عیسائی بھی یہودیوں سے کم نہیں۔ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا وَقَفِیْنَا عَلَىٰ آثَارِهِمْ لَبِیْسَىٰ ابْنِ مَرْکِیْمَ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو انبیاء کے نقشِ قدم پر بھیجا۔ آپ بنی اسرائیل کے سب سے آخری نبی ہیں، آپ کے بعد چھ سو سال تک دنیا میں کوئی نبی نہیں آیا اور سلسلہ نبوت کے آخری مرحلہ میں حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت ہوئی۔ آپ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں آیا۔ اسی لیے آپ کا ارشاد

ہے اَنَا اَوَّلُ بَعِثْنِي ابْنِ مَرْيَمَ یعنی میں عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ قریب ہوں۔ آپ کی کتاب کا نام انجیل ہے، جس کا سننے بشارت ہے کیونکہ اس میں ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی گئی ہے۔ جیسا کہ سورۃ صافات میں موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا، اگر میں تمہاری طرف رسول بن کے آیا ہوں، میں تمہارے پاس موجود کتابِ تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں "وَبَشِّرِ بِرَسُولٍ يَأْتِيهِ مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ" میں اپنے بعد آنے والے رسول کی بشارت دیتے والا ہوں جس کا نام احمد ہوگا۔ چنانچہ گذشتہ صدی تک مختلف اناجیل میں فارقیط کا لفظ موجود تھا جس کا عربی مقابل احمد ہے مگر یہ لفظ تحریف کی نذر ہو چکا ہے۔

میں بھی فرمایا کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو پہچان لیا مَصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ جو تصدیق کرنے والے تھے اس چیز کی جو ان کے پاس تھی یعنی تورات وَاسْتَيْنَدَ الْإِنْجِيلَ اور ہم نے ان کو انجیل عطا کی، تورات کی طرح انجیل بھی ایسی کتاب تھی فِيهِ هُدًى وَنُورٌ جس میں ہدایت اور روشنی تھی اس میں ایسے اصول و ضوابط تھے جن پر عمل پیرا ہونے سے انسان کی اصلاح ہوتی ہے اور تورات کی طرح انجیل کی روشنی سے بھی شکوک و شبہات دور ہوتے تھے اور ان کا ذہن بالکل صاف ہو جاتا تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے تعلق بھی فرمایا وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ تَوْحِيدًا مَبِينًا ہم نے تم پر وضع فرمایا، جہاں کہیں شبہ پڑے، قرآن پاک کی طرف رجوع کرو یہ تمہارے تمام مسائل حل کر دے گا۔ الْبَيِّنَاتُ قَدْ كُنَّ الْهَدًى وَالذِّكْرُ أَنْتُمْ كُمْ لَا تَعْلَمُونَ اگر تم خود مسائل کو افادہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے تو اہل علم لوگوں سے دریافت کر لو، وہ قرآن پاک سے استنباط

انجیل بطور
ہدایت
اور روشنی

کہہ کے بتائیں گے کہ فلاں فلاں مسئلہ فلاں فلاں آیت سے حل ہوتا ہے
 اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم کتاب اس لیے نازل فرمائی ہے "لِنُفِّسَ الْبَشَرَ
 مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ" تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں
 سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں، کفر، شرک، نفاق، بدعس، فسق و فہم
 یہ سب ظلمت ہے۔ آپ ان سے نکال کر طاعت، اخلاص، توحید اور
 نیکی کی روشنی کی طرف لائیں۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، روشنی سے یہ ظاہری روشنی مراد نہیں
 ہے بلکہ اس سے دل کی بصیرت مراد ہے۔ قرآن پر ایمان لا کر طے پڑھنے
 سے دل کی تاریکی دور ہوتی ہے، انسان اچھے برے، توحید، شرک، حلال
 حرام اور نیکی بدی میں امتیاز کرنے لگتا ہے، وحی الہی زندگی کے ہر موڑ پر انسان
 کے لیے روشنی کا کام دیتی ہے۔ معاملہ انفرادی ہو یا اجتماعی اسلند سیاسی
 ہو یا معاشی، دین کا ہو یا دنیا کا، تنازعہ جنگ کا ہو یا صلح کا۔ تمام مواقع پر
 کتاب الہی روشنی مہیا کرے گی۔ بشرطیکہ اس کو صدقِ دل سے تسلیم کر لیا
 جائے، جو شخص اس کی حقیقت کو تسلیم ہی نہ کرے وہ اس سے راہنمائی کیسے
 حاصل کر سکتا ہے۔ جو شخص دن میں آنکھیں بند کر کے بیٹھ جائے وہ روشنی
 سے کیسے استفادہ کر سکیگا اور جو مکان کا دروازہ بند کرے اُسے صبح کی
 روشنی اور گرمی کیسے حاصل ہوگی۔

بہر حال فرمایا کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عطا کی جو پہلی کتاب تورات
 کی تصدیق کرنے والی تھی۔ جس طرح ہر آسمانی کتاب اپنے سے پہلے آنے
 والی کتاب کی تصدیق کرتی رہی، اسی طرح ہر نبی اپنے سے پہلے انبیاء کی
 تصدیق کرتا رہا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا "وَلَا حِلَّ لَكُمْ
 بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ" میرے آنے کا ایک مقصد یہ بھی
 ہے کہ بعض ایسی چیزوں کو حلال قرار دے دوں جو پہلے بنی اسرائیل پر

حرام تھیں۔ یہ علت و حرمت بھی من جانب اللہ تھی۔ اُس نے اپنی حکمت کے مطابق جب چاہا کسی چیز کو حرام کر دیا اور جب چاہا حلال قرار دیدیا۔
فرمایا انجیل کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ جس طرح عیسیٰ علیہ السلام تورات کی تصدیق کرنے والے تھے اسی طرح انجیل بھی تورات کی تصدیق کرنے والی تھی وَهُدًى وَنُورًا لِّلْمُتَّقِينَ یہ کتاب متقیوں کے لیے ہدایت اور نصیحت تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ ہدایت اُسی کو مفید ہو سکتی ہے جو اس پر عمل پیرا ہو حضور علیہ السلام نے فرمایا جو شخص صراطِ مستقیم پر سفر کا آغاز کرتا ہے۔ اُس کو پہلے ہی دینِ غیب سے آواز آتی ہے کہ اللہ کے بندے! اس سیدھی سڑک پر چلتے جاؤ، اور دائیں بائیں نظر آنے والی جھگڑالیوں اور دروازوں کی طرف متوجہ نہ ہونا۔ فرمایا یہ نہ کہندہ اللہ کا قرآن ہے۔ جب کوئی شخص مسلمان ہوتا ہے تو یہ قرآن پاک اس کو صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ اور غلط راستوں پر پڑ کر گمراہ ہونے سے خبردار کرتا ہے۔ سیدھا راستہ تحفۃ القدس تک رہنمائی کرتا ہے جب کہ غلط راستہ جہنم تک لے جاتا ہے۔

عمل بالانجیل

فرمایا کہ بنی اسرائیل پر یہ فرض عاید ہوتا ہے وَلِيَحْكُمَ أَهْلُ الْإِنجِيلِ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فِيهِ اور چاہیے کہ فیصلہ کریں اہل انجیل اُس کے مطابق جو اللہ نے اُس میں نازل کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر عیسائی انجیل پر ٹھیک ٹھیک ایمان لے آئیں اور اس پر عمل کریں تو پھر انیس قرآن پاک اور حضور خاتم النبیین علیہ السلام کی تصدیق بھی کرنا پڑے گی اور وہ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ بگڑا ہوئی عیسائیت پر قائم رہنا محض جہالت ہے۔ یہ تعصب اور عناد کی وجہ اب تک ہو رہا ہے فَرَمَّا يَارَ كُفْرًا وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ جو

کوئی اللہ کی نازل کردہ چیز کے مطابق فیصلہ نہیں کریگا فَأُولَٰئِكَ
 هُمُ الْفٰسِقُونَ پس یہی لوگ نافرمان ہیں۔ اگر یہ لوگ کتاب اللہ
 کی دل سے تصدیق نہیں کرتے تو کامل درجے کے نافرمان اور دائرہ قلمت
 سے خارج ہیں۔ اور اگر تصدیق کرنے کے باوجود عمل اس کے خلاف ہے
 تو پھر سخت مجرم، فاسق اور ظالم ہیں۔ یہ ملت حقیقت کے پیروکار نہیں
 ہیں، بلکہ گمراہ ہیں۔ مسلمانوں کا حال بھی یہی ہے، قرآن و سنت پر ایمان
 لانے کے باوجود تمام فیصلے اس کے خلاف کرتے ہیں، ایسے لوگ فاسق
 اور ظالم ہیں۔ ممبران اسمبلی، جج صاحبان اور قانون سے متعلقہ تمام لوگ
 اسکی زد میں ہیں۔ انہیں چاہیے کہ ایسے حالات پیدا کریں جن میں تمام فیصلے
 اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق طے پائیں۔

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّمًا عَلَيْهِ فَاحْكُم بَيْنَهُم
بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمُ عَمَّا
جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شُرْعَةً
وَمِنْهَا جَاءُوا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً
وَلَكِن لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ
إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٤٨﴾ وَإِنْ أَحْكَمْتُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا
أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمُ وَلَاحْذَرُهُمْ
أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِنْ
تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ
ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ﴿٤٩﴾
أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْتَغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنْ
اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُؤْفِكُونَ ﴿٥٠﴾

ترجمہ: اور ہم نے آپ کی طرف کتاب امیری حق کے
ساتھ جو تصدیق کرنے والی ہے اس کی جو اس سے پہلے ہیں

کہاں سے اور یہ عکاس ہے اُس پر پس فیصلہ کریں آپ اُن لوگوں کے درمیان اُس کے مطابق جو اللہ نے نازل فرمایا ہے ، اور نہ پیروی کریں اُن کی خواہشات کی اُس چیز کو چھوڑ کر جو آپ کے پاس حق ہے ۔ ہر ایک کے لیے ہم نے بنائی ہے تم میں سے ایک شریعت اور ایک راستہ ۔ اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو بنا دیتا کہ ایک ہی امت ، لیکن تاکہ آزمائے تم کو اُس چیز میں جو اللہ نے تم کو دی ہے ۔ پس سہقت کرو نیکیوں کی طرف ۔ اللہ ہی کی طرف سب کو لوٹ کر جاتا ہے ۔ پس وہ بنائے گا تم کو وہ باتیں جن میں تم اختلاف کرتے تھے (۴۸) (اور یہ بھی اللہ کا فرمان ہے) کہ آپ اُن کے درمیان فیصلہ کریں اُس چیز کے مطابق جس کو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور نہ پیروی کریں اُن کی خواہشات کی اور نہ کہتے ہیں آپ اُن سے کہ کہیں وہ آپ کو نقصان میں مبتلا کر دیں بعض ان چیزوں کے بارے میں جن کو اللہ نے آپ کی طرف نازل کیا ہے ۔ پس اگر یہ روگرنانی کریں (اور نہ مانیں) تو آپ جان میں کر بیشک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اُن کو سزا دے اُن کے بعض گناہوں کی وجہ سے اور بیشک بہت سے لوگ ایسے ہیں جو نافرمان ہیں کیا یہ لوگ جاہلیت کے زمانے کا فیصلہ تلاش کرتے ہیں ۔ اور کون زیادہ بہتر ہے اللہ سے فیصلہ کرنے کے اعتبار سے اُس قوم کے لیے جو یقین رکھتی ہے

اس سے پہلے تورات اور انجیل کا تذکرہ ہو چکا ہے ۔ اللہ نے فرمایا جب تورات نازل ہوئی تو اُس کے دور میں اُس کو ماننا اور اس پر عمل کرنا ضروری تھا ، پھر جب انجیل نازل ہوئی ، تو اُس پر ایمان لانا اور اُس کے احکام کی تعمیل لازم تھی مگر ان دونوں

گمروہوں نے اپنی اپنی کتابوں کو پس پشت ڈال کر معاملات کے فیصلہ جات اپنی مرضی سے کرنے شروع کر دیے بلکہ ان مقدس کتابوں میں تحریف کے مرتکب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب پر مدد سے یقین نہیں رکھتا، وہ قطعی کافر ہے اور جو اُن پر ایمان لانے کے باوجود اُن کے احکام پر عمل پیرا نہیں ہوتا وہ ظالم اور فاسق ہے۔ تورات و انجیل کا ذکر کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی حقانیت کا تذکرہ کیا ہے اور اہل ایمان کو تاکید ہے کہ وہ سابقہ کتب کے حاملین والا رویہ اختیار نہ کریں بلکہ اللہ کی اس آخری کتاب پر صدق دل سے ایمان لائیں اور اس کے احکام پر عمل کریں۔ یہود و نصاریٰ کی طرح تحریف جیسی قبیح چیز سے پرہیز کریں۔

نزل قرآن

ارشاد ہوتا ہے وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ اور ہم نے آپ پر حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے۔ اس کتاب سے مراد قرآن پاک ہے، کیونکہ یہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہو رہا ہے اور آپ پر اللہ کی اس آخری کتاب قرآن پاک کا نزول ہوا ہے۔ اس کتاب کے نزول کے ساتھ ہی سابقہ تمام کتب کا زمانہ ختم ہوا اور قرآن پاک کا دور شروع ہو گیا۔ اب تمام لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اس کتاب پر ایمان لائیں، اس کے احکام کا اتباع کریں اور اپنے تمام فیصلے اسی کے مطابق کریں۔

فرمایا اس کتاب کی حقیقت یہ ہے مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ کہ یہ تصدیق کرنے والی ہے اُن کتابوں کی جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں۔ یہ ایک اصولی بات ہے کہ ہر بعد میں آنے والی کتاب پہلے آمدہ کتاب کی تصدیق کرتی ہے۔ اور اللہ کا ہر نبی اپنے سے پہلے ہونے والے نبی کی تصدیق کرتا ہے۔ چنانچہ جو

صحیفہ حضرت داؤد علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہم پر نازل ہوئے اور جو کتابیں زبور، تورات اور انجیل نازل ہوئیں، قرآن پاک ان سب کی تصدیق کرتا ہے کہ اللہ نے ان تمام صحائف اور کتب کو حق کے ساتھ نازل فرمایا من الکتابت جس کتاب مراد ہے، اور اس میں تمام آسمانی کتابیں شامل ہیں۔

قرآن جامع
المضامین ہے

فرمایا کہ اس آخری کتاب کی دوسری صفت یہ ہے وَهَيَّيْنَا لَكَ کہ یہ تمام سابقہ کتب کا نگران، محافظ، امین اور نگہبان ہے۔ قرآن اس لحاظ سے بھی میمن ہے کہ یہ تمام آسمانی کتب کی منجانب امتد ہونے کی تصدیق کرتا ہے۔ اس کے علاوہ جو مضامین تمام سابقہ کتب میں نازل ہوئے، اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ان کا خلاصہ قرآن پاک میں بیان فرمادیا ہے بلکہ ان کے علاوہ بھی ہزاروں لاکھوں مضامین اس میں موجود ہیں۔ اس لحاظ سے یہ سابقہ کتب ہ امین اور محافظ ہے۔ قرآن پاک کا حجم تو زیادہ نہیں ہے مگر یہ ایسی جامع کتاب ہے جس میں تمام علوم سما گئے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی طرف یہ قول منسوب ہے۔ وہ فرماتے ہیں

جَمَعَ الْوَحْيَ لَنَا فِي الْقُرْآنِ لَكِنْ

لَقَدْ صَحَّى عَنْهُ أَفْهَأُ الْوَحْيِ

تمام علوم کا ذخیرہ قرآن پاک میں موجود ہے مگر عام لوگوں کے ذہن اس تک رسائی حاصل کرنے سے قاصر ہیں

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی صفت ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات لامحدود ہے اسی طرح اس کی صفات بھی غیر محدود ہیں۔ کوئی شخص اللہ کی صفات کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ تاہم وہ جس قدر محنت اور کوشش کرے گا۔ اتنا ہی فیض حاصل کر سکے گا، جب یہ ایسی عظیم المرتبت کتاب ہے فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ

تو آپ لوگوں کے درمیان اسی منزل میں اللہ کتاب کے ذریعے فیصلہ کریں
قرآن مجید کی صداقت و حقیقت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے
اہل کتاب کی بیانی اور خیانت کا ذکر بھی کیا ہے۔ پہلے صراحت کے ساتھ
گزر چکا ہے کہ اہل کتاب نے احکام الہی کو تبدیل کر دیا تھا۔ چنانچہ زنا کا جو
کیس حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوا تھا اس میں غیبی یہودیوں کی نیت
کا رد فرما دیا۔ انہوں نے اللہ کی طرف سے مقرر کردہ زنا کی سزا کو چھپا دیا تھا۔
مگر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے ذریعے اس کو واضح کر دیا۔ قصاص اور
دیت کے معاملات میں بھی ان لوگوں نے خرابیاں پیدا کر رکھی تھیں انہوں
نے امیر اور غریب کے لیے مختلف سزائیں مقرر کر لی تھیں حالانکہ اللہ تعالیٰ
کے نزدیک قانون سب کے لیے یکساں ہے اس میں ادنیٰ اور اعلیٰ کی
کوئی لغو فرق نہیں۔ جو کوئی کسی کو زخمی کرے یا قتل ناحق کا مرتکب ہوگا، اس
کو قانون کے مطابق سزا دی جائیگی۔

علی القرآن

اب جب کہ قرآن پاک کا دور ہے تو سب کا فرض ہے کہ اسی کا اتباع
کریں۔ اسی لیے اللہ نے حضور علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ اسی کے مطابق
لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں وَلَا تَتَّبِعِ أَهْوَاءَ هُمْ اور ان کی
خواہشات کی پیروی نہ کریں عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ
اُس حق کو چھوڑ کر جو آپ کے پاس آچکا ہے، اس حصہ آیت کا شان
نزدل یہ ہے کہ اہل کتاب کے بعض علماء حضور علیہ السلام کی خدمت
میں اپنا کوئی معاملہ تصفیہ کے لیے لائے اور عرض کیا کہ ہم اپنی قوم کے
مقتدا ہیں اگر آپ اس تنازعہ کا فیصلہ ہماری مرضی کے مطابق کریں
تو ہم لوگ آپ کا اتباع کر لیں گے اور یہودیوں کی کثیر تعداد اسلام لے
آئے گی۔ ظاہر ہے کہ حضور علیہ السلام کو اسلام سے بڑھ کر کوئی چیز عزیز
نہ تھی۔ آپ کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ لوگ دوزخ اسلام

میں داخل ہو جائیں۔ اب یہودیوں نے قبولِ اسلام کے لیے ایسی شرط پیش کر دی جو خود اسلامی اصولوں کے منافی تھی، لہذا حضور علیہ السلام نے یہودی علماء سے فرمایا کہ میں تمہاری اس پیش کش کے بدلے میں کوئی غلط فیصلہ کرنے پر تیار نہیں۔ اگر تم نے اس طریقے سے اسلام قبول کیا تو یہ شرعی اسلام ہو گا لہذا ہمیں ایسے اسلام کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام وہی قابل قبول ہے جو اسکی صداقت اور حقیقت کی بنا پر اختیار کیا جائے اس کے بغیر نجات کی کوئی صورت نہیں اِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے جو اس کو اختیار کرے گا وہی کامیاب ہو گا۔ وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ جو کوئی اسلام کے علاوہ دین اختیار کرے گا، تو وہ ناقابل قبول ہو گا ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والا ہو گا۔ بہر حال فرمایا کہ اب جبکہ قرآن پاک کا دور ہے تو اب قابل عمل بھی یہی کتاب ہے ہر معاملہ میں اسی کے مطابق فیصلہ ہو گا۔

آخری
شرعیات
اللہ تعالیٰ نے آخری کتاب قرآن پاک اور آخری شریعت محمدی نازل فرمائی۔ اب قیامت تک تمام معاملات کے فیصلے کتاب اللہ اور شریعت محمدی کے مطابق ہی ہوں گے، پہلی شریعت اور موجودہ شریعت میں قدرے اختلاف ہے مگر وہ پہلی تمام شرائع منسوخ ہو چکی ہیں اور اب صرف یہی قابل عمل ہے۔ سورۃ جاثیہ میں موجود ہے ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِّ ذِمَّةٍ مِّنَ الْأُمْرِ فَأَتَّبِعُهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ سب سے آخر میں ہم نے آپ کو ایک شریعت پر مقرر کیا ہے، لہذا اب اس کا اتباع کریں اور جاہل لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ لگیں۔ اسی طرح یہاں پر بھی فرمایا اَلَا لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شُرْعَةً وَمِنْهَا جَاہِدُوا ہم نے تم میں سے ہر ایک

کے لیے ایک شریعت اور واضح راستہ مقرر کیا۔ بنیادی دین تو تمام انبیاء کا ایک ہی رہا ہے تاہم دین کی فرغ یعنی شریعت مختلف انبیاء کے لیے مختلف تھی۔ سورۃ شوریٰ میں موجود ہے شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا يَعْنِي مَہائے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے دین کے قطعی ضابطے اور قوانین وہی مقرر فرمائے ہیں۔ جو فروع علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے لیے مقرر فرمائے تھے۔ تاہم ہر ایک کی شریعت جدا تھی۔ خود حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی یہی فرمان یعنی معاشی الانبیاء بنو علات دیننا واحد ہم سارے بنی علاق بنی ہیں یعنی ہمارا دین ایک ہے، البتہ شریعت علیحدہ علیحدہ ہیں۔ علاق بنی دے ہوتے ہیں جن کا ایک ہو مگر مائیں جدا جدا ہوں۔ تو حضور علیہ السلام نے مختلف انبیاء کے درمیان دین اور شریعت کو اس مثال کے ذریعے سمجھایا۔ بعض چیزیں ایک شریعت میں حرام ہوتی ہیں تو دوسری میں حلال تاہم دین کے بنیادی اصول ہمیشہ یکساں رہے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہی فرمایا تھا قُلْ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ میری بعثت کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ تم پر بعض وہ چیزیں حلال قرار دے دوں جو تم پر حرام تھیں۔ مقصد یہ ہے کہ شریعت میں حدت و حرمت اور دیگر فروعی احکام بدلتے رہتے ہیں۔

اب آگے اللہ تعالیٰ نے مختلف شرائع میں تفریق کی حکمت بھی بیان فرمائی ہے۔ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ أَوْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ أَوْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً تَوْفِيقِيٍّ ایک ہی امت بنا دیتا یعنی پوری نسل انسانی کے لیے ایک ہی شریعت مقرر کر دیتا۔ مگر یہ اللہ کی حکمت کے خلاف ہے۔ زمان و مکان کا اختلاف انسانی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ اُن کے فرائض اور سنن و ریات مختلف ہوتی ہیں لہذا ہر مقام

مراقب
شرائع

لے حاکم اللہ تعالیٰ (نیاض)

اور ہر زمانے کے لیے یکساں احکام نازل کرنا خلاف فطرت ہے۔ کسی ایک انسانی زندگی پر بھی مختلف دور گزرتے ہیں۔ اُس کے بچپن کے حالات اور اُس کی ضروریات۔ اُسکی جوانی کی عمر سے مختلف ہوتی ہیں۔ اکثر غذا میں صحت کی حالت میں مفید ہوتی ہیں مگر بیماری کی حالت میں وہی چیزیں نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں۔ اسی طرح مختلف ادوار و اقوام کے اجتماعی حالات بھی مختلف ہوتے ہیں اور ان کے فرائض و ضروریات بھی جدا ہوتی ہیں۔ چنانچہ تمام انسانی تقاضوں کی تکمیل کے لیے مختلف زبانوں اور مختلف اقوام کے لیے اللہ نے علیحدہ علیحدہ شرائع نازل فرمائیں۔

شرعیات لفظی معنی گھاسٹ ہے۔ جس طرح گھاسٹ سے انسان اور جانور اپنی ضروریات کے مطابق پانی حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح تشذہن علم و عمل شریعت سے احکام اور ہدایات حاصل کرتے ہیں۔ چونکہ شریعت دین کی فرع ہے۔ اس لیے اس کا ایک حالت میں قائم رہنا غیر فطری عمل ہے۔ دین کے معاملہ میں اختلاف کیا جائے تو وہ گمراہی ہوگا البتہ شریعت میں اجتہاد کے ذریعے مسائل کے حل دریافت کرنا فطرت کے عین مطابق ہے۔ فروعات میں اختلاف کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ ایسا کرنے سے تواجد کا دروازہ بند کرنا پڑے گا جس کی وجہ سے قوم و ملت کی ترقی کسی ایک نہج پر پہنچ کر رک جائیگی۔ یہی چیز خلاف فطرت ہے۔ انسانی نشو و نما کا تقاضا ہے کہ ہر زمانے اور ہر خطے کی ضروریات شریعت کے احکام کی روشنی میں پوری۔۔۔ کی جائیں۔ لہذا شریعت کا اختلاف بالکل درست ہے، البتہ دین میں اختلاف ممکن ہے۔ یہود و نصاریٰ اسی بنیادی اختلاف کی وجہ سے گمراہ ہوئے۔

فرمایا اگر اللہ چاہے تو تمام لوگوں کو ایک ہی شریعت کا پابند کر دے مگر وہ ایسا نہیں کرتا وَلَٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ

بلکہ اختلاف شریعت سے اس کا مقصود یہ ہے کہ تمہیں اس چیز میں آزمائے جو اس نے تمہیں دی ہے۔ اللہ تعالیٰ مختلف احکام شریعت نازل فرما کر آزمائش کرتا چاہتا ہے کہ کیا اس کے بندے انہیں قبول کرنے کے لیے تیار ہیں یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی سے جبراً کوئی چیز نہیں منوانا چاہتا بلکہ وہ موقع فراہم کرتا ہے اور پھر دیکھتا ہے کہ اس کے احکام پر کون عمل پیرا ہوتا ہے

نیکی میں
سبقت

فرمایا جب یہ بات ہے فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ تمہیں کی طرف سبقت لیں۔ نیکی میں ایک دوسرے سبقت حاصل کرینی کو کوشش کریں اور شریعت کے ہر حکم پر عمل کرنے کے لیے تیار رہیں۔ آخرت کی گھامیاں عبور کرنے کے لیے نیکی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مُرَحِّفُكُمْ جَمِيعًا بِالْآخِرَةِ سب کو خدا کی طرف لوٹ کر جانا ہے فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُونَ پھر اللہ تعالیٰ وہ تمام چیزیں تمہارے سامنے رکھ دیگا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔ وہاں پر حق و باطل کا قطعی اور اہل فیصلہ ہو جائے گا۔ نیز فرمایا کہ جب یہ احکام من جانب اللہ ہیں وَ اَنْ اَحْكُمُ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ لَا اَبِىْ اَنْ اَكُنَ دَرِيْانَ اَسِيْ مِنْزِلٍ مِنَ اللّٰهِ احکام کے مطابق فیصلہ کریں۔ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَاَ هُمْ اَبِیْ اَنْ یَّهْدُوْا عَلٰی خَوَابِ سَاسٍ پیروی نہ کریں۔ وہ جو بھی مقدمہ لائیں اس کا فیصلہ احکام الہی کے عین مطابق کر دیں۔ وَ اَحْذَرُ هُمْ اَبِیْ اَنْ یَّجْعَلُوْا عَنْ بَعْضِ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ کہ کہیں آپ کو بعض اُن چیزوں کے بارے میں غفلت میں ڈال دیں جو اللہ نے آپ پر نازل کیا۔ یہودیوں نے یہ سازش کی تھی کہ اسلام لانے کا وعدہ کر کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی معنی کا فیصلہ کرالیں اور پھر اسی چیز کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بطور پریکٹس

ہتھیار استعمال کریں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبردار کر دیا کہ آپ کے غلط فیصلہ لے کر آپ کو کہیں یہ فتنے میں مبتلا نہ کر دیں، آپ ان سے ہوشیار رہیں۔ آپ پہلے بھی ان کی سازشوں سے بچتے رہے ہیں اور آئندہ بھی محتاط رہیں۔

فرمایا فَإِنْ تَوَلَّوْا بِسِیْئَرِ یَہُودِی رُوگردانی کریں۔ آپ کے فیصلے کو تسلیم نہ کریں فَأَعْلَمَ تُوْا آپ اچھی طرح جان لیں اِنَّہُمْ یُعِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یَّصِیْبَہُمْ بِبَعْضِ ذُلُوْہِہُمْ اللہ تعالیٰ اُن کو اُن کے بعض گناہوں کی وجہ سے سزا دینا چاہتا ہے۔ حق واضح ہو جانے کے باوجود اگر کوئی شخص ہٹ دھرمی، عند اور غی پر قائم رہتا ہے، تو پھر وہ قابلِ رحم نہیں ہے۔ اُسے لازماً سزا ملنی چاہیے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سزا ہے کہ انسان کا عقیدہ خراب ہو جانے، نیکی کی توفیق سلب کر لی جائے اور برائی میں مبتلا کر دیا جائے، لہذا انسان کو ہر وقت محتاط رہنا چاہیے اور دُعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ فتنے اور گمراہی سے محفوظ رکھے۔ انسان بعض ایسی غلطیاں کرتا ہے جن کا انہیں احساس تک نہیں ہوتا مگر ان کے نتائج اسی زندگی میں نکلنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اور اسی دنیا میں سزا ملنے لگتی ہے لہذا اگر یہ لوگ اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں، حق کو قبول کرنے سے مسلسل انکاری ہیں تو سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کو سزا دینا چاہتا ہے فرمایا وَإِنْ کَثُرَ یَرَّاقُنَ النَّاسِ لَفَسِقُوْنَ لوگوں کی اکثریت نافرمان ہے، وہ احکام الہی کو تسلیم کرنے اور ان پر عمل کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں اللہ کے نافرمان ہر دوسرے کثرت میں ہے جس پر علیہ السلام کے اپنے زادِ مبارک میں بھی یہی حال تھا اور اُس کے بعد بھی مسلسل کثرت بے دینوں کی ہے آج بھی دنیا کی کل پانچ ارب کی آبادی میں سے چار ارب سے زیادہ لوگ قطعی طور پر کفر، شرک اور گمراہی میں مبتلا ہیں۔ پانچویں حصے کے لوگ ہریت یافتہ ہونے کے دعویدار ہیں ان میں بھی

بہت سی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ بالکل صحیح اعتقاد رکھنے والے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرنے والے بہت کم ہیں۔ ان میں اکثریت نافرمانوں اور شکر گزاروں کی ہے۔ سورۃ مومن میں موجود ہے **وَلَكِنَّ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ** اکثر لوگ ناشکر گزار ہی ہوتے ہیں اسی طرح سورۃ سبہ میں بھی آتا ہے **وَقَلِيلٌ لِّیْ قَوْمٍ عِبَادِیَ الشُّكْرُ** یعنی میرے شکر گزار بندے بہت کم تعداد میں ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے یہاں پر یہود و نصاریٰ کی سازش کو واضح کر کے ان کی مذمت بیان فرمائی ہے۔

فرمایا **أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِیَّةِ یَبْغُونَ** کیا جاہلیت کے زمانے کا فیصلہ چاہتے ہو۔ جاہلیت کا قانون تو یہ تھا کہ احکام الہی کو پس پشت ڈال کر اپنی مرضی کا فیصلہ کیا جائے۔ تو اب جب کہ قرآن پاک نازل ہو چکا ہے۔ اسلام کی روشنی پھیل چکی ہے تو اب واپس ظلمت کی طرف جانا چاہتے ہو، یہ تو بہت ہی بڑی بات ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ تین شخص سخت مجنوں ہیں۔ پہلا شخص لمحہ فی الحرم ہے یعنی وہ شخص جو پاک خطے حرم میں گناہ کا ارتکاب کرتا ہے وہ اللہ کی سنت ترین ناراضگی کو دعوت دیتا ہے۔ دوسرا شخص فرمایا متبیع فی الاسلام سنۃ الجاہلیۃ جو اسلام میں جاہلیت کے دستور کا اتباع کرتا ہے۔ اور تیسرا مبغوض شخص وہ ہے جو بے گناہ کا خون بہاتا ہے۔ خون ناحق کے لیے کوشش کرتا ہے اُس کے حق میں گواہی دیتا ہے ناحق شکایت کرتا ہے کہ اُس کا خون بہے۔ یہود کا بھی یہی حال ہے۔ وہ اپنی کتاب کے فیصلہ کو تسلیم کرتے ہیں اور نہ وہ نبی آخر الزمان سے صحیح فیصلہ چاہتے ہیں بلکہ اسلام کے روشن زمانے میں بھی جاہلیت کے ظلمت والے فیصلے کے متلاشی ہیں۔ فرمایا **ادْرِكْهُوَ! وَمَنْ حَسَّنَ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا تَقْوَمُ تَقْوَمُونَ** ایمان والین رکھنے

جاہلیت
کا فیصلہ

والی قوم کے بے اللہ کے فیصلے سے بڑھ کر کس کا فیصلہ ہو سکتا؟ خدا تعالیٰ
کا فیصلہ اور ہی ہے جو اس کی نازل کردہ کتاب و شریعت کا فیصلہ ہے
لہذا ان کے مطابق کیا گیا فیصلہ ہی بہترین فیصلہ ہے۔ اللہ کے فیصلے
کو چھوڑ کر زمانہ جاہلیت کے فیصلے کی طرف رجوع کرنا نہایت ہی
بدبختی اور اللہ کے غضب کا نشانہ بنا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى
أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ
مِّنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظَّالِمِينَ ⑤ فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ
يُّسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَى أَنْ تُصِيبَنَا
دَائِرَةٌ فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهِ
فِيُصْبِحُوا عَلَى مَا أَسَرُّوا فِي أَنْفُسِهِمْ نَادِمِينَ ⑥ وَيَقُولُ
الَّذِينَ آمَنُوا أَهَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ
إِيمَانِهِمْ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ
فَاصْبَحُوا خَسِرِينَ ⑦

ترجمہ: اے ایمان والو! بناؤ یهود و نصاریٰ کو اپنا دوست
بعض اُن کے دوست ہیں بعض کے اور جو شخص اُن سے دور نہ
کرے گا تو میں سے پس بیشک وہ نبی میں سے ہو گا۔ بیشک
”مندانہاں نہیں رہنمائی کرتا، اُس قوم کی جو ظلم کرنے والی ہے“ ⑤
پس دیکھئے کیا تو (اے مخاطب) اُن لوگوں کو جن کے دلوں میں دُک
ہے (انفاق کی بیماری ہے) کہ وہ دوڑتے ہیں اُن کے اندر جیسے
کے لیے کہتے ہیں کہ ہم دوڑتے ہیں کہ کہیں ہمیں نہانے کی گزیر

عمرے وہ نقصان وارے (۵۳)

رَبَّاتٍ

ہم کتاب
سبق کی برکت

کسی صورت میں بھی درست نہیں۔

مصدق روایت

ابنہ الشریعہ نے بعض حدود و قواعد کا ذکر فرمادیا ہے جن کے تحت

میل مارپ، تجارت اور دیگر لین دین جائز ہے۔ ظاہری طور پر خوش اخلاقی اور اچھی روش اختیار کی جاسکتی ہے مگر دلی دوستی ذیل کتاب سے ہو سکتی ہے۔ منافقین سے اور نہ کفار سے جو غیر مسلم اقوام مسلمانوں سے آمادہ بر جنگ ہوں ان سے ظاہری روایت کی بھی اجازت نہیں۔ سورۃ فتح میں یہ مسئلہ بیان ہوا ہے کہ جو کفار اہل اسلام سے برسر پیکار نہیں اور نہ ہی ان کی مخالفت کرتے ہیں، ان کے ساتھ حسن سلوک کی اجازت ہے۔ اسی سورۃ میں پہلے گزر چکا ہے کہ انصاف کے معاملہ میں سب برابر ہیں۔ اپنا ہویا غیر سب کے ساتھ انصاف کرو، کیونکہ نا انصافی دشمن کے ساتھ بھی روا نہیں البتہ جو شخص اللہ اور رسول پر ایمان رکھتا ہے اور قرآن کو اللہ کا آخری پیغام سمجھتا ہے، اس کے لیے کفار کے ساتھ دلی دوستی کی اجازت ہو کر نہیں ہے۔ لہذا ہم اپنے اور بیگانے کے ساتھ کیے گئے عہد و پیمان کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ کافروں سے صلح کی اجازت بھی دی گئی ہے۔ ”وَإِن جَاءَكُمْ كُفَرَاءٌ فَقَبْلَكُمْ فَتَاهُمْ لَكُمْ“ اگر وہ صلح پر مائل ہوں تو ان سے صلح کر لیں۔ اور جو لوگ مسلمانوں سے لڑائی نہیں کرتے، ان کے ساتھ حسن سلوک اور مردت سے پیش آنے کی اجازت ہے ان کے ساتھ نیکی و صلح کرو گے تو اس سے بھی اسلام کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص مسلمانوں کے حسن سلوک کو دیکھ کر ایمان لے آئے۔ البتہ مولات یعنی بچی دوستی کسی بھی صورت میں روا نہیں ہے۔ کوئی یہودی ہو یا نصرانی مجوسی ہو یا دہریہ، بند ہو یا سکھ اس کا دوست تانا اہل ایمان کے ساتھ ممکن نہیں ہے کیونکہ دونوں فریقوں کی منزل مجاہدات۔ دوستی اور صلح کے لیے کوئی بنیاد ہونی چاہیے مگر یہ بنیاد موجود نہیں، ایک فریق اللہ تعالیٰ

کافر یا نبردار ہے اور دوسرے غیر اللہ کا بجا رہی، دونوں کے نظریات میں زمین و آسمان کا فرق ہے، لہذا اولی دوستی ممکن نہیں۔

سورۃ آل عمران میں گزرتا چکا ہے کہ اگر کسی تمام پرستمان مجبور ہو جائیں کفار اس قدر غالب ہوں کہ مسلمانوں میں اپنے دفاع کی قوت بھی نہیں تو ظاہری طور پر یہ کفار سے دوستی کا اظہار کرنا بھی باترے ہے لَٰكِنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰتُہُمْ اِنَّ سَے بچاؤ کے لیے وقتی طور پر ایسا کیا جاسکتا ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اپنا کاتب (سکرٹری) کسی یہودی یا عیسائی کو رکھ لیا۔ حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو آپؓ نے سخت ڈانٹ پلائی اور کہا خدا کے بندے! تمہیں کوئی مسلمان کاتب میسر نہ آسکا۔ کاتب تو راز داراں ہوتے ہیں اس لیے غیر مسلم کو ایسی ذمہ داری نہیں سونپی جاسکتی۔

یہودی یا عیسائی
کا کاتب رکھنا

فرمایا، اے ایمان والو! یہودی و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ بَعْضُہُمْ اَوَّلٰیۃٌ بَعْضِیۡنَ اِنۡ مِّنۡ سَے بعض دوست ہیں۔ یہودی نصاریٰ کے دوست ہیں اور نصاریٰ یہودی کے۔ انہوں نے اسلام کے خلاف آپؐ میں گھٹ جوڑ کر رکھا ہے حالانکہ یہ آپؐ میں بھی ایک دوست کے دشمن ہیں۔ عیسائیوں کے اصل عقیدہ کے مطابق حضرت مسیحؑ عبد اللہ کو رسولی پر اٹھانے والے یہودی ہیں مگر اب مشترکہ مفاد کی خاطر یہودیوں کو اس الزام سے بری کر دیا گیا ہے جب فلسطین کا مسئلہ پیدا ہوا تو عیسائیوں نے عدالتی بیان کے ذریعے یہودیوں کو قتل مسیح کے الزام سے بری قرار دے دیا مگر یہ دونوں گمراہ اہل اسلام کے خلاف اکٹھے ہیں۔ اَلْکُفٰرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ پوری دنیا نے کفر ایک ہی ملت کے افراد ہیں۔ تاریخ عالم سے پتہ چلتا ہے کہ یہودیوں کی نسبت اسلام کو نقصان پہنچانے میں عیسائیوں کا زیادہ ہاتھ ہے یہودی تو عمرہ دراز تک غریبی الوطنی کی زندگی بسر کرتے رہے مگر نصاریٰ کی

بڑی جلیل القدر سطیبتیں تھیں جن کے بل بستے پر یہ مسلمانوں کو ہمیشہ نقصان پہنچاتے رہے، یہودیوں کو تو اب آکر ٹھکانا میسر آ چکا ہے، وہ بھی عیسائیوں اور دنیا کی چار خبیث طاقتوں کی وجہ سے، یہودی ان بین الاقوامی طاقتوں کے سلسلے میں پروان چڑھے ہیں مگر نصاریٰ کا معاملہ شروع سے معاندانہ رہا ہے۔ حضور علیہ السلام نے اہل ایمان سے فرمایا تھا کہ تمہاری ٹھکانہ رومی یعنی عیسائی طاقتوں کے ساتھ ہمیشہ رہیگی، کبھی ان کو غلبہ حاصل ہوگا اور کبھی تمہیں۔ یہاں تک کہ مسیح علیہ السلام کا دور آجائے گا۔ اور پھر یہ تمام فتنے ختم ہو جائیں گے۔ اُس وقت یہودی و نصاریٰ بالکل ختم ہو جائیں گے اور اسلام اور اہل اسلام ہی باقی رہ جائیں گے۔

موجودہ زمانے میں بھی پوری دنیا کے مسلمان عیسائیوں کے ہاتھوں نقصان اٹھاتے ہیں۔ فلسطین کا قصہ، قبرص اور فلپائن کے معاملات، کشمیر کا قضیہ یہ سب انگریزوں کے پیدا کردہ مسائل ہیں، کہیں برطانوی عیسائی ملوث ہیں۔ اور کہیں امریکی عیسائی۔ قبرص میں چالیس ہزار ترک مسلمان شہید ہوئے، فلپائن میں ہزاروں مسلمانوں کا قتل عام سب انگریز عیسائیوں کی کاڑھوائی ہے، مسلمانوں کے دشمن عیسائی اور یہودی ہیں یا بگڑے ہوئے یہودی و نصاریٰ۔ زار روس نصرانی تھا مگر روسی بگڑ کر اشتراکی یا ملحد بن گئے اور پھر یہ لوگ مزید سنگین ہوتے چلے گئے۔ بہر حال مسلمانوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ ان لوگوں سے کبھی خیر خواہی کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ یہ ہمیشہ اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے، لہذا ان سے بچنے کی کوشش کریں، نہ کہ دوستانہ قائم کرنے کی۔

امریکہ اور پاکستان کے سیاسی روابط ہیں جن کی وجہ سے امریکہ کو پاکستان کا خیر خواہ سمجھا جاتا ہے، حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔ غیر مسلم اقوام مسلمانوں کے ساتھ جتنے بھی معاہدے کرتی ہیں وہ سب اپنے مقصد کے

امریکہ کی
شی بدعتی

حصول کے لیے کرتی ہیں۔ جب تک ان کا مقصد پورا ہوتا ہے گا معاہدہ قائم رہے گا۔ اور جب انہیں فائدہ نہیں ہوگا معاہدہ ختم ہو جائے گا۔ امریکہ کی پاکستان سے دوستی اور بھارتی کا مظاہرہ پاک بھارت جنگوں کے دوران ہو چکا ہے۔ ۱۹۶۵ء میں ہندوستان نے پاکستان پر صریحاً جارحیت کا ارتکاب کرتے ہوئے شب خون مارا مگر امریکہ تماشا دیکھتا رہ گیا۔ اس نے پاکستان کی کیا مدد کی، یہ تو اللہ تعالیٰ کا خاص فضل تھا کہ اپنے سے چھ گنا بڑی طاقت کے سامنے پاکستان ڈٹا رہا اور معاملہ برابر سہارا ہی جھوٹ گیا، ورنہ امریکہ کی دوستی کس کام آئی۔ ۱۹۷۱ء میں بھارتیوں نے پاکستان کو تخت ہو گیا، تیس لاکھ بنگالی قتل ہوئے، ہندوستان براہ راست دخل ہوا مگر امریکہ خلیج بنگال میں بحری بیڑے دوڑاتا رہا۔ اس نے پاکستان کی کوئی مدد نہ کی حالانکہ اس کے ساتھ مدد کا معاہدہ موجود تھا۔ اہل کتاب اور کفار اسلام کے ازلی دشمن ہیں، ان پر بھروسہ کرنا بجائے خود دھوکا ہے۔ یہ لوگ قرآن پاک کے پروگرام کی مخالفت میں کوئی موقع ملتا ہے نہیں جانے دیتے مسلمانوں کو کمزور کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ عربوں کو بے دین بنانے میں عیسائیوں اور یہودیوں کی سازش ہے۔ انہیں عیش و عشرت کا سامان فراہم کر کے دین سے غافل کر رہے ہیں۔ بڑی بڑی عمارت کے ڈیزائن بڑی بڑی کاروں کی درآمد۔ ٹیلی ویژن اور وی سی آر کی بھرمار، یورپ کی فحش فلمیں عربوں سے دینی لگاؤ ختم کر رہی ہیں مگر مسلمان ہیں کہ انہیں اس سازش کا احساس تک نہیں ہے۔

سلامی اور
شاہد اسلامی تلفظ

فَرَمَا وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ
جو انہیں سے دوستی کرے گا۔ وہ انہی میں سے ہوگا۔ جو شخص جس قوم کا منصف اختیار کرے گا، جن کے نظریات اپنے لئے گا۔ انہی کے سانچے میں قیاس حاصل کرے گا۔ آج پورے عالم اسلام کی حالت یہ ہو چکی ہے کہ انہیں غافلانہ

کا فلسفہ پسند نہیں، وہ اہم ابوحنیفہ، شافعی، مالک اور احمد کا فلسفہ ٹپھنے کے لیے تیار نہیں، انہیں اہم بخاری اور اہم مسلم کے فلسفے سے کچھ تعلق ہے بلکہ وہ تو کانت، فرائیڈ اور میگل کا فلسفہ پڑھنا پسند کرتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کے فلسفہ اور دہریوں کے نظریات کو اپنانے والے قرآن کے پروگرام کو کیسے پا سکتے ہیں۔ جو قوم اپنے قومی نظریہ کو چھوڑ دیتی ہے وہ اپنے مرکزیت علیحدہ ہو جاتی ہے۔ پھر وہ جس قوم کے نظریات کا مطالعہ کرتی ہے، اُسی میں غم ہو جاتی ہے۔ آج مسلمان قوم اس طرف جا رہی۔ اس کی مرکزیت انگریز نے ختم کر دی ہے۔ یہ مسلمان ممالک کو آپس میں لڑا کر ان کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں مگر مسلمان غفلت کی نیند سو رہے ہیں۔ ایران و عراق جنگ یہودیوں کی سازش ہے دونوں طرف مسلمان کمزور ہو رہے اور غیر اقوام ان میں دخیل ہو رہے ہیں۔ امریکہ اور روس ایک طرف اپنا اسلام فروخت کر رہے ہیں اور دوسری طرف مسلمانوں کو کمزور کرنے کے پروگرام پر عمل پیرا ہیں۔ ان سے دوستانہ کرنے کا یہی نتیجہ ممکن ہے، اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ ان کو دوست نہ بناؤ، جو ایسا کرے گا، انہی جیسا ہو جائے گا۔

فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ اللّٰهُ تَعَالٰی
ظالموں کی راہنمائی نہیں کرتا۔ نصاریٰ کافر اور مشرک ہونے کی وجہ سے ظالم ہیں، مگر مسلمان ان کے ساتھ دوستانہ کر کے اپنی مرکزیت کو بھول چکے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی سازشوں کا سلسلہ اس سورۃ میں ابھی مزید بیان ہو گا۔ فرمایا فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اِذَا مَأْتٰهُمُ تَوَدُّعٌ كَاٰنَ لَوْ كُوْنُوْا دُوْرًا اَوْ اَوْفَرًا يَّوْمَ تَصِيَّبِ السَّيْئَةِ اَوْ يَّوْمٍ اَخْرَجَتْ السَّيْئَةُ النَّفْسَ الْمَخْتَلٰتَ كَاٰنَ لَوْ كُوْنُوْا دُوْرًا اَوْ اَوْفَرًا يَّوْمَ تَصِيَّبِ السَّيْئَةِ اَوْ يَّوْمٍ اَخْرَجَتْ السَّيْئَةُ النَّفْسَ الْمَخْتَلٰتَ

گردش یافتہ
کا خوف

ہیں کہ کہیں ہم تک زمانے کی گردش نہ پہنچ جائے۔ بعد اللہ بن الی کہتا تھا
 "ف رجل اخاف الدواہ میں زمانے کی گردش سے ڈرے ہوئے اُن سے تعلق رکھتا ہوں کہ اگر کسی وقت مسلمان مغلوب ہو گئے۔
 یا قحط پڑ گیا تو ہمیں تکلیف پہنچے گی۔ لہذا یہودیوں کے ساتھ بھی تعلقات
 قائم رہنے چاہئیں۔ یہاں جملے ملک میں بھی ایسا ہی ہوا تھا ۱۹۵۲ء میں
 جب قادیانیوں کے خلاف تحریک چلی تو خواجہ ناظم الدین نے کہا تھا کہ
 ان کو غیر مسلم قرار دیکر ہم امریکہ کو ناراض نہیں کرنا چاہتے۔ اگر امریکہ خفا
 ہو گیا تو مشکل وقت میں ہماری مدد کون کرے گا۔ یہی بات منافقین مدینہ
 کہتے تھے، جسے اس حصہ آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

فتح کی لہر

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ خواہ مخواہ حوادث زمانہ
 سے خوف کھا رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْفَتْحُ پس امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے
 فتح لائے گا اور یہود و کفار ذلیل ہو کر رہ جائیں گے پھر ایسا ہی ہوا، اللہ
 نے مکہ والوں کو مغلوب کر دیا۔ مدینے کے یہودی ذلیل و خوار ہو کر رہ
 گئے، اُن کے لیے کوئی جائے پناہ نہ رہی۔ اس لیے اللہ نے سنہ ۱۱
 کہ یہ خواہ مخواہ خوف کھاتے ہیں۔ امید ہے کہ عنقریب فتح کی خوشخبری آئیگی
أَوْ آمِنَ قَدْرٌ عِنْدَهُ یا اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے کوئی اور عمل
 لائیں گے فَيُصْبِحُوا عَلَى مَا أَسَرُّوا فِي أَنْفُسِهِمْ
نَدِيمِينَ پس منافقین اپنے دلوں میں پوشیدہ بات پر نادم ہو جائیں گے
 یعنی اہل اسلام کی پے در پے کامیابیوں کو دیکھ کر ان کے تمام منصوبے
 ناکام ہو جائیں گے اور وہ پشیمان ہو کر رہ جائیں گے۔ چنانچہ فتح مکہ کے
 بعد ان کی رہی ہوئی امید بھی ختم ہو گئی۔ مدینہ کے یہود مغلوب ہو گئے، کچھ
 جلاوطن کر دیے گئے حتیٰ کہ حضرت عمرؓ کے زمانے تک پورا عرب،

المائدہ

آیت ۵۴، ۵۵

لا یحب اللہ

درس بہت دُر ۲۹

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ
 فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ ذَلَّةً
 عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ
 فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَلِكَ
 فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۵۴﴾
 إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ
 يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ
 رَاكِعُونَ ﴿۵۵﴾ وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا
 فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ﴿۵۶﴾

عج

ترجمہ: اے ایمان والو! جو شخص تم میں سے اپنے
 دین سے، پس عنقریب اسے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جنت
 وہ مجت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں۔ وہ
 ایمان والوں پر نرم ہیں اور کفر کرنے والوں پر غاصب
 و زبردست ہیں۔ وہ اللہ کے بستے میں جہاد کرتے ہیں اور انہیں
 خوف کھاتے کسی عزت کرنے والے کی عزت سے۔ یہ
 اللہ تعالیٰ کا افضل ہے، وہ دیتا ہے جس کو چاہے۔ اللہ تعالیٰ
 دعوت وار اور سب کچھ جاننے والا ہے ۵۵ بیشک تم۔

دوست اللہ اور اس کا رسول ہے اور وہ لوگ جو ایمان لائے
ہیں مسلم کہتے ہیں ممتاز اور ادا کہتے ہیں
زکوٰۃ اور وہ رکوع (عاجزی) کرنے والے ہیں (۵۵) اور جو شخص دوستی
کریگا اللہ سے اور اُس کے رسول سے اور ایمان والوں سے
پس بیشک جماعت اللہ تعالیٰ کی وہی غالب ہے (۵۶)

ربط آیات

پہلے منافقین اور اہل کتاب کی برائیوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن
کے نقصِ عمد، احکاماتِ الہی کی خلاف ورزی اور بُرے اُمور کی انجام دہی کی وجہ سے
اُن کی مذمت بیان فرمائی۔ پھر گذشتہ آیات میں اُن کے ساتھ دوستانہ کرنے سے منع
فرمایا۔ اللہ نے فرمایا کہ یسود و نصاریٰ اور مشرکین ایک دوسرے کے دوست تو ہو سکتے
ہیں مگر اہل ایمان کے ساتھ مخلص نہیں ہو سکتے۔ اللہ نے واضح فرمایا کہ ان میں اسلام کے
خلاف شدید نفرت پائی جاتی ہے اور ہمیشہ اسلام اور اہل اسلام کو نقصان پہنچانے کی
کوشش کرتے رہتے ہیں لہذا ان کے ساتھ دوستی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔
اب آج کی آیت میں اہل ایمان کو یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ دینِ حق کو ماننا
اور اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا انسان کے لیے باعثِ سعادت ہے۔ اور
اس کی صلاحیت کا ثبوت ہے فرمایا — اگر بالفرض تم بھی دینِ اسلام کو چھوڑ دو۔
یعنی تم میں سے کوئی شخص اگر مرتد ہو جائے تو اس سے اللہ اور اس کے دین کو نقصان نہیں
ہوگا بلکہ اس میں تمہارا اپنا ہی نقصان ہے۔ سابقہ آیت کے ساتھ اس آیت کا ربط
اس طرح ہے کہ منافقین کی طرح تم بھی دل میں یہ خیال نہ لانا کہ اسلام کی مفروضہ مخلوبیت
سے شاید تم گمراہی کا شکار ہو جاؤ، لہذا اہل کتاب اور مشرکین سے روابط قائم رکھنا
چاہیے، فرمایا ایسی بات نہیں ہے۔ اگر تم نے خدا کی ذات پر توکل کیا اور ایمان سے
بھی ہاتھ دھو بیٹھے تب بھی اللہ کے دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ چاہے
دین کی حفاظت کا کوئی اور بندوبست فرمائے گا۔

دین سے
برگشتہ ہونا

ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ایمان والو! صَفَّيْنٰكُمْ
مِنْكُمْ عَنْ دِينِكُمْ تم میں سے جو شخص برگشتہ ہو گیا اپنے دین
 سے، یعنی اس نے اپنا رخ دین اسلام سے دوسری طرف پھیر لیا۔ تو اس
 دین کو کچھ نقصان نہیں پہنچے گا، وَاللَّهُ تَعَالَى کا کوئی نقصان ہوگا، بلکہ نقصان
 دین سے پھر جانے والے مرتد کا ہی ہوگا۔ مرتد اس شخص کو کہا جاتا ہے جو ایک
 دفعہ دین اسلام کو قبول کر کے پھر اس سے منحرف ہو جائے۔ کوئی دوسرا دین
 اختیار کرے یا محض دہریہ اور بے دین ہے۔ وہ بہر حال مرتد کی تعریف
 میں آئے گا۔ جس طرح قرآن و سنت میں کافر، مشرک، منافق وغیرہ کی اصطلاح
 استعمال ہوتی ہے، اسی طرح مرتد کا لفظ بھی بطور اصطلاح استعمال ہوتا ہے
 بہر حال فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص اسلام کو چھوڑ دے تو اس سے
 دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، بَلْكَ اللَّهُ تَعَالَى اپنے دین کی تائید و حفاظت
 اس طرح فرمانے گا۔ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ کہ وہ تمہاری جگہ ایسی قوم
 کو لے آئے گا يُحِبُّهُمْ جن سے وہ محبت کرتا ہے وَيُحِبُّونَهُ
 اور وہ لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔ اور پھر آگے ان لوگوں کے اوصاف
 بھی بیان فرمائے ہیں۔

نفسِ مرتدین

حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کی وفات کے بعد مرتدین کا ایک فتنہ کھڑا
 ہو گیا۔ عرب کے بہت سے قبائل مرتد ہو گئے مگر ان کے مقابلے میں
 مہاجرینؓ اور انصارِ مدینہؓ دین کی حمایت و حفاظت پر ثابت قدم تھے۔
 مرتدین میں مین کے لوگ پیش پیش تھے چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان
 کے خلاف جہاد کیا۔ ان میں سے کچھ ہلٹ کر اسلام میں دوبارہ داخل ہو گئے
 اور باقیوں کو قتل کر دیا گیا اُسی زمانے میں بعض لوگوں نے نبوت کا دعویٰ
 بھی کر دیا، ان میں صنعا کا سبنے والا اسود بن کعب غمی بڑا بد اخلاق آدمی
 تھا۔ اس کو حضور علیہ السلام کے ایک صحابی فیروز دلمیؓ نے قتل کیا تھا۔ رات

کو قتل ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا تھا کہ رات اسود قتل ہو گیا ہے
 آپ نے فیروزہ کے متعلق فرمایا فَانْ هُنَّ مِنْ فِرْدَوْسٍ مِیْنِ فِرْدَوْسٍ کامیاب ہو گیا۔
 کیونکہ اُس نے دشمن رسول اور دشمن انسانیت کو قتل کر دیا۔ جس رات آپ
 نے یہ خبر دی اُس سے لگے دن چاشت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا
 وصال ہو گیا۔ پھر مدینہ کے آخر میں کچھ لوگ میں سے آئے تو انہوں نے حضور علیہ السلام
 کی خبر کی تصدیق کی کہ فلاں راستہ کو اسود عنسی قتل ہو گیا تھا۔

میلہ کذاب بھی مشہور معنی نبوت تھا۔ اہل ایمان نے اس کے خلاف بھی
 جہاد کیا اور اُسے شکست دی، وہ خود مارا گیا۔

اُس کی بیوی نے بھی نبوت کا دعوے کیا، مگر بعد میں
 وہ تائب ہو گئی۔ اس کے علاوہ طلحہ اسدی نامی شخص نے بھی نبوت کا دعوے
 کیا، مگر تائب ہو گیا۔ ان کے علاوہ کچھ دوسرے لوگوں نے بھی ایسے دعوے
 کیے۔ بعض ٹائے گئے اور بعض دوبارہ ایمان لے آئے۔ بہر حال انصار و
 مہاجرین اور دیگر مخلص قبائل نے فتنہ ارتداد کا خوب مقابلہ کیا، بالآخر یہ فتنہ ختم ہو گیا۔
 مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مصداق حضرت ابو موسیٰ اشعرنیؓ
 — ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا
 کہ یہ اور اُسکی قوم کے لوگ مرتدین کا مقابلہ کریں گے۔ ابو موسیٰ اشعرنیؓ میں
 کے بہنے والے تھے اور فتنہ ارتداد بھی زیادہ تر وہیں ابھرا اور پھر وہیں ان کا
 صفایا بھی ہوا۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی سچی ثابت ہوئی اور
 یمن جی کے لوگوں نے اس فتنہ کو ختم کرنے میں مدد دی۔ چنانچہ یہی وہ لوگ
 ہیں جن کے متعلق فرمایا کہ اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت
 کرتے ہیں ان کے دلوں میں خدا تعالیٰ کی محبت کا جذبہ موجزن ہے، ان کی
 دوسری صفات یہ ہے اَذَلُّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وہ ایمان والوں
 کے سامنے بڑے نرم ہیں۔ اذللہ یا ذلیل کا معنی حقیر بھی ہوتا ہے اور نرم اور

محبان خدا
 کے اور صفات

ہم پر بھی۔ چنانچہ ناقہ ذلول کا معنی ہموار اونٹنی کیا جاتا ہے جو اپنے سوار کو تکلیف نہ پہنچائے تو یہی معنی ہے اللہ تعالیٰ کی محبت کے سرشار لوگ ایمان والوں کے ساتھ نرم ہیں اور ان کے ساتھ شفقت سے پیش آتے ہیں۔ نیز اعزۃ علی الکفرین کفر کرنے والوں پر غالب اور زبردست ہیں۔ یعنی کفار پر اس طرح جھپٹتے ہیں جس طرح شاہین یا باز شکار پر جھپٹتا ہے اور پھر ان پر غالب آتے ہیں۔ اعزۃ کا یہ معنی ہے۔

فرمایا ان لوگوں کی ایک صفت یہ بھی ہے يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں۔ ان کا واحد مقصد اللہ کی خوشنودی اور ان کے دین کی سرطندی ہوتا ہے۔ غرضیکہ مجبوران خدا جان مال کی قربانی دینے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں قربانی تو دوسرے لوگ بھی کرتے ہیں، قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرتے ہیں اور بعض اوقات سختہ و آسان بھی لٹکتے ہیں مگر ان کے پیش نظر وطنیت، ملوکیت زبان، نسل یا پائٹی بازی ہوتی ہے وہ محض اقتدار حاصل کرنے کے لیے مالی اور جانی قربانی کرتے ہیں۔ مگر اہل ایمان اور دیگر اقوام کے درمیان طرہ امتیاز یہ ہے کہ ایمان والوں کے پیش نظر رضائے الہی کے علاوہ کوئی ذاتی غرض نہیں ہوتی۔ تو فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔

فرمایا، ان کی ایک صفت یہ بھی ہے وَلَا يَخَافُونَ كَوْمَةً كَاطِبِينَ وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ یعنی اگر کوئی شخص ان کے دین پر طعن کرے تو وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ دین کا کام جاری رکھتے ہیں۔ غرضیکہ کسی باطل پرست کا طعن و شینع ان پر کسی طرح اثر انداز نہیں ہوتا اور وہ خلوص دل کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہتے ہیں۔ ابن عربی نے کہا ہے ۔

اذا اعتزفت على الرشاد لنفسه هانت عليه ملازمة العذال

انسان اپنے نفس کی ہدایت کو خوب پہچانتا ہے۔ ملامت کرنے والوں کی ملامت اُسے معمولی چیز معلوم ہوتی ہے اور وہ اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ عرضیکہ اگر کوئی شخص خلوص نیت سے دین کا کام کرتا ہے تو اغیار کا طعن ملامت اُس پر کچھ اثر نہیں کرتا، وہ اپنے کام میں محو رہتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص حضور علیہ السلام کی کسی سنت پر عمل کرتا ہے اور لوگ اُسے استہزاء کا نشانہ بناتے ہیں، اُسکو ملامت کرتے ہیں تو وہ ان چیزوں سے لاپرواہ ہو کر سنت پر عمل جاری رکھتا ہے۔ اسی چیز کو فرمایا کہ مجبان خدا کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔

مسند احمد اور بیہقی میں حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے جسے امہ ابن کثیرؒ نے بھی نقل کیا ہے: حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں۔ اَکْثَرُ قَوْمٍ خَلِیْلِیِّ مِیْرَے پیارے دوست اور پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے سات چیزوں کا حکم دیا۔ پہلا حکم یہ تھا جِبَّتِ الْمَسَاکِیْنِ وَزَلْفَا مَنہِمْ یعنی میں مسالین کے ساتھ محبت کروں اور ان کے قریب رہوں حضور علیہ السلام کو خود بھی غریب و مساکین سے بڑی محبت تھی اور آپ کو ان کی رفاقت محبوب تھی چنانچہ دعا میں فرمایا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّ الْمَسَاکِیْنِ اے اللہ مجھے مساکین کی محبت عطا فرما، ان سے لافرت نہ ہو۔ آپ یہ بھی فرماتے تھے وَاحْشَرْنِیْ فِیْ زَمْرَةِ الْمَسَاکِیْنِ مَوْلَا کَرِیْمٍ! میرا حشر میری مسالین کے ساتھ ہی کرنا۔ آپ دنیا میں بھی غریب و مساکین کے پاس بیٹھتے اور وہ اس بات پر فخر کرتے تھے کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اہل اسے پاس بیٹھتے ہیں اور بہت محبت کرتے ہیں۔

سات زریں
اصول

صحابی رسول فرماتے ہیں کہ محبوب بنانے مجھے دوسری نصیحت یہ فرمائی۔ اِنْ اَنْظَرَ عَلٰی مَا دُوْنِیْ وَلَا اَنْظَرَ مَنْ هُوَ فَوْقِیْ یعنی میں اپنے سے نیچے والے کی طرف دیکھوں اور اوپر والے کی طرف نہ دیکھوں، ترمذی شریف

کی روایت میں آتا ہے جو شخص اس نصیحت پر عمل کرے گا وہ خدا تعالیٰ کی کسی نعمت کو حقیر نہیں جانے کا۔ ظاہر ہے کہ جو شخص اپنے سے امیر آدمی کو دیکھے گا، وہ اپنے آپ کو غریب سمجھ کر ناشائستگی کا مرتکب ہو گا۔ اور جو شخص اپنے سے کمزور آدمی کی طرف دیکھے گا۔ وہ خود کو تہہ پاکہ اللہ کا شکر ادا کرے گا اور اللہ کی عطا کردہ کسی نعمت کو حقیر نہیں سمجھے گا۔

تیسری چیز فرمائی ان اصل الرحمہ وان دیوت یہ کہ میں صلہ رحمی کروں چاہے میرے قریب دار مجھ سے دور ہی اختیار کریں۔ حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے چوتھی بات یہ فرمائی ان لا اسئل احداً یہ کہ میں کسی سے سوال نہ کروں واذا سئلتم فاسئلوا اللہ اور جب بھی سوال کروں تو خدا تعالیٰ سے کروں۔ چونکہ ہر چیز با داتا ہے، سب کچھ انہی کے اختیار میں ہے لہذا سوال بھی انہی سے کرنا چاہیئے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پانچوں ختم یہ دیا ان اقول الحق وان کان صیر یہ کہ میں سچی بات کہوں اگرچہ یہ تلخ ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت عمرؓ کا بھی یہ خاص سنت ہے کہ وہ بالکل سچی بات کرتے تھے اگرچہ لوگ گھبراہٹے تھے۔ فرمایا پچھلی بات یہ بئ الاخاف فی اللہ لومۃ لا یمینی میں اللہ اور اس کے دین کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف نہ کھاؤں اور اپنی بات پر قائم رہوں۔ حضور علیہ السلام نے ساتویں اور آخری بات یہ فرمائی کہ میں کثرت سے لا حول ولا قوۃ الا باللہ کا ورد کرتا رہوں۔ یہ توحید کا حکم ہے اور نیکی بجالانے اور نبرائی سے بچنے کی توفیق کو اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ یہ کلمات اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا انھن کمن من کمن تحت العرش یہ کلمات عرش کے حضراتوں سے ایک نذرانہ ہے۔ اگر یہ عقیدہ راسخ ہو جائے تو بہت بڑی بات ہے۔ ایسا شخص کامل الایمان بن جاتا ہے۔

۱۔ بن کشتہ ص ۶۰۰ باب ۱۰

الفضل! فرمایا کہ وہ لوگ اللہ کے دین کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں کھاتے ذَلِكْ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ
یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، وہ جسے چاہے عطا کرے۔ عقیدے کی پختگی، اللہ سے محبت، ایمان والوں کے لیے نرمی، کفار کے لیے سختی، اللہ کے راستے میں جہاد اور ملامت کرنے والوں سے لاپرواہی، یہ سب اللہ کے فضل میں داخل ہیں۔ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ اور اللہ تعالیٰ وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ وہ ہر شخص کی صلاحیت اور استعداد کو جانتا ہے۔ اسی استعداد کے مطابق وہ عطا کرتا ہے۔

پھر دوست

فرمایا اِنَّكُمْ وَلِیُّكُمْ اللَّهُ وَرَسُولُهُ بَشِكْ تَمَارِدُوت
اور رفیق حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا اور اہل ایمان
بھی تمہارے دوست ہیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دوستی اللہ،
اس کے رسول اور اہل ایمان سے ہونی چاہیے۔ اگر تم اس معیار پر پورے
اترے تو اللہ تعالیٰ غلبے کی صورت بھی پیدا کرے گا اور یود و نصاریٰ اور
مرتدین تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ تمہارا کام یہی ہے کہ تعلق باللہ قائم
رکھو، انہی کے مطیع و فرمانبردار بن جاؤ، خداوند تعالیٰ کو اپنا کارساز، متولی اور
مالک سمجھتے ہوئے تمام کام اسی کی رضا کے مطابق انجام دو۔ اللہ کے رسول
کے ساتھ محبت کرنا بھی جزو ایمان ہے۔

اور اس کی بہترین صورت

یہ ہے کہ آپ کے بتلائے ہوئے طریقہ کو اپنا لو اور آپ کی سنت کو زندہ
رکھو۔ اسی طرح اندرونی طور پر ربط و ضبط اور دوستی ایمان والوں کے ساتھ
ہونی چاہیے۔ اُن کے ساتھ اتحاد و اتفاق ہی کے ذریعے دشمن کا مقابلہ کیا
جا سکتا ہے اگر ان امور کی انجام دہی کرتے رہو گے تو دشمن کبھی غالب نہیں آ سکتا
اَنْتُمْ الْاَهْلُ کُنْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ، اگر تم مومن

ہو گئے، تو غلبہ سارا ہی ہوگا۔

اہل ایمان
کی صفات

آگے اللہ نے اُن مومنین کی صفات بیان فرمائی ہیں جن کی دوستی کی ترغیب دی گئی ہے۔ فرمایا تمہارے دوست وہ ہونے چاہئیں۔ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ جو نماز قائم کرتے ہیں۔ نماز تعلق باللہ کا بہترین ذریعہ ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا قرب دلانے والی عبادتوں میں سے بہترین عبادت ہے۔ فرمایا تمہارے مومن دوست وہ ہوں وَيُؤْتُوا مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمُ الزَّكَاةَ جو زکوٰۃ ادا کرتے ہوں۔ ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کے دو فائدہ سے ہیں۔ اس کی وجہ سے انسان کے ذہن سے حرص و مغل کا مادہ خارج ہوتا ہے یعنی انسان کو مذہب بنانے والی چیز سی زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے غریب و مساکین کی حاجات پوری ہوتی ہیں۔ یہ انسان کو پاکیزگی دلانے والی چیز ہے۔ نماز بدنی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادت دونوں چیزوں کا آپس میں ربط ہے۔ سورۃ توبہ میں کفار و مشرکین کے متعلق فرمایا کہ اگر وہ توبہ کر لیں وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا نُسُكُكُمْ فِي الدِّينِ اور وہ نماز ادا کرنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ یعنی ایمان لانے کے بعد نماز و زکوٰۃ کی ادائیگی اولین عمل ہے جس کے بغیر ایمان کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

فرمایا اہل ایمان کی ایک صفت یہ بھی ہے وَهُمْ رَاكِعُونَ وہ رکوع کرنے والے ہیں۔ صاحب روح المعانی اہم بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہاں رکوع سے مراد صرف نماز والا رکوع نہیں بلکہ اس سے مراد عاجزی اور انکساری ہے۔ بعض دوسرے مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ یہاں یہ رکوع کا خصوصی تذکرہ یہودیوں کے ساتھ امتیاز کی وجہ سے ہے۔ یہودیوں کی نماز میں رکوع نہیں ہوتا، اس لیے یہاں خاص طور پر فرمایا کہ ان کے ایمان لانے کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ رکوع کرنے لگیں رکوع و سجود دونوں مہرکن عاجزی کی علامت ہیں مگر رکوع کی نسبت سجدے میں اعلیٰ درجے کی عاجزی

پانی جاتی ہے۔ اسی لیے ہر رکعت میں رکوع ایک ہے مگر سجدے دو ہیں
رکوع و سجدہ دونوں چیزیں فرض ہیں ان کے بغیر نماز نہیں ہوتی، لہذا یہاں
پر رکوع کا خصوصی ذکر فرمایا۔

جواب

فرمایا وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ حَوَّلَ اللَّهُ حَبْطَ الْقَرْيَتِ كُلِّهَا أُولَئِكَ رِجَالُ اللَّهِ الَّذِينَ آمَنُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ
رسول کے ساتھ دوستانہ کرے گا وَالَّذِينَ آمَنُوا اور اہل ایمان سے دوستی کرے گا۔ جن کی صفات بیان ہو چکی ہیں یعنی جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو لازم سمجھتے ہیں اور پھر اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کا سلوک کرتے ہیں فرمایا فَاِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ قرسی اللہ کی پارٹی اور اس کے گروہ کے ممبران ہیں۔ اور یہی غالب ہوں گے۔ آخری کامیابی انہی کے مقدر میں ہے۔ سورۃ مومن میں فرمایا ہے "بَا لَنَنْصُرَنَّ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْاَشْهَادُ" تم اپنے انبیاء اور اہل ایمان کی دنیا میں بھی مدد کریں گے اور قیامت کے دن بھی مدد کریں گے جب کہ مدد کی سب سے زیادہ ضرورت ہوگی اس طرح اللہ کے دوستوں کو دنیا و آخرت ہر دو مقامات پر کامیابی حاصل ہوگی اور انہی کا مشن غالب رہیگا۔ آخرت میں خاص طور پر ان کے حق میں گواہیاں ہوں گی، ان کے درجات بلند ہوں گے اور وہ عذاب سے بچ جائیں گے۔ غرضیکہ اللہ کا گروہ ہی غالب رہیگا۔

اگر دنیا میں کبھی مسلمانوں کو شکست آجائے، یا کسی معاملہ میں کمزوری واقع ہو جائے تو سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ اس آیت میں بیان کردہ صفات میں کمی واقع ہوگئی ہے۔ مومن اپنے معیار پر پورے نہیں اتر رہے ہیں مثلاً نماز، زکوٰۃ میں کوتاہی واقع ہوگئی ہے یا دوسرا اہل ایمان کیلئے جدوجہد کو ٹھیس پہنچی ہے یا جہاد فی سبیل اللہ سے جی چھڑا ہے۔ اگر مومنین کی تمام شرائط پوری کی جائیں گی تو پھر اللہ تعالیٰ کی نصرت ضرور شامل حال ہوگی اور دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل ہوگی۔

ہی غالب ہوں گے۔

بعض اوقات اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش بھی آجاتی ہے اور کامل الایمان لوگوں کو بھی شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے، مگر وہ مغلوب نہیں کہلاتے کیونکہ ان کا ایمان بہر حال قائم ہوتا ہے۔ وہ ایسی آزمائشوں میں کندن بن کر نکلتے ہیں اور پھر نئے جوش اور جذبہ کے ساتھ اللہ کے دین کی سرطبدی کے لیے ہمت تن مصروف ہو جاتے ہیں۔ انہیں اللہ کی توحید اور اس کے وعدے پر سچتہ یقین ہوتا ہے۔ اہم محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر رازی بھی فرماتے ہیں، کہ بعض اوقات اہل ایمان مادی لحاظ سے کمزور ہوتے ہیں مگر حقیقت میں وہ مغلوب نہیں ہوتے کیونکہ دلیل ابرہان، اور عقیدے کو ہمیشہ غلبہ حاصل رہتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ
 هُزُؤًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ
 وَالْكَفَّارَ أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٥٤﴾
 وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوا هُزُؤًا وَقِيَابًا
 ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٥٥﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ
 مَلَّ تَنَقُّمُونَ مِمَّا آتَاكُمْ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ
 وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلُ وَإِنَّ أَكْثَرَكُمْ فَاسِقُونَ ﴿٥٦﴾

ترجمہ :- اے ایمان والو ! نہ بناؤ اُن لوگوں کو جنہوں نے
 تمہارا دین تمہارے دین کو ٹٹا اور کھیل ، ان لوگوں میں سے
 جن کو کتاب دی گئی تم سے پہلے ، اور کافروں کو دہی نہ
 بناؤ ، دوست ۔ اور اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان لائے ہو ﴿۵۴﴾ اور
 جب تم پکارتے ہو نماز کی طرف تو ٹھہرتے ہیں اس کو ٹٹا
 اور کھیل ، یہ اس وجہ سے کہ بیشک یہ بے عقل لوگ ہیں ﴿۵۵﴾
 اے پیغمبر ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب ! تم
 ہم میں کیا عیب پاتے ہو سوائے اس کے کہ ہم ایمان لائے
 ہیں اللہ پر ، اور جو چیز اتاری گئی ہے ہماری طرف اور جو نازل
 کی گئی ہے اس سے پہلے اور بیشک تم میں سے اکثر لوگ
 نافرمان ہیں ﴿۵۶﴾

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کی دوستی سے منع فرمایا تھا اور اُس کے ساتھ منافقین کی خدمت بیان کی تھی۔ اس کے بعد مرتدین کے بارے میں فرمایا کہ اگر وہ دین سے برگشتہ ہو جائیں تو اس میں اُن کا اپنا ہی نقصان ہوگا، اللہ تعالیٰ اور اُس کے دین کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ پھر ایمان والوں کو نصیحت کی گئی کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی کار سازی پر اعتماد ہونا چاہیئے اور اُس کے رسول اور مسلمانوں سے حقیقی دوستانہ اور محبت ہونی چاہیئے۔ اہل ایمان کی صفات بھی بیان فرمائیں کہ وہ غارتہ قائم کمرہ تھے ہیں، نیکو ادا کرتے ہیں اور عیب پر خدا تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور انکاری کا اظہار کرتے ہیں۔ فرمایا ایسے لوگ اللہ کے گروہ میں شامل ہیں، اُس کی پارٹی کے ممبر ہیں اور بالآخر اپنی کو غلبہ حاصل ہوگا۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہود، نصاریٰ، کفار اور مشرکین کے ساتھ دوستی کرنے سے منع فرمایا ہے اور وہ وجہ بھی بیان فرمائی ہے جس کی بنا پر ایک حقیقی مومن ایسے لوگوں کے ساتھ دوستانہ روابط قائم نہیں کر سکتا۔

دین کی
حفاظت

ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيُذْهِبَ اللَّهُ مَا كَانَ فِي دِينِكُمْ (اور اے ایمان والو! تاکہ اللہ تمہارے دین میں سے جو کچھ کوٹھنڈا اور کھیل بنا رکھا ہے۔ یعنی جو لوگ تمہارے دین کا تسخر اڑاتے ہیں، اشعار اللہ کو کھیل کو دے زیادہ حیثیت نہیں دیتے، اُن لوگوں کے ساتھ تمہارا دوستانہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر دین کے مخالفین سے کٹھ جوڑ قائم رہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دراصل تمہارا دین کے ساتھ تعلق کمزور ہو گیا ہے اور تمہارے دل میں دین کی وقعت باقی نہیں رہی، حالانکہ دین کی حفاظت سب سے اہم معاملہ ہے اللہ کے رسول نے دین کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے آپ دعا فرماتا کرتے تھے اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْغِ عِلْمِنَا (اے تعالیٰ ہماری دنیا سے ہماری غم نہ کر اور ہماری تعلیم سے ہماری غم نہ کر) (فیاض)

وَلَا غَايَةَ رَغْبَتِنَا وَلَا تَجْمَعُ مُصِيبَتَنَا فِي دِينِنَا
 اے اللہ! دنیا کو جی جہاں مقصود اور منہا لے علم نہ بنا کر ہر دنیا کی خاطر
 جی نہ ملے تو انہیں صرف کہہ دیں اور عجبی سے باطل غافل رہ جائیں، اے اللہ!
 جہاں سے دین میں جہاں سے یہ مصیبت نہ بنا کیونکہ دنیا کی مصیبت تو ختم
 ہو سکتی ہے مگر دین کی مصیبت آگے چل کر سخت نقصان دہ ثابت ہوگی
 مومن دین کو ہر چیز پر ترجیح دیتا ہے وہ دین کی حفاظت کے لیے تمام چیزیں
 برتنے کا لالہ ہے۔ مَنْ قُتِلَ دُونَ دِينِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ
 جو دین کے دفاع کرتے ہوئے قتل ہوا، وہ شہادت کا مرتبہ پاگیا غرضیکہ ایک مومن
 کے لیے دین کو ہر چیز پر فوقیت حاصل ہے

ہر مال اللہ تعالیٰ نے کافروں کو اور مسیروں و نصاریٰ کے ساتھ دوستی
 نہ کرینی وجہ یہ بیان فرمائی کہ وہ شعائر دین کا تمسخر اڑاتے ہیں اور وہ کون ہیں؟
 مِنَ الَّذِينَ أَوَّلُوا الْأَكْبَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَهَٰؤُلَاءِ
 ہیں جن کو تم سے پہلے کتاب دہی گئی، اس سے ملو مسیروں و نصاریٰ ہیں جنہیں عام
 اصطلاح میں اہل کتاب کہا جاتا ہے۔ وَالْكَفَّارَ أُولَٰئِكَ اُوْلَٰئِكَ اُوْلَٰئِكَ
 بھی اپنا دوست نہ بناؤ وہ بھی اسلام دشمنی میں اہل کتاب کے ساتھ برابر کے
 شریک ہیں۔ وَاتَّقُوا اللَّهَ اِنَّ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اور
 خدا تعالیٰ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو۔ گویا ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ دین کے
 ساتھ ٹھٹھا کر کے دلوں کو ہرگز دوست نہ بنایا جائے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے اذان کے ساتھ استعاذہ کی خاص طور پر نذر میں فرمائی
 ہے۔ وَاِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ
 لیے پارتے ہو معنی اذان دیتے ہو اِخْذُوْهَا هُزُوًا وَلَعِبًا
 تو یہ لوگ اسے ٹھٹھا اور کھیل بناتے ہیں۔ حدیث شریفہ میں آتا ہے کہ
 مہینے کے ایک نصف کی مر اذان سے بہت چڑھتی جس وقت مؤذن مہینے

اذان کے
 ساتھ استعاذہ

أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ تَرَوُهُ بِرَبِّكَ بَعَثَتْ بِكَ مَا أَحْرَقَ
 اللَّهُ النَّصَافِيبَ (جھوٹا جل جانے) جھوٹا تو وہ خود ہی تھا اللہ نے اس کی
 دعا اُس طرح مستبول کی کہ ایک دن اُس کی نوٹھی گھریں آگ لائی۔ اُس کی چھائی
 کسی چیز پر گر گئی جس سے سائے مکان کچھ آگ لگ گئی اور وہ عیسائی وہیں جل کر راکھ
 ہو گیا۔ اللہ نے اُسے گستاخی کی سزا دیدی۔

ابو محمد درہ
 کی اذان

ابو محمد درہ کے متعلق بھی اذان کے ساتھ استنبز کو کرنے کی روایت آتی
 ہے۔ جب اذان ہوتی تو یہ دو سرے لڑکوں کے ساتھ مل کر اذان کی نقلیں
 لاتے اور بیخ و بکار کہتے۔ اتفاق سے ایک دن حضور علیہ السلام کا اُن پر گزرا
 ہوا۔ آپ نے حکم دیا کہ ان لڑکوں کو پکڑ کر لے آؤ، باقی سب لڑکے بھاگ
 گئے مگر ابو محمد درہ قابو آ گئے۔ حضور علیہ السلام کے پیش کیا گیا۔ آپ نے منہ
 اب میرے سامنے اذان کے الفاظ بلند آواز سے دہراؤ۔ مگر وہ ہچکچایا بناوات
 کے کلمات تو کھار و شرکین پر بہت گراں گزرتے تھے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ
 اِلَّا اللَّهُ تَوَانُ کے لیے موت تھی اپنی زبان سے اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا
 رَسُولُ اللَّهِ کہنے سے بھی اُن کے عقیدے پر زبردتی تھی۔ اس لیے وہ یہ
 کلمات کہنے سے گریز کر رہا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے
 حکم دیا تو انہوں نے یہ کلمات آہستہ آواز سے کہ دیے مگر آپ نے منہ
 بلند آواز سے کہو۔ جب انہوں نے پوری آواز کے ساتھ شہادتین کے کلمے
 کہے تو اللہ نے اُن کا دل نور ایمان سے منور کر دیا۔ اور وہ اُمی وقت مکان
 ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے ابو محمد درہ کو مکہ میں مؤذن مقرر فرما دیا۔ آپ
 شہادتین کے کلمات اسی طرح کہتے تھے جس طرح حضور علیہ السلام نے خود اُن سے
 کسوائے تھے یعنی دو دفعہ آہستہ آواز سے اور دو دفعہ بلند آواز سے۔ یہیں سے اذان
 میں ترمیم کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے جو فقہاء شہادتین کے کلمات مکرر کہنے کے حق میں
 ہیں وہ اسی ابو محمد درہ کی اذان سے استدلال کرتے ہیں جو ساری عمر اسی طریقے

سے اذان دیتے ہے۔ البتہ امام البوصیفہ فرماتے ہیں کہ اذان میں ترجیح جائز ہے مگر اسے سنت کا درجہ حاصل نہیں کیونکہ حضور علیہ السلام نے محض ہچکچانے کی وجہ سے شہادتین کے کلمات دوبارہ کہلائے تھے، لہذا یہ عام حکم نہیں ہے۔

اذان شعار اللہ میں سے ہے۔ اس کے کلمات میں عقیدہ توحید رست اور اللہ کی عظمت کا اقرار ہے، ایسی بے مثال عبادت کا تسخیر اڑانا بہت بڑی بات ہے۔ استنزا تو کسی انسان کے ساتھ بھی کہنا شریعت میں قطعی حرام ہے۔ سورۃ حجرات میں موجود ہے "لَا يَسْتَحْذِرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ" ایک دوسرے کو ٹھٹھا مت کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں آتا ہے کہ جب آپ نے بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تو وہ کہنے لگے "أَتَجِدُ نَا هُنَّ وَأَكُلَا تَرْهَمُ" اے آپ نے فرمایا اے عَصُوذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنْ الْجَاهِلِيْنَ پناہ بخدا اس بات سے کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔ مطلب یہ کہ ٹھٹھا کرنا جاہلوں اور بے وقوفوں کا کام ہے۔ کوئی شریعت آدمی کسی سے استنزا نہیں کرنا جب انسان ایک دوسرے سے تمسخر نہیں کر سکتے تو اذان یا کسی دیگر شعار اللہ سے تمسخر کرنا تو بطریق اولیٰ حرام ہے۔

استنزا
کی ممانعت

استنزا کی بیماری اب یہود و نصاریٰ سے نکل کر مسلمانوں میں بھی آچکی ہے۔ مختلف موضوعات پر کارٹون بنانا، ڈرامے پیش کرنا، نمازیوں کا تسخیر اڑانا اور عبادت کو کھیل کے طور پر پیش کرنا اس کے سوا کیا ہے کہ دین کے ساتھ استنزا ہے۔ حج جیسی جہ عبادت کو فلم کی صورت میں پیش کرنا شعار اللہ سے تمسخر ہی تو ہے۔ صدر ایوب کے زمانے میں روزنامہ شرق میں پڑھا تھا کہ مظفر نزالا نامی فلم ایجنٹ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو اس نے اس بچے کے کان میں مرغ کی اذان دلوائی۔ نومولود کے کان میں اذان کرنا سنت ہے مگر اس شخص نے اس سنت کا مذاق اڑایا۔ اسی طرح لائفنگ گیلری والوں نے

داڑھی کو استنزا کا نشانہ بنایا ہے۔ حالانکہ داڑھی سنت انبیاء ہے۔ جو خود تارکِ سنت ہے اُسے خود کم از کم سنت کا مذاق تو نہیں اڑانا چاہیئے۔ پہلی صدی ہجری کا واقعہ ہے کہ گورنر عباد خراسان کے سفر پر روانہ ہوا تو اس کے ساتھ ایک منہ بھٹ شاعر بھی تھا۔ چلتے وقت عباد کی لمبی داڑھی خوب ملتی تھی اس پر شاعر نے مزاحیہ شعر کہہ دیا۔ گورنر کو علم ہوا تو اس نے شاعر کی سخت سرزنش کی اور اُسے پانچ ماہ تک پتھرے میں بند رکھنے کی منہ زدی گورنر اگرچہ خود زیادہ عادل تو نہیں تھا مگر اُس نے داڑھی کی توہین کو برداشت نہ کیا۔ وہ شعر یہ تھا :-

الذلیت اللہی کانت حشیاً فنعلفہا خیل المسلمین

کاش یہ داڑھیاں گھاس ہوتیں تو ہم انہیں مسلمانوں کے گھوڑوں کو کھلاتے۔ یہودیوں کا یہ خاص شیوہ ہے کہ وہ اسلام اور اہل اسلام کی تضحیک کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ انہوں نے یسمن اینڈ ڈیوڈ ملر کے نام سے پنچیروں کی فلم بنادی، کہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کو فلم میں پیش کر دیا یہ اللہ کے برگزیدہ بندوں کے ساتھ استنزا ہے جو کہ بہت ہی قبیح حرکت ہے۔ بدر کی جنگ کو فلم کے ذریعہ پیش کیا، ارکان حج فلما لے گئے اور لوگ خوش ہیں کہ یہ بہت اچھی چیز ہے، اس سے ٹریننگ ہوتی ہے، اہل اسلام کے لیے رغبت پیدا ہوتی ہے مگر یہ سب یہود و نصاریٰ کے نقش قدم پر شعائر اللہ کے ساتھ کھیلنے کے مترادف ہے۔ یہ کام خود مسلمان انجام دے رہے ہیں جو کہ دین کے ساتھ ٹھٹھا کرنے والی بات ہے۔

تر فرمایا، جب تم نماز کی طرف جلتے ہو، تو یہ اُس کو ٹھٹھا اور کھیل نہاتے ہیں۔ ذَلِکَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا یَفْقَہُونَ یہ اس وجہ سے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں۔ یہ اچھے اور بُرے میں تمیز کرنے کی طبیعت ہی نہیں رکھتے، وگرنہ دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں جو شعائر اللہ کی تعظیم نہ کرتا ہو اذان، نماز، حج وغیرہ تو شعائر اللہ ہیں، ان کی بے حرمتی تو اہم لوگ ہی

کرسکتے ہیں۔ دوسرے مقام پر فرمایا مَنْ يَعْظُمُ شَعَابِدَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ جِوَالَةِ کے شعار کی تفسیر کرتے ہیں اس کا دل تقویٰ سے لبریز ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو منہ کرے گا۔ وہ تقویٰ سے بالکل عاری ہوگا۔

امریکہ اور کینیڈا کے یودیوں نے اسلامی شعائر کو بہت حد تک تضحیک کا نشانہ بنانے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے کپڑے پر کلمہ طیبہ پرنٹ کر دیا۔ جس کی ذریعہ پر کھدیا تاکہ اس کی بے حرمتی ہو۔ قیصر کے پتھیلے جسے یہ آیت الکرسی پیا دی جو میٹھنے کے وقت بچے آجائے۔ ایک بد بخت نے اونٹ کا نام محمد رکھ دیا۔ ایک انگریز نے حضرت علیؑ کو گنہگار کے نام سے موسوم کیا۔ طرزیہ کی لوگ اسلام اور اہل اسلام کی توہین، مسخر اور ٹھٹھا کرنے سے باز نہیں آتے۔ اور مسلمان بھی ان کے دیکھا دیکھی اسی روش پر چل نکلتے ہیں۔ یہ بے عقل لوگ ہیں۔

مسلمانوں کی
عیب جوئی

ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر علیہ السلام آپ ان سے کہہ دیں یا اَهْلَ الْكِتَابِ اے اہل کتاب یعنی یود و نصاریٰ اَهْلُ تَنْقِصُونَ مِنَّا تم ہم میں کیا عیب پاتے ہو۔ تنقصون دراصل انتقام سے ہے جس کا معنی بدلہ لینا ہوتا ہے۔ مگر یہاں اس سے مراد عیب جوئی ہے۔ یعنی ہمارا عیب صرف یہ ہے اَلَا اَنْ اَمْسَنَا بِاللّٰهِ کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں۔ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْسَنَا اور اس چیز پر ایمان لائے ہیں جو ہماری طرف نازل کی گئی وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ اور اس چیز پر ایمان لائے جو پہلے اتاری گئی۔ یعنی زبور۔ تور۔ انجیل اور صحائف انبیاء۔ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا، ذرا آپ ان بد بختوں سے یہ تو پوچھیں کہ کیا ہمارا ایمان باللہ اور ایمان بالکتاب تمہارے نزدیک عیب کی بات ہے حالانکہ یہ تو کمال کی بات ہے جسے نصیب ہو جائے۔ تم ہمیں کس قصور کی بنا پر لعن و لعنت کرتے ہو۔ تمہارے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے اور تمہاری اپنی

حقیقت یہ ہے کہ **وَإِن كُنتُمْ فَاسِقُونَ** تمہاری اکثریت نافرمانوں کی ہے۔ تم بے ایمان ہو، نقضِ عہد کرتے ہو، دین کا تمسخر اڑاتے ہو، دینِ حق کے خلاف سازشیں کرتے ہو، تم اپنی خفت کو مٹانے کے لیے اہل حق پر طعن کرتے ہو۔ سورۃ توبہ میں موجود ہے اگر یہ لوگ بد عہدی کریں اور تمہارے دین میں طعن کریں **فَقَاتِلُوا أَمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا آيْمَانَ لَكُمْ** تو ان اکابرینِ کفر کی سرکوبی کریں یہ بے ایمان لوگ ہیں۔ جب تک ان کے ساتھ سختی نہیں کی جائیگی یہ سازشوں سے باز نہیں آئیں گے۔ ان کا ڈرٹ کر مقابلہ کیا جائے اور انہیں قرارِ واقعی سزا دی جائے۔ توبہ اہل کتاب کی بات ہے، آج مسلمانوں کی حالت بھی اُن سے مختلف نہیں۔ ان میں بھی ہر طرح کی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ وعظ و نصیحت کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ لہذا ان کا علاج بھی تعزیر کے ذریعے ہی ممکن ہے جب تک ان کا محاسبہ نہیں ہوگا ان کی قبیح حرکات میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا۔ اہم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اخلاقی تعلیم اور تعزیر دونوں چیزیں ہمارے دین کا جزو ہیں۔ اگر تعلیم و تربیت کے ذریعے اصلاحِ احوال نہیں ہوتی تو پھر تعزیر ضروری ہو جاتی ہے کیونکہ اس کے بغیر امن قائم نہیں ہو سکتا جب تک معاندین کی سرکوبی نہیں ہوگی دین کے ساتھ استنزا بند نہیں ہوگا اور دین کے تحفظ کے لیے مسلمانوں اور کافروں سے بیک وقت نبرد آزما ہونا پڑے گا۔ دینِ اسلام کو استنزا اور کھیل کود سے بچانے کے لیے دونوں محاذوں پر جدوجہد کرنا ہوگی۔

قُلْ مَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذَلِكَ مَثُوبَةً
عِنْدَ اللَّهِ مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ
مِنْهُمْ الْفِرْدَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ
أُولَئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ⑥۰
وَإِذَا جَاءُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَقَدْ دَخَلُوا
بِالْكُفْرِ وَمِمُّ قَدْ خَرَجُوا بِهِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ
بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ⑥۱ وَتَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ
يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ
السُّحْتِ لِبَئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ⑥۲ لَوْلَا يُنْهَاهُمُ
الرَّبُّنِيُّونَ وَالْأَحْبَابُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَالْإِثْمُ
السُّحْتِ لِبَئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ⑥۳

ترجمہ :- اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ کیا میں بتاؤں تم کو کہ اس سے زیادہ
پہرہ دار جزا اللہ کے نزدیک وہ ہے جس پر اللہ نے لعنت کی ہے اور اس پر غضب
کیا ہے اور بنایا ہے اُن میں سے بعض کو بندہ اور خنزیر اور وہ
جنوں نے شیطان کی لہذا کی یہی لوگ ہیں بدترین درجے کے
اعتبار سے اور زیادہ بکے ہوئے ہیں سیدھے راستے سے ⑥۰
اور جب آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان

لے لے ہیں ملاحظہ وہ کفر کے ساتھ داخل ہونے ہیں اور وہ کفر کے ساتھ نکلے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں (۶۱) اور دیکھے گا تو بہتوں کو ان میں سے کہ وہ دوڑتے ہیں گنہ اور تعدی کی طرف اور حرام کھانے کی طرف بہت بُرا ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں (۶۲) کیوں نہیں—منع کہتے اُن کو درویش اور عالم اُن کی گنہ کی بات کہنے سے اور اُن کے حرام کھانے سے۔ البتہ بہت بُری ہے وہ کارگزاری جو وہ کرتے ہیں (۶۳)

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب اور مشرکین کے ساتھ دوستانہ کرنے کی آیات سے منع فرمایا اور پھر اس کی وجہ بھی بیان فرمائی کہ جو لوگ تمہارے دین اور شعار اللہ کو مہنی مذاق اور کھیل کو دکھانے بناتے ہیں تم اُن کو دوست کیسے بنا سکتے ہو۔ سچے ایمان کا حامل آدمی تو ایسا نہیں کر سکتا۔ اور اگر ایمان ہی کمزور پڑ جائے یا بالکل ضائع ہو جائے تو پھر اغیار کے ساتھ دوستی بھی ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اذان کا ذکر کیا کہ یہ لوگ دین کے اس شعار کو استہزاء کا نشانہ بناتے ہیں۔ یہ کام بے عقل لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ کوئی بھلا آدمی ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔ اذان ایک اچھی چیز ہے۔ اس میں توحید و رسالت کا اقرار اور دعوت الی الخیر پائی جاتی ہے۔ اس میں تمغہ والی کوئی چیز موجود نہیں۔ لہذا اذان کی توہین کرنا نہایت بے وقوفی کا کام ہے۔

پھر اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کو خصوصی خطاب فرمایا کہ یہ لوگ انبیاء کی تعلیمات کے وارث تھے، حاملین کتب کا وہ یہ تھے۔ شرع الیہ سے واقف تھے، بر خلاف اس کے مشرکین کے پاس نہ کوئی آسمانی کتاب تھی اور نہ ہی ہدایت کا کوئی دوسرا ذریعہ تھا لہذا اہل کتاب کے مقابلہ میں وہ کسی حد تک معذور تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب ہی کو فرمایا کہ تم اہل ایمان کی محض اس لیے عیب جوئی کرتے ہو کہ وہ اللہ اور اس کی نازل کردہ

کتاب قرآن حکیم پر ایمان لائے ہیں۔ تمہاری یہ قبیح حرکت تمہارے فسق کی وجہ سے ہے کیونکہ تمہاری اکثریت نافرمانوں پر مشتمل ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی ایک مزید قباحت بیان فرمائی کہ وہ اہل حق پر طعن کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کی اپنی اصلیت یہ ہے کہ یہ دنیا کے بدترین لوگ ہیں۔

بدترین لوگ

ارشاد ہوا ہے۔ قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَيْءٍ مِّنْ ذَٰلِكَ مُتَوَبِّتٍ عِنْدَ اللَّهِ لَيْسَ بِغَيْرِ! أَفَلَا تَعْقِلُونَ اس سے زیادہ بڑی لمحاظ جزا کے اللہ کے نزدیک۔ امام بیضاوی، امام رازی اور بعض دیگر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں پر ذلک سے پہلے اہل کفر و منہ سے۔ یعنی پوری عبارت اس طرح ہے يٰۤاَهْلَ الذِّكْرِ اَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ اَعْيُنٌ ذلک اور مطلب یہ ہے کہ کیا میں تمہیں ان لوگوں کے متعلق نہ بتاؤں جو بڑائی میں فاسقوں یعنی اہل کتاب سے بھی بڑے ہوئے ہیں بعض مفسرین یہاں پر يٰۤاَهْلَ الذِّكْرِ محذوف مانتے ہیں اور معنی یہ کرتے ہیں کیا میں تمہیں ان لوگوں کے متعلق نہ بتاؤں جن کا دین فاسق سے بھی زیادہ بڑا ہے۔ گذشتہ درس میں اہل کتاب اور کفار کا ذکر ہوا تھا کہ اہل ایمان کو ان کے ساتھ دوستی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ وہ شعائد اللہ سے استہزاء کرتے ہیں۔ پھر انہیں بے عقل اور فاسق بھی کہا گیا تو اب بنی علیہ السلام کو حکم ہو رہا ہے کہ آپ کہ دیں کہ کیا میں تمہیں ان یوقوفوں اور فاسقوں سے بھی بدتر لوگوں کے متعلق نہ بتاؤں۔ وہ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان کے بڑے خصائل کا ذکر کر دیا ہے کہ بَدَّ لَوْ كَانُوا يَفْقَهُوْنَ وہ ہیں لَعَنَهُمُ اللَّهُ جن پر اللہ نے لعنت کی وَعَصَبَ عَلَيْهِمُ اور غضب کیا وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْقِيَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ اور ان میں سے بندر اور خنزیر بنائیے وَعَبَدَ الصُّلُوعَاتِ اور وہ بھی بدترین ہیں جو شیطان کے بھاری بن گئے۔ یہ تمام بڑے خصائل بنی اسرائیل پر ہی صادق آتے ہیں وہی ان اوصاف

کے حاملین ہیں۔ پہلے گزر چکا ہے کہ اللہ نے فرمایا فَبِمَا نَقْضُہُمْ
مِمَّا نَعْتَدُہُمْ لَعْنَتُہُمْ اَلَمْ یَکُنْ لَّہُمْ اَنۡ یَّکْفُرُوۡا بِمَا کُفَرُوۡا بِہٖ مِنْ قَبْلُ
لَعْنَتُہُمْ اَلَمْ یَکُنْ لَّہُمْ اَنۡ یَّکْفُرُوۡا بِمَا کُفَرُوۡا بِہٖ مِنْ قَبْلُ
یہودی تھے اور نصاریٰ کے متعلق فرمایا کہ یہ بھٹکے ہوئے لوگ ہیں، انہوں نے
توحید کو چھوڑ کر شرک کو اختیار کیا۔ فرمایا یہ لوگ اہل ایمان کے ساتھ استہزاء کرتے
ہیں۔ حالانکہ یہ اللہ کے نزدیک بدترین لوگ ہیں۔ یہاں بھی فرمایا کہ بدترین لوگ وہی
ہیں جن پر اللہ کی لعنت اور غضب ہوا اور نبیؐ اور رسولؐ بنا دیا اور وہ جو شیطان
کے پیچاری بن گئے۔

سورۃ اعراف اور دو سر مقلات پر موجود ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام
کے زمانے میں تعدی و تجاوز کرنے والے بنی اسرائیل ہی تھے۔ اللہ نے ان کی
نافرمانیوں پر انہیں بار بار تنبیہ کی مگر جب وہ باز نہ آئے تو اللہ نے ان کی شکلیں
تبدیل کر کے بعض کو بندر بنادیا اور بعض کو خنزیر۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے
نانے میں بھی ایسا ہی ہوا تھا، ان کو کہا گیا تھا کہ ماؤہ آسمانی کو ذخیرہ بنا کر رکھنا
مگر یہ لوگ باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی شکلیں تبدیل کر دیں۔
اور فرمایا کہ بدترین لوگوں میں وہ بھی ہیں جنہوں نے توحید کو چھوڑ کر شیطان
کی پرستش شروع کر دی شیطان کے نقش قدم پر چلنا اور اس کی بات کو
ماننا یہی شیطان کی پوجا ہے۔ یہ پرستش محض سجدہ کرنے سے ہی عبارت
نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی کی فرمانبرداری کرنا اس کی عبادت میں ہی
شامل ہے۔ قرآن لوگوں نے اللہ کے احکام کو نظر انداز کر دیا اور شیطان کی باتوں
پر عمل کرنے لگے۔ فرمایا اُولَٰئِکَ شَرٌّ مَّا کَانَ یُرٰوۡکَ مِنْہٗمْ
لحاظ سے بھی بدترین ہیں وَ اَصْلَ عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ اور میرے
راستے سے باطل بیکے ہوئے ہیں۔

ایمان کا
باطل دھڑکا

اہل کتاب خاص طور پر یہودیوں میں کچھ منافق قسم کے لوگ بھی تھے! جو

بظاہر کلمہ بھی پڑھتے تھے مگر درپردہ ان کے تعلقات یہودیوں کے ساتھ بھی تھے۔ آگے ان کے متعلق ارشاد ہوتا ہے وَإِذَا جَاءُوكُمْ قَالُوا الْحَسَنُ جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں حالانکہ محض زبانی دعوئے ہیں اور حقیقت یہ ہے وَمَا لَهُمْ يُؤْمِنُونَ کہ وہ ایمان والے نہیں ہیں۔ ان کا دعویٰ غلط ہے۔ يُخَذِّلُكُمْ اللَّهُ وَالَّذِينَ الْحَسَنُوا یہ اللہ اور اہل ایمان کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ دل میں کفر بھرا ہوا ہے اور زبان سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں۔ فرمایا یہ اپنے دعوئے میں بالکل جھوٹے ہیں۔ ان کی اصلیت یہ ہے وَقَدْ ذَخَلُوا بِالْكُفْرِ کہ وہ کفر کے ساتھ آپ کے پاس آتے ہیں وَهُمْ قَدْ خَسِبُوا بِهِ اور اسی کفر کے ساتھ ہی واپس چلے جاتے ہیں۔ یہ اپنے کفر پر بہتور قائم ہیں إِنَّ كُفْرًا میں ایمان داخل نہیں ہو سکا۔ فرمایا وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ اللہ تعالیٰ اس چیز کو خوب جانتا ہے جس کو یہ چھپاتے ہیں۔ وہ عظیم گل ہے اس کی نظروں سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ جب منافق اہل ایمان کی مجلس میں آکر ایمان کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں تو اللہ کو علم ہوتا ہے کہ یہ محض اپنے مفاد کی خاطر ایمان کا زبانی دعویٰ کر رہے ہیں حقیقت میں ان کے دل کفر سے لبریز ہیں

فرمایا وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ يَتَّبِعُونَ كَثِيرٌ مِّنْهُمْ لے مخاطب! تو ان میں سے بہتوں کو دیکھے گا کہ وہ گناہ کی طرف دوڑ کر جاتے ہیں۔ ان کی رغبت نیکی کی بجائے گناہ کی طرف ہے وَالْعُدُوْنَ اور یہ تعدی کی طرف بھی دوڑتے ہیں وَأَصْحَابُ الْمَشْجَمَاتِ اور حرام کھانے میں بھی جلدی کرتے ہیں۔ یعنی ان تین چیزوں کی طرف راغب ہیں۔ یہ بُری خصلتیں بھی اہل کتاب میں پائی جاتی ہیں۔ گناہ سے مراد وہ برائی ہے جس کا وبال انسان کی اپنی ذات تک محدود ہوتا ہے

برائی کی
طرف رغبت

عدوان وہ برائی ہے جس کا اثر دوسروں پر پڑتا ہے جن کے ساتھ ظلم و زیادتی کی جائے اور اکل حرام ایسی چیز ہے جس سے انسان کی روح ناپاک ہو جاتی ہے۔ ماہرین نفسیات اور محققین کہتے ہیں کہ جب انسان کی قوتِ لطفیہ یعنی گروہ جیسی پاکیزہ طاقت خراب ہو جاتی ہے تو وہ گناہ کی طرف دوڑتا ہے، جھوٹ،

بولتا ہے، وعدہ خلافی کا ارتکاب کرتا ہے۔ اور جب انسان کی قوتِ غضبیہ میں فتور آجائے، تو وہ دوسروں پر زیادتی کرنے لگتا ہے کسی کی جان کو نقصان پہنچاتا ہے، کسی کا مال ہضم کرتا ہے اور کسی کو بے آبرو کر دیتا ہے۔ یہ عدوان ہے اگر انسان اس قوت کو بر محل استعمال کرے تو وہ مظلوم کی مدد کر سکتا ہے کفر کے خلاف جہاد کر سکتا ہے۔ اس کی قوت

عدل و انصاف کے قیام میں مدد دے سکتی ہے اور وہ کمالِ رجب کا بااخلاق آدمی بن سکتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب انسان کی قوتِ شہوانیہ میں فساد آتا ہے تو وہ حرام کاری کرنے لگتا ہے۔ یہ تمام بری خصلتیں یہودیوں میں پائی جاتی ہیں۔ وہ جھوٹ بولتے ہیں، عہد شکنی کے مرتکب ہوتے ہیں، تعدی اور تجاوز کرتے ہیں، حرام خور ہیں، دھوکہ باز اور سود خور ہیں۔ رشوت، نیاز وغیرہ سحر اور تعویذ گندلوں کی کمانی کھاتے ہیں۔ فرمایا لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ بہت ہی بُرا ہے جو کچھ یہ کرتے ہیں۔ نتیجہ کے اعتبار سے ان لوگوں کے مذکورہ افعال ان کے لیے نہایت ہی نقصان دہ ثابت ہوں گے۔

علامہ شافعی
کی ذمہ داری

یہودیوں کے پیر اور علماء بھی اکل حرام میں ملوث ہو چکے تھے۔ سورۃ توبہ میں موجود ہے اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَخْبَارِ وَالنُّسَبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ یہ لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے تھے، جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ حرام خوری ان کی قوتِ شہوانیہ کے دستور کا نتیجہ تھی۔ جب وہ خود حرام خوری اور کذب بیانی کے مرتکب ہونے لگے تو وہ اپنے متبعین کو ان قبیح حرکات سے کیسے روک

کئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں پرفریا کولاً یُنہمہم الذّٰلِیْنِیُون
 وَالْحٰکِبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاکْلِهِمُ السَّخْتِ
 ان کے درویش اور عالم ان کو کذب بیانی اور اکل حرام سے کیوں نہیں روکتے
 وہ جانتے ہیں کہ ان کی قوم فلاں فلاں جرم میں ملوث ہے، سب کچھ انکی
 آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے مگر وہ انہیں روکنے کی ہمت نہیں پاتے
 کیونکہ وہ خود بھی انہی گناہوں میں ملوث ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ علماء اور مشائخ کا
 فرض تھا کہ وہ گناہ کی باتوں اور حرام خوری سے قوم کو منع کرتے مگر وہ ایسا
 نہیں کرتے، لہذا قوم کے راہِ راست پر لانے کا کوئی امکان نہیں۔

سید علی ہجویریؒ اور بعض دوسرے بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ کسی قوم
 کے اکابرین ہی اس قوم کے لیے اچھائی یا برائی کی بنیاد ہوتے ہیں۔ انہی کے
 عمل پر سوسائٹی کا طرزِ عمل مرتب ہوتا ہے۔ اگر امرا اور حکام درست ہونگے
 تو سوسائٹی صحیح سمت میں رواں دواں ہوگی اور اگر وہی بگڑ گئے تو ساری معیشت
 ہی تباہ ہو جائیگی کیونکہ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ کے مصداق
 لوگ بھی اپنے امرا کی پیروی میں برے راستے پر ہی چلیں گے۔ فرماتے ہیں اگر
 پیر اور درویش لوگ ٹھیک ہوں گے تو سوسائٹی میں اعلیٰ اخلاق پیدا ہوں گے
 جتنے بھی بزرگانِ دین اور نیک لوگ گزرتے ہیں انہوں نے عوام کی آسلی
 تربیت کی ہے اور لوگ ان کی تعلیم سے فیضیاب ہوئے ہیں۔ اور یہی لوگ
 حرام خوری کرنے لگیں اچھائی اور برائی کی تمیز اٹھ جائے تو سوسائٹی کیسے درست
 ہو سکتی ہے۔ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تشریح تو علمائے امت کے
 ذمہ ہے، اگر وہی ای برائیوں میں ملوث ہو جائیں تو پھر قوم کی تربیت کون کرے گا؟
 اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی ضربوں کا تذکرہ فرمایا ہے
 اور ان کی مذمت بیان کی ہے مگر جب ہم اپنے آپ کی طرف دیکھتے
 ہیں تو اپنے آپ کو اہل کتاب سے کم تر نہیں پاتے۔ یہودیوں کے علماء،

مشائخ کی طرح امت مسلمہ کے علماء و مشائخ بھی اسی ڈگر پر چل نکلے ہیں۔ راءد اور حکام بگڑ گئے ہیں۔ قوم کی نہ تو معیشت اچھی ہے اور نہ اخلاق بہتر ہے۔ کوئی چیز اپنے ٹھکانے پر قائم نہیں رہی۔ چنانچہ مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ اس آیت میں علماء و مشائخ کو سخت تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو بچائیں ان کا فرض ہے کہ وہ خود بھی احکام اللہ پر عمل پیرا ہوں اور لوگوں کو بھی اس پر موعظ اور نہی عن النکر کا درس دیں۔ انہیں لازم ہے کہ وہ جائز ناجائز اور حلال و حرام سے عوام کو روشناس کرائیں انہیں نیکی کی طرف راغب کریں اور برے اعمال کے نتائج سے خبردار کریں۔ کذب بیانی اور حرام خوردی کے خلاف جہاد کریں مگر افسوس کہ وہ اپنا فرض بھول چکے ہیں اور خود بھی ان ضاریوں کا شکار ہو چکے ہیں۔ فرمایا لِبَشَرٍ مَّا كَانُوا يَصْنَعُونَ بہت براست جہاں کچھ وہ کرتے ہیں۔ برائی کے مرتکب خواہ اہل کتاب اور ان کے علماء ہوں یا نہ ہوں۔ مسلمانوں کے لوگ اور ان کے علماء و مشائخ، برائی بہر حال برائی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت بیان فرمائی ہے، اور ساتھ ساتھ سخت تنبیہ بھی کی ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَفْلُوءَةٌ غَلَّتْ أَيْدِيهِمْ
وَلَعِنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ يَدُهُ مَبْسُوطَةٌ يَنْفِقُ
كَيْفَ يَشَاءُ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أُنْزِلَ
إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُفْيَانًا تَكْفُرًا وَالْقَبِيلَا بَيْنَهُمُ
الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كُلَّمَا أَوْقَدُوا
نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا
وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾ وَلَوْ أَنَّ أَمَلَ الْكِتَابِ
أَمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ
وَلَا دَخَلْنَاهُمْ جَنَّتِ النَّارِ ﴿٦٤﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ
أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ
مِّن رَّبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ
أَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ
وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ سَاءٌ مَا يَعْمَلُونَ ﴿٦٥﴾

ترجمہ :- اور یہودیوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ جڑے
ہیے گئے۔ ان یہودیوں کے ہاتھ جڑے ہیے گئے ہیں، اور ان پر
لعنت کی گئی ہے اس وجہ سے جو انہوں نے کہا، بلکہ اللہ

کے ہاتھ تو کٹ رہے ہیں ، وہ خنق کرتا ہے جس طرف چاہے
 اور البتہ ان میں سے بہتوں کے لیے زبردہ کیچی وہ چیز جو مذہبی
 غمئی ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے ، ان کے لیے
 سرکشی اور کفر کو ۔ اور ہم نے ڈال دی ہے ان کے درمیان
 عداوت اور دشمنی قیامت تک ۔ جب بھی یہ لڑائی کی آگ
 بھڑکاتے ہیں ، اللہ اُس کو بجھا دیتا ہے اور یہ کوشش کرتے
 ہیں زمین میں فساد کی ۔ اور اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا فساد کرنے
 والوں کو (۶۴) اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور ڈرتے ، البتہ ہم
 اُن کو معاف کر دیتے اُن کی برائیاں اور ہم ضرور داخل کر دیتے
 اُن کو نعمتوں کے باغوں میں (۶۵) اور اگر یہ لوگ قائم کرتے
 تواریت اور انجیل کو اور جو چیز نازل کی گئی ہے اُن کی طرف
 اُن کے رب کی طرف سے البتہ کھاتے وہ اُوپر سے اور
 پاؤں کے نیچے سے ان میں سے ایک امت مہذبہ روی والی
 ہے اور بہت سے ان میں سے وہ ہیں جو بہت بُرے کام
 کرتے ہیں (۶۶)

یہود اور منافقین کی بہت سی بُری خصلتوں کا تذکرہ گذشتہ دروس میں ہو چکا ہے
 انکی کی شرارتیں ، سرکشی ، عداوت خودی اور حق کی مخالفت وغیرہ کے متعلق سیر حاصل سمجھتے
 ہو چکی ہے ۔ اُن کی طرف سے اللہ کے نبیوں اور ایمان والوں کی ایذا رسانی ان کو
 عام معمول ہے اور اب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اُن کی گستاخی اور بے ادبی کا تذکرہ ہو
 رہا ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ یہودیوں
 نے کہا کہ اللہ کے ہاتھ بند کر دیے گئے ہیں یعنی خدا تعالیٰ اب معاذ اللہ بھیل ہو گیا ہے
 کیونکہ وہ ہمیں ہماری ضروریات بہم نہیں پہنچاتا ۔ اُن کا کام یہ تھا کہ جب ذرا تنگی آتی تو

اللہ تعالیٰ کا کلمہ شکوہ کہنے لگئے اور اس طرح اُس کی شان میں گستاخی کے کلمات کہنے لگے۔ اس سے پہلے سورۃ آل عمران میں گنہگار چکاسے کہ جب یہودیوں کو کہا گیا کہ اللہ کے راستے میں خرچ کرو، تو کہنے لگے "إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ" اُس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ محتاج ہو گیا اور پھر ہم غنی ہیں کیونکہ وہ ہم سے مانگتا ہے۔ اسی طرح جب قرضِ حسنہ کا ذکر آیا "وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا" یعنی اللہ کو قرضِ حسنہ دو، تو کہنے لگے "نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ ذَلِكَ" ہو گیا ہے جو قرض مانگتا ہے۔ ابتدا میں یہودی پرے علاقے میں تجارت پر چھائے ہوئے تھے اور آسودہ حال تھے۔ جب مسلمانوں کو عروج حاصل ہوا اور یہود کی مالی حالت کچھ کمزور ہوئی تو گستاخی کے کلمات کہنے لگے کہ اللہ کے ہاتھ جکڑ دیے گئے ہیں، اب وہ اپنے بندوں کے لیے وسعتِ رزق پر قادر نہیں رہا۔

یہودیوں کی اس گستاخی اور بے ادبی کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ انہی کے ہاتھ جکڑ دیے گئے ہیں کیونکہ تمام بری خصلتوں، بخل، کینہی، کذب، بیانی وغیرہ میں وہی مبتلا ہیں وَالْعَسَا ذِبَا قَالُوا اور اس طرح کہنے کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی ہے، کبھی اُس کو فقیر کہا ہے اور کبھی کجخوس، لہذا اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ فرمایا حَقِيقَتُ يَدُ اللَّهِ مَبْسُوطَةٌ اللہ کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں۔ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ وہ خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے۔ وہ مالک اور مختار ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے روک لیتا ہے اُس کی حکمت میں کوئی دخل اندازی نہیں کر سکتا۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں کا ذکر کیا ہے۔ دوسرے مقامات پر اللہ کے چہرے اور پیٹلی کا ذکر بھی آتا ہے۔ یہاں پر یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی

اللہ کے
ہاتھ

چاہیے کہ یہ چیزیں مشابہات میں آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے چہرے ہاتھ پاؤں پٹلی کا اطلاق انسانی اعضا پر نہیں کیا جاسکتا۔ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں مگر انسان یا کسی دوسری مخلوق کے ہاتھوں کی طرح نہیں بلکہ اُس طرح کے ہاتھ مراد ہیں جیسے اُس کی شان کے مناسب ہیں۔ اللہ کے ہاتھوں کے متعلق ہماری طرح دائیں بائیں کا تصور بھی نہیں رکھنا چاہیے بلکہ بے کیف ہاتھوں پر ایمان ہونا چاہیے۔ شاہ عبدالقادر محمد شفیع فرماتے ہیں کہ دونوں ہاتھوں سے مراد اللہ کی مہر اور قہر کے ہاتھ ہیں۔ فرما ہر داروں اور اطاعت گزاروں کے لیے مہر کا ہاتھ ہے اور نافرمانوں کو سزا دینے کے لیے قہر کا ہاتھ ہے مہر حال شاہ صاحب نے مہر اور قہر کے یہ مجازی معنی بیان کیے ہیں اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے مہر اور قہر کے دونوں ہاتھ پھیلے ہوئے ہیں اور وہ اپنی مشیت کے مطابق جیسے چاہتا ہے ویسے ہی کرتا ہے۔

اور اگر ہاتھ کا معنی بعینہ ہاتھ ہی لیا جائے تو پھر وہ بے کیف ہے اللہ تعالیٰ عرش پرستوی ہے مگر بے کیف۔ ہم اُس کیفیت کو نہیں سمجھ سکتے۔ صرف ایمان لانا ضروری ہے۔ "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ" مخلوق میں کوئی چیز اس سے مشابہت نہیں رکھتی لہذا ہم اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں، چہرے، پٹلی، آنکھوں اور کانوں وغیرہ کو اپنے تصور میں نہیں لاسکتے کیونکہ خدا تعالیٰ بے مثل ہے جب ہم سبحان اللہ کہتے ہیں تو اس کا مطلب ہوتا ہے اُس کی ذات ہر نقص اور عیب سے پاک ہے اس کے ہاتھ کشادہ ہیں اور وہ جس طرح چاہے خرچ کرتا ہے۔

سُورَةُ الشُّرَا
كَفَرٌ مِنْهُ

فرمایا یودیوں کا حال تر یہ ہے وَلَيَنْزِلَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ
مَّا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَاؤًا وَكُفْرًا ۚ إِنَّ مِنْ
مُتَّبِعِيهِ كَثِيرًا ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ
بتوں کے لیے آپ کے رب کی طرف سے آپ کی طرف نازل کردہ چیز
سُورَةُ الشُّرَا ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ

نازل ہوتا ہے تو وہ یہودیوں پر گراں گزرتا ہے، وہ اس سے چڑھتے ہیں۔ اور اس کی ہمانیت اس نے گئے ہیں کیونکہ وہ ان کی کذب بیانی اور تحریفی الحاد کا پردہ چاک کرتا ہے۔ منافقین کے متعلق بھی آیت ہے کہ جب قرآن پاک کی آیات نازل ہوتی ہیں فَنَزَّادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَى رِجْسِهِمْ تَوَّانُ کی گندگی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اُن کے دلوں میں کفر، شرک اور نفاق کی نجاست پہلے ہی موجود ہوتی ہے، جب مزید آیتیں نازل ہوتی ہیں تو اُن کی نجاست میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَنَزَّادَتْهُمْ رِجْسًا مَّا تَوَّانُ ایمان کے ہیں، قرآن کی نازل ہونے والی آیات اُن کے ایمان میں مزید اضافہ کر دیتی ہیں۔ اسی طرح یہاں پر فرمایا کہ یہودیوں کے دلوں میں سرشی اور کفر تو پہلے ہی موجود ہے نئی نازل ہونے والی آیات کی وجہ سے اُن کی نجاست مزید توجہ باتیں آئے اللہ تعالیٰ نے اُس سزا کا ذکر کیا ہے جو بنی اسرائیل پر مسط کی تھی۔ ارشاد ہے وَالْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے عداوت اور دشمنی ڈال دی ہے۔ یہ لوگ اندرونی طور پر ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریبان رہیں گے۔ ان میں کبھی فرقہ وارانہ منافرت پیدا ہوگی، کبھی ذاتی مفاد پیش نظر ہوگا اور کبھی سیاسی امور ان میں اختلاف کا باعث ہوں گے، اللہ نے فرمایا قیامت تک ان میں اتحاد و اتفاق کی فضا قائم نہیں ہو سکے گی۔

آیس کی
عدوت

فرمایا كَلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ جب یہی یہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُسے بجھا دیتا ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں انہوں نے مسلمانوں کا راستہ روکنے کی بڑی کوشش کیں، مگر اللہ تعالیٰ نے

ہر بار انہیں ناکام کیا اور اسلام کی شمع کو گل کرنے کی اُن کی خواہش پوری نہ ہو سکی
اُس زمانے میں مسلمان میں جذبہ ایمان موجزن تھا، اُن پر بڑی بڑی آزمائشیں بھی
آئیں مگر اُن کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی اور یہودیوں کی تمام تر سازشوں
کے باوجود وہ کامیاب ہی ہوتے چلے گئے۔ اور دنیا نے دیکھ لیا کہ اَللّٰہُ
مَعَ الْمُتَّقِينَ اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ ہے، یہود و نصاریٰ اور
کفار و مشرکین کی کوئی چال کامیاب نہ ہو سکی۔

فساد
فی الارض

فرمایا اِن کا حال یہ ہے وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا
یہ زمین میں فساد برپا کرتے ہیں لوگوں کو گمراہ کرنا، اسلام سے بظن کرنا۔
پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پراپیگنڈا کرنا، قرآن کے متعلق غلط بیانی
کرنا اور اپنی کتابوں میں تحریف کرنا ان کا کام ہے اور یہی فساد فی الارض ہے
اس طرح کفر و شرک کا ارتکاب کرنا، اکل حرام، بدعات کی ترویج وغیرہ بھی
زمین میں فساد پیدا کرنے کے مترادف ہے۔ جب تک شرائع الہیہ پر کما حقہ
عمل نہیں ہوتا، بنی نوع انسان کو امن نصیب نہیں ہو سکتا۔ اہم بیضادی فرطے
ہیں کہ شرائع الہیہ کے خلاف کام کرنا دین الہی کو توڑنا اور اس کے برخلاف
چلنا فساد فی الارض ہے۔

آج کل فساد فی الارض کی بیماری میں خود مسلمان بھی طوط ہو چکے ہیں۔
شرائع الہیہ کو مختل کر رکھا ہے، نہ حدود اللہ جاری ہیں اور نہ حقوق العباد کا
تحفظ ہے، انگریز کامرتب کردہ قانون ابھی تک نافذ ہے۔ اس سرزمین
سے انگریز کی جڑ تو چالیس سال ہوئے اکھڑ چکی ہے لیکن اس کا لایا ہوا قانون
ابھی تک ہمارے سروں پر مسلط ہے۔ آج وائی گورنر کا چیف جسٹس کتا ہے
کہ موجودہ انگریزی قانون عدل کے خلاف نہیں۔ ایک ریٹائرڈ جج نے بھی
انہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اگر یہی بات ہے تو مسلمانوں نے اسلام کے
نہ پر علیحدہ حکم حاصل کرنے کی کیوں جدوجہد کی اور اس کے لیے لاکھوں

جانوں کی قربانی کیوں پیش کی۔ انگریزی قانون کی بنیاد سراسر ظلم و زیادتی پر ہے خود یورپ کے انگریزوں نے تسلیم کیا ہے کہ اس قانون کے ذریعے عدل نصیب نہیں ہو سکتا۔ یہ تو شیطان کا جال ہے کمزوروں کو پھانسا ہے اور طاقتوروں کو چھوڑ دیتا ہے اس کے ذریعے انصاف کیسے حاصل ہو سکتا ہے آج مسلمان اغلال بالشرائع کر رہے ہیں۔

فَرَمَا، وَلِلّٰهِ لَا تُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو ہم کر
پسند نہیں کرتا۔ بلکہ ایسا آدمی اللہ کی نکاح میں برا ہے۔ جو شخص بدعتیگی اور بدعت کو
رواج دیتا ہے، کفر اور شرک کو پھیلاتا ہے، اسلام کے راستے میں رکاوٹ بنتا
تو انین الیہ کے سامنے دیوار بن گیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ کیسے ہو سکتا
ہے۔ اللہ کو محبوب وہ شخص ہے جو کفر کی بجائے ایمان والا ہے۔ جو لفاق کی
بجائے اخلاص کا حامل ہے اور زمین میں فساد کی بجائے اصلاح کی کوشش کرتا
ہے۔ یہی اللہ کا پسندیدہ بندہ ہے۔ مگر اعلیٰ اس کے حق میں دعائیں کرتے ہیں۔
یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ جب تک انگریز کا دودھ پیٹنے والا نہ کرے شادی
طبقہ برسر اقتدار ہے، نہ انگریزی قانون سے نجات مل سکتی ہے اور نہ اسلامی قانون
آسکتا ہے۔ اسلامی قانون کے نفاذ سے انگریزی ذہنیت کے لوگوں کے مفاد
پر زور پڑتی ہے، لہذا یہ حتی الامکان اُس کی مخالفت کریں گے۔ یہودیوں کا منہ
بھی یہی تھا۔ اگر وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کر لیتے تو ان کے
ذاتی مفاد کو نقصان پہنچتا تھا، انہیں حلال و حرام کی تمیز کرنا پڑتی۔ حقوق اللہ اور
حقوق العباد کا خیال کرنا پڑتا، ان کی جائدادیں، جاگیریں اور وظیفے ختم ہو جاتے۔
لہذا انہوں نے ہمیشہ اسلام کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوشش
کی اور فساد فی الارض کے مرتکب ہوئے جنہیں اللہ پسند نہیں کرتا۔

فَرَمَا، وَتَوَّأَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقُوا اور اگر اہل کتاب
ایمان لاتے اور کفر، شرک اور معاصی سے ڈر جاتے لکھو فَاَعْنُهُمْ سَيَأْتِيَهُمْ

بانک
ریکٹ

ہم ان کی برائیوں اور غلطیوں کو معاف کر دیتے، بالکل اُسی طرح جس طرح
مخلص مومنوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ وَلَا دَخَلْنَاهُمْ
جَدَّتِ النَّعِيمِ اور اللہ تعالیٰ انہیں نعمت کے باغوں میں داخل
کرتے اور وہ فلاح پا جاتے۔ فرمایا وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْبَةَ
وَالْجَمِيلَ اور اگر وہ توبہ اور انجیل کو قائم کرتے مگر اپنے دور میں تو
انہوں نے اُسے قائم نہیں کیا۔ بلکہ اس میں تحریف کے ترکیب ہوئے اور اس
کے احکام کو جھپٹنے کی کوشش کرتے رہے اگر یہ اپنی کتابوں پر عمل درآمد کرتے
وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ نَبِيٍّ اور اس چیز کو بھی قائم کرتے
جو ان کے رب کی طرف سے ان پر اتاری گئی ہے۔ یعنی قرآن پاک۔ تو
اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں ان کے شامل ہوتیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ لَوْ
مِنْ فَوْقِهِمْ تَرَاهُمْ كَمَا تَرَاهُمْ اور پر سے۔ یعنی ان کے لیے آسمانوں
سے رحمت کے دروازے کھول دیے جاتے۔ آسمانی برکات میں نفع بخش بارش
اور بھیجی آب و ہوا شامل ہے جس سے ان کی کھیتیاں اور باغ لہلہاتے
اور یہ خوب خوشحال ہوتے۔ پیداوار وافر ہوتی۔ خوب کھاتے پیتے اور ان
کی صحت بھی اچھی ہو جاتی۔ وَبَنِيَّ نَحْنُ أَنْ جُلُوسُهُمْ اور اپنے
پاؤں کے نیچے سے بھی کھاتے۔ یعنی ان کے سینے زمین کی اسباب بھی مہیا
ہوتے۔ انسانی ضروریات کی تمام چیزیں زمین سے پیدا ہونے لگتی ہیں اور
انہیں کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہوتی۔ اس طرح گویا یہ لوگ آسمانی اور زمینی ہر قسم
کی برکات سے فیضیاب ہوتے مگر ان کا حال یہ ہے کہ معمولی سی تکلیف
آگئی تو اللہ رب العزت کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کے کلمات
بر لنے لگے، جو ان کے لیے کسی طرح بھی روانہ نہیں تھا۔ اور اس طرح یہ
اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکات سے محروم ہو گئے۔

یہ تمام خرابیاں بیان کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سائے
مستندہ

یہودی ایک جیسے نہیں۔ سورۃ آل عمران میں بھی گزر چکا ہے "لَیْسُوْا سَوَآءٌ" کر یہ سب برابر نہیں۔ یہاں پر بھی "لَا یَا مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ" ان میں کچھ میانہ روی ملے لوگ بھی موجود ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی بعض ایسے لوگ موجود تھے اور ایسے آدمی ہر زمانہ میں ہوتے رہے ہیں۔ عدی ابن حاتم مانی حضور علیہ السلام کے زمانہ میں عیسائیت کو چھوڑ کر اسلام لائے۔ تیمم داری بھی پہلے عیسائی مذہب رکھتے تھے۔ مگر مسلمان ہو گئے۔ یہودی عالم حضرت عبداللہ بن سلام ایمان لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عشرہ مبشرہ کی طرح انہیں بھی قطعی جنتی قرار دیا۔

مکہ و کتبہ کے زمانے میں عبداللہ کو علم اسلام سے مشرف ہوئے ان کے ساتھ اُن کے خاندان کے چالیس آدمی مسلمان ہوئے۔ آپ پر انگریزوں نے مقدمہ قائم کیا اور بڑی اذیت پہنچائی مگر آپ کے پاس استقلال میں نفوذ نہ آئی۔ جرمنی کا یہودی لیوپولڈ اسلام لایا جس کا اسلامی نام محمد اسد رکھا ہے۔ اب بھی زندہ سلامت ہے۔ اسی سال سے زیادہ عمر ہو چکی ہے۔ اب تک اچھی کتابیں لکھ رہا ہے۔ مقصد یہ کہ ہر دور میں صاحبِ فہم و فراست لوگ موجود رہے ہیں جنہوں نے اسلام کی حقانیت کو تسلیم کیا ہے۔ انہی کو امتِ مقصدہ فرمایا گیا ہے۔ فرمایا "وَكُنْتُمْ مِنْهُمْ سَاءً مَّا يَفْعَلُ الْكَافِرُونَ" البتہ ان کی اکثریت ایسی ہے جو بہت برا کام کرتے ہیں۔ وہ بلاشبہ مذمت کے قابل ہیں، تاہم اچھے لوگوں کی قدر کرنی چاہیے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اُن کو ساتھ لے کر ملیں، ان کی جو مسلمان کریں۔ قرآن کریم کا پروردگار ہم ان تک پہنچائیں۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ مسلمان خیر و صراطِ مستقیم سے ہٹ چکے ہیں۔ آج قرونِ اولیٰ کے مسلمان کہاں سے آئیں جو دین کے پورے کی آبیاری کریں۔ آج تو خود مسلمان کفر،

شرک اور بدعات میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ ان کا منتہی مقصود کھیل و تماشہ
 بن چکا ہے، آرام طلبی، عیش و عشرت، پمعانی، فحاشی کے دلدادہ ہیں
 ان میں پہلے سا جوش و جذبہ کہاں سے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم کرے
 اور ہمیں قرونِ اولیٰ کے مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ
لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ
مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٦٧﴾
قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى تُقِيمُوا
التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنَ
رَبِّكُمْ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ
طُغْيَانًا وَكُفْرًا فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٦٨﴾

ترجمہ :- اے رسول ! پہنچا دیں وہ چیز جو نازل کی گئی
ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے اور
اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو مگر آپ نے اُس کی رسالت
کا حق ادا نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ آپ کو بچائے گا لوگوں
سے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں راہ دکھاتا کفر کرنے والی قوم
کو ﴿۶۷﴾ اے پیغمبر ! آپ کہہ دیجئے اے اہل کتاب ! نہیں
ہو تم کسی چیز پر حتیٰ کہ تم قائم کرو تورات اور انجیل
کو اور اُس چیز کو جو نازل کی گئی ہے تمہاری طرف تمہارے
رب کی جانب سے اور البتہ زیادہ کریگی اُن میں سے
اکثریت کے لیے جو چیز اُتری گئی ہے آپ کی طرف آپ کے رب
کی جانب سے ، کثرت کفر پس نہ افسوس کریں آپ اُن لوگوں پر جو کفر کرتے ہیں ﴿۶۸﴾

گزشتہ آیات میں اہل کتاب کی خدمت میں ہونی تھی ان کی سرکشی، کفر و کفر
خدا فی الارض کا ذکر تھا۔ وہ لڑائی کی آگ بھڑکانا چاہتے تھے، مگر اللہ نے انہیں
اکام بنایا اور بطور نصیحت فرمایا کہ اگر تم تورات و انجیل کو قائم کرتے اور نازل
شدہ ہدایت پر عمل کرتے تو آسمان وزمین کی برکات تمہارے شامل حال ہوتیں
مگر یہود و نصاریٰ کی اکثریت نافرمان تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرمایا
کہ اُن میں کچھ باصلاحیت لوگ بھی موجود ہیں جو میاں روی اختیار کرتے ہیں اُن
کو ہدایت نصیب ہو جاتی ہے اور اہل ایمان کا بھی فرض ہے کہ وہ ہدایت
کی بات محنت اور کوشش سے اُن تک پہنچائیں۔ اب آج کے درس میں
اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو مخاطب کر کے فرمایا کہ وہ اپنا فریضہ تبلیغ دین انجام
دیتے رہیں اور مخالفین کی پروا نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ خود دشمنوں سے آپ کی
حفاظت کرے گا۔

ارشاد ہوتا ہے **يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَمَّا أَتَىٰ بَلَّغْ مَا أَنزَلَ**
إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ آپ پہنچا دیں وہ چیز جو آپ کی طرف آپ کے
رب کی جانب سے نازل کی گئی ہے۔ اور وہ قرآن پاک اور اس کی تشریح ہے
تشریح میں احادیث کا پورا ذخیرہ آجاتا ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول
اور عمل ہے۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ اس چیز سے مراد وہ تمام احکام ہیں
جو انسانوں کی مصلحت اور بہتری سے تعلق رکھتے ہیں چنانچہ حضور علیہ السلام
کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ تمام چیزیں جن کا تعلق انسان کے عقیدے اور عمل کے
ساتھ ہے، وہ لوگوں کے سامنے بیان کر دیں۔ البتہ بعض بہت باریک
نکات جو اسرار الہیہ کہلاتے ہیں انہیں ظاہر کرنے کا حکم نہیں ہے۔ کیونکہ
ایسی چیزوں کا بندوں کی مصلحت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ایسے رموز و
نکات کو خواص تو سمجھ لیتے ہیں مگر ان کا سمجھنا عوام کے بس میں نہیں ہوتا۔
لہذا انہیں تمام لوگوں تک پہنچانا مناسب نہیں ہوتا۔ مسلم شریف میں حضرت

عبداللہ بن مسعود کا قول موجود ہے مَا أَنْتَ بِمُحَدِّثٍ قَوْمًا حَدِيثًا
لَا تَبْلُغُهُمْ عَقُولُهُمْ إِلَّا صَعَانَ لِبَعْضِهِمْ فِتْنَةً جس
بات کو عام لوگوں کی عقلیں سمجھنے سے قاصر ہوتی ہیں، ان کا بیان کرنا بعض
لوگوں کے لیے فتنہ اور گمراہی کا ذریعہ بن جائے گا۔ لہذا ان کا عام بیان درست
نہیں ہے۔ اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ البتہ جو باتیں انسانوں کی اصلاح
کے لیے ضروری ہیں ان میں سے کسی ایک کو بھی ترک کرنے کی اجازت نہیں
وہ سب کی سب لوگوں تک پہنچانا ہوں گی۔ اس بات کی وضاحت اُس
حدیث شریف سے ہوتی ہے جسے امام بیہقی نے نقل کیا ہے حضور علیہ السلام
نے فرمایا مَا مِنْ شَيْءٍ يَقْرِبُكُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَ
يُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ إِلَّا أَنْتُمْ كَمَا بَيَّضْتُمْ بِيضَ جَنَفٍ
سَمَّ قَرِيبَ كَرْنِ وَالِيٍّ أَوْ دُورَ زَنْجٍ سَمَّ دُورَ كَرْنِ وَالِيٍّ كَوْنِي أَيْسَى حَيْزٍ نَبِيٍّ
جو میں نے تمہیں بتائی ہو۔ میں نے ہر چیز تمہیں ٹھیک ٹھیک پہنچا دی ہے
مَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ كَا بَيَّضْتُمْ كَرْنِ

اس حدیث سے ان لوگوں کا رد ہوتا ہے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ
نبی علیہ السلام نے ساری کی ساری باتیں امت کو نہیں بتلائی، بعض چیزیں
بعض خاص آدمیوں کو بتائیں۔ رافضی کہتے ہیں کہ یہ خاص باتیں حضور علیہ السلام
نے صرف حضرت علیؑ کو بتائیں۔ یہ باطل عقیدہ ہے۔ اللہ کا رسول اس بات
کا پابند ہے کہ وہ انسانی اصلاح کی تمام باتیں لوگوں کے سامنے بیان کرے
وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَمِّنٍ تَالِمْ غَيْبِ اللہ تعالیٰ
کے دین کے جو احکام اور خاص اصول آتے ہیں، اللہ کا نبی انہیں ظاہر کرنے
میں سبیل نہیں کرتا، وہ سب باتیں پہنچا دیتا۔ لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ
قرآن پاک کی بعض آیات بھی حضور علیہ السلام نے حضرت علیؑ کو بتائیں اور
باقی لوگوں کے سامنے پیش نہیں کیں۔ ہر مال یہ غلط عقیدہ ہے۔ نبی کے

فرائض منصبی میں داخل ہے کہ وہ تمام احکام و قوانین لوگوں تک بے کم و کاست پہنچا دے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ اگر آپ نے ایسا نہ کیا، تمام احکام لوگوں تک نہ پہنچے، فَمَا بَلَّغْتُ رِسَالَتِي تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی رسالت کو نہیں پہنچایا، اگر آپ نے حق رسالت ادا نہیں کیا۔ اہم بیضاویؒ فرماتے ہیں: احکام الہی میں سے اگر کسی ایک چیز کو بھی آگے نہیں پہنچایا تو گویا کہ سب باتوں کو ترک کر دیا، کسی ایک حکم کو چھپانا، تمام احکام کو چھپانے کے مترادف ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص نماز میں سے کوئی ایک رکن ترک کر دے تو پوری نماز ترک کرنے کے برابر ہے اہم صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ کا نبی فریضہ رسالت پورے طریقے سے ادا کرنا ہے اور اس میں بال برابر بھی کوتاہی نہیں کرنا۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں سخت وعید سنائی ہے۔ ہر نبی نے قوم کو یہی کہا: أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَتِي میں پیغام خداوندی پورے طریقے سے تم تک پہنچا رہا ہوں اور اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کرتا، غرضیکہ اللہ کے احکام امت تک بلا کم و کاست پہنچانا نبی کے فرائض منصبی میں داخل ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نبی اپنے فرائض ابلاغ میں کوتاہی کرتا ہے، تو وہ شخص گمراہ ہو گا۔

مولانا مودودیؒ مرحوم نے اپنی تفسیر میں لکھا تھا کہ حضرت ابن عباسؓ سے فریضہ رسالت میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں، یہ نظریہ درست نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے فرض منصبی میں بال برابر بھی کوتاہی نہیں کی۔ اُن کی لغزش فریضہ رسالت کی کوتاہی نہ تھی۔ انہیں توقع تھی کہ اللہ کا حکم آنے والا ہے، چنانچہ انہوں نے قدم بے صبری کا اظہار کیا اور اللہ کا حکم آنے سے پہلے ہی اپنی سبق سے نکل گئے یہ اُن کی لغزش ضرور تھی، جہاں تک

ابلاغ رسالت کا تعلق ہے آپ عصر دراز تک قوم کو سمجھاتے رہے اور
مذاب الہی سے ڈراتے رہے اور اپنا فرض منصبی ادا کرتے رہے اللہ تعالیٰ تمام
انبیاء کو صغائر اور کبار سے خود پیدا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں گارنٹی
مکمل ہوتی ہے البتہ چھوٹی موٹی بھول یا غزش ہو جاتی ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت
موسیٰ علیہ السلام سے بھی ہوئی مگر یہ گناہ نہیں ہوتے۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام بڑی
حیثیت کے مالک ہوتے ہیں۔ لہذا ان کی طرف سے معمولی چیزیں بھی برداشت
نہیں ہوتیں اور انہیں ہر بغزش پر متنبہ کر دیا جاتا ہے۔

مسلم شریف اور دیگر کتب امامیہ میں موجود ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع
پر کمرہ ویش ایک لاکھ چالیس ہزار کے جم غفیر کے سامنے آپ نے فرمایا
مَنْ- وَأَنْتُمْ هُنَا لَوْ أَنَّ عِنْدِي مِنْكُمْ سِتْرَةٌ لَأَكْتُبُ لَكُمْ بِهَا قِيَامَتُكُمْ
پوچھنا جلنے کا۔ فَمَاذَا أَنْتُمْ فَعَالُونَ تَرْتَابُونَ کیا جو آپ
دو گئے تو صحابہ نے عرض کیا قالوا لنشهد انك قد بلغت
وادیة و نصحت حضور آپ نے امانت پر پورے طریقے پر
ادا کر دی اپنی تمام خداوندی کو پورے طریقے پر پہنچا دیا اور امت کی خیر خواہی کا
حق ادا کر دیا۔ یہ قین الفاظ آپ نے فرمائے۔ اس کے بعد آپ تین بار
آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر کہتے تھے اللھم اشھد۔ اللھم
اشھد۔ اللھم اشھد لے اللہ! گواہ ہو جا، لے اللہ! گواہ
ہو جا، لے اللہ! گواہ ہو جا۔ غرضیکہ حضور علیہ السلام نے فریضہ رسالت پر پورے
طریقے پر ادا کر دیا اور اپنی امت کو اس پر گواہ بنالیا۔

قرآن پاک وحی مجلی ہے جس کے الفاظ منجانب اللہ ہیں۔ اس کی
تشریح اللہ تعالیٰ نے وحی خفی یعنی حضور علیہ السلام کے ارشادات کے ذریعے
کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے دل میں وہ باتیں ڈال دیں جن
کے ذریعے آپ نے قرآن پاک کی توضیح و تشریح کی۔ اس کام کے لیے

اللہ تعالیٰ نے آپ کو پابند کر دیا تھا۔ لَتُبَيِّنَنَّ لِلنَّاسِ آيَاتِي مَا تُوِّدُ اِيْنَهُمْ (سورۃ نحل) جو کچھ بھی اُن کی طرف نازل کیا گیا ہے۔ اور اس طرح حضور علیہ السلام نے اپنے فرض منصبی کو بطریق احسن انجام دیا۔ جہاں تک قرآن کے الفاظ کی حفاظت کا تعلق ہے۔ اللہ نے فرمایا: **وَاِنَّا لَنَدْنُوْهُ لَخَفِظُوْهُ** ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ اور ان الفاظ کی تشریح کے متعلق بھی فرمایا **ثُمَّ اِنَّا عَلَيْنَا بِمَا فَعَلْنَا** اس کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے۔ یہ کام آپ نے اپنے نبی کی زبان سے کرایا اور یہی نبی کے فرض منصبی کی ادائیگی ہے۔

باقی یہ بات کہ حضور علیہ السلام کے دشمن بہت زیادہ تھے اور وہ ہر وقت حفاظت جان کی ذمہ داری آپ کو ادا پہنچانے کے دیئے ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ اپنا کام جاری رکھیں اور کفار، مشرکین، یہود و نصاریٰ سے خوفزدہ نہ ہوں **وَاللّٰهُ يَعْصَمُكَ مِنَ النَّاسِ** اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔ وہ آپ کو ہلاک نہیں کر سکتے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ابتدائے اسلام کے زمانہ میں آپ پر ایمان لانے والے قلیل تعداد میں تھے جب کہ دشمنوں کی اکثریت تھی۔ ایک روز آپ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا لیت رحبلا صالحا یجن منی اللیلۃ کاش میرے صحابہ میں سے کوئی ہوتا جو میری حفاظت کے لیے پہرہ دیتا آپ نے ابھی یہ بات زبان سے نکالی تھی کہ اُدھر سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ متحیا رہے کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت سعدؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور ساتویں نمبر پر ایمان لانے والے ہیں آپ برادری میں حضور علیہ السلام کے ماموں ہوتے ہیں۔ غرض! حضور علیہ السلام نے حضرت سعدؓ سے فرمایا، کیسے آنا ہوا؟ عرض کیا، میرے دل میں یہ بات آئی کہ دین کے دشمن چاروں طرف موجود ہیں۔ لہذا بہتر ہو کہ میں آپ کے

نہیں کھولنا بسمل انکار کی وجہ نہ کہ اللہ علیٰ قلوبہم
 اللہ ان کے دلوں پر پھپھے لگا دیتا ہے۔ دوست مقام پر کُل طبع اللہ
 عَلَیْهَا بِكَفَرِهِمْ کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ ایسے لوگ ہدایت
 سے قطعی طور پر محروم ہو جاتے ہیں۔ البتہ معتدل لوگ جو حق کے طلبگار ہوں
 ہیں اور ان کے دل میں صحیح بات معلوم کرنے کی خواہش موجود ہوتی ہے۔
 اللہ تعالیٰ ان کے لیے ہدایت کی کوئی سبیل پیدا فرما دیتا ہے اور وہ راہ راست
 پر آ جاتے ہیں۔ فرمایا یہود و نصاریٰ مَصْرَعِی الْمَکْفُرِہِیں۔ آپ ان سے کوئی
 تعلق نہ رکھیں کیونکہ انہیں ہدایت نصیب نہیں ہوگی۔ ظالموں کے متعلق
 بھی اللہ نے فرمایا کہ انہیں ہدایت نہیں ملے گی۔ دوست مقام پر
 فاسقوں کے متعلق بھی ہدایت سے محرومی کی خبر دی ہے۔

بہر حال فرمایا کہ اے نبی کریم! آپ اپنا حق رسالت ادا کرتے نہیں۔ تو نبی
 اور اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچانے میں ہیں۔ اہم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
 فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی نبوت در رسالت و وحییت سے
 آپ نے اپنی تبلیغ کا آغاز اپنے فِئان قریش سے کیا اور پھر اس کا دائرہ
 باقی عرب قوم تک وسیع کیا۔ اس لحاظ سے آپ قومی نبی ہیں کہ قریش کی
 سعادت آپ کے ساتھ وابستہ ہے اور پھر باقی عرب جی میں شامل ہو
 جاتے ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ آپ کی نبوت کا دوسرا مرحلہ یہ
 ہے کہ آپ تمام عالم کے لیے ہادی اور راہنما بنا کر بھیجے گئے اور اس لحاظ
 سے آپ بنی الاقوامی نبی ہیں آپ نے اپنی زندگی میں جہاں تک ممکن
 تھا پیغام لوگوں تک پہنچایا اب باقی دنیا تک یہ پیغام پہنچانے کی ذمہ داری
 آپ کے صحابہؓ کے واسطے سے ہر اُس فرد اور جماعت پر ہے جو اللہ کی
 وحدانیت اور حضور علیہ السلام کی رسالت پر ایمان لایا۔ چنانچہ یہ فریضہ مس
 محمدیہ ہے افراد، قیام قیامت تک تمام نیتے میں گئے اور پوری دنیا کو اللہ

کے اس آخری پروگرام سے دانش کراتے رہیں گے تبلیغ دین کا کام نہ سنے
والی مجاہدین اور افراد اگر خلوص نیت کے ساتھ اس مشن کو آگے بڑھائیں
تو اللہ ان کی بھی اسی طرح مدد فرمائے گا جس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
اور آپ کے صحابہ اور بعد میں آنے والے لوگوں کی مدد فرمائی۔

ملوکیت اور اس وقت تبلیغ دین کے سامنے ملوکیت اور ڈکٹیٹر شپ دو بڑی
ڈکٹیٹر شپ رکاوٹیں ہیں۔ یہ ہمیشہ سے رہی ہیں اور آج بھی موجود ہیں۔ پہلے زمانے میں سلام
کا مقابلہ قبضہ اور کسری کی ملوکیت سے تھا اور آج امریکہ اور روس جیسی بڑی
طاقتیں ان کی جانشین ہیں آج اہل حق کو ان طاقتوں کے ظلم و استبداد کا مقابلہ
کرنا ہے۔ مگر جب تک جماعت حقہ کا کردار مضبوط نہ ہو اور اردے میں غنچ
موجود نہ ہو دشمن کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اب مسلمانوں میں نہ اپنے مشن سے
دلی لگاؤ ہے۔ نہ یہ علم ہے۔ نہ شناس میں اور نہ کردار بلند ہے، تو دشمنان
دین کا مقابلہ کیسے کیا جاسکتا ہے؟ فکر بلند، اعتقاد درست اور عمل صحیح ہو
تو ان طاغوتی طاقتوں کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے مگر آج ان علاقوں کے مسلمان
سانس بھی نہیں لے سکتے، ان کے دم گھٹ چکے ہیں روس نے کتنے مسلم
اکثریت کے علاقوں پر قبضہ کر کے مسلمانوں کو اقلیت میں بدل دیا۔ چین
کے ایک صوبہ میں مسلمانوں کی آبادی سات کروڑ تھی مگر اب ایک کروڑ سے
بھی کم رہ گئے ہیں کچھ ختم کر دیے گئے باقی تتر بتر ہو گئے مسلمانوں کی آبادی پر
کنٹرول کیا جاتا ہے اور انہیں بڑھنے سے روکا جاتا ہے۔ ان حالات میں وہ
تبلیغ دین کا فریضہ کیسے انجام دے سکتے ہیں۔

ملوکیت اس سے بھی بڑی لعنت ہے۔ عیسائی اور یہودی کہلانے
والے اگرچہ خدا تعالیٰ کا تصور بھی رکھتے ہیں مگر حقیقت میں یہ کچھ بھی نہیں۔ یہ
بدترین قسم کے دہریہ ہیں، خود غرضی، عیاشی اور ظلم ان کا طریقہ ہے۔
اسلام کے ساتھ نفرت جس قدر روس کو ہے اسی قدر امریکہ کو ہے۔ جس

طرح روس مسلمانوں کو ترقی کرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا، اسی طرح امریکہ بھی مسلمانوں کو پنپتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ امریکہ کو عربوں، مصریوں یا لبنانیوں کی ترقی سے کوئی دلچسپی نہیں، وہ جس دوستی کا دم بھرتا ہے محض اپنے مفاد کے لیے۔ یہ لوگ انسانیت کے دشمن اور جہنم کے کندھوں تراش ہیں۔ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے بڑے وسائل اور بڑی تیاری کی ضرورت ہے۔ ہر حال اللہ نے اپنے نبی کو تسلی دی کہ کفر پر اڑنے والے ہدایت سے فیضیاب نہیں ہو سکتے۔ آپ ان کی زیادہ فکر نہ کریں بلکہ اپنے مشن پر رواں دواں رہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے خصوصی خطاب فرمایا ہے ﴿قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں یا اھل الکتاب کُنتُمْ عَلٰی شَيْءٍ اِلٰی کُنْتُمْ تَدْعُوْنَ﴾ کسی صحیح نظریے پر نہیں ہو۔ نہ تمہارا عقیدہ درست ہے اور نہ کہ دارحقیقی ﴿لَقَبِیْمُوا التَّوْرَةَ وَالْاِنْجِلَ وَمَا اَنْزَلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ کِتَابٍ﴾ جب تک کہ تورات و انجیل کو قائم نہیں کرو گے اور اس چیز کو قائم نہیں کرو گے جو تمہاری طرف تمہارے بزرگوار کی جانب سے نازل کی گئی ہے تب تک تمہارا راستہ درست پر نہیں آسکے گا۔ اگر تورات و انجیل کو صدقِ دل سے تسلیم کریں تو ان کتب میں تو نبی آخر الزمان علیہ السلام اور اللہ کی آخری کتاب اور آخری امت کی پیش گوئیاں موجود ہیں لہذا ان سب کو ماننا پڑے گا۔ وہ تو موجود ہے کہ بنی اسرائیل کی طرح بنی عاکل کو بھی دنیا میں عروج حاصل ہو گا۔ اگر اس چیز کو تسلیم کریں تو انہیں اپنی فرقیت ختم کرنا پڑتی ہے اور بنی ان کے اقتدار کی موت ہے لہذا وہ جان بوجھ کر دینِ حق کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ اے اہل کتاب تم کسی چیز پر نہیں ہو عصب تک کہ تمام کتبِ سماویہ پر ایمان نہ لے آؤ۔ اہل کتاب کی یہی خامی آج مسلمانوں پر بھی صادق آتی ہے یہ بھی اسلام کے دعوے دار ہیں محض حقیقت میں یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح ﴿کُنتُمْ عَلٰی

شعنی کی نہ بولتی تصویر ہیں۔ آج مسلمانوں نے قرآن کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے۔ کفر کے شکار اور بدعات کو دین کا درجہ دے دیا ہے، رسم و رواج، قبر پرستی اور بدعات کو دین بنا لیا ہے۔ ان کا حال بھی یہ ہے کہ جب تک قرآن پاک کے احکام پر من و عن عمل نہیں کریں گے اُنہیں تسلیم نہیں کریں گے۔ یہ کسی چیز پر نہیں ہیں، اہل کتاب اور مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں۔

اللہ نے فرمایا وَلَکِنْ یَذَلُّ کَثِیْرًا مِّنْهُمْ مَّا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ طُغْیَانًا وَکُفْرًا اہل کتاب کا حال یہ ہے کہ جب قرآن پاک کی آیات نازل ہوتی ہیں تو ان میں سے اکثریت کی سرکشی اور کفر میں اضافہ کا باعث بنتی ہیں۔ وہ اللہ کے کلام سے نصیحت پکڑنے کی بجائے مزید سرکش اور باغی ہو جاتے ہیں۔ یہ ان کی بے تکلفی کی علامت ہے۔ اگر انسان صاحب صلاحیت ہو تو اسے حق کی پہچان میں کوئی دقت پیش نہیں آتی چاہے مگر اللہ کی طرف سے نازل ہونے والی ہدایت سے یہ لوگ الٹ اثر قبول کرتے ہیں اور مزید سرکشی اور کفر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ فرمایا فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ اے پیغمبر علیہ السلام! اہل کتاب کی اس روگردانی پر افسوس نہ کریں۔ آپ اپنا فریضہ ادا کرتے ہیں اور انکی ہدایت کے لیے پریشان نہ ہوں۔ نبی علیہ السلام کو خطاب کر کے عام مبلغین اسلام کو بھی تسلی دی گئی ہے کہ آپ اپنا کام کرتے ہیں اور جو شخص کفر پر مصر ہے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ خود اس کی گرفت کرے گا اور پھر وہ اس کی سزا سے بچ نہیں سکے گا۔

سرکشی اور کفر
میں اضافہ

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّبِیُّونَ وَالنَّصْرَى
 مِنْ أَمَنِ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا
 فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۶۹﴾
 لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَآئِيلَ وَرَسُولًا
 إِلَيْهِمْ رُسُلًا كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا
 لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُهُمْ فَزَيَّنُوا لَهُمْ فَرِيقًا
 يَقْتُلُونَ ﴿۷۰﴾ وَحَسِبُوا أَنَّ تَكُونَ فِتْنَةٌ فَعَمُوا
 وَصَمُّوا ثُمَّ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوا
 وَصَمُّوا كَثِيرٌ مِنْهُمْ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا
 يَعْمَلُونَ ﴿۷۱﴾

ترجمہ :- بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جو یہودی
 ہوئے اور صابی فرقے والے اور نصرانی جو شخص ان میں
 سے ایمان لایا اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور اُس
 نے اچھا عمل کیا پس نہ خوف ہو گا اُن پر اور نہ وہ
 غمگین ہوں گے ﴿۶۹﴾ البتہ تحقیق ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ
 عہد لیا اور ہم نے اُن کی طرف بہت سے رسول بھیجے
 جب بھی اُن کے پاس کوئی رسول آیا ایسی چیز کو لے کر

جس کو اُن کے انہیں نہیں پاسبت تھے تو انہوں نے ایک
 گردہ کر بیٹھا۔ اور ایک گردہ کو قتل کر ڈالا ﴿۴۰﴾ اور انہوں نے
 یہ خیال کیا کہ کوئی فتنہ نہیں ہوگا، پھر وہ اندھے اندھے اور بہت
 دور پہر تو یہ قول کہ اللہ سے نئی پھر اندھے اور بہت ہوئے بہت سے ن
 میں سے اور اندھ دینمنا بنے جو کچھ وہ کہتے ہیں ﴿۴۱﴾

ربطیات

گذشتہ درس میں بغیر علیہ السلام کو یاد کیا فرمایا گیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں
 تک پہنچانے اور لوگوں کی طرف سے خوف نہ کھائیں، اللہ خود آپ کو دشمنوں سے
 محفوظ رکھے گا۔ پھر اہل کتاب کے متعلق فرمایا کہ اُن سے کہ دیں کہ تمہارا دین اور مذہب
 کچھ نہیں۔ جب تک تم کُتُب کا وہ یہ کہ قائم نہ کرو مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ
 مکی طواف سے قرآن پاک کا جو حصہ نازل ہوتا ہے وہ اُن اہل کتاب کے لیے مزید
 سرکشی اور کفر کا باعث بنتا ہے۔ نیز فرمایا کہ آپ ان کی حالت پر افسوس نہ کریں،
 بلکہ اپنے فریضہ تبلیغ دین ادا کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ خود ان لوگوں کو نرا لے گا۔
 اب آج کے درس میں اہل کتاب اور دیگر فرقوں کے لیے ترغیب ہے
 کہ ان کی فلاح صرف ایمان اور نیک اعمال پر ہے، کامیابی کا مدار کوئی فرقہ پارٹی
 نہیں۔ تمام لوگوں کا فرض ہے کہ وہ ایمان اختیار کرنے کے بعد اعمال صالحہ پر کوبند
 ہو جائیں، اسی میں سب کی نجات ہے اس کے ساتھ ساتھ نبی اسرائیل کی مذمت
 بھی بیان کی گئی ہے، کہ جب بھی ان کے پاس اللہ کے رسول آئے انہوں نے ان
 کے ساتھ بدسلوکی کی، اُن کو جھٹلایا اور بعض کو قتل کر دیا۔

اہل ایمان

ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِیْکَ وَہِ لَوْکَ جَوِاِیْمَانِ لَیْسَ
 یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے بعد جو اللہ تعالیٰ اور آپ کی رسالت پر
 ایمان لے لے اللہ تعالیٰ پر ایمان

لانے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی وحدانیت کو ماننے، اُسکی صفات کمال پر یقین اور

اُس کے اسمائے مبارکہ کی تصدیق کرے۔ یہاں پر ایمان کا اجمالاً ذکر کیا گیا ہے۔ جب کوئی شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے، تو اُسے اُس کے رسولوں پر بھی ایمان لانا ہوگا کیونکہ رسولوں کو بھیجنا اللہ تعالیٰ کی صفات میں شامل ہے اور جو اللہ کی وحدانیت پر ایمان لائے گا وہ اس کی صفات کو بھی مانے گا، لہذا اللہ پر ایمان لانے میں رسولوں پر ایمان لانا بھی شامل ہے۔ سورۃ بقرہ کی آخری پہلی آیت میں موجود ہے **كُلُّ اٰمَنٌ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ** گویا ایمان باللہ میں اس کے ملائکہ، کتب اور رسولوں پر ایمان لانا بھی شامل ہے۔ رسولوں کی بعثت کے متعلق خاص طور پر فرمایا **رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ** (النساء) ہم نے رسولوں کو بھیجا جو کہ بشارت دینے والے اور ڈرانے والے ہیں۔ بعض لوگ تقدیر کا انکار کرتے ہیں مگر یہ بھی اللہ کی صفات میں شامل ہے۔ جیسے فرمایا **خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدْ رَءٰهُ نَقْدًا** (زقوان) اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا اندازہ مٹھایا۔ جو شخص تقدیر کا انکار کرے گا۔ وہ بھی ایمان سے غالی سمجھا جائے گا۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ جو شخص جزائے عمل کا انکار کرے، وہ بھی کافر ہے۔ اور اگر کسی کا اعتقاد یہ ہو کہ اللہ نے پیدا تو کیا ہے مگر اُس نے انسانوں کی رہنمائی کے لیے نہ کوئی رسول بھیجا اور نہ کتاب نازل کی ہے اور نہ وہ انسانوں پر گرفت کرتا ہے، تو پھر بھی کافر ہوگا، کیونکہ قرآن پا میں صریحاً موجود ہے **وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ** **صَلٰلًا كَبِيْرًا** (النساء) یعنی جو اللہ تعالیٰ، اس کے ملائکہ، کتابوں، رسولوں اور یوم جزا کا انکار کرے، وہ کلمہ ہی میں دوڑ جا پڑا۔ ملائکہ اللہ کے پیروں ہیں۔ وہ خالق اور مخلوق کے درمیان پیغام رسانی کا ذریعہ ہیں۔ لہذا ان پر ایمان لانا بھی لازم ہے۔ یہ سب چیزیں اجبر لانے ایمان ہیں۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے کہیں ایمان

کا اجمالاً ذکر کیا ہے اور کہیں تفصیلاً۔ ایمان کی جزئیات میں سے کسی ایک
عجز کا انکار بھی مکمل انکار کے مترادف ہے تو ہاں پہنچایا کہ بیشک وہ لوگ جو
ایمان لائے۔ اور اس امر کو خالی دعوے ایمان نہیں بلکہ جو صمیم طور پر تمام اجزاء
پر ایمان لانے کا اور پھر آگے اہمال صاخر کا ذکر ہے۔

فرمایا جو لوگ ایمان لائے وَالَّذِينَ هَكَادُوْا اور وہ لوگ جو یہودی

ہوئے یعنی جو لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں اُن کی خیریت پر ایمان
لائے۔ آپ کی قوم کا نام یہودی دو وجوہات کی بنا پر ہے پہلی اور زیادہ
صمیم وجہ یہ ہے کہ جب امت کے لوگوں سے غلطی ہو گئی۔ انہوں نے
کوہ طور پر اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ
نے ستر آدمیوں کو ملاک کر دیا، پھر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور
عرض کیا اَنَا هَذَا كَذَّابٌ (اعراف) اے اللہ تم میری طرف رجوع
کرتے ہیں تو ہماری توبہ قبول فرملے۔ چنانچہ لفظ هَذَا سے ان کا لقب
یہودی مشہور ہو گیا بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ یہودی چونکہ حضرت
یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہوداہ کی اولاد سے ہیں اس لیے انہیں
یہودی کہا جاتا ہے۔ بہر حال فرمایا کہ خواہ وہ اہل ایمان ہوں یا یہودی ہوں۔

وَالصَّابِقُونَ اور جو صابی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں اس فرقے کا نام

قرآن پاک میں متعدد بار آیا ہے۔ مگر اس گروہ کے ٹھیک ٹھیک تعین میں
اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ستاروں میں کرشمہ ماننے والے
اور اُن کی پرستش کرنے والے صابی ہیں اور بعض کی تحقیق یہ ہے کہ یہ منتر
ہندوستان کے برہمنوں کا فرقہ سے ملتا جلتا فرقہ ہے۔ انہوں نے مختلف
مذہب سے اچھی اچھی چیزوں کا انتخاب کر کے ایک نیا مذہب ایجاد
کر لیا ہے۔ اس مذہب کی اپنی بنیاد کچھ نہیں۔ جنگال کا نوبل الغام یافتہ
فلسفی نیچر اس فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔ ہندوؤں میں بہت سے فرقے

ہیں۔ جیسے جن۔ ساق دھرمی، آریہ سماجی وغیرہ مگر سب کے سب مشرک ہیں۔ آریہ سماجیوں نے مشرک سے بچنے کی بہت کوشش کی مگر پھر بھی وہ تین معبودوں پر آکر ٹھہر گئے۔ مسیانوں کی طرح وہ بھی تثلیث کے چکر میں پھنس گئے ہیں۔ ان کے تین خداؤں میں سے مادہ اور روح قدیم ہیں اور میرے خدا برہما جی مہاراج ہیں۔ بہر حال صابی فرقہ بھی ان سے ملتا جلتا ہے۔

اہم جلال الدین سیوطی نے بھی لفظ صابی کی تحقیق کی ہے وہ اپنی کتاب "حسن المحاضرة في احوال المصريين والقاهرة" میں رقمطراز ہیں کہ حضرت شیدائے اسلام کی اولاد میں سے تھے پانچویں درجے پر ان کا پڑپوتا بردنامی تھا۔ اس کے ہاں اخنوخ پیدا ہوئے۔

جنہیں ہر مس بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن پاک نے ان کا نام ادریس علیہ السلام بتایا ہے۔ آپ کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی اور ان پر کئی صحیفے بھی نازل ہوئے۔ آگے ان کی اولاد میں صابی نامی ایک شخص ہوا، جس کے نام پر صابی مذہب جاری ہوا۔ ابتدائی مذہب صحیح تھا مگر دیگر مذاہب کی طرح بعد میں اس میں بھی بگاڑ پیدا ہو گیا۔ اُس وقت کے صابی مذہب کے چار بنیادی اصول تھے یعنی توحید، طہارت، نماز اور روزہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور تک مجڑتے بڑھتے اس مذہب کے لوگ ستارہ پرستی میں دو بچکے تھے اصل توحید غائب ہو چکی تھی اور مشرک کا دور دورہ تھا۔ پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ آیا تو صابی دور ختم ہو کر دور حنیفیت کا آغاز ہوا۔ "قُلْ بَلْ مَلَكًا بَرَّاهِم مِّنْ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ" (بقہ) بعض لوگ کہتے ہیں کہ صابی زبور کی تلاوت کرتے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ ان کا تلبس ستارہ پرستی کے ساتھ تھا، اسی لیے بعض لوگ صابی کا ترجمہ ستارہ پرست کر دیتے ہیں بہر حال یہ بھی ایک باقاعدہ فرقہ تھا جس کا ذکر یہاں پر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔

یہاں پر امام جلال الدین سیوطیؒ کا ذکر خالی اندر کبھی نہ ہو گا۔ آپ نویں اور دسویں صدی ہجری کے حافظ الحدیث ہیں۔ آپ کو ایک لاکھ حدیثیں سند اور تین کے ساتھ زبانی یاد تھیں آپ سے پہلے ہر دور میں ہزاروں حافظ الحدیث ہوئے ہیں مگر آپ کے بعد کوئی حافظ الحدیث دنیا میں نہیں ملا، جسے ایک لاکھ حدیثیں ازبہوں۔ البتہ شاہ اسماعیل شیبہؒ کو تیس ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں۔ ہمارے دارالعلوم دیوبند کے سابق صدر مدرس مولانا الزماں کشمیریؒ کو مکمل بخاری شریف کوک زبانی مگر حافظ الحدیث وہ بھی نہ تھے۔ آپ امام جلال الدین سیوطیؒ کا عمر تو ساٹھ بیسٹھ سال سے زیادہ نہیں مگر آپ نے پانچ سو سے زیادہ ضخیم کتابیں لکھی ہیں۔ اللہ نے بے پناہ صلاحیت سے نوازا تھا حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ بھی ہمارے اسی دور میں ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عمر بھی اتنی یا چوراسی سال عطا کی۔ آپ کی چھوٹی موٹی تمام تصانیف پندرہ سو کے قریب ہیں جن میں تفسیر حدیث، قرأت، تجوید، تصرف، سلوک وغیرہ کے مضامین شامل ہیں آپ نے کئی شریعتیں بھی لکھی ہیں یہ اللہ کی خاص توفیق ہے جسے عطا کرے۔ آپ ہر روز دس پاروں کی تلاوت بھی فرماتے تھے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمود الحسنؒ کا بھی یہی معمول تھا۔ یہی دستور امام محمدؒ کا بھی تھا۔ آپ بھی ہر روز دس پارے تلاوت کرتے تھے۔

اہل ایمان ایودی اور صابی فرقہ کے بعد فرمایا والنصاری اور نصرانی عیالی فرقہ فرقہ لے بھی۔ نصاریٰ، نصرانی کی جمع ہے اور اسکی بھی دو وجوہات تسمیہ بیان کی جاتی ہیں۔ نصرانی نصرت سے ہے جس کے معنی مدد کرنے کے ہیں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جب لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تکلیف پہنچاتے تو آپ لوگوں کو مخاطب فرما کر کہتے "مَنْ أَنْصَارِي" اَللّٰهُ (سورۃ صاف) اللہ کے رستے میں کون میری مدد کرے گا قَالَ الْحَوَارِیُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللّٰهِ تَوَحَّارِیُّونَ۔ نے کہا کہ ہم اللہ کے

راستے میں مدد کے لیے تیار ہیں۔ چنانچہ اسی لفظ سے اُن کو نصاریٰ کا نام دیا گیا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مدد کرنے والے۔ مفسرین اس نام کی دوسری وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جس بستی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بستے تھے اُس بستی کا نام ناصره تھا۔ چنانچہ اس بستی کی نسبت سے اس گروہ کو نصرانی کا لقب دیا گیا بالکل اسی طرح جس طرح شام کے بننے والے کو شامی یا مدینے کے بننے والے کو مدنی کہا جاتا ہے۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان، یہودی، صابی اور نصرانی فرقے کا ذکر کیا ہے، البتہ سورۃ حج میں اللہ تعالیٰ نے بعض دیگر فرقوں کا تذکرہ بھی کیا ہے اور مجوسیوں اور مشرکوں کو بھی اس فہرست میں شامل کیا ہے۔ اہل ایمان کے علاوہ باقی فرقے اپنے اپنے ابتدائی دور میں صحیح دین پر تھے مگر بعد میں ان میں بگاڑ پیدا ہوتا چلا گیا اور یہ اپنے اصل دین سے ہٹ کر کفر، شرک اور گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات پر ایمان لانے والے اولین لوگ بالکل صحیح تھے مگر بعد میں آنے والوں نے تورات میں تحریف کر کے اصل چیزیں نکال دیں اور گمراہی کی باتیں داخل کر دیں اسی طرح انجیل بھی اللہ کی نازل کردہ کتاب تھی مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد یہ کتاب بھی تحریف کا شکار ہو گئی اور اس کے ماننے والے کفر اور شرک میں مبتلا ہو گئے اس کا تذکرہ قرآن میں موجود ہے۔ ان بگڑے ہوئے ادیان کو ماننے والے یہودی اور نصرانی کہلاتے ہیں۔ صابی فرقے کے متعلق بھی عرض کر دیا ہے کہ اس کے اصل چار اصول دین حق پر مبنی تھے مگر بعد کے آنے والوں نے اس میں طرح طرح کی خرابیاں داخل کر دیں اور اس میں ستارہ پرستی آگئی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کی سبجائے دین حنیف نازل فرمایا۔

نزول قرآن کے زمانہ میں مشرک تو پوری دنیا میں پھیلا ہوا تھا۔ عرب اور ہندوستان مشرک ہیں یکساں طور پر ملوث تھے۔ مجوسی یعنی آتش پرست

ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ حدیث جبرائیل میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ ایمان اسلام اور احسان کے متعلق سوال کے بعد جبرائیل علیہ السلام کا اگلا سوال یہ تھا۔ صلی المساعی حضرت! یہ بتائیے قیامت کب آئے گی، یعنی جزا و عمل کب واقع ہوگی حضور علیہ السلام نے یہی جواب دیا تھا کہ قیامت کے آنے کے وقت کے متعلق جس طرح تجھے معلوم نہیں اسی طرح مجھے بھی معلوم نہیں: اللہ ہی کو اس کا علم ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ مگر آئے گی یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بعض نشانیاں بیان فرمادیں۔ محدثین کرام فرماتے ہیں کہ پورے دین کا خلاصہ ایمان۔ اسلام اور احسان میں ہے اور ان سب کا نتیجہ جزائے عمل ہے لہذا قیامت کے دن پر ایمان لانا بھی جزو ایمان ہے۔

فرمایا: ان تمام جزئیات پر محض زبانی ایمان لے آنا ہی کافی نہیں بلکہ وہ عمل مکمل ہو کر کے ساتھ نیک عمل کرنے کی شرط بھی موجود ہے ایمان لانے کے بعد جو شخص اچھا عمل کرے گا، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد صدقہ خیرات وغیرہ اعمال حسنہ بھی انجام دے گا اور اس کے ساتھ ساتھ اعمال قبیحہ یعنی کفر، شرک، انفاق، بدعت، ریاکاری، ظلم، تعدی، زنا، چوری وغیرہ سے اجتناب کرے گا، اس کے لیے جو احکام ذکر آگے کیا گئے ہیں۔ غرضیکہ ہر وہ عمل، عمل صالح ہے جس کو عقل سلیم بھی اچھا سمجھتی ہے اور ہر وہ عمل عمل قبیح ہے جو عقل سلیم کے معیار پر پورا نہیں اُترتا۔

غرضیکہ! فرمایا اہل ایمان ہوں یا یودنی۔ صابی ہوں یا نصاریٰ ان میں سے جو بھی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لا کر صحیح راستے پر کامزن رہا۔ فَلاَ خَوْفٌ عَلَیْہُمْ اَنْ یَّرْجَوْا۔ ان پر کوئی خوف نہیں ہوگا وَاَلاَھُمْ یَحْزَنُونَ اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ جس شخص کی فکر پاک ہے اور وہ اعمال صالحہ انجام دے رہا ہے اس کو آنے والے واقعات سے کوئی خطرہ نہیں ہوگا اور نہ وہ گزشتہ واقعات پر غمگین ہوگا۔ غمگین تو وہ ہوگا جو ایمان کے

خالی ہوگا۔ اور جس نے بُرے اعمال انجام دیے ہوں گے۔ وہ اس وقت لعن فرس
پائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی میں مرفق دیا، صحت و تندرستی جیسی عظیم نعمت دی
عقل و شعور بخشا، ہدایت کے تمام سامان مہیا کئے مگر وہ ان ذرائع سے کچھ فائدہ
نہ اٹھا سکا، ایسے لوگ فی الواقع غلگین ہوں گے۔

معیاریات اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کوئی شخص کسی بھی مذہب اور فرقے سے تعلق رکھتا
ہو اصل چیز ایمان اور عمل صالح ہے جس کا ایمان درست ہے اور وہ عمل
صالح بھی انجام دیتا ہے، نجات اُسی کا حق ہے۔ محض کسی فرقے کے ساتھ
نسبت ہونا نجات کا معیار نہیں ہے۔ یورپی اور نصرانی کہتے تھے۔ کُنْ
تَبْدُ خُلَّ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصْرًا (البقرہ)
یعنی یودیوں اور نصرانیوں کے علاوہ کوئی شخص جنت میں نہیں جائے گا۔
مگر اللہ نے فرمایا تَبْلَى مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ
مُحْسِنٌ (بقہ) لہذا اس کو نصیب ہوگی جس نے اللہ تعالیٰ کی مکمل فرمانبرداری
اختیار کی اور وہ نیک اعمال انجام دینے والا ہو۔

خود ساختہ اور باطل معیار نجات اب اس آخری امت میں بھی
رائج ہو چکا ہے۔ آج بھی لوگوں کا ایمان ہے کہ امام حسینؑ کا نام لے لو اور
تعزیر نکال لو تو جنت تمہارے مقدر میں ہے دوسرے لوگ کہتے ہیں۔
کہ محض محفل میلاد منعقد کرنے سے ہی بیڑا پار ہو جائے گا، کوئی کہتا ہے
فلاں بزرگ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دو یا فلاں بزرگ کا دامن پکڑ لو تو یہ
جنت میں چلے جاؤ گے۔ کوئی عرس کرانے اور فوالی کرانے کو ہی نجات
کا معیار سمجھتا ہے۔ مگر اللہ نے فرمایا۔ یہ کامیابی کے نہیں بلکہ ناکامی کے
اسباب ہیں۔ جب تک صحیح ایمان اور عمل صالح نہیں ہوگا، نجات
کی اُہیدہ محض سراب ہوگا۔

اصول نجات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے

خبریات
نفاذ

کرار کو بطور مثال پیش کیا ہے کہ دیکھو! لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ
 بَنِي إِسْرَءِيلَ کہ ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا وَادُسَّكُنَّا اَلْاَیْمُ
 رُسُلًا اور اُن کی طرف رسول بھیجے۔ کُلَّمَا جَاءَهُمْ رُسُلًا
 لَبَّيْمَا لَا تَهْتَوٰی اَنفُسُهُمْ جَبَّ اِنَّ کَیْ سِیاس کوئی رسول ایسی
 چیز لے کر آیا جن کو ان کے نفس پسند نہیں کرتے تھے فَوَيْلٌ لَّکُمْ کَذَّبُوْا
 قَرِیْبًا یَقْتُلُوْنَ قَرَامَنوں نے انبیاء کے ایک گروہ کو جھٹلایا، اور
 ایک گروہ کو قتل کر دیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام اور زکریا علیہ السلام انہی بنی اسرائیل
 کے مہتور قتل ہوئے۔ اس سے پہلے وہ سینکڑوں نبیوں کو قتل کر چکے تھے
 مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ اصل بیماری خواہشات نفسانیہ ہے
 اگر یہ پوری ہو گئی تو مان یا ورزہ انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہ
 کیا۔ خواہش نفسانی بدترین معبود ہے جسے جگہ جگہ پوجا ہو رہی۔ تمام اقوام عالم اور
 خود مسلمان اس بیماری میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ اُس کا جی تو پاکیزہ
 چیز لے کر آیا ہے لہذا اپنی خواہشات کو ترک کر کے اُس کے دامن سے
 وابستہ ہو جاؤ۔ اُس کے لانے ہوئے دین کی اتباع کرو گے تو نجات حاصل
 ہوگی، ورنہ نہیں۔

فَرَا، وَحَمِیْمًا اَلَّا تَکُوْنَ فِتْنَةً یَّہُودِیَّةً اور
 بکر دار لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ جو چاہیں کرتے پھریں، کوئی فتنہ نہیں ہوگا
 اور پھر اسی زعم میں فَعَمَّوْا وَصَمَّوْا وہ اندھے اور بہرے ہو
 گئے۔ نہ اُن کی آنکھیں حق بات دیکھنے کے لیے تیار ہوئیں اور نہ اُن کے
 کان حق کا پیغام سننے کے لیے دا ہوئے۔ پھر اس کے بعد پے درپے
 اللہ کے نبی آتے رہے اور انہیں حق کا راستہ دکھانے کی کوشش کرتے
 رہے حتیٰ کہ مسیح علیہ السلام کا دور آگیا ثُمَّ کَانَ اللہ عَلَیْہِمْ
 اللہ تعالیٰ انہیں بار بار توبہ کا موقع دیا وَلَکُم مَّوَدِعٌ مِّنْہُمْ

پھر نبی ان میں سے اللہ امنت اور ہر۔۔۔ ہی ہے۔ اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ حج میں یوں بیان فرمایا ہے "فَاِنَّهَا لَا تَعْمَىٰ الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَىٰ الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ" فرمایا اللہ ویشتراتی ظاہری آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ ان کے دل کی آنکھیں بند ہوجاتی ہیں۔ دراصل ان کی بصیرت

ہی غراب ہوجاتی۔۔۔ ہے انسان حق کو قبول ہی نہیں کرتا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ انسان پھر نہ معروف کو معروف سمجھتا ہے اور نہ منکر کو منکر سمجھتا ہے۔ اُس کو وہی چیز اچھی معلوم ہوتی ہے جو اُس کی خواہش کے مطابق ہو۔ اُس کے نزدیک نیکی اور بدی کا معیار نفسانی خواہش کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اندھا اور بہرہ ہونے کا یہی مطلب ہے۔

فرمایا وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمٰوْنَ اللّٰهُ تَعَالٰی دیکھ رہا ہے جو کچھ وہ کہتے ہیں۔ وہ ہر فرقہ اور پارٹی کا محاسبہ خود کر لگا اور ان سے دریافت کر لگا کہ حق بات کو چھوڑ کر تم نے خواہشات نفسانیہ کا اتباع کیوں کیا۔ اور میری ارسال کردہ ہدایت کو کیوں تسلیم نہ کیا میں نے تو پہلے دن تمہیں آگاہ کر دیا تھا کہ میرے نبی آئیں گے اور وہ ہدایت کا پیغام تمہیں پہنچائیں گے اور پھر "فَمَنْ تَبِعَ هٰذَا لَا يَخَوْفُ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" (البقرہ) جو میری ہدایت پر عمل کریں گے وہی خوف و خطر سے مامون ہوں گے اور وہی فلاح پانے والے ہوں گے مگر تم نے دوسرا رستہ اختیار کیا تو تمہارے تمام اعمال اللہ کی نگاہ میں ہیں، وہ خود وقت آنے پر محاسبہ کر لے گا۔

لا یحب الله ۶
درس سی و بیس ۳۵

المائدہ ۵
آیت ۲۰ ۲۱

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ بْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ ابْنُ إِسْرَءِيلَ عِبْدُ اللَّهِ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنَ النَّصَارِ ۚ ﴿٢٠﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهٌ وَاحِدٌ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢١﴾ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٢﴾

ترجمہ :- البتہ تحقیق کفر کیا اُن لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ
بیشک اللہ تعالیٰ وہ مسیح ابن مریم ہی ہے ، حالانکہ مسیح (علیہ السلام)
نے کہا ، اے بنی اسرائیل ! اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب
ہے اور تمہارا بھی رب ہے ۔ بیشک جس شخص نے شرک کیا
اللہ تعالیٰ کے ساتھ ، تحقیق حرام کردی اللہ نے اس پر جنت ۔
اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے ۔ اور نہیں ہے ظلم کرنے والوں
کا کوئی مددگار ﴿۲۱﴾ البتہ تحقیق کافر ہوئے وہ لوگ جنہوں نے
کہا کہ بیشک اللہ تیسرا ہے تینوں میں ، حالانکہ نہیں ہے کوئی

اور مگر ایک بن الا، اور اگر یہ باز نہ آئیں گے اُس چیز سے جو کہتے ہیں تو البتہ ضرور چھوٹنے کا اُن لوگوں کو جنہوں نے کفر کہا ان میں سے عذاب الیم ﴿۷۳﴾ یہ قویہ کیوں نہیں کرتے اللہ کے سامنے اور کیوں نہیں اس سے بخشش طلب کرتے حالانکہ اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور ارحمہم رباً ہے ﴿۷۴﴾

رہائیات

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی ضربا بیان کر کے ہونے اُن کے تعصب عباد، سرکشی، تحریف، انبیاء کی مخالفت، حق پرستوں سے مخالفت اور فساد فی الارض کا ذکر کیا۔ پھر پیغمبر علیہ السلام اور آپ کے متبعین کو تسلی بھی دی کہ آپ تبلیغ دین کا کام کرتے رہیں اور کوئی خطرہ محسوس نہ کریں، اللہ تعالیٰ خود تمہاری حفاظت کریگا۔ اللہ جل جلالہ نے یہ بھی حکم دیا کہ اہل کتاب کو ہر ملا کہ دیں کہ جب تک وہ تورات، انجیل اور اللہ کی نازل کردہ ہدایت کو قائم نہیں کرتے اُن کا عقیدہ بطل ہے اور اُن کے دین کی کچھ حیثیت نہیں اللہ نے یہ بھی بتلادیا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آنے والا ہر حکم اہل کتاب کی سرکشی اور کفر میں مزید اضافہ کرے گا، لہذا آپ ان پر زیادہ افسوس کھنے کی بجائے اپنے فریضہ تنبیہ کو بجالانے کی طرف زیادہ توجہ دیں۔

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے اس باطل زعم کا بھی ذکر کیا کہ یہ لوگ افسردہی نہایت کو کسی خاص فرقے کے لیے مخصوص قرار دیتے ہیں۔ اس کی تردید کرتے ہوئے اللہ نے واضح کیا کہ کوئی مسلمان ہو، یہودی ہو یا نصرانی ہو۔ جب سب اللہ تعالیٰ پر صبح طریقے سے ایمان نہیں لائے گا اور آخرت پر پوری طرح یقین نہیں رکھے گا، اُس کو فلاح نصیب نہیں ہو سکے گی۔ فرمایا یہ لوگ خواہشات نفسانیہ کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں مگر انسان کو گمراہ کرنے والے عناصر میں سے سب سے بڑا عنصر یہ ہے۔ جب تک کوئی نفسانی خواہش کی پیروی کرتا ہے گا اسے ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی۔ یہ لوگ اسی بیماری میں مبتلا ہیں۔

اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کا باطل عقیدہ بیان کیا ہے اور پھر اس کا رد بھی فرمایا ہے۔ تبلیغ دین کے سلسلے میں یہ بات بھی آجاتی ہے کہ اہل ایمان کا فرض ہے کہ وہ عیسائیوں کے مختلف فرقوں اور ان کے باطل عقیدے سے لوگوں کو خبردار کریں اور انہیں بتلایا جائے کہ ان کا عقیدہ بالکل کافرانہ ہے، یہ عقل کے بھی خلاف ہے اور فطرت انسانی کے بھی خلاف ہے۔ یہ عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات سے بھی بالکل متعارض ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ ابْتغَوْا هُدًى كَافِرًا مِّنْهُ وَعَدِ عَقِبَهُ لُوكِ - عربی زبان میں ل تاکید کے لیے آتا اور قد بھی ماضی پر داخل ہو کر تاکید پیدا کرتا ہے۔ گویا یہ بات طے ہو چکی ہے کہ وہ لوگ یقیناً کافر ہوئے قائلی جنہوں نے کہا، یعنی جنہوں نے اپنے اعتقاد کا اظہار اس طرح کیا اِنَّكَ اللَّهُ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ کہ بیشک اللہ تعالیٰ بعینہ مسیح ابن مریم ہے، اس کے علاوہ کوئی اور ہستی یا ذات خدا نہیں ہے بلکہ یہی خدا ہے یہ ہندوؤں والا اوتاری یا طولی عقیدہ ہے کہ خدا تعالیٰ کسی بھی روپ میں جلوہ گر ہو سکتا ہے۔ عیسائیوں نے بھی یہی کہا کہ اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم کی صورت میں ظاہر ہوا ہے اللہ نے فرمایا یہ لوگ بچے کافر ہیں انہوں نے خالق اور مخلوق کو ایک ہی چیز بنا دیا۔ حالانکہ خالق کا کسی مخلوق کے روپ میں ظاہر ہونا اس کی تنزیہ کے خلاف ہے، لہذا ان لوگوں کے کفر میں کوئی کسر باقی نہیں رہی۔ عیسائیوں کے درمیان فریقے مکانات اور یعقوبیہ بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں البتہ عیسے فریقے نظریہ کا ذکر نہ لے گا۔ یہ دونوں گروہ طولی عقیدہ کے قائل ہیں۔ اس وقت بھی عیسائی دنیا میں دو بڑے فرقے روکن کیتھولک اور پراسٹینٹ موجود ہیں

مسلمانوں میں بھی وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کا عقیدہ موجود ہے مگر یہ عقیدہ طولی سے بالکل مختلف ہے۔ وحدۃ الوجود کا مطلب یہ ہے کہ وجود

حقیقت میں صرف اللہ تعالیٰ کا ہے، اذلی ابدی اور متعل وجود صرف ایک ہے، باقی سب عارضی اور فانی ہیں۔ ”مَعْلُومٌ شَيْءٌ هَآلِكَ اِنَّكَ وَجْهَكَ الْفَضْلُ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا باقی ہر چیز فانی ہے، کسی کو بقاء حاصل نہیں اکثر ہندوگان دین اس عقیدے کے قائل ہیں، چنانچہ حضرت جنید، شبلی سے کہے کہ۔ شاہ ولی اللہ، شاہ اسماعیل شہید، مولانا محمد قاسم نانوتوی، حاجی امجد اللہ وغیرہ اس کو طے کرتے ہیں۔ مگر یہ حلوئی اور اتحادی عقیدہ نہیں ہے۔

حلوئی طرز کے باطل عقائد بعض مسلمانوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کی بعینہ کی بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کے روپ میں ظاہر ہو جاتا ہے چنانچہ آپ نے اکثر سنا ہو گا کہ

دہی مستوی عرش ہے خدا ہو کہ

اگر پڑا ہے دینے میں مصطفیٰ ہو کہ

یہ بالکل عیسائیوں اور ہندوؤں والا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور علیہ السلام کے روپ میں ظاہر ہوا ہے۔ خواجہ غلام فریدؒ مٹھن کوٹ سے چاچڑاں منتقل ہو گئے تھے۔ ان کے سرمدین بھی کہتے ہیں۔

چاچڑ واگم مدینہ، کوٹ مٹھن بیت اللہ

ظاہر ہے روح پیر فرید، باطن ہے روح اللہ

یہ بھی وہی عقیدہ ہے۔ خواجہ غلام فریدؒ بڑے اچھے بزرگ ہوئے ہیں مگر بعد میں لوگوں نے کیا سے کیا بنا دیا، ان کے پہلے مقام کو مکہ سے تشریف دی اور دوسرے کو مدینہ سے اور یہ بھی کہ دیا بظاہر تو یہ پیر صاحب تھے مگر حقیقت میں اللہ تعالیٰ آپ کے روپ میں آگیا تھا۔ اب غزفہ نے اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اور اس عقیدے میں کیا فرق رہ گیا ہے۔ پھر ایک غلو یہ کیا کہ پیر صاحب کے چہرہ کو ام الکتاب سے تشبیہ دی۔ ام الکتاب سورۃ فاتحہ کا دوسرا نام ہے

یا پھر لوح محفوظ کو بھی اس نام سے پکارا جاتا ہے لوح محفوظ اللہ تعالیٰ کا اجمالی یا تفصیلی علم ہے جسے خواجہ فرید کا چہرہ بنا دیا۔

ام الکتاب ہے چہرہ فسرید کا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ بعینہ مسیح ابن مریم ہے انہوں نے صریحاً کفر کا ارتکاب کیا۔ ایسا عقیدہ عقل کے بھی خلاف ہے اور انسانی فطرت سے بھی مطابقت نہیں رکھتا۔ خدا کی وحدانیت انسانی فطرت میں داخل ہے۔ اہم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی انسان پیدا ہوتے ہی کسی پہاڑ کی چوٹی پر ایسی جھڑی سے پرہیز کرے جس سے وہ گرنے لگے تو اس کے گرنے سے پہلے ہی وہ مر جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا گنہگار ہو۔ پھر وہ جوان ہو کر عقل و شعور کی عمر کو پہنچ جائے تو باوجود اس کے کہ اس کے پاس کوئی مبلغ دین نہیں آیا خود اس کی عقل سلیم کا تقاضا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین رکھنے پر آمادہ کرے۔ ایسے شخص سے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کی بازیچہ نہیں ہوگی، تاہم اگر وہ کفر اور شرک کا ارتکاب کرے گا تو عند اللہ ماخوذ ہوگا۔ کیونکہ اللہ نے اسے عقل سلیم دیکر اس دنیا میں بھیجا تھا اور اس عقل کا تقاضا ہے کہ وہ نشاناتِ قدرت دیکھ کر اپنے مالک کو پہچانے اور اس کی یگانگت پر ایمان لائے۔

فَرَمَا وَقَالَ الْمَسِيحُ اَوْرَسِيْعٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَعَمْ كَمَا لِيْنِي اَسْرُوْا وَيْلَ اَعْبُدُوْا اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّكُمْ اَسْرُوْا لَعَنَ بَنِي اِسْرٰئِيْلَ اللّٰهُ تَعَالٰى كَيْ عِبَادَتِ
 کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ مسیح علیہ السلام جب تک اس دنیا میں موجود ہے وہ اپنی قوم کو ترجیح باری تعالیٰ ہی کی تعلیم دیتے رہے۔ مگر آپ کے بعد انہوں نے خود مسیح علیہ السلام کو ہی خدا بنا دیا۔ مسیح علیہ السلام کی تعلیم تو یہ تھی کہ تم بھی اسی خدا کی عبادت کرو جس کی میں کرتا ہوں میں بھی اسی کا بندہ اور تمہاری طرف بھیجا ہوا رسول ہوں۔ ”وَرَسُوْلًا اِلٰی سِبْنِیْ اَسْرُوْا وَيْلَ اَعْلٰی عَمْرٰنَ اِیْمَانٌ بَتِّیْ کَمَیْمِنِیْ یٰہٰیثَہُ کَہْ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ قَوْمِ

نبی تھے جو صرف بنی اسرائیل کی طرف منسوب ہوئے۔ آپ ساری دنیا کے لیے
بین الاقوامی نبی بن کر نہیں آئے۔ لہذا آج عیسائیوں کا پوری دنیا کو عیسائیت
کی دعوت دینا خود مسیح علیہ السلام کے مشن کے خلاف ہے۔ پوری دنیا کے
لیے دعوت صرف خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے جن کے بعد قیامت
تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔ الغرض مسیح علیہ السلام نے بنی اسرائیل پر واضح کر
دیا کہ پوری کائنات کا پروردگار صرف اللہ ہے اور وہی عبادت کے لائق
ہے، اس لیے صرف اسی کی عبادت کرو۔

شرک قابل
حالی ہے

فرمایا یہ بات اچھی طرح سن لو، إِنَّهُ مَنْ كُفِّرْ بِاللَّهِ بِشِرْكَ
جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا اور یہی عقیدہ لے کر اس دنیا سے چلا
گیا فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ میں تحقیق اللہ تعالیٰ نے
اُس پر جنت عرام کو دی وَمَأْوَاهُ النَّارُ اور اُس کا ٹھکانا دوزخ
بن گیا۔ ایسا شخص اللہ کی رحمت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محروم ہو گیا۔ دوسرے
مقام پر آتے ہیں کہ ایسے شخص کے لیے رحمت کے دروازے نہیں کھلتے
حَتَّىٰ يَكْبَلَ الْجَمَلَ فِي سَبْعِ الْخَيْطِ بِأُ
تک کہ اونٹ سوئی کے نمکے میں سے گزر جائے مقصد یہ کہ جطرح اونٹ کا سوئی کے
نمکے میں گزرنا ممکن ہے، اسی طرح کافر کے لیے جنت جانا ناممکن ہے، ہر حال میں اللہ نے علیہ السلام کا
قول نقل کیا ہے کہ مشرک کبھی جنت میں نہیں جا سکتا اس قسم کی آیات آج
بھی انجیل میں موجود ہیں کہ سجدہ صرف خداوند کے سامنے ہی کر۔ بعض آیات
میں شرک کا صریحاً رد بھی کیا ہے۔

شرک کی بہت سی قسمیں ہیں مگر اکثر لوگ عبادت میں شرک کرتے
ہیں یا پھر خدا تعالیٰ کی صفات مختصہ اسکی مخلوق میں مان کر شرک کے مرتکب
ہوتے ہیں مسیح علیہ السلام کے متعلق بھی پرانے فرقے یہی کہتے تھے کہ انہیں
تصرف حاصل ہے وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں حالانکہ تصرف صرف اللہ تعالیٰ

کے ساتھ مختص ہے یا یہ کہ مسیح علیہ السلام عالم الغیب ہیں وہ سب کچھ جانتے ہیں یہ معصیت بھی اللہ کے ساتھ مخصوص ہے اور اگر عیسیٰ علیہ السلام یا کسی اور ذات میں مانی جائے گی تو اللہ کے ساتھ شرک ہو گا۔ یہودیوں کا عقیدہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن ہمیں چھڑالیں گے اور دوزخ میں نہیں جانے دیں گے۔ یہ سب باطل عقائد ہیں اور ان کے معتقدین کافر ہیں۔ فرمایا یاد رکھو! وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَابٍ ظلم کرنے والوں کا کوئی مددگار نہیں ہو گا۔ اور اللہ نے فرمایا ہے کہ سب سے بڑا ظلم شرک باللہ ہے إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (تھان) دوسری جگہ فرمایا وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ (البقرہ) یعنی کافر ظالم میں مطلب یہ ہوا کہ کفر اور شرک کرنے والے بد عقیدہ لوگ جنت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عقیدہ عینیت یا طولی عقیدہ کی تردید فرمائی ہے۔

اب اگلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے عقیدہ تثلیث کی تردید فرمائی ہے بھی عیسائیوں کا عقیدہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ الْبَتَہ تحقیق کافر ہونے وہ لوگ قَالُوا جَنُّونَ لَمَّا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثٌ ثَلَاثَةٌ بیشک اللہ تعالیٰ تینوں میں تیسرا ہے عیسائیوں کے دونوں بڑے فرقے رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ ہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے خدا کے تین حصے بنا دیے۔ باپ، بیٹا اور روح القدس یا ذات، علم اور حیات اس عقیدہ میں ذات سے مراد خدا تعالیٰ مسیح علیہ السلام کو علم کا مظہر اور جبرائیل علیہ السلام کو حیات کا مظہر قرار دیا ہے ایک عقیدہ کے لحاظ سے تین اجزاء باپ، بیٹا اور مریم ہیں۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ، مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ ہیں۔ اس طرح انہوں نے مریم علیہ السلام کو مادر خدا تسلیم کیا۔ نصاریٰ کے ان باطل عقائد کے متعلق اسی سورۃ کے آخری رکوع میں آیت لگا۔

عقیدہ
تثلیث

کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھیں گے۔
 اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخَذُوْنِيْ وَاٰمَنُوْا بِالْحَسَنِ مِنْ
 دُوْنِ اللّٰهِ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو معبود بنا لو۔
 اُس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہایت ادب کے ساتھ عرض کریں گے۔
 اے مولا کریم! تیری ذات پاک ہے۔ بلالیں ایسی گندی بات کیے کر سکتا
 ہوں۔ اگر میں نے کوئی ایسی بات کی ہے تو تو میرے دل کی بات جانتا
 ہے مگر میں تیرے دل کی بات نہیں جان سکتا۔ علام الغیوب تو ہی ہے۔
 پھر جب تثلیث کے ماننے والوں کو کہا جاتا ہے کہ تمہارا عقیدہ توحید
 کے خلاف ہے تو کہتے ہیں کہ نہیں خدا تو ایک ہی ہے۔ کبھی تین ہو جاتے
 ہیں، کبھی ایک بن جاتا ہے، عجیب گورکھ دھند بنا رکھا ہے بہر صاحب عقل
 جانتا ہے کہ تین ایک کیسے ہو سکتے ہیں اور ایک تین کیسے بن سکتا ہے
 یہ سب ان کی ذہنی اختراعات ہیں۔ اگر کسی سے تین روپے قرض لے
 کو اُسے ایک روپیہ واپس کیا جائے کہ لو بھائی تمہارے تین روپے ایک بن
 گئے ہیں، تو کیا کوئی صاحب عقل اس بات کو تسلیم کرے گا۔ مگر یہ لوگ اپنی
 ضد اور بہٹ دھرمی کی وجہ سے تثلیث کے باطل عقیدے پر اڑے
 ہوئے ہیں۔ فرمایا ایسا عقیدہ کہنے والے پکے کافر ہیں۔

مجموعہ صرف
 القرآن فرمایا وَمَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ نِّیْسَ بے کوئی معبود مگر
 صرف اللہ مستحق عبادت، متصرف فی الامور، مشکل کشا، حاجت روا، ہمہ تن
 ہمہ بین، خالق کل اور رب صرف وہی ایک ذات ہے۔ اَيَاكَ نَعْبُدُ
 کا یہی مطلب ہے کہ عبادت کے لائق صرف اور صرف وہی ذات خداوندی
 ہے دوسرے مقام پر فرمایا لِيَعْبُدُوْا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ
 (الجنۃ) نصرت کی عبادت کرو، نذر دنیا ز اسی کے نام کی دو، دہانی بھی اسی کے
 نام کی دو، اُسی کو پکارو، اُسی کے۔ منے رکرو، سجدو، بجا لاؤ۔ نافع اور ضار

وہی ہے۔ وہ جو چاہے کر گزینے پر حق بجانب ہے اُس کے علاوہ نہ کوئی
 عظیم کل اور نہ کوئی نفع نقصان کا مالک۔ تمام اختیارات اُسی کے قبضہ قدرت
 میں۔ بیماری اور شفا، ترقی اور تنزل سب کچھ اُسی کے ہاتھ میں۔ ہے سب اسباب
 بھی وہی ہے وہ جب تک چاہے کسی کو زندہ رکھے اور جب چاہے حیات
 چھین لے، اُس کے کاموں میں کسی کی دخل اندازی کی مجال نہیں لہذا تثلیث
 کا عقیدہ رکھنے والے بکے کافر ہیں

سزا اور
 معافی

فرمایا وَإِنْ لَمْ يَنْتَهِمْ عَنْ مَا كَانُوا عَمَلُوا اور اگر یہ اس
 باطل عقیدے سے باز نہ آئے۔ جو کچھ یہ کہتے ہیں اور اُس سے توبہ نہ کی ،
 لَيَسْئَلَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ تو ضرور
 پہنچے گا ان میں سے کفر کرنے والوں کو دردناک عذاب، جو لوگ اپنے ناقص
 مالک اور معبود حقیقی کے ساتھ دوسروں کو شریک مقرر کرتے ہیں۔ وہ بلاشبہ
 سزا کے مستحق ہیں۔ فرمایا أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ اَللّٰهُ يَهْدِيْ لِكُلِّ شَيْءٍ سَبِيْلًا
 کے سامنے توبہ کیوں نہیں کرتے جب تک کوئی اس دنیا میں زندہ ہے اس
 کے لیے موقع ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچانے اور اس پر
 ایمان لائے اور مسیح علیہ السلام کو اس کا بندہ تسلیم کرے وَكَيْفَ تَعْفُوهُمْ
 اور پھر اللہ تعالیٰ سے سابقہ گناہوں کی معافی بھی مانگے۔ اپنی نادانی اور
 کوتاہی پر ادا م ہو جائے تو فرمایا وَاللّٰهُ عَفُوٌّ رَّحِيْمٌ اللّٰهُ تعالیٰ تو سب
 ہی بخشنے والا اور از حد مہربان ہے جو کوئی سچے دل سے توبہ کر کے اُس کے
 دروازے پر آجائے تو بڑے سے بڑا مجرم بھی اس کی رحمت سے محروم
 نہیں رہتا، اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آکر اُسی تمام خطائیں معاف کر دیتی ہے اور
 ایسا شخص اللہ کا قریب بندہ بن جاتا ہے اسی لیے فرمایا کہ یہ لوگ کیوں توبہ نہیں کر سکتے
 اور کیوں اس سے معافی نہیں مانگتے، وہ مالک الملک تو بڑا ہی بخشنے والا اور نہایت
 ہی مہربان ہے اب بھی موقع ہے کہ وہ راہِ راست پر آجائے۔

السماعۃ
آیت ۵۵

لا یحب اللہ
درس نمبر ۳۶

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ
قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَنِ
الطَّعَامَ أَنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ
أَنْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴿٥٥﴾

ترجمہ :- نہیں ہیں مسیح ابن مریم مگر اللہ کے رسول
تخفیف گزر چکے ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول اور ان
کی ماں صدیقہ (بہت راست باز خاتون) ہے ۔ وہ دونوں کھانا
کھاتے تھے ، دیکھو ! ہم اُن کے لیے کس طرح دلائل بیان کرتے
ہیں ۔ پھر دیکھو ! یہ لوگ کدھر اُٹے پلے جا رہے ہیں ﴿۵۵﴾

رہنمائیات
گزشتہ کئی دروس سے اہل کتاب کے عقائد باطلہ کی تردید ہو رہی ہے ۔ اللہ
نے فرمایا کہ نعتیہ عمل کی وجہ سے یہ ملعون ٹھہرے ۔ انہوں نے اللہ کی کتابوں میں تحریف
کی ۔ ان کی اکثریت نافرمانوں کی تھی مگر ان میں بعض باصلاحیت لوگ بھی موجود تھے ۔
وہ حق بات کو مستبول کر کے ایمان کا راستہ اختیار کرتے تھے ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ
کے مختلف فرقوں کے عقائد باطلہ کا رد فرمایا اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم
اور آپ کے رضا کو یہ بات سمجھادی کہ وہ اہل کتاب کی مخالفت سے خوفزدہ نہ ہوں
بلکہ اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہیں ۔ گزشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ وہ لوگ پہلے
کافر ہونے جنہوں نے کہا اِنَّا لِلّٰہِ ہُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ یعنی مسیح علیہ السلام
بعینہ خدا ہیں ۔ یہ بات تو عقل کے بھی خلاف ہے اور عقل کے بھی خلاف ہے بلکہ خود

مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کے بھی منافی ہے۔ آپ کی تبلیغ کا ذکر تو ہو چکا ہے کہ انہوں نے کہلے بنی اسرائیل اَعْبُدُوا اللّٰهَ اللّٰهُ تَعَالٰی کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا، اُس پر جنت حرام ہو گئی اور اُس کا ٹھکانا دوزخ میں ہو گا۔ اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار بھی نہیں ہو گا۔ فرمایا یہ اتحادی عقیدہ رکھنے والے بھی کافر ہیں اور وہ بھی کافر ہیں جنہوں نے کہا اَنْتَ اللّٰهُ ثَالِثٌ ثَلَاثَةً یعنی اللہ تین میں سے تیسرا ہے یہ عقیدہ تثلیث بھی کفر ہے عقیدہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ صرف ایک وحدہ لا شریک ہے۔ فرمایا اس بھی موقع ہے کہ یہ لوگ توبہ کر لیں اور سابقہ گناہوں کی معافی طلب کر لیں تو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا، بصورت دیگر درناک عذاب کے مستحق ٹھہریں گے۔

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے نہایت مختصر الفاظ میں نصاریٰ کے اس عقیدے کا رد فرمایا ہے جس کے مطابق وہ عیسیٰ علیہ السلام کو متصرف فی الامور اور خود مختار مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں ایسے دلائل کی طرف اشارہ کیا جنہیں دنیا کا کوئی صاحب شعور آدمی رد نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ بَلْ رَسُوْلٌ نَّبِيٌّ نَّبِيُّ نَبِيِّنَ ابْنِ مَرْيَمَ اللّٰہ کے رسول۔ یہ مک اور اِلٰہ یعنی نفی اور اثبات کے درمیان بات کی گئی ہے اور مطلب یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام اللہ کے رسول ہونے کے سوا کچھ نہیں ہیں نہ وہ خدا ہیں نہ اوتار اور نہ خدا کے بیٹے اور نہ متصرف۔ اللہ کے فرستادہ ہونے کے علاوہ اُن کی اور کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہ رسول کا لفظ واضح کر رہا ہے کہ اُس کو بھیجنے والی کوئی دوسری ہستی ہے جو بلاشبہ مجھے جانے والے سے اعلیٰ وارفع ہے اور وہ خدا تعالیٰ ہے جس نے مسیح علیہ السلام کو اپنا پیغام پہنچانے کے لیے مبعوث فرمایا۔ لہذا وہ خود خدا کیسے ہو سکتا ہے۔

مسیح ابن مریم کے الفاظ بھی بتا رہے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم

سے بیٹے ہیں جو پیدائش کے لیے ماں کا محتاج ہے اور اس کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے، خود الہ کیسے ہوا۔ اب مسیح کے نام پر بھی غور کیجئے۔ یہ مرکب ہے روح اور جسم کا، اور جو مرکب روح یعنی روح اور جسم کا محتاج ہو، اُس پر الوہیت صادق نہیں آتی کیونکہ اللہ تو وہ ہو سکتا ہے، جو ہر چیز سے بے نیاز ہو اور کسی کا محتاج نہ ہو بلکہ ہر چیز اُس کی محتاج ہو۔ گذشتہ سورۃ میں **قَبْلُ تَفَعَّلَهُ اللَّهُ إِلَٰهًا** کا تذکرہ بھی ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کا روح مع الجسم اپنی طرف اٹھالیا۔ اس سے بھی آپ کا مرکب ہونا ثابت ہوتا ہے جو صفت الوہیت کے منافی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو باپ کے توسط کے بغیر پیدا کیا۔ مگر ماں کا توسط تو موجود ہے مسیح علیہ السلام مریم کے بیٹے ہیں اور اللہ کے رسول ہیں، اُس کے فرستادہ ہیں وہ نہ خود خدا ہیں اور نہ قینوں میں تیسرے ہیں۔ نصاریٰ کا حلوئی اور آوارہ رویوں عقائد باطل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ قانون بھی اپنی جگہ اٹل ہے کہ انسانیت کی اصلاح اور فلاح کے لیے اُس نے ہمیشہ اپنے رسول بھیجے ہیں، وہ نہ خود آیت ہیں اور نہ اس کا کوئی اوتار نازل ہوا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر مسیح علیہ السلام تک **قَدْ خَلَلْتُ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلَ** اس سے پہلے رسول ہی گزرے ہیں۔ اور رسول انسان ہوتے ہیں کیونکہ انہیں انسانوں کی طرف مبعوث کیا جاتا ہے۔ مسیح علیہ السلام کے بعد صرف ایک رسول کی ضرورت تھی جس کے متعلق حضرت مسیح علیہ السلام ہی اسرائیل کو رفع الی اسمائیک بشرت مَنَاتے ہے **وَمُبَشِّرًا لِّبَنِي سُوُلٍ یَّمِیْنًا** یمنی اسمائیک **أَحْمَدُ** سورۃ صافات میں ہے بعد ازیں رسول آئے والے۔ یہ جس کا نام احمد ہو گا۔ انجیل میں احمد کا متبادل لفظ فارقلیط گذشتہ صفحہ تک موجود رہا ہے مگر اب انوں نے کتاب اللہ میں تحریر نہ کر کے اُسکی

منفی نہ ہو۔ قیامت کے وقت کے متعلق انجیل میں مسیح علیہ السلام کا فرمان
 موجود ہے کہ قیامت کی گھڑی کے متعلق نہ فرشتے جانتے ہیں اور نہ ہی
 خود مسیح۔ اس با علم صرف باپ یعنی خدا تعالیٰ کو ہے، اور کسی کو نہیں اس طرح
 مسیح علیہ السلام کے علم کل ہونے کی بھی نفی ہو گئی۔ الہ کی ایک صفت یہ ہے
 کہ وہ غیر محدود اور غیر مرئی ہوگا۔ نہ تو اس کا احاطہ ہو سکتا ہے اور نہ وہ ان مخلوق
 سے نفرت کرتا ہے، مگر مسیح علیہ السلام چلتے پھرتے دکھائی دیتے تھے اور درمیان
 قد کے مہم دانان تھے، لہذا وہ ان صفات کے حامل ہی نہ تھے اس لیے
 بھی انہیں الوہیت سے متصف نہیں کیا جاسکتا۔ پھر یہ بھی ہے کہ الودہ
 ہے جس میں معبودیت کی صفت پائی جانے لگی مگر مسیح علیہ السلام تو عابد ہیں
 معبود نہیں۔ جیسا کہ گذشتہ دروس میں گزر چکا ہے ان کی تو اپنی تعلیم یہ تھی -
 عَسْبُدُ وَاللّٰہَ الشِّرْکِیۡ بَادِتْ کَرُوۡمِیۡرِہِیۡ پُر و ر د گار۔ بے اور تمہارا بھی
 لہذا اب الہ نہیں تسلیم کیے جاسکتے۔

حضرت مریم صدیقہ ہیں حضرت مریم پر بدکاری کا الزام لگاتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اٹھایا
 صدفقت کی خود گواہی دی اور فرمایا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے رسول تھے
 قَامَتْہٗ صِدِّیْقَہٗ اور آپ کی والدہ صدیقہ یعنی راست باز نہیں
 اعلیٰ اصطلاح میں انبار علیہم السلام کے بعد صدیقین کا درجہ ہے۔ اور اس
 سے مراد خدا کی عبادت گزار، اس کا ذکر کرنے والی، پاکیزہ اخلاق، برائی سے
 دور رہنے والی، ہر لحاظ سے سچائی پر کار بند، اطاعت گزار اور عقیدے اور
 عمل میں راست باز ہے۔ جب حضرت مریم حضرت مسیح علیہ السلام کو گود میں
 میں اٹھا کر آئیں تو یودیوں نے فوراً ان پر الزام لگایا لَعَنَہٗ جُمْتُ شَیْئًا
 فَتَبَّیۡتُ مریم! تو یہ بدکاری کا بچہ لے کر آئی ہے، تیرے والدین تو ایسے نہیں
 تھے۔ اس جواب میں اللہ تعالیٰ نے سنسرایا کہ حضرت مریم راست باز
 خاتون تھیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کے ذکر کے بعد آگے اللہ تعالیٰ حضرت دریا زندگی نے ان دونوں کی حیثیت کی مزید وضاحت فرمائی ہے كَأَنَّمَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ کا اعتبار وہ دونوں (ماں بیٹا) کھانا کھاتے تھے مطلب یہ ہے کہ حضرت مسیح اور ان کی والدہ کوئی عجیب و غریب مخلوق نہیں تھے بلکہ عام انسانوں کی طہرت وہ بھی کھانے کے محتاج تھے، انہیں بھی بھوک پیاس محنت تھی اور الا وہ بوسنا سے جو ان چیزوں سے پاک ہو۔ اہم راز فرماتے ہیں کہ جو شخص بھوک پیاس کے ازالے کے لیے کھانے پینے کا محتاج ہو۔ پاؤں سکھنے کے لیے زمین کا محلج ہو چہ جسم و روح کا تعلق قائم رکھنے کے لیے سانس کا احتیاج ہو اور جسے بول و براز کی حاجت لاحق ہو۔ وہ بجلا الا کیسے ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے یہ ایسے نفوس دلائل بیان فرمائے ہیں کہ کوئی شخص ان کی تردید نہیں کر سکتا یہاں کھانا کھانے کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے ان کے اعتبار کو واضح فرمادیا بلکہ یہ دلیل قرآن اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کے حق میں دی وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ اللہ تعالیٰ کے کسی نبی کا جسم ایسا نہیں بنایا جو کھانے کا محتاج نہ ہو کسی نبی کا وجود ازلی ابنی بھی نہیں ہے۔ ازلی ابدی اور تمام ضروریات سے بہتر اور منزہ ذات تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہے فرشتے اگرچہ کھانا نہیں کھاتے مگر بقائے حیات کے وہ بھی محتاج ہیں وہ چلنے پھرنے کے محتاج ہیں اور صرف امر الہی سے ہی چلتے چہرتے ہیں اور حکم الہی کی تعمیل کرتے ہیں۔ اس طرح وہ رفع درجات کے محتاج ہیں اور انعام و اکرام کے بھی خواہشمند ہوتے ہیں۔ غرضیکہ جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل علیہم السلام اور تمام فرشتے اور اللہ تعالیٰ کی باقی تمام مخلوق کسی نہ کسی چیز کی محلج۔ ہے حتیٰ کہ ہر ذی جان چیز سانس تک لینے کی محتاج ہے انبیاء اولیا اور بزرگ سب اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے اور اسی کے عابد ہیں۔ معبود صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس کے علاوہ نہ کوئی عظیم کل۔ ہے نہ

قادرٌ مطلق ہے اور نہ واجب الوجود، سب کے سب مرئی یعنی دکھائی دینے والے اور محدود ہیں۔ لامحدود اور غیر مرئی صرف ذات خداوندی ہے۔ لہذا معبود بھی وہی ہے، اس کے علاوہ بشمول مسیح علیہ السلام کوئی الہ نہیں ہے مسیح علیہ السلام اس کے سوا نہیں کہ وہ اللہ کے برگزیدہ رسول ہیں۔ بنی فرعون انسان میں یہ سب سے بڑا شرف ہے مگر وہ الہ بہر حال نہیں ہیں۔

یہ دلائل بیان کرنے کے بعد اللہ جل جلالہ نے فرمایا اَنْظُرْ كَيْفَ يُبَيِّنُ لَهُمْ اٰيَاتِ الْكِتَابِ وَيُخَوِّعُهُمْ كُلَّ حَرْجٍ وَّاضِحٍ دلائل بیان کرتے ہیں ہر لفظ میں توحید کے اثبات اور شرک کے ابطال کی دلیل موجود ہے۔ تثلیث اور اتحادی عقیدے کی تردید ہے اگر اور کوئی دلیل بھی سمجھ میں آئے تو اتنی بات تو باطل سیدھی سا دھی ہے کہ جو کھلنے پھینے کا محتاج ہے وہ الہ نہیں ہو سکتا۔ انسان تمام ضروریات زندگی کا محتاج ہے اور نبی علیہ السلام بھی ایک انسان ہیں لہذا وہ معبود نہیں ہو سکتے۔ فرمایا اَنْظُرْ اَنْظُرْ كَيْفَ يُخَوِّعُهُمْ كُلَّ حَرْجٍ پھر دیکھو! یہ کدھر لٹے پھرتے ہیں۔ یہ انہی اتحادی اور تثلیث کے گندے عقیدے پر مصر ہیں۔ انہوں نے خالق اور مخلوق کو برابر کر دیا ہے۔ اسی گمراہی میں مبتلا ہو کر کفر اور شرک کا ارتکاب کر رہے ہیں اتنے واضح دلائل آنے کے باوجود یہ اس باطل عقیدے کو ترک کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے تصرف میں شرک کرنے کا خصوصی رد فرمایا ہے۔

لا یحب اللہ

السنۃ

درس کی وضاحت ۳۷

آیت ۶، ۷

قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ
 ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۚ وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۶﴾ قُلْ
 يَأْمُرُ الْكِتَابُ لَا تَقْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ
 وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ
 وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿۷﴾

ترجمہ : اے پیغمبر ! آپ کہہ دیجئے کیا تم عبادت کرتے
 ہو اللہ کے سوا اُن چیزوں کی جو نہیں ماکہ تمہارے لیے نفع
 کی اور نہ نفع کی ۔ اور اللہ تعالیٰ ہی ہے سُنے والا اور جاننے
 والا ﴿۶﴾ اے پیغمبر ! آپ کہہ دیجئے اے اہل کتاب ! نہ تمہارا دین
 اپنے دین میں ناحق اور نہ پہنچ کر اُن لوگوں کی خواہشات کی جو
 اس سے پہلے گمراہ ہو چکے ہیں اور انہوں نے بہت سے لوگوں
 کو گمراہ کیا ہے اور وہ میرے راستے سے ہٹ گئے ہیں ﴿۷﴾

گذشتہ درس میں اہل کتاب کے باطل عقائد اور اُن کی خرابیوں کا ذکر ہوا تھا۔ اب
 اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے مختلف فرقوں کی تکفیر کا ذکر کیا جو یا تو عیسیٰ علیہ السلام کو بعینہ خدا
 مانتے ہیں یا پھر تین خداؤں میں سے تیسرا تسلیم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کفر ہے
 عقیدہ ہے۔ یہ عقیدہ عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے بلکہ خود انبیاء کی تعلیم کے بھی
 منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو متعین کی کہ وہ اس باطل عقیدہ سے باز آجائیں ورنہ
 عذاب الیم کے مستحق ٹھہریں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

متعلق فرمایا کہ آپ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ نے رسول میں آپ سے پہلے
 بھی سے رسول گزے ہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کی والدہ حضرت مريم صلیہ
 تھیں یعنی نہایت ہی راست باز خاتون تھیں، وہ بیوروں کی طرف سے لگائے
 گئے الزامات سے بالکل برائے تھیں اور عیسائیوں کے محبت سے کے مطابق مادرِ خدا
 بھی نہ تھیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام اور آپ کی والدہ دونوں کھانا کھاتے تھے
 کیونکہ اپنی زندگی کو قائم رکھنے کے لیے وہ کھانے کے محتاج تھے۔ انیسویں صدی
 بھی لاحق ہوتی تھیں اور وہ کمزوری کی حالت میں بھی مبتلا ہوتے تھے۔ ظاہر ہے
 کہ جن ہستیوں کی زندگی کا انحصار دوسری اشیاء پر ہو وہ معبود کیسے ہو سکتی ہیں
 وہ تو خود محتاج تھے۔ اور معبود وہ ہستی ہے جو کسی کی محتاج نہیں بلکہ سب اس
 کے محتاج ہیں۔ معبود وہ ذاتِ خداوندی ہے جو تمام لغات میں احتیاج اور
 کمزوریوں سے پاک ہے۔

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ اور دیگر مشرکین کے
 عقائد کا رد فرمایا ہے اور نہایت لطیف پیرائے میں عبودانِ باطلہ کی پرستش
 سے روکا ہے، نیز دین میں غلو کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے
 قُلْ لِّی بِنَفْسِی اِیَّیْکُمْ اَنْعَبُدُوْا مَنْ دُوْنِ اللّٰهِ کَمَا
 تَعْبُدُوْنَ اللّٰہَ کے سوا عبادت کرتے ہو ان کی مَآلَا یَمْلِکُ لَکُمْ
 فَتْرًا قَوْلًا نَّفَعًا جو تمہارے لیے کسی نقصان اور نفع کے مالک نہیں
 میں سمجھانا یہ مطلب ہے کہ جو ہستی نفع و نقصان پر قادر نہیں ہے وہ معبود
 کیسے ہو سکتی ہے؟ نافع اور ضار تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور وہی معبود
 برحق ہے، مسیح علیہ السلام نہ نفع و نقصان پر قادر ہیں اور نہ وہ عبادت کے
 لائق ہیں۔ انجیل میں بھی موجود ہے "بیٹا مسیح علیہ السلام آپ سے کچھ نہیں
 کر سکتا، جو کچھ اختیار ہے، اُس باپِ خدا کے پاس ہے" بہر حال معبود وہ
 ہو سکتا ہے جو احتیاج سے پاک ہو، ہر قسم کے اختیار کا مالک ہو، قدرتِ تامہ

رکھتا ہو، واجب الوجود اور خالق ہو اور وہ علم محیط رکھتا ہو۔ یہ نصاریٰ کے عقائد باطل کی تردید ہوگئی

مشرکین بھی جن کی پرستش کرتے ہیں انہیں نفع و نقصان کا مالک سمجھ کر ہی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ خواہ ملائکہ ہوں یا انبیاء اور اولیاء یا جنات وغیرہ اللہ نے کسی کو کوئی اختیار نہیں دیا۔ تمام اختیارات مالک الملک کے پاس ہیں ہر چیز کا تصرف بھی اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ سورۃ الم سجدہ میں صفات کے ساتھ وجودِ یکتا اَلَمْ یَسْ مِنْ الشَّعَاوِ اِلَکَ اَمْرٌ ضِنِّ بندوں سے لے کر پستیوں تک ہر چیز کی تدبیر اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے ہر چیز اُسی کے قبضہ اور تصرف میں ہے۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کھلوانی قُتِلَ لَا اَهْلَکَ لِنَفْسِیْ نَفْعًا قَوْلًا ضَمِنًا اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ اَعْرَفَ میں اپنے اپنے کسی لفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں۔ تمام تصرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، وہ جو چاہے کرے ساری مخلوق اُس کی محتاج ہے۔ وہ اکیلا معبود ہے باقی سب عابد ہیں۔ مگر نصاریٰ کی عقل پر پردہ پڑ گیا ہے جو مع علیہ السلام کو معبود بنائے بیٹھے ہیں حالانکہ آپ کو لفع نقصان کا کچھ اختیار نہیں۔

صفات
الوہیت

فرمایا یاد رکھو! لَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ہر ایک کی بات، دعا، اور فریاد کو سننے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اور ہر چیز کو جاننے والا بھی وہی ہے وہی ذات یُکَلِّ شَیْءٌ جو یُحِیْطُ بہتے اور وہی ذات یُکَلِّ شَیْءٌ عَلَیْہِ ہے نہ کوئی چیز اُس کے احاطہ قدرت سے باہر ہے اور نہ کوئی اُس کے علم سے باہر ہے یہ دونوں صفات صفات الوہیت میں سے ہیں۔ پرہوں بھی عرض کیا تھا کہ واجب الوجود ہونا، کمال صفات کا مالک ہونا، مختار کل اور علیم کل ہونا، قدرت نامہ کا مالک ہونا۔ تعمیر محمد وود اور غیر مرئی ہونا، سب صفات الوہیت ہیں۔ علیٰ علیہ السلام میں

ان میں سے کوئی بھی صفت نہیں پائی جاتی، وہ تو نظر آتے تھے اور محدود جسم کھتے تھے لہذا وہ الہ ایکے ہو سکتے ہیں۔ چونکہ وہ الہ نہیں ہیں لہذا اُن کی عبادت بھی نہیں ہو سکتی۔ عبادت کے لائق صرف وہ ذات ہے جو مگر تمام ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہو، جن میں یہ صفات نہیں پائی جاتیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کو نہ تو کوئی اختیار ہے نہ ہر چیز پر اُن کی نگاہ۔ ہے اور نہ وہ ہر چیز کا علم رکھتے ہیں۔ لہذا اُن کی طرف الوہیت کی نسبت کرنا بالکل حماقت کی بات ہے جو عقل سے بالکل بعید ہے۔

غلو فی الدین یعنی دین کے معاملہ میں افراط و تفریط کا پیدا ہو جانا ایک قدیم بیماری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو اس سے باز رہنے کی تلقین کی اور فرمایا فَلْيَا هَٰؤُلَاءِ الْكِتَابُ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غلو نہ کرو۔ غلو کا معنی تجاوز کرنا یا حد سے بڑھنا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ غلو دونوں صورتوں میں واقع ہوتا ہے یعنی افراط اور تفریط میں۔ اگر کسی چیز یا ہستی کو اس کے مرتبے سے بڑھا دیا جائے تو افراط زیادتی ہوتا ہے اور اگر اس کے منصب میں کمی کر دی جائے تو تفریط کمالاتی ہے۔ مقصد یہ کہ دین اور شریعت میں کسی معاملہ کے متعلق جو حد مقرر کی گئی ہے اس میں کمی بیشی کرنا افراط و تفریط ہے جس سے اللہ نے منع فرمایا ہے یہودی تفریط کا شکار تھے۔ اللہ نے تو اپنے انبیاء کی اتباع کا حکم دیا تھا وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ (النساء) ہم نے تو انبیاء کی اطاعت کا حکم دیا کیونکہ وہ اللہ کے معصوم بندے ہوتے ہیں اور انہیں معصوم ہی اس سے کیا جانا ہے کہ ان کی مانع ریزی کی جائے مگر یہود نے اپنے انبیاء کی توہین و تذلیل کے مرتکب ہوئے اور انہیں قتل کر کے بھی دروغ کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں بنی اسرائیل کی طرف سے بے ادبی اور استغنی کے تھے یہ

امور کا ذکر ہو چکا ہے۔ اللہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوق میں منتخب اور برگزیدہ بندہ ہوتا ہے اس کے ذمہ بنی نوع انسان کی ہدایت اور رہنمائی کا فریضہ ہوتا ہے۔ مگر بیوی اپنے بیویوں کو عام انسانوں کا درجہ بھی نہ دے سکے اور اس طرح وہ تفریط کے مرتکب ہوئے۔ برخلافت اس کے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت مسیح علیہ السلام کی تعظیم و تکریم میں اس حد تک غلو کیا کہ انہیں نبوت کے مقام سے اٹھا کر الوہیت کی کرسی پر بٹھا دیا۔ اللہ کی صفات مختصہ کو مسیح علیہ السلام میں ثابت کر کے ان کی کیشش کی اور اس طرح افراط کے مرتکب ہوئے۔ حالانکہ دین کے معاملہ میں افراط اور تفریط دونوں ناپسندیدہ ہیں۔ اور دونوں قلمی کا باعث ہیں۔ دین میں جس پر کے متعلق جو مد مقرر کی گئی ہے اس پر قائم رہنا ہی صحیح دینداری رہنمائی انسان کو انسان کے مرتبہ پر ہی رکھنا صحیح ایمان ہے۔ اگر کسی شخص کو الوہیت کی چادر اوڑھادی گئی تو بنی غلو یعنی حد سے تجاوز ہے۔

تذکرہ از حد
سے زیادہ بچے تم

افراط یعنی حد سے تجاوز کرنے کی بیماری ہماری امت میں بھی پائی جاتی ہے۔ جنس علیہ السلام نے خود اپنے متعلق فرمایا: **لَا تُطْرُقُ فِي كَمَا أَطْرُقَ النَّصَارَىٰ إِنَّكَ مُؤْتَبَرٌ مِّنْهُمْ** تعریف میں مبالغہ نہ کرنا جس طرح عیسائیوں نے مسیح ابن مریم کی تعریف میں کیا اور انہیں بندے سے الگ بنا دیا۔ ایسا محبت، عقیدت اور تعظیم میں تجاوز کی وجہ سے ہوا۔ **وَسُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ مَا عِبَادَةُ الرَّسُولِ** میں تو اس کا بندہ اور اس کا رسول ہوں لہذا مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہو۔ یہی تعریف میں مبالغہ آرائی نہ کرنا ایسی افراط ہے اور یہی چیز انسان کو کفر نام پہنچاتی ہے۔ جملے ہاں اہل بدعت ایسا ہی کرتے ہیں۔ جنس نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف تو صیغہ میں اس حد تک مبالغہ آرائی کی کہ آپ کو خدا کے درجے تک پہنچا دیا۔ بزرگوں کے لیے ایسے ایسے تعریفی کلمات اور القابات وضع

کیے جو افراط کی تعریف میں آتے ہیں کہیں امام الاولیاء بنا دیا اور کہیں امام المتعین کا خطاب لے دیا، حضرت اقدس اور نامعلوم کیا کیا القابات لے کر ان کو شریعت کی مقررہ حد سے بہت آگے لے گئے۔ جنہوں نے علیہ السلام کے سامنے جب کسی شخص نے دو کٹر شخص کی تعریف میں مباذع کیا تو آپ نے فرمایا: **وَيَحْلَتَ قَطَعْتَ عُنُقَهُ** افسوس ہے تو نے تعریف میں مباذع کیے اُس کی گردن توڑ دی۔ فرمایا جب کسی کی تعریف مطلوب ہو تو یوں کہنا کہ **وَاللّٰهُ حَسْبُيْ** اللہ تعالیٰ ہی حساب لینے والا ہے۔ وہ صورت حال کو جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا بزرگوں پر ترجمہ کر دینی یوں کہو **رَحِمَهُمُ اللّٰهُ** اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے۔ اسی طرح صحابہ کرام کا نام آئے تو **رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ** اللہ کو یعنی اللہ تعالیٰ ان پر راضی ہو گیا۔ مقصد یہ کہ افراط و تفریط کسی صورت میں بھی روا نہیں۔ یہ چیز کفر اور شرک تک لے جاتی ہے۔ اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

مولانا شاد اللہ پانی پتی اپنی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ غلو کبھی افراط سے ہوتا ہے اور کبھی تفریط سے۔ عیسائی تفریط میں مبتلا تھے۔ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو الوہیت کے درجے تک پہنچا دیا۔ یعنی مولود بشری کو الٰہ بنا دیا۔ غرضیکہ اعمال میں نہ افراط گوارا ہے اور نہ تفریط پسندیدہ۔ یہودیوں نے اعمالِ شرع کی کچھ پروا نہ کی۔ اور نصاریٰ کے اعمال میں تفریط ہوئی اور انہوں نے اصل اعمال کی بجائے رہبانیت کو ایجاد کیا، اور بدعات کے ترکیب ہوئے، بدعات کے تمام کام خود ساختہ ہوتے ہیں اور تفریط کے حکم میں داخل ہیں۔ دین میں اسی ایجاد بندہ کے متعلق آتا ہے۔ **رَهْبَانِيَّة** ابتدا ہو یا رہبانیت ہے جسے نکالا گیا۔ اور جو انسان کو کفر اور شرک تک لے جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا **وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ** پیروی کرو

ظہور

اُن لوگوں کی خواہشات کی قَدْ صَلُّوا مِنْ قَبْلِ جو خود پہلے گمراہ ہو چکے ہیں وَأَضَلُّوا كَثِيرًا اور انہوں نے بہت سے دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا ہے۔ یہود و نصاریٰ نے یہی کیا کہ وہ تو گمراہ ہوئے مگر انہوں نے دوسرے لوگوں کو بھی گمراہی کے گڑھے میں پھینک دیا۔ یہودیوں میں شرک کی بیماری صابیوں سے آئی اور نصاریٰ نے اُسے یزیدوں، رومیوں اور پہلے مصریوں سے اخذ کیا۔ ہمارے اس برصغیر میں بھی شرک اور بدعت کی لعنت ہندو مت اور بدھ مت سے آئی ہے۔ یہ سوئم، چالیسواں، قبروں پر پھول چڑھانا وغیرہ سب ہندوؤں سے اخذ شدہ رسوم ہیں۔ یہ اسلام کا طریقہ نہیں ہے بلکہ خالص بدعات ہیں مگر اللہ نے فرمایا کہ دوسری اقوام کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ بدعات میں خواہشات سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا، ان میں کوئی دلیل نہیں ہوتی بلکہ محض ذاتی پسند ہوتی ہے کہ ہمارے ہاں یہ رواج ہے، ہمارا یہ دستور ہے۔ ہمارے بڑے ایا کہتے تھے۔ ایسی چیزیں نہ تو کتاب و سنت میں ملتی ہیں اور نہ صحابہؓ کے عمل اور ائمہ دین کے اجتہاد سے ثابت ہیں۔ ہمارے ہاں خوشی اور غمی کی تمام رسوم محض خواہشات کی پیروی کا نام ہیں جس سے اللہ نے منع فرمایا ہے۔ بدعات میں محض اپنی پسند کی تکمیل مطلوب ہوتی ہے نہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا۔

آج مسلمان بھی بدعات کا شکار ہو چکے ہیں، انہوں نے آسمانی کتابوں وحی الہی اور انبیاء کا طریقہ چھوڑ دیا ہے وَصَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ اور سیدھے راستے سے ہٹ چکے ہیں۔ آج یہ بھی انہی لوگوں کا اتباع کہہ سکتے ہیں جو خود بھی گمراہ ہونے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ وہ لوگ جی نہرت اور بدعات کے عمل سے گمراہ ہونے اور آج یہ جی انہی کے نقش قدم پر چل کر ضلالت کے گمراہی میں گر چکے ہیں۔

بہشت کی حوصلہ
افسردہ

بدعات کو جاری کرنے والے اکثر فاسق اور فاجر لوگ ہوتے ہیں یا پھر
ملوک اور سلاطین انہی لوگوں کی حوصلہ افزائی سے بدعات پر دان چڑھتی ہیں
ہمارے ملک میں بھی بدعات کی حوصلہ افزائی اوپر سے ہوئی ہے، قبروں کا
غلل اور ان پر چادریں چڑھانا، ہشتی دروازے کی کشادگی وغیرہ امر اور زور
اور اعلیٰ حکام ہی کہتے ہیں۔ جب بڑا آدمی خود قبروں پر پھول چڑھاتا ہے
تو چھوٹے آدمی بھی اسی کا اتباع کرتے ہیں، وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور
دوسروں کو بھی کہتے ہیں یہ تمام چیزیں غلو فی الدین میں داخل ہیں۔ ذرا غور
فرمائیں کہ قبروں کے ساتھ جو معاملہ آج ہو رہا ہے کیا حضور علیہ السلام نے
ایسا کیا تھا یا صحابہ کرام نے کیا تھا یا سلفِ صالحین میں سے کسی نے تمغیہ
دی مٹی کیا ان لوگوں کا دین مکمل نہیں تھا، جو ان چیزوں سے محروم رہ گئے۔
قبروں کی پختگی تو حضور علیہ السلام کے فرمان کے بالکل خلاف ہے۔ آپ نے
تو فرمایا تھا لَا تَجْعَلُوا قُبُورَیْہِمْ اَمْنًا نہ ٹکاؤ۔ مگر اب بڑی عایشہ
عمارتیں تعمیر ہو رہی ہیں، پیس لگ رہے ہیں۔ قبروں پر پتھر چل رہے ہیں،
بڑے بڑے گنبد بن رہے ہیں۔ یہ سب غیر اقوام کا اتباع اور غلو فی الدین ہے۔
ہندوستان میں قبروں پر گنبد بنانے کی بدعت بدھوں سے آئی ہے
ہندوستان، چین، جاپان اور مشرقِ بعید کے بعض دیگمہ ممالک میں ایسا ہی
سب بڑی بڑی یادگاریں بنائی جاتی ہیں۔ یہ دیوہیکل ابرام مصر کیا ہیں؟
یہ قبرستان ہی تو ہیں۔ آج سے ساڑھے چھ ہزار سال قبل بننے والے یہ فرعونوں
کے مزار ہیں۔ جس طرح مصری اور یونانی گمراہ ہوئے اسی طرح اب مسلمان
بھی ہو رہے ہیں۔ جو بدعات تصابی اور زرتشتی مذاہب میں تھیں،
وہی اب مسلمانوں میں بھی آج بھی جو چیزیں میموہ و نصاریٰ نے اختیار کیں
وہی مسلمان بھی اپنا رہے ہیں۔ اسی لیے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میری

است کے لوگ بھی اہل کتاب کے اسی طرح مشابہت اختیار کریں گے جس طرح ایک جوڑا دوسکر جوڑتے کے مشابہ ہوتا ہے۔ غرضیکہ کہ اللہ نے فرمایا کہ سابقہ قومیں بھی دین میں اذراط و تفریط کی وجہ سے ہی گمراہ ہوئیں اور وہ بہت سے دوسکر لوگوں کی گمراہی کا باعث بھی بنیں۔

لَعْنَةُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ عَلَى لِسَانِ
دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا
يَعْتَدُونَ ﴿٨٨﴾ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ
لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٨٩﴾ تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ
يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ
أَنْفُسُهُمْ أَنْ سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ
هُمُ خَالِدُونَ ﴿٩٠﴾ وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَا اخَذُوهُمْ أُولىَاءِ
وَلَكِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ فَسِقُونَ ﴿٩١﴾

ترجمہ :- لعنت کی گئی اُن لوگوں پر جنہوں نے کفر کیا
بنی اسرائیل میں سے داؤد (علیہ السلام) اور عیسیٰ (بن مریم علیہ السلام)
کی زبان پر ۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے افراتفری کی اور وہ
حد سے گزرتے تھے ﴿۸۸﴾ وہ نہیں منع کرتے تھے یک دوسرے
کو برائی سے جو وہ کرتے تھے ، البتہ بُرائی ہے کہ گزراؤ جو
وہ کرتے تھے ﴿۸۹﴾ دیکھئے گا تو ان میں سے بہتوں کو کہ
دوستیہ کرتے ہیں اُن لوگوں کے ساتھ جنہوں نے کفر کیا ۔
البتہ بُرائی ہے وہ بات جو آگے بھیجا ہے اُن کے لیے اُن

کے نفسوں نے ، وہ یہ ہے کہ اللہ اُن پر ناراض ہو ۔ اور وہ مذہب میں ہمیشہ بستے رہے ہوں گے (۸۰) اور اگر یہ ایمان نہ آئے تو یہ اللہ کے نبی پر اور اُس چیز پر جو تیری گئی ہے اُس نبی پر ، تو نہ ہاتے اُن کافروں کو اپنا دوست لیکن بہت سے ان میں سے ایسے ہیں جو نافرمانی کرنے لگے

ہیں (۸۱)

گزشتہ آیات میں بنی اسرائیل کی غزالیوں اور ان کے باطل اعتقادات کا تذکرہ رہا آیات ہوتا رہا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے مختلف فرقوں کے عقائد باطلہ کی تردید فرمائی ۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ مسیح علیہ السلام کو بعینہ خدا ماننا یا اُن کو تین خداؤں میں سے تیسرا تسلیم کرنا یا انہیں تصرف فی الامور خیال کرنا ، سب گمراہ کن عقائد ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مسیح علیہ السلام تو خالص توحید کی تبلیغ کرتے تھے ، کفر اور شرک سے روکتے تھے کیونکہ مشرک ابھی جنمی ہوتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کی پوزیشن بھی صاف کر دی کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی ایک نیک اور راست باز خاتون تھی اور وہ یہود کی طرف سے تعذیب اور نصاریٰ کی افراط سے مبرا تھی ۔ اس کے بعد اللہ نے دین میں غلو کرنے سے منع فرمایا ۔ اللہ نے بنی اسرائیل پر جو ناراضگی کی اور جو دنیا میں اُن کو سزا دی ۔ اس کا تذکرہ بھی کیا اور عام لوگوں کو تنبیہ کی کہ وہ ہلائی سے باز آجائیں ورنہ انہیں بھی اُسی قسم کی سزا دی جائیگی ۔ جیسی بنی اسرائیل کے دو گروہوں کو دی گئی ۔

آج کی آیات میں بنی اسرائیل کے دو گروہوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جنہوں نے اپنے انبیاء کی بار بار وعید کے باوجود اللہ کے احکام کی نافرمانی کی اور انہیں اسی دنیا میں سزا دی گئی جس سے اُن کی شکلیں تبدیل ہو گئیں ارشاد ہوتا ہے مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُواْ مِن أَسْبَحْنٰی بِمَسْحٰتِہِمْ بنی اسرائیل میں اُن لوگوں پر لعنت کی گئی جنہوں نے کھنکھایا یہ بنی اسرائیل اپنے انبیاء کے اُمتی ہونے کے دعویدار تھے مگر انہوں نے نہ تو

بنی اسرائیل
پر لعنت

تشرائع الیہ کو مانا اور نہ انبیاء سے کہنے پر ہدائیوں سے باز آئے، بلکہ اللہ کے احکام کی صریح خلاف ورزی کی۔ فرمایا ایسے لوگوں پر لعنت کی گئی یعنی انہیں خدا کی رحمت سے دور کر دیا گیا۔ وہ پھٹکار اور ذلت کا شکار ہو گئے، مگر یہ لعنت یکدم نہیں آئی بلکہ یہ سزا انہیں بار بار کی ناکامیوں اور سمجھانے کے باوجود نافرمانی پر اصرار کرنے کی وجہ سے دی گئی۔ دوسرے مقام پر موجود ہے کہ اللہ کے بنی انہیں برے کاموں سے منع کرتے تھے مگر وہ لوگ باز نہیں آتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر اللہ کی پھٹکار پڑی اور وہ ملعون ٹھہرے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے یہاں پر جس لعنت کا تذکرہ کیا وہ دو مختلف زمانوں میں دو مختلف انبیاء کی نافرمانی کی وجہ سے وارد کی گئی۔ پہلا واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ کا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر لعنت بھیجی علیٰ لسان داؤد و عیسیٰ ابن مریم یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کی زبان سے اس گروہ کا تذکرہ اعدائے میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے ذریعے ان لوگوں کو حکم دیا تھا کہ وہ ہفتے کے دن مچھلی کا شکار نہ کریں مگر یہ لوگ باز نہ آئے اور چیلے بیلنے سے مچھلی کا شکار کرتے رہے۔ ان کی عید سازی یہ تھی کہ بظاہر تو ہفتہ کے دن مچھلیوں کو نہیں پکڑتے تھے مگر اس دن انہیں حوض میں جمع کر لیتے تھے اور پھر اگلے دن سب کا شکار کر لیتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے بار بار منع کرنے کے باوجود وہ لوگ باز نہ آنے، آخر کار ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور وہ اسی دنیا میں معتبہ ٹھہرے۔ اللہ نے ان کی شکلیں تبدیل کر کے انہیں بندر اور خنزیر بنا دیا اور پچھترہ دن کے بعد انہیں صفحہ ہستی سے بالکل ناپید کر دیا اور یہ مسخ شدہ نسلوں والے بنی اسرائیل ہلاک ہو گئے۔ اگرچہ ان کی تعداد کا ذکر قرآن و حدیث

میں نہیں ہے، تاہم تفسیری روایات کے مطابق ان کی تعداد ہزاروں میں تھی۔
اس واقعہ کے مقام کے متعلق توہرات میں ایلات کا ذکر آتا ہے۔ اور یہی جگہ ہے جو خلیج عقبہ کے پاس ہے اور آجکل اسرائیل کے قبضہ میں ہے۔ اس مقام کے متعلق سورۃ اعراس میں حاضرة البحر کا ذکر آتا ہے۔ "وَأَسْمَاءُ عَنِ الْهَدْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةً الْبَحْرِ" اور ان سے اس بستی کا حال پوچھو جو لب دریا واقع تھی۔

دوسرا واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا ہے قوم کے کہنے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے درخواست کی تو اللہ نے آسمان سے ماہرہ یعنی دسترخوان اتارا۔ آپ نے بار بار تاکید کی کہ وقت پر چنا کھانے وہ سب میں تقسیم کر دو اور اُسے ذخیرہ نہ بنانا بلکہ لوگ باز نہ آئے اور ذخیرہ شروع کر دی۔ بعض لوگوں کو یہ کھانا کھانے سے منع کیا گیا تھا مگر وہ بھی کھانے سے باز نہ آئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر اللہ کی لعنت نازل ہوئی۔ اس واقعہ کا تذکرہ اسی سورۃ کے آخری حصے میں آئے گا۔ اہم بیضاوی فرماتے ہیں کہ جو لوگ بار بار منع کرے گا اور جو باز نہ آئے اللہ نے ان کی شکلیں بگاڑ کر انہیں خنزیروں کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا ان لوگوں کی تعداد کا ذکر بھی قرآن و حدیث میں نہیں ہے۔ تاہم تفسیری روایات کے مطابق ان کی تعداد پانچ ہزار تھی۔

فرمایا ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا يٰ اِسْرٰءِیْلَ کہ وہ نافرمانی کرتے تھے جس کے نتیجے میں اللہ کی لعنت نازل ہوئی اطاعت کے نتیجے میں اللہ کی خوشنودی نازل ہوتی ہے اور نافرمانی کی صورت میں اللہ کا غضب ہوتا ہے۔ "وَاِنْ كَانُوا يَعْصِدُوْنَ" وہ صرف نافرمانی نہیں کرتے تھے بلکہ حد سے تجاوز بھی کرتے تھے اور پھر ان کو حال یہ تھا کالوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّسْكِرٍ فَعَلُوْهُ وہ لوگ یہ نہ

۴. ایک دوسرے کو اس بُرائی سے نہیں روکتے جس کو وہ انجام دیتے تھے۔
تَنَاهَى بَيْنَهُمَا بَاب تَفَاعُل سے ہے یعنی ایک دوسرے کو منع کرنے لگوں
کے سامنے برائی کا ارتکاب ہوتا تھا مگر وہ اُس سے روکتے نہیں تھے۔

عزیزکہ نبی اسرائیل پر لعنت دو وجوہات کی بنا پر ہوئی۔ پہلی یہ ہے کہ
وہ لوگ نافرمانی کا ارتکاب کرتے تھے۔ ابتدا میں جب کوئی شخص برائی کا ارتکاب
کرتا تو دوسرا کہتا اِنَّكَ اَللّٰهُ الشَّرُّ سے ڈر جاؤ اور یہ فعل قبیح انجام نہ دو۔ پھر
جب دوسرے دن وہی شخص برائی پر اصرار کرتا تو منع کرنے والا بھی اس کے
ساتھ شریک ہو جاتا، وہ لکھے اٹھتے بیٹھتے اور اکٹھے کھاتے پیتے۔ چنانچہ
برائی کرنے والا اور نہ کرنے والا اَكْبَلُوْهُ وَاَشْرَبُوْهُ وَفَرَّقُوْهُ
مصدق ہم نوالہ وہم پیالہ ہو جاتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا غضب آیا اور ان کی
شکلیں مسخ ہو کر نندوں اور خنزیریوں کی بن گئیں اور وہ اس دنیا سے
نیست و نابود ہو گئے۔

آخری امت کی یہ خصلت بیان کرنے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
اپنی امت کو بھی خطاب فرمایا اور کہا، سجدہ لوگوں کو برائی سے منع کیا کرو اور
حق پر قائم رہنے کی سخت تاکید کیا کرو، ورنہ تمہارا حشر بھی وہی ہوگا جو بنی اسرائیل
کا ہوا۔ تم پر بھی لعنت بر سے گی اور بعض کے دل بعض کے ساتھ ٹکریں
گئے اور خرابیاں پیدا ہوں گی۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی سے وعدہ
کیا ہے کہ آپ کی امت کے لوگوں کی شکلیں مسخ نہیں ہوں گی، ان پر عمومی
عذاب نازل نہیں کیا جائے گا۔ تاہم ان میں بنی اسرائیل والی ماری حشرایاں
پیدا ہو جائیں گی۔

تفسیر مدارک و احوال البرکات نشانی ذماتے میں کہ اس آیت میں اہل ایمان
کے لیے سخت وعید ہے۔ انہیں چاہیے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
کا فریضہ انجام دیتے رہیں ورنہ وہ بھی خدا کے معقوب، مغضوب اور ملعون بنیں۔

گئے۔ نیکی کا حکم اور برائی سے ممانعت کا کام بہت ضروری ہے اگر منع کرنے کے باوجود لوگ بُرائی سے باز نہیں آتے تو پھر نامحسین کا فرض ہے کہ ان سے عیحدگی اختیار کر لیں ورنہ خطرہ ہے کہ وہ بھی مغضوبِ عظیم میں شامل ہو جائیں گے اور ان پر بھی اللہ کا عتاب نازل ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے اس بات میں سخت تاکید فرمائی ہے ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہایت ضروری ہے حسب استطاعت برائی کو طاقت سے روکے یا زبان سے اور اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ بُرائی کو بدل سے ہی بُرا جانے اور بُرے لوگوں کے ساتھ شامل نہ ہو۔ ابو داؤد شریفین کی روایت میں آتا ہے کہ جو شخص برائی تو نہیں کرتا مگر برائی کو بُرا بھی نہیں سمجھتا، وہ ایسا ہی ہے جیسا خود برائی میں شریک ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بالفعل نیکی کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ مگر نیکی کو پسند کرتا ہے تو وہ بھی نیکی کرنے والوں کی مجلس میں حاضر سمجھا جائیگا۔

ایک حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں جسے امام ابن کثیر نے بھی نقل کیا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس امت کا خاصہ ہے اور یہ ترک ہو جائے اور بُرائی کرنے والوں کے ساتھ شرکت ہو جائے تو معتبوب اور مغضوب ہونے والی بات ہے۔ صحابہ نے عرض کیا حضور! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کب چھوڑ دی جائے گی۔ فرمایا جب تم میں وہی برائیاں پیدا ہو جائیں جو پہلی امتوں میں تھیں۔ صحابہ نے پھر عرض کیا وہ پہلی امتوں والی باتیں کب پیدا ہوں گی فرمایا جب تمہاری بادشاہی اور حکومت بذیل لوگوں کے پاس چلی جائے گی اور بڑے لوگ فحاشی کا شکار ہو جائیں گے۔ درعلم فاسق لوگوں کے پاس چلا جائے گا۔ فرمایا جب یہ حالات پیدا ہو جائیں گے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک ہو جائے گا۔

حضور علیہ السلام کی پیش گوئی کے مطابق آج وہی حالات پیدا ہو چکے ہیں آج امر اور حکام میں ذاتی اغراض اور نفیش پیدا ہو چکا ہے۔ سرکاری خبریں

امر بالمعروف
اور نہی عن المنکر

کو باپ والا کی جائداد تبدیل برائی کے کاموں پر صرف کیا جا رہا ہے۔ کھیل
 تماشے فحش اور فضول باتوں کا دور دورہ ہے۔ آج اسے بالمعروف اور بنی اللہ
 کا فریضہ کرن ادا کر سکتا ہے! ہم سب مسلمان ہیں، ہم سب کا فرض تھا کہ
 ایک دوسرے کو برائی سے روکتے۔ امیر، سجاد اور حکام کو برائی سے روکتے
 اگر یہ روک ٹوک ہوتی تو وہ برائیوں میں مبتلا نہ ہوتے مگر ان کا خود، ایک
 آدمی کو حرفِ تکلیف بھی زبان پر لانے سے روکتے تھے چہ بانجہ کر انہیں
 علی الاملاں ٹیپ کاموں سے روکا جائے۔ اس برائی کی کشتی میں سب
 سوار ہیں پورے قوم معنوس اور مغضوب ہو کر رہ گئی ہے۔ اس کی خصوصیت
 ختم ہو گئی ہیں اور مسلمانوں کا شمار ذلیل قوموں میں ہونے لگا ہے۔ مالاچار
 ان کا اقتدار تھا کہ لوگوں کو برائی سے روکنے اور نیکی کی تلقین کرنے کے لئے برائی
 سے منع تو وہ کرے گا جو خود اس برائی میں ملوث نہ ہو مگر یہاں تو معاملہ ہی
 الٹ ہو چکا ہے آج برائی سے روکنے والا کون ہے؟ فرما جو لوگ برائی
 سے ہیں روکتے لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ یہ تیج ہی ہوتا ہے
 وہ کلامِ نبویہ لوک کرتے ہیں۔ انہوں نے ام بالمعروف اور بنی اللہ کو ترک
 کر دیا اور برے لوگوں کی ہم نشینی اختیار کی۔ برائیوں میں شریک ہوئے۔ بکے
 پیچھے رہنا کہ خدا کا غضب نازل ہوا اور جیسوں کی زبان سے ان کی لعنت

کبھی کبھی

فرمایا آج جو اہل کتاب کا حال یہ ہے تِلْكَ كَذِبَاتُ قَوْمٍ
 يَتَّبِعُونَ الَّذِينَ كَفَرُوا آج، ان میں سے بتوں کو دیکھیں گے وہ
 کافروں سے دوستی رکھتے ہیں جعفر صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان سے
 دشمنی رکھتے ہیں حالانکہ آپ کو اہل کتاب کو ملاتے ہیں ان کی کفار مکہ
 سے تو دوستی ہے مگر پاک دین والوں کے ساتھ نفرت ہے مرنے کے
 یوم ولیدیں ہیں سے کعب بن اشرف سخت دشمن اسلام تھا۔ وہ بہت بُرا

کفار
 دوستی

تا دیکھا اور اس کی اپنی گڑھی تھی واقعہ ہر س کے بعد کے گیا اور مشرکوں کو مسلمانوں
سے خلاف حمایت کا یقین دلایا، مشرکوں کی حوصلہ افزائی کی کہ ان بھی تم مسلمانوں
کا ایک ہی حملے میں صفایا کر دیا جائے گا۔ اس آیت میں اسی بات کی طرف
اشارہ ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ اس آیت کے مصداق منافقین مدینہ میں جو کافروں
کے ساتھ دوستا نہ کھتے تھے اور ان تک مسلمانوں نے راز پہنچاتے تھے
فرمایا لَيْسَ مَا قَدْ مَتَّ لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ سَبْتٌ بِأَبِ جَوْ
ان کے نفسوں نے آگے بھیجا ہے۔ اور وہ بری چیز کیا ہے؟ اَنْفِ
سَخَطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ يَكْفُرُوا بِاللهِ تَعَالٰی ان پر غضبناک ہو گیا۔ انہوں نے حق
کو ترک کر کے باطل کی حمایت کی تو ان پر خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کا غضب
نازل ہوا۔ وَقَبِ الْعَذَابِ هُمْ خِلْدُونَ اور وہ ہمیشہ
عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ یہ ان کی کارگزاری کی سزا ہے کہ وہ ابدی جہنمی بن گئے۔
فرمایا وَلَوْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ اور اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر

ایمان کا
تقصاض

صحیح طریقے سے ایمان لاتے۔ یعنی بظاہر تو کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں اور ہم
موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور تورات اور انجیل پر ایمان رکھتے ہیں مگر
فرمایا یہ صحیح ایمان دار نہیں ہیں کیونکہ انہوں نے عقیدے خراب کر دیے ہیں، دین
میں کفر اور شرک کی رسومات داخل کر دی ہیں اور جیسا کہ کل عرض کیا تھا بڑے
لوگوں سے بری چیزیں اخذ کی ہیں۔ مجوسیوں، نصاریوں، یونانیوں اور مصریوں
سے کفر شرک کی باتیں سیکھی ہیں۔ غیر اللہ کی نیازی ہے۔ ان کی پرستش
کی ہے، فال گیری اور جادو پر یقین رکھتے ہیں۔ رسومات باطلہ کو اختیار
کیا ہے۔ بدعات کو جزو دین بنایا ہے اور اس لعنت میں گرفتار ہوئے
ہیں۔ فرمایا اگر یہ صحیح طریقے سے اللہ پر ایمان لاتے وَالنَّبِيِّ اور
نبی آخر الزمان پر بھی ایمان لاتے کیونکہ اس کے بعد کوئی نبی اور کوئی نیا پرکھلا

نہیں آئے گا۔ اور پھر اُس چیز پر بھی ایمان لائے وَمَا أُتِلَا لِسَمِ
 جو اُس نبی کی طرف نازل کی گئی ہے مَا اخَذُوا مِنْهُمُ اُفلیک
 تو ان کافروں کو دوست نہ بناتے۔ ایک سچا مومن ایمان والوں کو چھوڑ کر
 کافروں کے ساتھ دوستانہ نہیں کر سکتا۔

فَمَا يَكُنْ كَشَيْئٍ مِّنْهُمْ فَيَفْقَهُوا حَقِيقَتَ ۚ
 یہ ہے کہ اہل کتاب کی اکثریت فاسق ہیں۔ ان میں بہت کم لوگ باحقیقت
 ہیں جو ایمان کو مستبول کرتے ہیں وگرنہ اکثریت نافرمانوں کی ہے۔
 حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مدینہ کے گرد و نواح میں دس بڑے یہودی
 تھے۔ ایک موقع پر حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اگر یہ دس آدمی ایمان
 لے آئیں تو دنیا میں کوئی یہودی باقی نہ رہے۔ مگر ان میں سے صرف
 عبداللہ بن سلاطہ ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے باقی سب باطل دین پر
 ہی رہے۔ اسی لیے فرمایا کہ ان میں بہت کم لوگ ہیں جنہوں نے ایمان قرب
 کیا، ان میں عدی بن حاتم طائی اور تمیم دارمی وغیرہ ہیں جن کو اللہ نے توفیق
 بخشی اور وہ ایمان سے مشرف ہوئے تاہم نصاریٰ اور یہود کی اکثریت باطل
 پر قائم رہی اور چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود یہ لوگ باطل پر ٹٹلے ہوئے
 ہیں تو فرمایا ان میں اکثریت نافرمانوں کی ہے جو حق کی مخالفت کرتے
 ہیں جن کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ ابدی طور پر جہنم کے مستحق ٹھہریں اور
 اللہ تعالیٰ کی لعنت کے مستوجب ہیں۔

یہود و نصاریٰ کا تذکرہ کہ کے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بھی یہ
 بات سمجھا دی ہے کہ اگر تم میں بھی اہل کتاب والی برائیاں پائی گئیں۔
 تو تم بھی اُسی طرح معذوب و ملعون ٹھہر گے جس طرح اہل کتاب اس
 لعنت میں گرفتار ہوئے۔

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ
وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم مَّوَدَّةً لِلَّذِينَ
آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِي ذَلِكَ بَانَ مِنْهُمْ
فَسَيَسِينُ وَهُمْ بَنَاءٌ وَأَنْتَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۸۲﴾
وَاذْأَسْمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنُهُمْ
تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ
يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿۸۳﴾
وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ
أَنْ يَدْخُلَنَا رَبَّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ﴿۸۴﴾ فَاتَّابَهُمُ
اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِينَ
كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۸۶﴾

ترجمہ: اے اللہ! یہ لوگ جو تم پر ایمان لائے اور ان لوگوں کو جنہوں نے

سے تمہیں کہا اور اللہ پاؤ گے تم زیادہ قریب دوستی میں ان

لوگوں کے لیے جو ایمان لائے، ان لوگوں کو جنہوں نے کہا کہ

ہم نصاریٰ ہیں، یہ اس واسطے کہ بیشک ان میں اہل علم اور

سائر الدنیا لوگ ہیں۔ اور بیشک وہ تجربہ نہیں کرتے (۸۲) اور جس وقت سنا انہوں نے اُس چیز کو جو اتنی گہنی ہے یوں کی غف . تو دیکھے گا اُن کی آنکھوں کو کہ وہ اُنکجا ہو رہی ہیں اس وجہ سے کہ انہوں نے پہچان ہے حق کو اور کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ! ہم ایمان لائے ہیں پس کھٹھٹھ میں گواہی دینے والوں میں (۸۳) اور کیا ہے یہیں کہ ہم نے ایمان لائیں اللہ پر اور جو چیز ہمارے پاس آئی ہے حق سے دور کیوں نہ اُمید رکھیں اس بات کی کہ داخل کوئے گا ہمیں جہنم پرور۔ دگر نیک لوگوں کے ساتھ (۸۴) پس میرا اللہ تعالیٰ نے اُن کو بدلہ دیا جو انہوں نے کیا جنتوں کو جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اُن میں ہمیشہ بہنے والے ہوں گے اور یہی بدلہ ہے نیک کرنے والوں کا (۸۵) اور وہ لوگ جنہوں نے کلمہ کیا اور جھٹلایا ایمانی آیتوں کو . یہی لوگ ہیں جنہوں

والے (۸۶)

رابطات

گذشتہ درس میں اہل کتاب کے دو گروہوں کے متعلق ذکر آچکا ہے کہ اُن کی نافرمانیوں ، عصیان اور تعدی کی وجہ سے اللہ نے اپنے دو نبیوں کی زبان سے اُن پر لعنت بھیجی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں یہودیوں نے مجملی کے شکار سے متعلق اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کی اور جیلے بہانے سے بیخفہ کے دن بھی شکار کرنے لگے۔ اس نافرمانی کی پاداش میں اللہ تعالیٰ ہ عذاب نازل ہوا اور وہ لوگ خنزیریوں اور بندروں کی شکلوں میں تبدیل ہو گئے۔ دوسرا گروہ عیسائیوں کے زمانے کا ہے جن کو منع کیا گیا تھا کہ آسمان سے نازل ہونے والے ماندہ کو کھاؤ یہو مگر اس کا ذخیرہ نہ کرو۔ انہوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کی اور ذخیرہ ماندہ

شروع کر دی، پھر جن لوگوں کو مانع کھانے سے منع کیا گیا تھا، انہوں نے بھی اللہ کے حکم کی پرواہ نہ کی اور کھانا شروع کر دیا۔ اُن پر بھی اللہ کا غضب نازل ہوا اُن کی شکلیں بھی مسخ ہو گئیں اور انہیں صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دیا گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے عقاید باطلہ، اُن کے غلو اور تعصب کو بیان کر کے اُن کی مذمت فرمائی۔

یہ بڑی
اسلام دشمنی

اب آج کی آیات میں یہود کی پھر سخت مذمت بیان کی گئی ہے۔ البتہ نصاریٰ کے حق میں کلمات خیر بھی کہے گئے ہیں۔ ان آیات کی روشنی میں بعض مفسرین نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اسلام دشمنی میں یہودی نصاریٰ کی نسبت زیادہ شدید ہیں اور عیسائی اسلام سے قریب تر ہیں۔ برخلاف اس کے مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ آپ کے شاگرد حضرت سعید بن جبیرؓ اور حضرت قتادہؓ وغیرہم فرماتے ہیں کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے تمام عیسائیوں کی مدح نہیں فرمائی بلکہ یہاں ایک خاص گروہ کی طرف اشارہ کر کے ان کی تعریف کی گئی ہے وگرنہ حقیقت یہ ہے کہ بحیثیت مجرئی یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی میں کوئی فرق نہیں جس طرح یہودی اسلام کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اسی طرح نصاریٰ نے بھی ہر دور میں اسلام دشمنی میں اٹھری چوٹی کا زور لگایا ہے۔ چنانچہ یہود کی عداوت کے متعلق ارشادِ مہتاب اَسَدُ النَّاسِ عَدَاوَةُ الَّذِينَ اٰمَنُوا اَلَيْسَ هُوَ مَوْمِنٌ كَرِهَ میں شدید ترین عداوت رکھنے والے تم یہود کو براؤ گے، ان کی اسلام دشمنی کا حال تاریخ میں محفوظ ہے۔ حضور علیہ السلام کے اپنے زمانہ مبارک میں وہ جینچی کا اظہار کرتے سوتے تھے۔ چنانچہ ان بدتمیزوں نے پھر گرا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہلاک کرنے کی کوشش کی مگر اللہ نے ان کی اس کوشش کو ناکام بنا دیا پھر انہوں نے آپ کو کھانے میں زہر دے دیا مگر اللہ نے دلوں بھی آپ کی حفاظت فرمائی انہوں نے پیٹیر اسلام اور اہل اسلام کو نقصان پہنچانے میں

کوئی کسر باقی نہ چھوڑی، جب اعلان اسلام کے ساتھ ٹکھیلنے میں ناکام ہوئے تو اندرونی سازشیں شروع کر دیں کچھ براہ راست مشرکین سے مل گئے اور بعض دوسروں نے زبان سے کلمہ پڑھ لیا مگر درپردہ منافقین کا کردار ادا کرتے رہے

ایک تو سید اسلام دشمنی میں شدید ہیں۔ دوسرے نمبر پر فرمایا وَالَّذِينَ آمَنُوا اور مشرکین بھی اسلام کے خلاف ریشہ دو اینوں میں پیش پیش ہیں مشرکین میں سے مکہ کے مشرک خاص طور پر قابل ذکر ہیں مکی زندگی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے صحابہ کرام کے ساتھ مشرکین کی عداوت کوئی دھکی چھپی بات نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے، اہل اسلام کو دو دفعہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی مگر مشرکین نے وہاں بھی چھپنا نہ چھوڑا بالآخر مسلمان مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ وہاں بھی مکے والوں نے انہیں جہن سے نہ بیٹھنے دیا اور پے درپے لڑائیاں ہوئیں جن میں بدر اور احد کے محرکے تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں مدینہ کا واقعہ بھی مشرکین مکہ کی اسلام دشمنی کا نتیجہ تھا۔ آخر جب مکہ فتح ہو گیا تو مسلمانوں کو چین نصیب ہوا۔ کچھ مشرکین ایمان لائے، کچھ مائے گئے اور کچھ بھاگ گئے۔

مشرکین کی
اسلام دشمنی

جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے اس آیت میں نصاریٰ کے جس گروہ کی تعریف کی گئی ہے، وہ حبشہ کا وفد تھا جو حضور علیہ السلام کی خدمت میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا۔ اس وفد میں ستر آدمی تھے جن میں درویش اور عالم بھی تھے حضور علیہ السلام نے ان کے سامنے سورۃ یس کی تلاوت فرمائی، ایمان تو پہلے ہی قبول کر چکے تھے، قرآن پاک کی آیات سن کر انہوں نے حقانیت کو پہچان لیا اور وہ خوب رونے۔ انہی لوگوں کے متعلق یہاں فرمایا وَلْتَجِدَنَّ أَقْبَلَهُمْ قَمُوَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا لَنصَحِي اور البتہ پائیں گے آپ اہل ایمان سے دوستی میں زیادہ قریب ان لوگوں کو جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ وفد حبشہ کا یہی وفد خاص گروہ ہے جسکی اللہ تعالیٰ نے

نصاری کا
کردار

تعریف بیان کی ہے۔ آگے اُس کی وجہ بھی بیان فرمائی ذلک بآئ منہم
 قِیَاسِیْنَ وَ تَهْکِبَانِیہ اس وجہ سے کہ اس وفد میں کچھ عالم لوگ
 اور کچھ تارک الدنیا لوگ بھی تھے۔ ان میں یہودیوں کی نسبت فردوسی بھی کسی
 قوم میں صاف علم لوگوں کا ہونا نیک فال ہے اور عجز و انکاری اور درویشی
 بھی ایک اچھی صفت ہے اور ان لوگوں کی تعریف کی دوسری وجہ یہ تھی۔
 وَأَنَّهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُونَ کہ وہ تکبر نہیں کرتے تھے۔ بلکہ یہودیوں
 کی اکڑ کے خلاف یہ لوگ عجز و انکاری کے حامل تھے۔ چوتھی صدی کے
 عظیم مفسر قرآن ام ابو جبر حصص اور مولانا شاہ اشرف علی تھانی بھی فرماتے ہیں کہ
 اس آیت میں جن نصاریٰ کی مدح بیان کی گئی وہ یہی گروہ تھا اس تعریف کے مستوجب تمام نصاریٰ تھے
 اس وفد کے بعد نجاشی والی حبشہ نے ایک دوسرا وفد بھی حضور علیہ السلام کی خدمت
 میں بھیجا تھا جس میں لئی یا ایک تیس آدمی تھے۔ جن میں نجاشی کا بیٹا بھی شامل تھا۔ مگر
 خدا کی قدرت راستے میں بکری مفرک کے دوران یہ پورا قافلہ طوفان کی زد میں آگیا
 اور ان میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچ سکا لہذا یہ وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
 میں نہ پہنچ سکا۔

اس سے پہلے طرد مسلمان حبشہ کی طرف در وفد ہجرت کر چکے تھے، جس
 کا خاطر خواہ اثر ہوا اور وہاں کا بادشاہ احمہ نجاشی اپنے دیگر رفقاء کے ہمراہ ایمان
 لے آیا۔ جب مکے کے مسلمانوں کو کافروں نے بہت زیادہ تکالیف دینا شروع
 کر دیں۔ تو حضور علیہ السلام نے ان کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت
 دے دی۔ نجاشی عیسائی مذہب رکھتا تھا اور قیسر رومی کے تحت تھا۔ جب
 مسلمانوں کا دوسرا گروہ ہجرت کر کے حبشہ پہنچا تو نجاشی ان کے ساتھ حسن سلوک
 سے پیش آیا جب کفار مکہ کو علم ہوا کہ مسلمانوں کو حبشہ میں پناہ مل گئی ہے
 ترانوں نے اپنا ایک وفد نجاشی کے پاس بھیجا تاکہ اُسے اس بات پر آمادہ کیا
 جیسے کہ وہ مسلمانوں کو پناہ دے۔ وفد کے ارکان نے نجاشی کو در خلاصے

کے یہ مختلف ترے استعمال کیے اور یہاں تک اس کے کان پہنچے کہ
 مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نفوذ باقد توہین کرتے ہیں اور ان میں غلامہ کہتے
 ہیں نیز یہ کہ مسلمان عیسائی مذہب کے سخت مخالف ہیں۔ اگرچہ سببائی یہ اس
 بات کا خاطر خواہ اثر نہ ہوا، تاہم اس نے مسلمانوں کو طلب کر کے ان کے دہان
 اور غماز کے متعلق دریافت کیا اس کے جواب میں قادر و فدا اسلامی حضرت
 جعفر طیار نے دربار سببائی میں جو پر اثر تقریر کی وہ تاریخ میں محفوظ ہے
 آپ نے اے شاہ! ہم ایک سخت جاہل قوم تھے، خود ساختہ بتوں کی پوجہ
 کرتے تھے۔ سردار کرتے تھے، بدکاری اور بے رحمی ہماری معاشرت کا جزو
 بن گیا تھا۔ ہم نہ ہمسایہ کے حقوق سے واقف تھے اور نہ انوث و مہر و رزق
 سے واقف۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک ایسا عظیم الشان پیغمبر
 مبعوث فرمایا جس کے حسب و نسب سے ہم واقف تھے اور جس کی صحبت
 و پاکہ امنی ہماری مائے نسی، اس نے ہمیں ہدایت کی تاریکی سے نکال کر ہدایت
 کی روشنی عطا کی، ہم اس پر ایمان لائے، شرک سے توبہ لی۔ حلال و حرام میں
 تمیز کی۔ یہ ہمارا حرم ہے جس کی پاداش میں ہمیں آپ کے ملک میں پناہ
 لینے پڑی ہو کر گیا۔ شاہ حبش پر اس کا بہت زیادہ اثر ہوا اور اس نے قریش
 کے وفد کو بتادیا کہ وہ ایسے نیکوکار لوگوں کو واپس کر کے ظلم و ستم کا نشانہ نہیں
 بنانا چاہتے۔ سببائی نے حضرت جعفرؑ سے پوچھا کہ جو کلام تمہارے نبی پر نازل
 ہوتا ہے، وہ کیسا ہے؟ اس پر حضرت جعفرؑ نے سورۃ مریم تلاوت کی
 جس کو سن کر سببائی اور اس کے دربار کے علماء، آبدیدہ ہو گئے۔ سببائی نے کہا
 کہ یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کی توہین نہیں کرتے بلکہ اسی قسم کی بات کہتے ہیں
 جو خود عیسیٰ علیہ السلام نے کہی تھی۔ سورۃ مریم میں صاف طور پر موجود ہے، کہ
 عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں۔ بہر حال سببائی نے فریقین کی بات سننے کے
 بعد کہا کہ جاؤ انتہام سیموم یعنی تمہیں میرے مکہ میں امن حاصل

سے اور تم اپنے دین پر قائم رہتے ہو سے جہاں پاہو حکومت اختیار کر سکتے ہو۔
اس پر مشرکین نے ناکہ باندھ دیا۔ لوٹ آئے۔

نصاری کی
اسلام دشمنی

جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ جن نصاریٰ کی یہاں تعریف کی گئی ہے وہ جبر کا
دفعہ تھا، تاہم عام عیسائیوں کی اسلام دشمنی دو دہائیوں سے کسی طرح کم نہیں یہ لوگ
بھی ابتداء سے لے کر نزول مسیح تک اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے
رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ۔ یودیوں کے پاس تو اقتدار نہیں تھا مگر عیسائی ہمیشہ
صاحب اقتدار رہے ہیں لہذا انہوں نے ہر دور میں عظیم عداوت کا مظاہرہ کیا ہے
تذکرہ نے چار سو سال تک عیسائیوں کا متاثر کیا۔ زار روس بھی عیسائی تھا۔ اس
کے ساتھ مسیحی مسلمانوں کی ٹکڑے ہوتی رہی۔ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے دور میں
۷۰۰ سال تک عیسائیوں اور مسلمانوں میں جنگیں ہوتی رہیں۔ جب عیسائیوں نے
بیت المقدس پر قبضہ کیا تو چالیس ہزار بے گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ
آر دیا۔ ان میں بچے بوڑھے اور عورتیں بھی شامل تھیں۔ پھر جب صلاح الدین ایوبیؒ
نے بیت المقدس پر دوبارہ قبضہ کیا تو کسی عیسائی کو ناحق قتل نہیں کیا گیا۔ یہ بہت
تاریخ میں محفوظ ہے۔ اُس وقت سے لیکر آج تک نصاریٰ مسلمانوں کے
غلاف اپنی پوری قوت استعمال کرتے رہیں ہیں۔ لبنان میں فلاک باری
کے لوگ سب عیسائی ہیں جنہوں نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تک کر رکھا ہے۔
جب یہاں پر ایوب کی حکومت تھی اُس وقت قبرس میں وہاں کے عیسائیوں
نے چالیس ہزار ترکوں کو ہلاک کیا۔ اُدھر فلپائن میں مارکوس نے وہاں کے
پچاس لاکھ مسلمانوں کو تگ کر رکھا۔ یہ انہیں مورور یعنی قزاق مسلمان کہا جاتا
ہے اور ان پر طرح طرح کی مبینہوں کے ہاڑ توڑے جاتے ہیں۔ وہاں پر
بھی ہزاروں مسلمان عیسائیوں کے ہاتھوں قتل ہو چکے ہیں۔

انگریزوں کی اسلام دشمنی دو پوری تاریخ گواہ ہے۔ انہوں نے ایک ایک
کر کے مسلمانوں کی لٹنی حکومتیں ختم کیں۔ زار روس کے زمانے میں مسلمانوں

کیا تھک کر لوگ کیا وہ بھی عیسائی تھے صلیبی جنگوں کے دوسو سالہ دور میں مسلمانوں کو جس طرح تباہ و برباد کیا گیا وہ عیسائیوں کی سفاکی کی منہ بولتی تصویر ہے امام شاہ ولی اللہ اپنی کتاب تفسیحات الیہ میں لکھتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام کے نزول کا زمانہ جس قدر قریب آتا جائے گا مسلمانوں پر عیسائیوں کے مظالم بڑھتے جائیں گے۔ یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ نزول مسیح کا زمانہ قریب آگیا ہے۔ پھر جب آپ تشریف لے آئیں گے تو نہ کوئی یہودی باقی رہے گا اور نہ عیسائی، ہر طرف اسلام ہی کا علم بلند ہوگا۔

بعض انگریز پرست مسلمان بھی کہتے ہیں کہ انگریزوں کا دامن صاف ہے حالانکہ یہ قوم مسلمانوں کی عظیم دشمن ہے جتنا نقصان اسلام کو اس قوم نے پہنچایا ہے کسی دوسری قوم سے سرزد نہیں ہوا۔ انگریز نے گزشتہ چار صدیوں میں مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کی خلافت اور اس کے ساتھ اجتماعیت کو ختم کیا، ان سے کئی ممالک چھین لیے اور انہیں غلام بنایا، امریکہ تو ابھی کل کا پیر ہے، یہ پرانے انگریز ہیں جنہوں نے اسلام دشمنی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ بہر حال اس آیت کریمہ میں عیسائیوں کی جو تعریف کی گئی ہے وہ جوشہ کے دند کے ارکان کی ہے، ان کو بحیثیت مجموعی عام عیسائیوں کی۔

سب لوگ ایک سے بھی نہیں ہوتے، سورۃ آل عمران میں گنہ چکا ہے لَیْسُوا سَوَاءً یعنی سارے یہود و نصاریٰ برابر نہیں۔ گزشتہ سورۃ میں بھی دو دفعہ اللہ کا یہ فرمان آچکا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں میں بعض باصلاحیت لوگ بھی ہوتے ہیں مگر ان کی تعداد بہت قلیل ہے، البتہ ان کی اکثریت نافرمانوں پر مشتمل ہے۔ یہاں بھی جن لوگوں کی تعریف بیان کی گئی ہے وہ باصلاحیت، متوازن، سادہ لباس اور عاجزی والے لوگ تھے۔ ان میں کتب آسمانی کے عالم اور درویش مش لوگ تھے ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَادَّاسِمِعُوْا

آئندہ
انکھنوں کے

مَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا مِنَ الرَّسُولِ فَهُوَ حَقٌّ وَأَمَّا الَّذِينَ جَاءُواكَ فَكُتِبَ عَلَيْهِمُ الْمَعُيَرَةُ مِمَّا رَفَعُوا يَدَهُمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْحَقُّ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ
 آپ ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ وفد کے ارکان نے جب ————— سورۃ یسٰنی تو آبدیدہ ہو گئے۔ حدیث شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ دو قسم کی آنکھیں ایسی ہیں جن پر دوزخ کی آگ حرام ہے ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روتی ہے اور دوسری وہ جو اللہ کے راستے میں حفاظت کے لیے پرہیز دیتی ہے۔ فرمایا ایسی آنکھوں کے کبھی دوزخ میں نہیں جائیں گے حتیٰ کہ اوٹنی کا درد وہ اس کے تھنوں میں واپس آجائے، جس طرح دوسرے ہونے دو درد کا تھنوں میں واپس جانا ناممکن ہے۔ اسی طرح چشمہ کا دوزخ میں جانا محال ہے۔ خدا کے خوف سے آبدیدہ ہو جانا اللہ نے نبیوں کی صفت بیان کی ہے۔

حق کی
چکان

فرمایا اللہ کا کلام سن کر آبدیدہ ہو جانا اس وجہ سے تھا مَسَامِعُ قُلُوبٍ مِنَ الْحَقِّ کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا تھا۔ سورۃ یسٰنی میں اسلام کے تمام بنیادی عقائد کا بیان ہے اس میں توحید، رسالت، قیامت، قرآن کی حقانیت اور دیگر تمام اہم موضوعات اس سورۃ میں موجود ہیں، چنانچہ ارکان وفد یہ سچا کلام سن کر رو پڑے۔ انہوں نے حق کو پہچان لیا كَيْفَ لَوْ كُنَّا كَسَفَافٍ دیکھنا اُسے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لانے ہیں فَاكُنْتُمْ مَعَ الشَّاهِدِينَ پس ہمیں دکھائے تو گواہی دینے والوں میں اور یہ گواہی دینے والے حضور خاتم المرسلین کی امت کے لوگ ہیں جو اپنے نبی کے حق میں گواہی دیں گے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور علیہ السلام نے تمام لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ قیامت کے دن میرے متعلق تم سے سوال کیا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے، سب نے کہا کہ ہم گواہی

دیں گے۔ اَدَّيْتِ الْاَمَانَةَ وَبَلَّغْتِ الرِّسَالَةَ وَلَقَّصْتِ
 الْاُمَمَةَ اَبْنِ اَمْنَتِ کو پہنچا دیا، اور حق رسالت ادا کر دیا اور امت
 کے لوگ باقی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام حق میں بھی گواہی دیں گے کہ تمام انبیاء نے
 اللہ کے احکام اپنی اپنی امتوں تک پہنچائے۔ سورۃ بقرہ میں بھی اس آخری
 امت کو شاہدین کی امت کہا گیا ہے۔ بہر حال ارکانِ وفد نے کلامِ الہی سن کر
 کہا کہ سننے والا کریم! ہمیں بھی گواہی دینے والوں کی فہرست میں شامل کرے۔
 وفد حبشہ کے ارکان نے یہ بھی کہا وَمَا لَنَا لَا نَكُونُ مِنَ الْاُمَمِ بِاللّٰهِ
 کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ
 اور اس چیز پر ایمان نہ لائیں جو آئی ہے ہم سے پاس حق سے۔ گویا انہوں نے
 کہا کہ ایمان باللہ اور ایمان بالکتاب کے لیے ہماری ہر طرح سے تہلی ہو چکی ہے
 اور ایسا کرنے میں اب کوئی چیز مانع نہیں ہے وَكُطِّعَ اَنْ يَّدْ خَلْدًا
 رَبَّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ اور ہم کیوں نہ اُمید رکھیں کہ ہمارا پروردگار
 ہمیں بھی نیک لوگوں کے ساتھ داخل کرے گا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ
 نے فرمایا فَاتَّأَمَّ بِهٖمُ اللّٰهُ بِمَا فَالَحَ الْاٰمِسُ مے دیا اللہ تعالیٰ
 نے ان کو بدلہ اس چیز کا جو انہوں نے کہی۔ یعنی اُن کی طرف سے اعتراض
 حق کے نتیجہ میں اللہ نے اُن سے وعدہ کر لیا جَنَّتْ قَهْرِيْ مِنْ
 حَتْمِهَا الْاَنفَادُ اے باغات کا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ وہ
 لوگ اللہ کے بہشت میں داخل ہو جائیں گے مگر کسی عارضی مدت کے لیے
 نہیں بلکہ خَالِدِينَ فِيْهَا اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور وہاں
 سے نکالے نہیں جائیں گے وَذٰلِكَ حَقُّ الْاَمْحُسَيْنِ اور
 یہ بدلہ ہو گا نیکی کرنے والوں کا یعنی جو شخص ایمان لاتا ہے، حق کو پہچانتا ہے
 اور نیکی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور انکاری کا اظہار کرتا ہے
 تو اللہ تعالیٰ ایسا ہی بدلہ دیا کرتا ہے۔

نہیں وہ
 بھی کی چیز

اور اس کے برخلاف وَالْكَذِبِينَ كَفَرُوا جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے پیچھے ہوئے پر دگرگرم یہ ایمان لانے سے انکار کر دیا وَكَذَّبُوا بِالْآيَاتِ اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ شَرِيعَةِ اللَّهِ کی بات کو قبول ہی نہ کیا۔ ہمارے احکام کی تنزیہ کی، ہمارے دلائل کو سچا نہ سمجھا، ہمارے پیچھے ہوئے رسولوں کا اور نازل کی گئی کتابوں کا انکار کر دیا، فرمایا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ یہی لوگ جہنم والے ہیں۔ یہ ہمیشہ اُسی میں جلتے رہیں گے۔ انکار کرنے والوں اور آیات الہی کو جھٹلانے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔

وَإِذَا سَمِعُوا

درس چہ ۴۰

السلامۃ

آیت ۸۷، ۸۸

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرِمُوا طَيِّبَاتِ مَا حَلَ
 اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ
 الْمُعْتَدِينَ ﴿٨٧﴾ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا
 طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾

ترجمہ اے ایمان والو! مسرت دہ پاکیزہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے
 تمہارے لیے حلال قرار دی ہیں اور نہ ان سے آگے بڑھو بلکہ
 اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا کہ تم سے آگے بڑھو (۸۷)
 اور کھاؤ اس چیز میں سے جو اللہ نے تم کو رزق دینا ہے
 حلال اور پاکیزہ چیزیں اور ڈرو اس اللہ تعالیٰ سے جس پر تم
 ایمان رکھتے ہو (۸۸)

ربطیات

پہلے اہل کتاب کی خدمت بیان ہوئی، پھر اللہ تعالیٰ نے ایک خاص گروہ کی
 تعریف بھی بیان فرمائی جنہوں نے ایمان قبول کیا اور وہ باصلاحیت لوگ تھے۔ اللہ نے
 یہ بھی سمجھا دیا کہ اہل ایمان کے ساتھ شدید ترین عداوت رکھنے والے یہودی اور مشرک ہیں
 البتہ نصاریٰ اس ضمن میں کہ عداوت رکھتے ہیں پھر اللہ نے اس کی دو وجوہات بھی بیان
 فرمائی کہ ان میں اہل علم، تارک دنیا اور متواضع لوگ بھی ہیں جس قوم میں یہ صفات پائی
 جائیں، وہ ایک اچھی سوسائٹی سمجھی جاتی ہے۔

یہاں پر رہبانیت کی طرح سے یہ شبہ گزرتا تھا کہ شاید یہ کوئی اچھی چیز ہے مگر
 اگلی آیت میں اس شبہ کو مٹا کر دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خبردار کر دیا

ہے کہ رہبانیت کوئی اچھی چیز نہیں، بلکہ دین حق کے خلاف ہے گذشتہ آیات سے رہبانیت کا جو تعریفی پہلو نکلتا ہے وہ ایک لڑی بات ہے اور اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ لوگ رہبانیت پر ————— کو بطور قانون تسلیم کر کے ترک دنیا کا شیوہ اختیار کر لیں۔ آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے طہات یعنی پاکیزہ چیزوں کا ذکر کر کے ان کے استعمال کا حکم دیا ہے، اگر ان حلال اور پاکیزہ چیزوں کو چھوڑ دیا جائے تو یہی رہبانیت اور ترک دنیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ امر نہیں ہے۔

آج کی آیات کا ربط اسی سورۃ کی ابتدا میں متذکرہ قانونِ حلت و حرمت کے ساتھ ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ گذشتہ سورۃ نساء میں محرکات نکاح کا قانون تھا اور سورۃ مائدہ میں حلال و حرام چیزوں کا قانون بیان کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل نے اسی قانونِ حلت و حرمت کو توڑا تو اللہ نے ان کی مذمت بیان فرمائی۔ یہودیوں میں یہ بڑی خصلت خاص طور پر پائی جاتی تھی کہ وہ جیلے بہانے سے عوام چیزوں کو کھانے کی کوشش کرتے تھے۔ اور نصاریٰ نے رہبانیت کا راستہ اختیار کر لیا تھا، یہ دونوں طریقے غلط تھے، دونوں گروہ افراط و تفریط کا شکار ہو چکے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں پر درست سمت کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اٰمِنُوا بِاللّٰهِ !
 لَا تَحْسَبُوا طَيِّبَاتٍ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ مَنَاسِكَ حَرَامٍ
 مَّحْظُورًا، پاک چیزیں جو اللہ نے تم پر حلال قرار دی ہیں وَلَا تَحْسَبُوا
 اور تعدی اختیار نہ کرو کیونکہ ان اللہ لَا يَحِبُّ الْمُعْتَدِينَ اللہ تعالیٰ
 نندی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ لہذا افراط و تفریط سے بچ جاؤ اور غلو
 نہ کرو، بلکہ اللہ کی حلال کردہ اشیاء سے استفادہ حاصل کرو۔ طہات

قانونِ حلت
و حرمت

کا اطلاق حلال یعنی جائز اس شیا پر بھی ہوتا ہے اور لذیذ یعنی مرغوب اشیا پر بھی جو چیزیں عام طور پر طبائع انسان کے ساتھ موافقت رکھتی ہیں۔ وہ پاکیزہ اور حلال ہیں اور جن کے طبائع انسان سے متنفر ہیں وہ حرام اور ناجائز کی فہرست میں آتی ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے پاک اور حلال چیزوں کو حرام قرار دینے سے منع فرمایا ہے۔ مفسرین قرار بیان فرماتے ہیں کہ کسی حلال چیز کو حرام قرار دینے کی تین مختلف صورتیں ہیں اور ان کے احکام بھی مختلف ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے کوئی شخص اگر اعتداً اس کو حرام سمجھنے لگے تو وہ کافر ہو گیا۔ کسی قطعی حلال چیز کو حرام سمجھنے والا آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اللہ کی حرام کردہ چیز کو حلال سمجھتا ہے تو وہ بھی کفر کا مرتکب ہوتا ہے۔ علت و حرمت کی دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص عقیدے کے طور پر تو حرام کو حلال یا حلال کو حرام نہیں سمجھتا مگر اپنی زبان سے اس چیز کا اقرار کر لیتا ہے، جیسے قسم اٹھائے کہ اگر میں نے فلاں چیز کھائی تو وہ میرے لیے خنزیر جیسی حرام ہے۔ یہ چیز قسم کے دائرہ میں آتی ہے اور اس کا ذکر اگلی آیت میں آ رہا ہے۔ بہر حال اگر کسی شخص نے کسی حلال چیز کو استعمال نہ کرنے کی قسم اٹھائی ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی قسم توڑ دے اور اس کا کفارہ ادا کرے اور اگر قسم نہیں اٹھائی ویسے ہی کوئی بیوقوف بات کہہ رہا ہے تو اسے توبہ کرنے کا حکم دیا جائے گا، کفارہ نہیں ادا کرنا پڑے گا، قسم کے الفاظ صریح ہوں یا ان سے قسم کا مطلب نکلتا ہو، توبہ بھی کفارہ ادا کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ سورۃ تحریم میں اس کی مثال موجود ہے حضور علیہ السلام نے شہد کے متعلق فرمایا دیا تھا کہ میں اسے استعمال نہیں کروں گا، تو اللہ تعالیٰ کا حکم آگیا **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ** آپ ایسی چیز کو اپنے اوپر کیوں حرام قرار دیتے ہیں جو اللہ نے آپ کے لیے حلال قرار دی ہے۔ اور پھر ساتھ ہی فرمایا

قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ فَحْلَةً أَيَّمَانِكُمْ" اللہ نے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے۔ لہذا طیب چیزوں کو استعمال کرو اور قسم کا کفارہ ادا کرو۔
 حلت و حرمت کی تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی حلال چیز کو بے ثواب سمجھ کر ترک کر دے اور سمجھے کہ ایسا کرنے سے تقرب الہی حاصل ہوگا تو اس کو ربیائیت اور بدعت کہا جاتا ہے، اور اس کا خلاف کرنا ضروری ہو جاتا ہے کیونکہ لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْأَسْلَامِ اسلام میں ربیائیت کی کوئی کجائش نہیں ہے۔ ربیائیت کی مثالی صورت یہ ہے کہ کوئی کارِ ثواب سمجھ کر یا اللہ کا قرب حاصل کرنے کی خاطر نکاح کرنے سے انکار کر دے یا کھانا پینا چھوڑ دے یا اچھا لباس پہننے سے انکار کر دے، یہ سب ربیائیت کے دائرہ میں آتا ہے اور اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ سبھی مذمت آتی ہے

ہاں ترکِ حلال کی جائز صورت یہ ہے کہ انسان کسی چیز کے ترک کو ثواب سمجھے بغیر کسی جسمانی یا روحانی بیماری کے علاج کے لیے ایسا کرے۔ بعض آدمی بعض سببوں میں نہیں کھاتے کہ جسمانی طور پر ان کے لیے مضر مرقی ہیں بعض لوگوں کو گائے کا گوشت موافق نہیں آتا۔ بعض بیماریوں میں گھی اور دودھ کا استعمال معزز صحت ہوتا ہے، لہذا ان چیزوں کو ترک کر دیا جاتا ہے مگر ثواب یا تقرب الی اللہ کے لیے نہیں بلکہ طبی نقطہ نظر سے ایسا کیا جاتا ہے اسی طرح بعض روحانی بیماریوں کے لیے بھی بعض حلال چیزوں کو ترک کر دیا جاتا ہے۔ بزرگانِ دین جو اس قسم کے علاج تجویز کرتے ہیں وہ جائز ہے اور اس سے قسم لازم نہیں آتی۔ بعض اوقات بزرگ عبادت میں انہماک کے لیے قلتِ طعام تجویز کرتے ہیں مگر نہ تو وہ طعام کو حرام سمجھتے ہیں اور نہ کم کھانے کو کافرا میں داخل کر دیتے ہیں۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ اس معاملہ میں بزرگانِ دین نے جو طریقہ اختیار کیا ہے اس سے اس تیسری صورت پر عمل کرنا چاہیئے

یہ بدعت نہیں بلکہ روحانی علاج ہے کہ انسان کھانا کم کرے یا سادہ لباس پہنے۔
شیخ عبدالقادر جیلانی کا معمول تھا کہ وہ سادہ لباس پہنتے تھے۔ خواجہ حسین الدین

سادہ اور
عمدہ لباس

امیر کا بھی سادہ لباس کو پسند کرتے تھے۔ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز
شہزادگی کے زمانے میں پانچ پانچ سو درہم کا کرتہ یا جامہ استعمال کرتے تھے مگر
جب منہ خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ کا لباس صرف دو درہم مالیت کا ہوتا
تھا۔ لباس کے متعلق بخاری شریف کی روایت میں آیا ہے البسوا ما
مشئتہم تم جیسا چاہو لباس پہنو ما لم یکن خبیلةً
ولا مسخوفاً مگر وہ تکبر اور اسراف والا نہیں ہونا چاہیئے۔ بعض صحابہ کرامؓ
پیشینہ جیسا قیمتی لباس زیب تن کرتے تھے، پیشینہ ریشم سے ملنا جلا کپڑا ہے
مگر ریشم نہیں۔ ریشم مردوں کے لیے قطعی حرام ہے امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے
شاگرد امام محمدؒ بہت قیمتی لباس پہنتے تھے۔ ہمارے بزرگوں میں مولانا اشرف علی
تھانویؒ عمدہ لباس پہنتے تھے، البتہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا
حسین احمد مدنیؒ سادہ اور معمولی لباس کو پسند فرماتے تھے۔ اچھا اور عمدہ لباس
اگر حلال کھائی کا ہو اور اس میں تکبر اور اسراف نہ پایا جائے تو بالکل جائز ہے
قرآن پاک میں موجود ہے۔ "قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي
اَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ" (اعراف، اے پیغمبر
آپ کو یہ کہئے کہ کس نے حرام کر دیا ہے اللہ کی زینت کو جس کو اس نے اپنے
بندوں کے لیے نکالا ہے۔ جائز زینت اختیار کرنا جائز ہے، البتہ لعاباز
زینت مکروہ اور حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جائز زینت اور پاکیزہ چیزوں
کو حلال قرار دیا ہے، انہیں کھاؤ اور اس کا شکریہ ادا کرو۔ حد سے آگے نہ
بڑھو۔ اسراف اور تبذیر سے پرہیز کرو۔

کسی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام قرار دے لینا زہد کی تعریف میں نہیں
آتا۔ ترمذی شریف کی روایت میں آیا ہے لیس الزہادة فی الدنیا

زہد کی
تعریف

بِخَيْرِهِ الْحَلَالُ وَلَا اصْنَعُوا الْهَالِ وَنَابِسْ زَبَدِ اس چیز کا نام نہیں
 کہ کسی حلال چیز کو حرام قرار دیا جائے اور نہ مال کو ضائع کرنے کا نام ہے۔
 وَلَسَنَ الزَّمَادَةُ فِي الدُّنْيَا أَنْ لَا تَكُونَ مَعَاذَ
 يَدِيدِهِ وَلَقَدْ مَعَا فِي يَدِ اللَّهِ زَبَدُ تَوْبَةٍ كَرِهَ جَوْ كُفْرَ تَهَائِلِ
 میں ہے اس پر زیادہ اعتقاد نہ ہو اس چیز کی نسبت جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے
 اپنی چیز کو فانی سمجھو۔ کوئی چیز پائیدار نہیں۔ جو چیز اللہ کے پاس ہے وہی مستقل
 ہے۔ اسی نظریے کا نام زبد ہے۔ بہر حال فرمایا اے ایمان والو! نہ حرام کرو
 وہ پاکیزہ چیزیں جو اللہ نے تمہارے لیے حلال قرار دی ہیں اور نہ حد سے بڑھ کر
 کیونکہ یہ چیز اللہ کو ہرگز پسند نہیں۔

حلال اور
 پاک روزی

اَکَلْتُ فَرِيًّا وَحَدَّثْتُ نَوْمًا رَزَقْتَنِي اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا
 اور کھاؤ اللہ نے تمہیں جو روزی دی۔ ہے بشرطیکہ وہ حلال بھی ہو اور پاک بھی
 ہو۔ حلال چیز وہ ہے جسے شریعت نے حرام قرار نہیں دیا اور طیب اس
 لحاظ سے کہ طبع انسانی اس کی طرف مائل ہوتی ہے، کھانا عمدہ، لذیذ اور مرغوب
 ہو تو انسانی طبیعت خود بخود اس کی طرف مائل ہو جاتی ہے، یہی اس کی پاکیزگی
 کی علامت ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ایسی چیز میں کسی کما
 حق متعلق نہ ہو بکری کا گوشت حلال اور طیب ہے اگر سی گوشت کسی
 چوری یا غصب شدہ بکری کا ہے تو وہ پاک نہیں ہوگا۔ بکری کا گوشت
 صمیم ذبح کے ساتھ بالکل حلال ہے مگر جب تک حقدار کو اس کا حق
 یا اس کا بدلہ نہیں ادا ہوگا ایسا گوشت پاک ہے گا۔ اور اس کا کھانا درست
 نہیں ہوگا۔

طیب چیز میں ظاہری پاکیزگی کا ہونا بھی لازم ہے، گندمی اور خبیث
 چیز کا استعمال جائز نہیں۔ قرآن پاک میں سورۃ اعراف میں نبی کی ایک تعریف
 یہ بھی بیان کی گئی ہے ”مُحِبُّ رُحْمَتِهِ الْمَلِكُ الْبَرُّ وَالْحَيُّ الْقَيُّومُ“

علیہ۔ وَالْحَبِیْثَاتُ وہ طیب چیزوں کو حلال اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے۔ اسی لیے محدثین اور فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ پکا ہوا سالن حلال اور طیب ہے لیکن اگر وہ گل سڑ جائے اور اس میں بربریا ہو جائے تو وہی سالن مکروہ تحریمی بن جائے گا کیونکہ وہ جہانی صحت کے لیے مضر اور بیماری کا باعث ہو گا۔ اسی طرح نکھیا یا زہر کے باسے میں منسٹریا نفھی عن الدواء الحَبِیْثُ خبیث دوا کے استعمال سے منع فرمایا گیا ہے زہر ناپاک نہیں ہے مگر اپنے اثر کے اعتبار سے مہلک ہونے کی وجہ سے خبیث ہے اس کا استعمال جائز نہیں بلکہ زہر اسی صورت میں استعمال ہو سکتا ہے جب کہ اس کا کشتہ کمرہ دیا ہو اور اس کی نہایت قلیل مقدار استعمال کی جائے۔

شرعیات نے جو چیزیں حرام قرار دی ہیں ان میں کوئی نہ کوئی جہانی نہ اپنی ہے یا روحانی۔ حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھنا ملتے جلتے ہی کا اہم اصول ہے۔ اگر حلال کو حرام قرار دے دیا جائے تو مصلحت عامہ خراب ہو جائیگی جو سائنسی پراس کے بڑے اثرات مرتب ہوں گے، لہذا حلال چیزوں سے استفادہ کرنا چاہیے۔ اور حرام چیزوں سے پرہیز لازم ہے اسی چیز کا نام تقویٰ ہے اور اس کے متعلق اللہ نے فرمایا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُسْتَعِیْنُونَ اللہ سے ڈرتے رہو۔ اس اللہ سے جس کے متعلق ایمان رکھتے ہو کہ وہ ہمارا خالق اور مالک ہے۔ ملت و حرمت کا قانون اسی کے ذریعہ اختیار کیا گیا ہے اس کے قانون کی پابندی میں تمہاری ترقی کا راز مندرجہ او قانون کی خلاف ورزی تمہاری تنزلی کا ہمیشہ خمیر ہے اس سے تمہاری دنیا اور عاقبت دونوں ضائع ہو جائیں گی۔

تقویٰ
اشد کرو

المائدہ
آیت ۸۹

واذا سمعوا
دس پہل ویک ۴۱

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ
يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ
أَطْعَمُ عَشْرَةَ مَسْكِينٍ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ
أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ
يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ
إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ
اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٨٩﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ غور نہ کرتا، تم سے تمہاری خبر میں
تو وہ قسموں کے بارے میں لیکن وہ غور کرتا ہے تم سے اس
کے بارے میں جو تم نے اپنے طریقے پر قسمیں کھائی ہیں پس اس
کا کفارہ کھانا کھانا ہے دس مسکینوں کو درمیانے درجے کا جو تم
اپنے محلہ والوں کو کھلاتے ہو یا دس مسکینوں کو کپڑا پہنانا، یا گردن
یعنی غلام آزاد کرنا، یا پس جو شمس نہ پائے ان میں سے کوئی
چیز، پس اس کی قسم کا کفارہ تین دن کے روزے رکھنے
سے ہو گا۔ یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم قسم نہ
بیٹھو، اور محفوظ رکھو اپنی قسموں کو، اسی طرح اللہ تعالیٰ بیان
کرتا ہے تمہارے لیے اپنے احکام تاکہ تم شکر ادا کرو ﴿۸۹﴾

مذمت
کو قیون

یہود و نصاریٰ کی مذمت بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے تحلیل و تحریم کا

ذکر فرمایا۔ سورۃ کی ابتداء میں بھی کھانے پینے کی محرمات کا بیان تھا کسی حلال چیز کو
 حرام قرار دے لینے کی کئی ایک صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی
 حلال چیز کو اعتقاداً حرام سمجھے۔ ایسی صورت میں وہ اسلام سے خارج ہو کر کفر
 میں مبتلا جائے گا۔ کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو از خود حرام قرار دے
 لیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی حلال چیز کو دل سے تو حرام نہیں
 سمجھتا مگر زبان سے اسے حرام کہتا ہے آگے اس کی بھی دو شکلیں ہیں۔ اگر
 حلال چیز کو کوئی سمجھ کر حرام کہتا ہے یا تقرب الی اللہ کے لیے زبان سے
 حرام کہتا ہے تو یہ بدعت اور مہابیت ہے، اس کا ذکر واجب ہے
 اور اگر ایسی چیز کو زبان سے اس طرح حرام کہتا ہے کہ اس میں قسم کا معنی پایا
 جاتا ہے وہ قسم بلا ضرورت ہے تو یہ گناہ کی بات ہے، چنانچہ آج کے
 درس میں ایسی ہی قسم کے اڑاسے کا ملکہ بیان کیا گیا ہے۔ علت و نہمت
 کی تیسری قسم بھی پہلے بیان ہو چکی ہے۔ کہ اگر کوئی شخص کھانی یا روحانی بیماری
 کے پرہیز کے طور پر کسی حلال چیز کو استعمال نہیں کرتا، تو اس میں کوئی برائی
 نہیں، اسکی بدعت ہے۔

جائز اور
 مہابیت قسم
 بہر حال کسی حلال چیز کو از خود حرام قرار دے لینا درست نہیں ہے اگر
 اس قسم کا معنی پایا جاتا ہے تو ایسی قسم کا توڑنا ضروری ہو جاتا ہے اور
 اس کا کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں کیا گیا ہے۔
 یسے بھی حضور علیہ السلام نے قسم کے متعلق یہ بات کھجانی سے کہ
 مَنْ حَلَفَ عَلَىٰ يَمِينٍ فَلْيَأْتِ بِهَا خَيْرًا مِّنْهَا
 فَلْيَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَلَوْ كَفَرٌ كَفَرٌ عَنْ يَمِينِهِ
 جو شخص کسی بات پر قسم اٹھالیتا ہے پھر دیکھتا ہے کہ یہ بات تو اچھی نہیں ہے
 اس کے علاوہ دوسری بات ابھی ہے تو اسے وہ کام کرنا چاہیے جو بہتر ہے
 اور قسم توڑنے کا کفارہ ادا کر دینا چاہیے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں خود

بھی کسی چیز پر قسم اٹھایا ہوں مگر دہشتا ہوں کہ دوسری بات بہتر ہے وکھنڈ
 عَنْ يَسِينِیٰ تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دیا ہوں یعنی ایسی قسم کو توڑ دیتا ہوں
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ کسی شخص کا قسم پر اصرار کرنا بہتر نہیں ہے
 اُسے قسم توڑ کر اُس کا کفارہ ادا کر دینا چاہیے۔ ہاں اگر قسم کسی ایسی چیز پر اٹھائی
 ہے جس میں کوئی قباحیت نہیں تو پھر قسم کو پورا کرنا چاہیے اور اگر وہ قسم
 معصیت سے متعلق ہے تو اُسے فوراً توڑ کر کفارہ ادا کرے ایسی ہی معصیت
 کی قسم کے متعلق امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اُسے توڑ دینے پر
 کفارہ ادا کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے مگر امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ
 فرماتے ہیں کہ ایسی قسم کو توڑنا ضروری ہے کیونکہ وہ معصیت کی بات ہے
 البتہ اُس کا کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔ قسم اور اس کے متعلقات کا تذکرہ سورۃ
 بقرہ میں ہی ہر جگہ ہے۔ تاہم یہاں پر اس کے کھلے کا تفصیل کے ساتھ
 ذکر کیا گیا ہے۔

قسم تین اقسام پر ہوتی ہے یعنی لغو، غموس اور منقذہ۔ لغو کا معنی بیہودہ
 ہوتا ہے یعنی ایسی قسم جو بغیر ارادہ اور نیت کے زبان سے نکل جائے۔ یہ سب
 کے ہاں یہ ہم محاورہ تھا کہ وہ بات بات پر قسم اٹھاتے تھے لَا وَاللّٰہِ
 سَبَّحَیْ وَ لَذَہٗ خَالِیۡہُ اِنْ کَہ دَاوۡدَ اَرَادَہٗ قَسَمَ اِثْنَاۗیۡنَ کا نہیں ہوتا تھا بعض زبان
 پر قسم کے الفاظ جاری ہو جاتے تھے، ایسی قسم پر زکوٰۃ گرفت ہے اور
 نہ اس کا کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ البتہ لغو ہی کی دوسری قسم غموس قابل
 مواخذہ ہے۔ البتہ اس پر کفارہ نہیں۔ اس قسم کی مثال ایسے ہے جیسے
 کوئی گزے ہوئے واقعہ کے متعلق چھوٹی قسم اٹھا جانے کہ زید آیا تھا۔
 مگر فی الحقیقت وہ نہ آیا ہو۔ ایسی قسم میں جھوٹ کی وجہ گناہ سرزد
 ہوتا ہے اس لیے اسے یمن غموس کہتے ہیں کیونکہ غموس کا معنی گناہ میں غوطہ
 مارنے کا ہے۔

قسم کی
 تین اقسام

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے شب کی بنا پر کوئی غلط قسم اٹھائی تو وہ بھی لغوی شمار ہوگی۔ مثلاً کوئی شخص دروے کوئی کالی چیز دیکھ کر کہتا ہے واللہ یہ تو اجنب ہے مگر کچھ دیر بعد معلوم ہوتا ہے کہ وہ اجنب نہیں بلکہ بھینس ہے۔ تو یہ بھی لغو ہے، اشتباہ کی وجہ سے ایسا ہوا ہے لہذا ایسی قسم پر بھی کوئی کفارہ نہیں۔ البتہ گندی ہوئی بات پر اگر کوئی شخص عداقت اٹھائے، تو ایسا شخص گنہگار ہوگا مگر اس پر بھی کفارہ نہیں۔

لغو قسم کے متعلق سورۃ بقرہ میں بھی آیت گزر چکی ہے۔ "لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِیْ اَیِّ مَا بَیْنَكُمْ" اللہ تعالیٰ نہیں مؤاخذہ کرتا تمہاری لغو قسموں پر وَلَیْکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبْتُمْ فَلَیُّؤَاخِذُکُمْ مِمَّا کُنْتُمْ یَعْمَلُونَ مگر ان قسموں پر مؤاخذہ ہے جو تم دل کے ارادے سے اٹھاتے ہو مؤاخذہ میں دنیاوی اور اخروی دونوں مؤاخذہ شامل ہیں دنیاوی مؤاخذہ یہ ہے کہ قسم اٹھانے والے کو کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے اور اخروی مؤاخذہ میں ان گنہگار ہوتا ہے۔ بہر حال اس آیت میں بھی قسم کے متعلق ویسے ہی الفاظ ہیں "لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِیْ اَیِّ مَا بَیْنَكُمْ" یعنی اللہ تعالیٰ تم سے تمہاری بیوردہ قسموں کے متعلق مؤاخذہ نہیں کرتا۔ وَلَیْکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبْتُمْ فَلَیُّؤَاخِذُکُمْ مِمَّا کُنْتُمْ یَعْمَلُونَ" بلکہ ان قسموں پر مؤاخذہ کرتا ہے جو سچے طریقے یعنی دل کے ارادے سے اٹھاتے ہو۔ قسم کی یہ قسم تیسری ہے جسے قسم منعقدہ کہا جاتا ہے۔ اس قسم کا تعلق مستقبل سے ہوتا ہے کہ کوئی شخص یوں قسم اٹھائے کہ میں آنے والے زمانہ میں فلاں کام کر دوں گا یا نہ کر دوں گا۔ اگر ایسی قسم کسی جائز کام کے لیے ہے اور اس شخص نے قسم کو پورا کر دیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اور اگر اس جائز قسم کو از خود توڑ دیا ہے تو اس کا کفارہ ادا کرنا ہوگا، جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ اور اگر یہی قسم کسی ناجائز کام کے لیے ہے تو اس کا توڑنا واجب

ہو جاتا ہے۔ ایسی قسم کے کفارے کے متعلق اہم مالکٹ اور اہم شافعی فرماتے ہیں کہ ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اہم ابوحنیفہ اور اہم احمد فرماتے ہیں کہ قسم توڑنے کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہوگا۔

کنزہ
العام مسکین

ایسی ہی قسم کے کفارے کے متعلق ارشاد ہوتا ہے فَكَفَّارَتُهُ
الْطَّعَامُ عَشْرُونَ مَسْكِينًا اس کا کفارہ دس مسکینوں اور محتاجوں کو کھانا
کھلانا ہے مگر اَوْسَطُ مَا تَطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ
درمیانے درجے کا کھانا جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو مقصد یہ ہے
کہ کھانا اوسط درجے کا ہو۔ نہ الیا کم تر کرے بالکل خشک روٹی ہے اور
نہ بہت اعلیٰ درجے کا جس میں کسی قسم کے کھانے ہوں۔ اوسط درجے
میں عام روٹی سالن آسکتا ہے جو عام طور پر لوگ گھروں میں کھاتے ہیں۔
تاہم دس مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلانا ہوگا خواہ گھر بلا کر کھلا دے یا
ان کے ٹھکانے پر پہنچا دے۔ اور مسکین میں وہ لوگ شمار ہوں گے جو زکوٰۃ کے
مستحق ہوں۔ ان میں بلوغت کی شرط نہیں ہے۔ بالغ ہوں یا قریب البلوغ
ان کو کھلانے سے کفارہ ادا ہو جائے گا۔ البتہ بہت چھوٹے بچے جو پورا
کھانا نہیں کھا سکتے وہ ان میں شامل نہیں ہوں گے۔ کفارہ کی دوسری
صورت یہ بھی ہے کہ کھانا پکا کر کھلانے کی بجائے ہر مسکین کو روزے
کے فدیہ کے برابر اناج دے دے۔ اس سے نصف صاع گندم یا ایک
صاع کوئی دوسرا اناج دینا ہوگا۔ یعنی اگر گندم دے تو دوسرا اور اگر کوئی
دوسرا ہی جس سے چار سیر ادا کرے جتنو علیہ السلام کے فرمان کے مطابق
مذکورہ اناج یا اس کی قیمت بھی ادا کی جاسکتی ہے۔ یہ کفارے کی پہلی صورت ہے
کفارہ ادا کرنے کا دوسرا طریقہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَوْ كِسْفًا
یا ان دس مسکین کو کپڑا پہنانے۔ کپڑے کی مقدار کے متعلق فقہائے کرام
اور محدثین عظام فرماتے ہیں کہ ہر مسکین کو آٹا کپڑا دینا چاہیے جس سے اس

کپڑا پہنانا

کلا ہوا جسم دھک جانے سے بچنا ایک بڑا کمرہ یا بڑی چادر سے لٹکانا
اور ہوا جانے کا۔ ایک بڑی شلوار سے بھی جسم کا اکثر حصہ ڈھک جاتا ہے، لہذا
یہ بھی دی جاسکتی ہے تاہم بہتر یہ ہے کہ ہر ایک کو ایک ایک جڑا کپڑے
دے دے جسے پہن کر آدمی باسولت نمازا ادا کر سکے۔

غلام کی آزادی

فرمایا قسم کے کفائے کی تیسری قسم یہ ہے کہ **اَوْ تَحْرِیْرُ رَهَائِلَہِ**
یا غلام آزاد کرنا، دنیا میں غلامی کا رواج صدیوں پرانا ہے نزولِ قرآن کے پہلے
میں بھی پوری دنیا میں موجود تھا۔ یہ شخصی غلامی ابھی گزشتہ صدی میں ختم ہوئی ہے
البتہ اس کی جگہ اب اجتماعی غلامی نے لے لی ہے۔ اب دنیا کی بڑی طاقتوں
امریکہ روس اور انگریزوں نے پوری پوری قوموں اور ملکوں کو غلام بنا رکھا
ہے۔ کافر قوموں نے بڑے بڑے ملکوں پر بزرگ قبضہ کر کے انہیں اپنی
کاربنیاں بنالیا اور دلوں کے باشندوں کو اقتصادی لحاظ سے یا انسانی حقوق
کی نسبت سے غلام بنالیا، نوآبادیات کے بادل اب بہت حد تک
چھٹتے جا رہے ہیں تاہم کچھ عرصہ قبل تک حالت یہ تھی کہ ریل کے ڈبے میں
گورہ اور کالا لٹکے سفر نہیں کر سکتے تھے۔ یہاں ہندوستان میں ایسا ہی ہوا
رہا ہے۔ اس غلامی کا دوسرا نمونہ جنوبی افریقہ ہے۔ جس میں گاندھی نے
اس غلامی کے خلاف بہت تحریک چلائی۔ جب انگریزوں کے ڈبے میں
بیٹھا تھا تو وہ اُس کا سامان باہر پھینک دیتے تھے اور وہ کسی دکان تک
رہے ٹیشن پر پڑا رہتا تھا۔ آخر بڑی جدوجہد کے بعد اُس نے انگریزوں سے
کچھ حقوق منوائے اور کالے لوگ بھی انگریزوں کے ساتھ گاڑی میں سوار ہوتے
جب اسلام کا ظہور ہوا تو اس انٹرنیشنل رواج کی اصلاح کا حکم دیا گیا۔
غلاموں پر ظلم و ستم کو ختم قرار دیا گیا۔ فرمایا یہ بھی تمہارے بھائی ہیں اسکی وجہ
سے تمہارے زیر اثر آگئے ہیں۔ ان سے بد روی کا سلوک کرو جو خود کھاتے ہو
انہیں بھی کھلاؤ اور جو خود پیتے ہو انہیں بھی پینا دو۔

غلاموں سے زیادہ مشقت نہ لے۔ اگر کام منسل ہو تو خوردہ بی ان کے ساتھ ہوتا ہوا
یہ حضور علیہ السلام کی تعلیم کا اثر تھا کہ اسلام میں داخل ہو کر غلاموں نے بڑی بڑی خدمت
انجام دیں۔ ان میں بڑے بڑے فقیہ اور محدث پیدا ہوئے جنہیں نہایت
احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اسلام نے غلاموں کو نہ صرف ان کے حقوق دلائے
بلکہ کما حقہ ان کی عزت افزائی بھی کی۔

چونکہ اسلام کی نظر میں غلامی ایک غیر فطری چیز ہے اس لیے اسلام نے
مختلف طریقوں سے غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب بھی دی۔ مسلم شریعت
کی روایت میں آتا ہے کہ کسی غلام کو آزاد کرنے والے شخص کا ہر عضو اس
آزادی کے بدلے میں جہنم کی آگ سے آزاد ہو جائے گا۔ مختلف جنایات
میں غلام کی آزادی کو کفارہ قرار دیا۔ چنانچہ روزہ کھا جانے کا کفارہ، قتل کا
کفارہ، ظلم کا کفارہ اور قسم کا کفارہ غلام کی آزادی میں رکھا۔ صرف قتل کے
کفارہ میں مومن غلام کی آزادی کی شرط ہے، دیگر جنایات میں مومن یا کافر،
بچہ یا بڑا، عورت یا مرد کو کوئی بھی کفارہ کے طور پر آزاد کیا جاسکتا ہے۔ غرضیکہ
قسم کے کفارہ کے متعلق فرمایا کہ دس سکنوں کو کھانا کھلائے یا انہیں کپڑا پہنا
یا ایک غلام آزاد کرے۔

کفارے کی تین صورتیں بیان کرنے کے بعد فرمایا **فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ**
جو شخص ان تین میں سے کوئی صورت نہ پائے۔ جی نہ تو وہ کھانا کھلائے کی غفلت
رکھتا ہو اور نہ کپڑا پہنانے کی اور اس کے پاس غلام بھی نہ ہو جسے آزاد کر سکے
تو فرمایا **فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ** تو تین دن کے روزے رکھے۔ کفارہ کی یہ
چوتھی صورت ہوئی۔ بشرطیکہ پہلی تین صورتوں میں سے کسی پر بھی قادر نہ
ہو۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما سے فرمایا
کی روایت میں آتا ہے **فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ**۔ تا بعد ازاں
یعنی یہ تین روزے متواتر رکھنا ہوں گے، ان کے درمیان وقفہ نہیں ہونا

چاہیئے۔ رمضان کے روزوں کی قضا میں تو ایسی پابندی نہیں ہے، قضا
 دینے آئمہ سال تک کسی وقت بھی رکھے جاسکتے ہیں۔ رمضان کے روزے
 بعض اوقات سفر یا بیماری کی وجہ سے قضا ہو جاتے ہیں یا عورتوں کے حیض
 و نفاس کے دوران چھوٹ جاتے ہیں، وہ پورے سال میں کسی بھی وقت رکھے
 جاسکتے ہیں۔ تاہم قسم کے کفار سے کے روزے پنے درپے رکھنا ضروری ہے
 فقہائے کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کفار سے کے دو روزے
 رکھے اور اس کے بعد اس کے پاس اتنا مال آگیا جس سے وہ دس مکیوں کو
 کھانا کھلا سکتا ہے یا کپڑا پہنا سکتا ہے یا ایک غلام آزاد کر سکتا ہے تو روزوں
 سے کفارہ ادا نہیں ہوگا بلکہ اسے پہلی تین صورتوں میں سے کوئی ایک پوری کر لینی
 فرمایا ذلک کفارۃً ایما ینکم یرتھاری قسموں کا کفارہ
 البتہ یہ سول باقی رہتا ہے کہ کفارہ قسم توڑنے سے پہلے ادا کرنا چاہیئے
 بعد میں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ کفارہ قسم توڑنے سے پہلے بھی ادا کیا جا
 سکتا ہے مگر امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ پہلے قسم توڑے اس کے بعد کفارہ
 ادا کرے، تو فرمایا یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا ازالہ اذاحلفت
 جب تم قسم اٹھا بیٹھو۔ وَاَحْفَظُوا اَیْمَانَكُمْ اور اپنی قسموں
 کی حفاظت کرو۔ یعنی قسم اٹھا کر کوئی اچھی بات نہیں ہے، اس سے بچنے کی
 کوشش کرو اور اگر کسی معاملہ میں گواہ موجود نہ ہوں اور قسم کے بغیر چارہ نہ ہو تو بچہ
 اس کی اجازت بھی ہے اور اس کا پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر قسم اٹھا کر توڑ
 دی جائے تو اس کو کفارہ کی ادائیگی لازم ہو جائے گی، قسم کی حفاظت کا یہ مطلب
 ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی خیال ہے کہ قسم صرف اللہ کے نام
 کی کھائی جاسکتی ہے، اس کے علاوہ کسی دوسرے کے نام کی قسم درست نہیں
 ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو آدمی قسم اٹھا ہے، اس کے پاس ریل نہیں ہوگی
 اور نہ وہ گواہ پیش کر سکتا ہے، لہذا فریق ثانی کو یقین دلانے کے لیے

قسموں کی
 حفاظت

قسم اٹھاتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشمات کا نام لے کر یا اس کی
کونی صفت بیان کرتا ہے کہ بات کرتا ہے کہ اگر وہ غلط بیانی کرتا ہے تو اس
اللہ تعالیٰ کی سزا سے نہیں بچے گا جو ہر چیز کو جانتا ہے۔

فَمَا كَذَلِكَ نَبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ اِذْ اُتِيَ
اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے تمہارے لیے اپنی آیتیں۔ آیت کا معنی، دلیل
نشان معجزہ یا حکم ہوتا ہے۔ یہاں پر حلت و حرمت کے احکام مل رہے ہیں
کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے واضح طور پر بیان فرما دیا ہے کہ کون کون سی چیز
حلال ہے اور کونسی حرام ہے۔ كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ اِذَا كَرِهْتُمْ تاکہ تم
اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کر سکو، اُس نے تمہیں جہالت سے نکال کر واضح
راستہ بتا دیا ہے کہ فلاں فلاں مشکل کا فلاں فلاں حل ہے۔ ان احکام
کے ذریعے تم گناہ سے بچ سکتے ہو اور اپنے آپ کو پاک کر سکتے ہو۔
لہذا ان احکام پر عمل کر کے اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرو۔

کھانے پینے کی چیزوں کی حلت و حرمت کا ذکر اس سورۃ میں خاص
طور پر کیا گیا ہے۔ سابقہ سورتوں میں خون، مردار، خنزیر کے گوشت اور
مذکر بغیر اللہ کا تذکرہ مروجہ ہے۔ تحلیل و تحریم کی بعض چیزوں کا ذکر یہاں بھی آگیا
ہے۔ اس کے بعد اگلی آیت میں بعض دیگر محرمات کا ذکر آ رہا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ
وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رَجَسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ
فاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ⑨۰ إِنَّمَا يُرِيدُ
الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ
فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ
وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ⑨۱
وَاطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا فَإِنِ
تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلُمُوا إِنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ
الْمُبِينُ ⑨۲ لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا
وَأَمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا
وَأَمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَاحْسَنُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ
الْمُحْسِنِينَ ⑨۳

ترجمہ :- اے ایمان والو ! بیشک شراب اور حرام
اور بُت اور تقسیم کے تیر گدے ہے اور شیطان کے کہ
سے ہے ۔ پس بچو اس سے تاکہ تم فلاح پاؤ ⑨۰

بیشک ارادہ کرنا ہے شیطان کو ڈال دے تمنا سے دے دیاں دشمنی اور نفرت شراب اور جوئے کے سلسلے میں اور روک دے تم کو اللہ کے ذکر اور نماز سے، پس کیا تم باز آؤ گے؟ (۹۱) اور فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسول کی اور ڈسٹے رہو۔ پس اگر تم روگردانی کرو گے تو جان لو کہ بیشک ہمارے رسول کے ذمے پہنچا دینا ہے کھول کر (۹۲) نہیں ہے ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور اپنے کام کیے کوئی گناہ اس چیز میں جو انہوں نے کھایا جب کہ وہ ڈرتے تھے اور ایمان لائے اور اپنے کام کیے پھر وہ ڈرتے تھے اور ایمان پر قائم تھے پھر وہ ڈرتے تھے اور نیکی کے کام کیے انہوں نے، اور اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے نیکو کرنا لوگوں کو (۹۳)

گزشتہ درس میں حلت و حرمت کا قانون بیان ہو چکا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ جن پاک چیزوں کو اُس نے حلال قرار دیا ہے اُن کو حرام نہ بناؤ۔ نہ تو اعتقاداً انہیں حرام سمجھو اور نہ قسم اٹھا کر از خود اپنے لیے حرام قرار دو، بلکہ اُن سے استعاذہ حاصل کرو اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرو۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے کچھ مزید محرمات کا ذکر کیا ہے اور حرام کردہ اشیاء سے بچنے کا حکم دیا ہے حرام کردہ اشیاء میں یقیناً کوئی دینی، دنیاوی، جسمانی یا روحانی نقصان ہے جس سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ جس طرح حلال چیز کو حرام کر لینے سے فساد پیدا ہوتا ہے اور اجتماعی مصلحت خراب ہوتی ہے۔ اسی طرح حرام چیز کو استعمال کرنے سے فساد اور اجتماعی مصلحت کو نقصان پہنچے گا۔

ارشاد ہوتا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَوْ لَا إِتَّعَا الْهَنَمُ وَالْمَيْسِرُ بِشَرِّ شَرَابٍ اور جوا۔ یہاں اُن چیزوں کا ذکر آ رہا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے قطعاً حرام قرار دے کر اُن سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ شراب اور جوئے کا ذکر مرقاۃ

میں بھی ہو چکا ہے۔ ”يَسْأَلُكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْمَنِ“
پیغمبر (علیہ السلام) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق دریافت کرتے
ہیں کہ ان کے متعلق کیا حکم ہے۔ تو وہاں پر اللہ نے صرف اتنا حکم دیا اَمْلُ
فِيهِمَا اِنَّ كَبِيرًا وَمَنْ فَاعِلٌ لِّلشَّيْءِ اِنْ رَجِزُوا
میں بڑا گناہ ہے مگر ان میں لوگوں کے لیے بعض فوائد بھی ہیں۔ نقصانات
اور گناہ کا ذکر تو ابھی اگلی آیت میں آ رہا ہے تاہم شراب کا ایک فائدہ یہ
ہے کہ یہ جسم میں حرارت پیدا کرتی ہے جس سے خون میں جوش پیدا ہوتا ہے
اور انسانی جسم کے لیے سردی سے بچاؤ ایک ذریعہ بنتا ہے۔ اسی طرح جوئے
میں بغیر مشقت اٹھائے مال حاصل ہوتا ہے اور اس سے صدقہ خیرات بھی
کیا جاتا ہے۔ عرب لوگ جوئے کی کمائی سے صدقہ خیرات کو بڑا افضل جانتے تھے
اسی لیے فرمایا کہ ان دو چیزوں میں گناہ بھی ہے اور کچھ فائدہ بھی ہے ”وَافْتَهُمَا
اَكْبَرُ مِنْ تَقْعِهِمَا“ تاہم ان دونوں اشیاء میں نفع کی نسبت گناہ
کا عنصر غالب ہے۔ بہر حال اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے
کے فوائد و نقصانات کا تذکرہ کیا مگر ان کی قطعی حرمت کا حکم نہیں دیا تھا۔
اس سے پہلے سورۃ نحل میں بعض پھلوں کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ
نے فرمایا ”تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا“
تم ان پھلوں سے نشہ اور اشیا (شراب وغیرہ) اور اچھا رزق (چٹنی،
اچار، مربہ، وغیرہ) بنا لیتے ہو۔ یہاں پر اگرچہ حلت و حرمت کا ذکر
تر نہیں کیا مگر نشہ اور اشیا کو رزق، حَسَنًا سے علیحدہ کر کے
اُن کی حیثیت کو کم تر قرار دے دیا۔ شراب کے متعلق یہ سب پہلی آیت تھی
اس کے بعد سورۃ بقرہ کی مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی جس میں شراب اور
جوئے کے فوائد اور نقصان کا ذکر کیا گیا۔ تاہم اس کی حرمت کے
متعلق قطعی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ اس دوران حضرت عمرؓ دعا کیا کرتے تھے

اللَّهُمَّ بَيِّنْ لَنَا فِي الْخَمْرِ بَيَانًا شَافِيًا
 اے اللہ! ہماری لیے شراب کے متعلق کوئی واضح حکم نازل فرما۔ لوگ
 ابھی تک شراب پی رہے تھے۔ پھر سورۃ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی یَا أَيُّهَا
 الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَرَى
 حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ یعنی اے ایمان والو! نشے کی حالت
 میں نماز کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ تم جان سکو کہ کیا کہہ رہے ہو۔ اس آیت
 کریمہ کے پس منظر میں یہ واقعہ بیان کیا جا رہا ہے کہ کسی شخص نے بعض صحابہ کرام
 کی دعوت کی۔ کھانے کے بعد شراب کا در بھی چلا جس سے انہیں نشہ آ گیا
 اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا، نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو امام غلط پڑھ
 گئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نشے کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع فرما دیا۔
 چونکہ اس قبیح چیز کے متعلق ابھی واضح حکم نہیں آیا تھا، اس لیے حضرت
 کس اہل حکم کے لیے دعائیں مانگتے تھے حتیٰ کہ آج کی یہ آیت نازل ہوئی اِنَّمَا
 الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ مِنَ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ اَجْمَعِينَ اور شراب، ہوا، بت اور تقسیم کے
 تیر ہمیشہ کے لیے حرام قرار دے دیے گئے۔ گویا شراب کی حرمت بتدریج
 نازل ہوئی۔ سب سے پہلے سورۃ نمل میں نشہ اور اشیاء کی تیار سازی کی طرف
 اشارہ کیا۔ پھر سورۃ بقرہ کی آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ شراب
 اور حجلے میں فائدہ اور نقصان دونوں غماص رہائے جاتے ہیں مگر ان کا
 نقصان ان کے فائدے سے بڑا ہے۔ پھر تیسرے نمبر پر سورۃ نساء کی آیت
 نازل ہوئی جس میں نشے کی حالت میں نماز کے قریب جانے سے منع کیا
 گیا اور آخر میں سورۃ مائدہ کی اس آیت نے شراب اور دیگر اشیاء کو قطعی حرام
 قرار دے دیا۔ اس آیت کے نزول پر حضور علیہ السلام نے اعلان فرمایا کہ شراب
 کا پینا، بنانا، خریدنا اور بیچنا بالکل ممنوع ہو گیا ہے۔ پھر آپ نے شراب
 کے برتنوں کو استعمال کرنے سے بھی منع فرما دیا۔ اور صحابہ کرام نے شراب

کشیہ کرنے والے شے اور پہننے والے دیکھتے تو ڈرتے تاہم مزید کچھ
غرض بعد شراب کے برتنوں کے استعمال کی اجازت، دیرن البتہ فرمایا، **حُكْمُ**
مُسْكِبِ حَرَامٍ یعنی ہر شے اور چیز عرام سے جس پر علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے
الْمَسْكُوتُ جُ مَنَعَ الْإِثْمُ۔ یعنی شراب تمام گناہوں کی جامع ہے
جو شخص شراب پئے وہ دنگا فنا کر دے گا، قتل اور زنا کا مرتکب ہو گا اور
دیگر برائیاں انجام دے گا، اسی لیے اس قبیح چیز کو جامع الاثم کہا گیا ہے
شراب کے مختلف ناموں میں سے ایک کا نام اثم بھی ہے جس کا معنی گناہ
ہے۔ اس آیت میں اللہ نے جو ابھی قطعی حرام قرار دیا ہے غریبوں میں تیر
کے ذریعے جو اکھیلے جاتا تھا مگر اب آتش، شیطانی، فکوریہ، دھڑ، لائبریری
اس کی مختلف صورتیں ہیں جن کے ذریعے طہریت کا فیصلہ کیا جاتا ہے
اور یہ سب شکلیں عرام ہیں۔

فرمایا، **يُشْرَبُ** اور **حَرَامٌ** **وَالْأَلْصَابُ** **وَالْأَزْلَامُ** اور **ثَبْتٌ** اور
تقسیم کے تیر۔ ظاہر ہے کہ ثبوت اور ثبوت پرستی تو اسلام میں قطعی حرام میں۔
بقول کے نام پر ذبح کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے۔ تاہم مفسرین کرام فرماتے
ہیں کہ اللہ کے علاوہ جس چیز کی بھی عبادت کی جائے یا نذر دینا ضروری جائے
وہ بھی اس حکم میں داخل ہو کر حرام ہے۔ یہاں پر درستی چیز ازلام کا ذکر
ہے جو زلمہ کی جمعیت اور اس کا معنی تقسیم اور جوئے کے تیر ہیں۔ ان کا
ذکر اسی سورہ کی ابتداء میں ہی ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں دیگر چیزوں
کو حرام قرار دیا وہاں ان کے متعلق بھی فرمایا **أَنْ تَسْتَفْسِدَ مَعًا بِالْأَزْلَامِ**
کہ تم تیروں کے ذریعے کوئی چیز تقسیم کر دو۔ تیروں کا استعمال دو طریقے
سے ہوتا تھا۔ قسمت کا حال معلوم کرنے کے لیے کاہن لوگ یہی تیر
استعمال کرتے تھے، ان کے پاس بہت سے تیر ہوتے تھے جب
کوئی غرض مند ہ سفر، تجارت یا شادی وغیرہ کے متعلق حال معلوم کرنا

ثبوت پرستی
اور تیر

چاہتا تو وہ کابھن کے پاس جاتا جو تیر نکالے۔ اس کام کے لیے عام طور پر تین تیر استعمال کیے جاتے تھے، ایک پر لفظ نعم لکھا جوتا، دوسرے پر تیر اور تیسرا خالی ہوتا۔ حسب ضرورت ان میں سے کوئی ایک تیر نکالا جاتا۔ اگر نعم والا تیر نکلتا تو کاتھن کہتا کہ جس کام کا ارادہ کیا ہے وہ کر ڈالو، اس کا نتیجہ تمہارے حق میں نکلے گا۔ اگر لا والا تیر نکلتا تو اس شخص کو مسئلہ کام کرنے سے منع کر دیا جاتا کہ اس کا نتیجہ تمہارے حق میں بہتر نہیں ہے۔ اور اگر تیسرا خالی تیر نکل آتا تو پھر معاملہ ملتوی کر دیتے اور پھر کسی آئندہ موقع پر دوبارہ تیر نکالتے۔ تیروں کے استعمال کی ایک اور صورت یہ تھی کہ کل دس تیروں میں سے سات تیروں پر ایک سے لے کر سات تک نمبر لکھے جوتے اور تین تیر خالی جوتے۔ عام طور پر قحط کے زمانے میں ایسا ہوتا کہ کوئی دس آدمی مل کر اونٹ خریدتے، پھر اس کو ذبح کر کے اس کے گوشت کے دس برابر حصے کر دیتے۔ اونٹ میں حصے دار ایک ایک کر کے تیر نکالتے، جس کے نام پر جتنے نمبر کا تیر نکل آتا وہ گوشت کے اتنے حصے لے باتا، اس طرح بعض حصے داروں کو حصے سے زیادہ گوشت مل جاتا اور بعض بالکل محروم رہ جاتے۔ حصہ پانے والے گوشت خود بھی استعمال کرتے اور غراب میں بھی تقسیم کرتے۔ حصہ سے محروم رہنے والے تو غریب دیتے کہ چلو دوبارہ اونٹ خریدیں اور ذبح کریں، پھر ایسا ہی کرتے بعض کو حصہ مل جاتا اور بعض محروم رہ جاتے اور اس طرح یہ سلسلہ جاری رہتا، اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے جوڑے کے تیروں کو بھی حرام قرار دیا۔

شیطان اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں یعنی شراب، جوار، بٹ اور تھیم کے تیروں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا وَجَسَّ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ يَكْنُوهُ اور شیطان کا کام ہے کہ جتنے نبوہ پس اس سے بچ جاؤ۔ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ تاکہ تم میں فلاح نصیب ہو۔ حضرت کرام فرماتے ہیں کہ عربی زبان میں جس

اُس گندی اور ناپاک چیز کو کہا جاتا ہے جس سے فطرتِ سلیمہ اور عقلِ سلیمہ نفرت کرے اس آبت میں جن چار چیزوں کا ذکر کیا گیا وہ سب قابلِ نفرت امور ہیں اور شیطانی کام ہیں۔ بظاہر تو یہ سب کام انسان ہی انجام دیتے ہیں مگر ان میں موجود برائی کی وجہ سے مجازاً انہیں شیطانی کام کہا گیا ہے۔ شیطان ہی کی دوسرا اندازہ کی دیکھ کہ ان قبیح امور کی طرف رغبت ہوتی ہے۔ اور پھر شیطان ایسے کاموں پر غور بھی ہوتا ہے۔ لہذا انہیں شیطانی افعال سے تعبیر کیا گیا ہے۔

بُت پرستی تو ایسے ہی حرام ہے۔ یہ شرک اور کفر ہے۔ اسی طرح قسمت آزمائی کے تیر بھی شرک میں داخل ہیں۔ نسائی شریف کی روایت میں آتا ہے مَدَمَنْ خَشِعَ كَعَابِدِ وَثْنٍ بِمِثْلِ شَرَابِ زَوْشٍ كَرَنَ وَالْأَبْتُ پستی کرنے والے کے برابر ہے۔ اگر کوئی شخص شراب اور جوئے کو اچھا سمجھتا ہے اور ان کی حرمت کا قائل نہیں ہے تو اس میں لادریغیت پوجنے والے میں کوئی فرق نہیں، دونوں کافریں۔ ہاں اگر اُس کو حرام سمجھتے ہوئے پیاتے تو گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ بہر حال ان چاروں چیزوں کو اکٹھا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ان سے اجتناب کرو۔ تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو جائے شراب کو قابلِ تعزیر جرم قرار دیا گیا ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ شراب کی مدد چاہیں گے تو اسے میں جب کہ امام ابو حنیفہؒ انہی کو گڑوں کے قائل ہیں۔ خود حضور علیہ السلام اور خلفائے راشدین کے زمانے میں شرابیوں پر یہ حد جاری ہوتی رہی۔

فَمَا لَا اسْمَا يُبِيدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يَكُوْقَعَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةُ
وَالْبَغْضَاءُ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ شَيْطَانٌ جَاهِلٌ هَلْ هُوَ كَمَا تَقُولُونَ
مَدَمَنْ شَرَابٌ اور جوئے کے ذریعے عداوت اور نفرت ڈال دے جب انسان نشے میں ہوتا ہے تو گالی گورچ بکتا ہے جبکی وجہ سے دوسرے کے دل میں نفرت پیدا ہو جاتا قدرتی امر ہے۔ جوئے میں بھی ایسا ہی ہے۔ ہر

عدوت
اور نفرت

و اے کے دل میں جیتنے والے کے خلاف نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ گمشدہ
 کرتا ہے کہ کس طرح اس سے بازی جیت لے۔ اس طرح عداوت اور
 دشمنی کا یہ سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔ پھر دنگ فادر، لڑائی اور ایک دوسرے کی
 بے عزتی ہوتی ہے، اسی لیے فرمایا کہ شراب اور جوئے کے ذریعے شیطان
 تمہارے درمیان عداوت اور نفرت پیدا کرنا چاہتا ہے اور اس کا دورِ عمل
 یہ ہوتا ہے وَيَحْضِدْكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ
 وہ چاہتا ہے کہ تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے۔ شراب
 پینے والا تو ویسے ہی نماز کے قریب نہیں جاسکتا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا
 ہے اور جوا بھی ایسی بُری لت ہے کہ اس میں مگن ہو کر انسان فرائض تک
 کو بھول جاتا ہے۔ کھیلنے والے کھیل میں مگن ہوتے ہیں حتیٰ کہ اذان ہو جاتی
 ہے، نماز کا وقت گزر جاتا ہے اور وہ اپنے کھیل میں مشغول رہتے ہیں نہ
 انہیں اللہ کے ذکر کی فکر رہتی ہے اور نہ نماز کا خیال رہتا ہے اور شیطان
 کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ انسان کو اس کے فرائض سے روک دے فرمایا
جَبْ شَرَابٍ نَوْشٍ اور جوئے کے شیطانی فعل ہونے میں کوئی شبہ نہ رہا
فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهَوْنَ پس کیا تم باز آ جاؤ گے۔ شراب اور جوئے
 کے متعلق اللہ نے اپنا آخری حکم صادر فرما دیا ہے لہذا اب ان کو جاری
 رکھنے کا کوئی بہانہ باقی نہیں رہا۔ جو شخص اب بھی باز نہیں آئے گا وہ گناہ
 کبیرہ کا مرتکب ہو گا۔

احکام کی
 بجا آوری

یہ احکام بیان کرنے کے بعد فرمایا وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ
 فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول کی وَأَحْذَرُوا
 اور ان کی نافرمانی سے بچتے رہو۔ ان احکام کی تعمیل میں کرتا ہی نہ کرنا فَإِنْ
كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ پس اگر تم روگردانی کرو گے، احکامِ خداوندی کے خلاف
 کرو گے فَأَعْلَمُوا تو اچھی طرح جان لو کہ أَنْتُمْ مَا عَلَى رَسُولِنَا

الْبَلْعُ الْمُبِينُ بیشک ہمارے رسول کے ذمے تو کھول کر پہنچا دینا ہے
ہمارے رسول جہاں احکامہ تم تک پہنچا دے گا پھر ان کی تعمیل کے تعلق ہم
خود مواخذہ کر لیں گے۔

شراب اور جوئے کی تحریم کے بعد بعض ا زبان میں یہ خیال آیا کہ ہم
نے تو طے ترک کر دیا مگر جو لوگ اس حکم سے پہلے شراب نوشی کرتے تھے
اور اب فوت ہو چکے ہیں ان کا کیا ہوگا۔ تو اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے
اس شبہ کا ازالہ فرمایا ہے۔ اس سے پہلے سورۃ بقرہ میں تحویل قبلہ سے
متعلق بھی اسی قسم کے شبہ کا ذکر ہو چکا ہے کہ جو لوگ بیت المقدس کی طرف
مذکر کے نماز پڑھتے رہے اور انہیں زندگی میں بیت اللہ شریف کی طرف
مُرخ کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔ کیا ان کی نمازیں قبول ہوں گی یا نہیں۔ وہاں
پر بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا مَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ اِيْمَانَكُمْ
اللہ تعالیٰ ہماری نمازوں کو ضائع نہیں کرتا۔ پہلا قبلہ بھی اسی کے حکم سے تھا
اور جب وہ تبدیل ہوا تو اسی کے حکم سے۔ لہذا سابقہ اعمال ضائع نہیں ہوں
گے۔ اسی طرح یہاں پر بھی فرمایا کہ جو لوگ حرمت شراب کے حکم سے پہلے
پیتے رہے ہیں ان سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا جو لوگ اس
سے پہلے ایمان لائے اور اچھے اعمال انجام دیے انہیں ان کے کھانے
یعنی اس حالت میں شراب نوشی پر کوئی گناہ نہیں ہے اِذَا مَا اتَّقَوْا
جب کہ وہ ڈرتے رہے اور کفر و شرک سے بچتے رہے۔ وَاتَّقُوا
عَمَلُوا الصَّالِحَاتِ اور ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ انجام دیے۔ پھر فرمایا
ثُمَّ اتَّقَوْا پھر وہ ڈرتے رہے اور ایمان پر قائم رہے
ثُمَّ اتَّقَوْا پھر وہ ڈرتے رہے اور ان کے دل پر
احکامہ خداوندی کی خلاف ورزی کا خوف طاری رہا اور انہوں نے سبق

کے کام انجام دیے۔ یہاں پر اَلْقَىٰ كَالْفَظَيْنِ دفعہ استعمال بڑا ہے۔ پہلے تقویٰ کا مقصد یہ ہے کہ انسان عقائد میں پختہ ہے۔ دوسرے تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ انسان محرمات کی پابندی اختیار کرے اور قیصر تقویٰ کا مطلب یہ ہے کہ انسان تقویٰ پر مستقیم ہے۔ یہاں پر آخر میں اِحْسَنُوا كَالْفَظِ استعمال کیا گیا ہے جو کہ ایمان اور اسلام کے بعد نبی کا آخری درجہ ہے۔ حدیث جبریل کے مطابق حُضِرَ عَلِيہِ السَّلَامُ وَاللَّوْمُ نے احسان کا معنی یہ بتایا تھا۔ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنْتَ تَرَاهُ کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس خلوص و انہماک کے ساتھ کرو گویا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاتَّكِلْ عَلَیْہِ اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی کیفیت طاری نہ ہو سکے تو کم از کم یہ سمجھ لو کہ وہ تمہیں ضرور دیکھ رہا ہے۔ گویا احسان سے مراد اعلیٰ درجے کی نیکی ہے جو پورے خلوص کے ساتھ انجام دی جائے، تو اللہ نے فرمایا کہ جن لوگوں کو ایمان کی دولت نصیب ہوئی اور پھر انہوں نے نیکی کے کام نہایت خلوص کے ساتھ انجام دیے، اگر انہوں نے تحریم سے پہلے کوئی ایسا کام کیا ہے۔ تو ان پر کوئی حرج نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ اور اللہ تعالیٰ کو نیکی کے کام کرنے والے لوگ بہت محبوب ہیں۔ اللہ کی نگاہ میں اعلیٰ درجے کی نیکی کرنے والے پسندیدہ لوگ ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَبُّوْكُمْ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِّنَ
 الصَّيْدِ تَنَالُهُ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ
 اللَّهُ مَن يَخَافُهُ بِالْغَيْبِ فَمَن أَعْتَدَىٰ بَعْدَ
 ذَلِكَ فَعَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ⑨۳ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
 لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ وَمَن قَتَلَهُ
 مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ
 مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ
 هَدِيًّا بَلِغَ الْكَبِيرَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسْكِينٍ
 أَوْ عَدْلٌ ذَلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهُ
 عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللَّهُ
 مِنْهُ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ⑨۴ أَحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ
 الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ وَحُرِّمَ
 عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا وَالْقَوْلُ لِلَّهِ
 الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ⑨۵

ترجمہ: اے ایمان والو! البتہ ضرور آزمائے گھمیں

اللہ تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ شکار میں سے کہ پھنپیں گے اس

یہک تمہارے ہاتھ اور نیزے تاکہ معلوم کرے (دائیمز کرے)
 اللہ تعالیٰ اُس شخص کو جو خوف کھاتا ہے اُس سے بغیر دیکھے
 پس جو شخص تعدی کریگا اس کے بعد . پس اُس کے لیے درنگ
 عذاب ہوگا (۹۴) اے ایمان والو! نہ مارو شکار کو اس حالت
 میں کہ تم احرام میں ہو اور جو شخص قتل کریگا اُس شکار کو
 تم میں جان بوجھ کر . پس بدلہ ہے اُس کے قتل کیے ہوئے کے
 برابر موتیوں میں سے فیصلہ کریں گے اس کے ساتھ دو انصاف
 والے تم میں سے اور یہ وہی ہے کہ ایک پنچنے والی یا کفارہ
 اس کا طہارہ ہو گا مسکینوں کا یا اس کے برابر طہنسی ہوں : کر وہ
 شخص چمکے دہال اپنے کام کا . اللہ نے معاف کر دیا جو پیسے
 گزر چکا . اور جو شخص پلٹ کر کریگا تو اللہ تعالیٰ اُس سے
 انتقام لے گا . اور اللہ غالب ہے انتقام لینے والا (۹۵)
 حلال قرار دیا گیا ہے تمہارے لیے دریا کا شکار اور اس
 کا کھانا . یہ فائدہ ہے تمہارے لیے اور قافلے کے مسافروں کے
 لیے . اور حلیم قرار دیا گیا ہے تم پر خشکی کا شکار جب تک
 تم احرام کی حالت میں ہو اور درو اللہ تعالیٰ سے جس کی
 طرف تم سب اکٹھے کیے جاؤ گے (۹۶)

اللہ تعالیٰ نے طبابت کا ذکر کر کے فرمایا کہ پاک اور حلال چیزوں کو از خود حرام
 نہ ٹھہراؤ اور اس مسئلہ میں قسم بھی اٹھالی ہے تو اُسے توڑ کر اُس کا کفارہ ادا کرو اور حلال
 چیزوں کو استعمال کرتے رہو . پھر اللہ تعالیٰ نے محرمات کا ذکر کیا اور فرمایا کہ جن چیزوں
 کو دائمی حرام قرار دیا گیا ہے اُن سے اجتناب کرو ، شراب ، ہوا ، بت اور جمنے کے تیر
 گندی چیرس ہیں . یہ سب شیطانی افعال ہیں لہذا ان سے بچتے رہو . سورۃ کے ابتدائی

حصہ میں بھی محرمات اور محلات کا ذکر تھا اور گزشتہ درس میں بھی موضوع سخن
یہ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے متقین فرمائی ہے کہ حلال چیزوں سے استفادہ
جہل کرتے رہو کیونکہ اسی میں تمہاری جبری ہے اور حرام چیزوں سے پرہیز
کرو۔ اگر دست و قدم کے اس قانون کو توڑو گے تو انتہا عیبت انسانیت
میں غرابی واقع ہو جائیگی۔

اب آج کے درس میں بعض محرمات و قیدیہ کا ذکر ہے۔ خون، مردار،
خنزیر کا گوشت وغیرہ دائمی حرام چیزیں ہیں مگر بعض حلال چیزیں خاص وقت
کے لیے حرام ہو جاتی ہیں جو کہ وقت گزرنے کے بعد پھر سے حلال ہو جاتی
ہیں۔ مثلاً جنب کوئی شخص تکبیر تحریر کر کہ نماز میں مشغول ہو جائے تو اس کے
بیلے بولنا، کھانا پینا وغیرہ حرام ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص حج
یا عمرہ کا اعزام باندھ لیتا ہے تو اس کے لیے حجامت بنانا، خوشبو لگانا،
سلاہوا کپڑا پہننا اور خشکی کا شکار کرنا حرام ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آج کے درس
میں ٹھرم کے لیے شکار کی ممانعت اور اس کے متعلقات کا ذکر ہے۔
اسلام میں حلال جانور کا شکار کرنے اور اسے کھانے کی عام اجازت ہے
بلکہ عرب کے بعض خطروں میں تو ذریعہ معاش ہی یہ تھا۔ آج بھی دنیا میں کئی ایسے
خطے ہیں جن کی گزران صرف شکار پر ہے۔ جنگلوں اور صحرائوں میں بہتے ہوئے
جنگلی جانوروں کے شکار سے پیٹ پلٹتے ہیں۔ بعض برہانی علاقوں میں بھی شکار
ہی ذریعہ معاش ہے۔ ساحل سمندر کے اکثر باشندے مچھلی کے شکار پر گزارہ
بسر کرتے ہیں۔ چنانچہ شکار کی عام اجازت دی گئی ہے۔ اسی سورۃ میں شکار
کے بعض مسائل پہلے ہی بیان ہو چکے ہیں۔ خود حضور علیہ السلام نے بھی شکار
کے بعض مسائل بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ حدیث کی برکت میں باب الصيد
کے نام سے باب موجود ہے جس میں صرف شکار کے مسائل کا تذکرہ ہے۔
البتہ اہل حق میں زیادہ انکار کھینے سے منع کیا گیا ہے، ترمذی شریفین کی روایت

شکار کی
دری حلت

میں آتا ہے من۔۔۔ اتبع الصيد للہی ومن اتی بابہ اسد
افتن یعنی جو شکار کا پیچا کر گیا وہ غفلت میں مبتلا ہو جائے گا اور جب ہمیشہ
حاکم کے دروازے پر جائیگا فتنة میں ڈالا جائے گا۔

کھیل کود کی طرح شکار بھی غافل کر دیتی ہے جس طرح تاش
اور شطرنج اور آجکل کرکٹ وغیرہ بڑے ذوق و شوق سے کھیلا اور دیکھا
جاتا ہے اسی طرح شکاری بھی ہر طرف سے بلے باز ہو کر شکار کرنے میں محو ہو
جاتے ہیں۔ پھر انہیں کھانا یاد رہتا ہے اور نماز کی فکر باقی رہتی ہے۔
کپڑے پھٹ جاتے ہیں بدن نڈی ہو جاتا ہے مگر وہ اپنے کام میں مصروف
ہیں۔ اسی لیے شکار میں زیادہ اٹھنا کہنا پسند کیا گیا ہے تاہم خشکی اور گرمی کے
تمام حلال جانوروں کا شکار جائز ہے۔

حج و عمرہ کا احرام درجہ اول احترام ہے۔ چونکہ یہ شخص حج یا عمرہ کے
کے لیے بیت اللہ شریف کی طرف جا رہا ہے، اس لیے اللہ کے اس
گھر اور مرکز اسلام کے احترام کا تقاضا ہے کہ وہ اس احرام کی حالت میں
جانے جیسا کہ پہلے عرض کیا عازم حرم کے لیے بعض پابندیاں ہیں جو اس پر
عائد ہو جاتی ہیں اور ان میں خشکی کے شکار کی ممانعت بھی ہے۔ احرام کی
حالت میں شکار کرنا یا شکار کو ذبح کرنا احرام ہو جاتا ہے۔ اور ایسے شخص کو
ذبیحہ مردار کے موافق ہوتا ہے۔ یہ حال یہ احرام کی خصوصیات اور حرم کے
احترام کی وجہ سے۔

حج و عمرہ کے
احرام کی وجہ سے

ارشاد باری تعالیٰ ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَأْكُلُونَ
لِبَلَدِكُمْ لَئِنْ لَمْ يَكُنْ لِلَّهِ لَهْجَةٌ مِّنْ شَيْءٍ مِّنْ
لِّبَلَدِكُمْ لَئِنْ لَمْ يَكُنْ لِلَّهِ لَهْجَةٌ مِّنْ شَيْءٍ مِّنْ
لِّبَلَدِكُمْ لَئِنْ لَمْ يَكُنْ لِلَّهِ لَهْجَةٌ مِّنْ شَيْءٍ مِّنْ
لِّبَلَدِكُمْ لَئِنْ لَمْ يَكُنْ لِلَّهِ لَهْجَةٌ مِّنْ شَيْءٍ مِّنْ
کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کسی چیز کے ساتھ شکار میں سے کھانا نہ دیکھو
وہ مباح حکم جس تک تم مانے ہاتھ اور نیزے پہنچتے ہیں شکار
انسانی ہاتھوں سے ہی ہوتا ہے اور نیزے یا دیگر اوزار کے ساتھ بھی۔

ساتھ بھی، لہذا بندوں کا کام ہے کہ اُس کی طرف سے آنے والی برائشیں پر پورا اُتریں۔

بعض لوگ شکار کے بڑے شوقین ہوتے ہیں اور وہ صبر نہیں کر سکتے۔ ایسا آدمی اگر احرام کی حالت میں شکار کرے گا تو اُسے تاوان ادا کرنا پڑیگا۔ اور اگر کچھ بھی باز نہیں آتا تو اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئے گا۔ آگے اس بات کی وضاحت فرمادی کہ تمہیں آزمائش میں اس لیے ڈالا جا رہا ہے لِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَخَافُهُ بِالْغَيْبِ تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ کون شخص اس سے بغیر دیکھے ڈرتا ہے۔ بعض اوقات علم کا اطلاق امتیاز پر بھی ہوتا ہے۔ اور یہاں پر اللہ کے جان لینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ڈرنے والے متقی اور غیر متقی میں امتیاز پیدا کرے۔ بغیر دیکھے ڈرنا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان ظاہری آنکھوں سے تو نظر نہیں آتا۔ مگر اپنی قدرت، علم اور وجود سے ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہے، تاہم آزمائش یہ ہے کہ اللہ کو دیکھے بغیر اُس کے احکام کی تعمیل کر کے آزمائش میں کون پورا اُترتا ہے۔ فرمایا فَتَنَ اَعْمَدٰی لُبَّكَ فَلَمَّا اس کے بعد جو کوئی تعدی کریگا اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کر کے آزمائش میں ناکام ہو جانے کا فائدہ عَذَابُ الْيَمِّ وہ دردناک عذاب کا مستحق ٹھہرے گا، لہذا متعلقہ شخص کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اُس پر شکار کی پابندی عاید کر کے اُسے امتحان میں ڈالا ہے جس میں اُسے پورا اُترنا ہے۔

آزمائش کا تمہیداً ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے احرام کی حالت میں اتنا ع شکار کا واضح حکم دیا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَيْسَ اِيْمَانُ وَالْوَلَو : لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرْمٌ شَكَارٌ قَوْلٌ نَزَكَرٌ وَجِبٌ كَرَمٌ احرام کی حالت میں ہو۔ فرمایا وَمَنْ قَتَلَ مِنْكُمْ مَتَعَمَدًا اور تم میں سے جو شخص جان بوجھ کر شکار کرے گا فَجْنًا قَتَلَ مَا قَتَلَ مِنْ شَيْءٍ

تو اس کا بدلہ شکار کیے گئے جانور کی مثل ہے۔ یعنی جس قسم کا جانور شکار کیا ہے اسی
 قسم کا جانور خود خرید کر اللہ کی راہ میں قربانی کرے مثل کی تشریح میں اہم شافعی :
 فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کبوتر کا شکار کیا ہے تو اس کے ہر سے میں مرغی صفت
 کرے۔ اگر مہرن کو مار دیا ہے تو ایک بکری ہے۔ نیل گانے کا شکار کیا ہے۔
 تو اس کے تاون میں گھسنے یا ہیل ذبح کرے اور اگر شتر مرغ کو مار دیا ہے
 تو ایک اونٹ قربانی کرے۔ تاہم اہل ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جو جانور شکار
 میں مارا گیا ہے اس کی قیمت کا تعین کر کے اس قیمت کے برابر کوئی دوسرا
 جانور بطور تاون ذبح کرنا ہو گا۔

باقی رہا یہ سوال کہ شکار شدہ جانور کی مثل یا اس کی قیمت کا تعین کون
 کرے گا، تو فرمایا یَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ تم میں سے
 دو عادل شخص یعنی شکار کے مقام سے قریبی بستی کے دو معزز آدمی شکار کی
 مثل یا اس کی قیمت کا تعین کریں گے اور تاون کے طور پر چل شدہ جانور کو
 هَذِي الْكَعْبَةِ بطور مہی یعنی قربانی کے جانور کو حرم شریف
 میں پہنچایا جائے گا۔ بکری، مرغی، گائے یا اونٹ جس جانور کا تعین بطور مثل شکار
 کیا گیا ہے۔ اُسے حرم میں اللہ کی راہ میں ذبح کیا جائے گا۔ اور اگر شکار شدہ جانور
 کی قیمت متعین کی گئی ہے اور اس کے ہر سے میں جانور مہیا نہیں کیا گیا تو فرمایا
 اَوْ كَعْبَارَةً طَعَامُ مَسْكِينٍ تو اس رقم میں سے مسکین کو کھانا کھلا
 جائے۔ اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ ہر مسکین کو دو سیر گندم سے دی جائے
 اب رہا یہ سوال کہ کتنے مسکینوں کو دو سیر گندم دی جائے گی، تو اس کا انحصار
 تاون کی کل رقم پر ہے۔ مثال کے طور پر اگر تاون کی رقم سے ایک من گندم
 خریدی گئی ہے تو دو سیر فی کس کے حساب سے بیس مسکینوں میں تقسیم ہو جائیگی
 اور اگر اس رقم سے صرف بیس سیر گندم مہیا ہوئی ہے تو وہ دس مسکینوں
 کے لیے کافی ہوگی۔ غلیٰ بذالقیاس ۔

اور اگر حالات ایسے ہیں کہ شکا کے تاوان میں نہ تو جانور حرم میں ذبح کیا جاسکتا ہے اور نہ مسکینوں کو ان ذراجم کیا جاسکتا ہے۔ تو پھر کفار سے کی تیسری صورت یہ ہے اَوْ عَذْلٌ ذَلِکَ صِحًّا مگر ہر مسکین کے ہر ایک ایک روزہ سکھے۔ مثال کے طور پر اگر تاوان بیس میٹر گندم ہے جو دوسیر کے حساب سے دس مسکینوں کو تقابل تقسیم ہے تو وہ گندم ادا کرنے کی بجائے دس روزے سکھے گا اور اس طرح شکار کردہ جانور کا کفارہ یا فدیہ ادا ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تین صورتیں بیان فرمائی ہیں جن کے ذریعے کفارہ ادا ہو سکتا ہے۔ پھر فرمایا یہ تاوان اس لیے ڈالا گیا ہے لِيَذُوقَ وَبَالَ اَہْلِهِ تاکہ اہل حرم کی حالت میں شکار کرنے والا آدمی اپنے فعل کے وبال کا مزہ چکھے اسے معلوم ہو جائے کہ اُس نے حکم الہی کی خلاف ورزی کی کہ حالت اہل حرم میں شکار کیا ہے تو اب اسے اُس کا تاوان بھی ادا کرنا ہو گا۔

فرمایا عَفَا اللَّهُ عَنْكَ مَلَكٌ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے جو اس سے پہلے جو چکا۔ یعنی یہ احکام نازل ہونے سے پہلے اگر کسی شخص نے اہل حرم کی حالت میں شکار کیا تھا، تو اُسے اللہ نے معاف کر دیا ہے، اُس پر کوئی گرفت نہیں۔ البتہ اب آئندہ اگر کوئی شخص اس جنایت کا مرتکب ہو گا تو پھر اسے مقررہ تاوان ادا کرنا ہو گا۔ اسی لیے فرمایا وَمَنْ عَادَ جَزَاءُ مِثْلِ مَا كَفَرَ بِهِ اور اللہ عزوجل ذُو انْفَاءٍ تو اللہ اس سے انتقام لے گا۔ اللہ تعالیٰ غالب ہے۔ اور انتقام لینے پر قادر ہے وہ ایسے شخص کو ضرور اپنی گرفت میں لے گا اور اُسے آخرت میں اس کا حساب چکانا ہو گا۔

خفی کے شکار کی ممانعت اور اس کا فدیہ بیان کرنے کے بعد فرمایا اَحْلَلْ لَكُمْ صَيْدَ الْبَحْرِ وَطَعَامَهُ حلال قرار دیا۔ دریاؤں کے شکار کی اجازت کی گئی ہے تمہارے لیے دریاؤں کے شکار اور اس کا کھانا۔ اس آیت میں مطلق بحر کے لفظ سے بعض ائمہ کہہ رہے ہیں کہ پانی کا ہر قسم کا جانور حلال ہے۔ رسول

خنزیر کے، ہم اہم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تمام جانور حلال نہیں بلکہ صرف پھلی اپنی تمام اقسام کے ساتھ حلال ہے۔ ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے مندر کے پانی کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا ہولحل میتہ و وطہور ماءہ اس کا مردار حلال ہے اور اس کا پانی پاک ہے دوسری میت میں آتے ہیں اَحِلَّ لَنَا مَيْتَتَانِ ہمارے لیے دو قسم کے مردار حلال قرار دیے گئے ہیں اَلْسَمَكُ وَالْجَسَادُ یعنی مچھلی اور مڈی۔ پھلی کا خود شکر کیا جائے یا مندر کا پانی اسے باہر پھینک دے اور وہ مر جائے تو وہ ہر حال حلال ہے۔ اسی طرح مڈی بھی بغیر ذبح کے حلال قرار دی گئی ہے۔ اس طرح حضور نے فرمایا اَحِلَّ لَنَا دَمَانِ ہمارے لیے دو خون بھی حلال ہیں اَلْكَبِدُ وَالْطِّمَالُ یعنی جگر اور تلی۔ یہ دونوں اعضا منجمد خون میں منجمد حلال ہیں البتہ دم مسنوج یعنی رگوں سے بہنے والا خون حرام ہے۔ بہر حال فرمایا کہ تمہارا لیے دریائی شکار کو حلال قرار دیا گیا ہے مَرَّتَا عَا لَکُمُوهَا وَلِلْسَّيَادَةِ اس میں نامزدہ ہے تمہارے لیے اور قافلے اور مسافروں کے لیے۔

اس مقام پر اغظ سیارۃ سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ احرام کی حالت میں مندر کا غرہ ہو تو اس دوران شکار کی کتنی اہمیت ہے خشکی کے سفر کے دوران اگر خوراک کا ذخیرہ ختم ہی ہو جائے تو انسان کسی نہ کسی طرح سے جان بچا سکتا ہے۔ اگر شکار نہ بھی کرے تو درختوں کے پتے اور جڑی بوٹیاں کھا کر بھی کچھ عرصہ تک جسم و روح کا تعلق قائم رکھی جاسکتا ہے۔ اور اگر یہی موت بخری سفر کے دوران پیش آجائے تو دماغ سوانے دریائی جانوروں کے خوراک کا کوئی اور ذریعہ میسر نہیں ہوتا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے احرام کے دوران دریائی شکار کی اجازت دے دی ہے مگر خشکی کے شکار سے منع فرمادیا۔

ذَیْیَا وَحُرْمَ عَلَیْکُمْ صَیْدَ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ
حُرْمًا اور تمہارے لیے خشکی کا شکار حرام قرار دیا گیا ہے جب تک کہ

خشکی کا

شکار

تم احرام کی حالت میں ہو۔ یہ محرمات و قنیر کا تذکرہ ہے۔ خشکی کا شکار صرف احرام کے لیے طہم ہوتا ہے، جب انسان احرام سے باہر آجاتا ہے تو یہ شکار پھر حلال ہو جاتا ہے۔ یہ احکام بیان کر کے بعد فرمایا وَاتَّقُوا اللَّهَ اس اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ الَّذِي إِلَيْكُمْ تُخْشَوْنَ جس کی طرف تم سب اکٹھے کیے جاؤ گے۔ جب قیامت کے دن سب لوگ اللہ رب العزت کی عدالت میں حاضر ہوں گے تو ہر ایک کو اپنے عمل کا جھگٹان کرنا ہو گا۔ اللہ سے خوف دلانے کا مقصد یہ ہے کہ اس کے عامر کہ وہ قانون کی پابندی کرو اس نے احرام کی حالت میں شکار کی ممانعت کر کے تمہیں آزمائش میں ڈالا ہے، تمہیں اس آزمائش میں پورا اُترنے کی کوشش کرنا ہوگی۔ کیونکہ آخرت میں اللہ کے سامنے جواب دینا ہے۔

سُورَةُ

التَّوْبَةِ

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ

حَبْلُ اللَّهِ الْكَعْبَةُ الْبَيْتُ الْحَرَامُ قِيَمًا
 مَنَاسِكِ وَالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيِ وَالنَّسَاكَةِ
 ذَاتَ لَتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ
 وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ⑤
 اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ
 رَحِيمٌ ⑥ مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَدْعُ وَاللَّهُ
 يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ⑦ قُلْ لَا
 يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَتْ كَثَرَةُ
 الْخَبِيثَاتِ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ
 تَتَّقُونَ ⑧

ترجمہ: یہ ہے کہ اللہ نے کعبہ کو عزت و
 قدر کی جو قدر وہ لوگوں کے قیام کو لازم ہے۔ اور اللہ نے
 حرات کے مہینوں اور ایام کے ہجروں اور اپنے فضل
 ہونے ہجروں کو بھی یہاں ہی بنا ہے۔ یہ روستہ ہی
 ہے جہاں تم ہاں ہو کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم
 میں سے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ
 بہت پسند کرتا ہے کہ تم اللہ سے (۹) اپنے طریقے سے

وَالسَّاعِدُ اُیَّدُ اور پٹے ڈالے گئے جانور جو قربانی کی نشانی کے طور پر ہوتے ہیں کعبہ شریف کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان تین چیزوں کو بھی لوگوں کے قیم کا ذریعہ فرمایا ہے۔ اور یہ ذریعہ قیام دینی اور دنیاوی ہر دو لحاظ سے فرمایا گیا کیونکہ اس کا اطلاق درنوں طریق پر ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر نزول قرآن تک کے ہزاروں سال دور میں عرب کے خطہ میں کوئی منظم حکومت نہیں تھی۔ یہاں پر قبائلی نظام رائج تھا۔ مصر، شام، روم، ایران اور ہندوستان وغیرہ میں تو باقاعدہ حکومتیں تھیں مگر جزیرہ فائے عرب میں کوئی مرکزی تنظیم نہیں تھی۔ اس افراتفری اور فافضی کے عالم میں بھی اللہ تعالیٰ نے حرم پاک کو لوگوں کے قیام اور بقا کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔ سال بھر میں چار عرمت ڈالے مہینوں کے دوران لڑائی بند رہتی تھی قافلے بڑا روک ٹوک سفر کر سکتے تھے، خوب تجارت ہوتی تھی اور لوگوں کو امن حاصل ہوتا تھا، اور یہ سب کچھ بیت اللہ شریف کے احترام کی وجہ سے ہوتا تھا۔ یہاں پر لوگوں کے قیام سے مراد یہ ہے کہ اس محترم گھر کی وجہ سے لوگ قائم ہو سکتے تھے یعنی اپنی زندگی بسر کر سکتے تھے۔ اگر امن و امان کے یہ چار چیزیں بھی لوگوں کو میسر نہ ہوتے تو جنگ و جدال اور لوٹ مار کی وجہ سے ہر قسم کا کاروبار، کھیتی باڑی اور تجارت ٹھپ ہو کر رہ جاتے اور لوگوں کو زندگی گزارنا محال ہو جاتا۔ قیام کا یہ لفظ انہی معانی میں سورۃ نساء میں بھی گزر چکا ہے۔ ”وَلَا تُؤْثِرُوا الْمَالَ الْفُسْفَسَ، اَمْوَالَكُمْ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ وَثِیْلًا“ اپنے مال بیوقوفوں کے سپرد نہ کرو، اللہ نے تمہارے لیے یہ گنہگار کا ذریعہ بنائے ہیں۔ بیت اللہ شریف بھی اسی لحاظ سے ذریعہ معاش ہے اور اس کی بدولت لوگ گنہگار اوقات کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا بھر کے لوگوں کو حکم ہے ”وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجَّةٌ بَیْسِرٌ۔ سَطَّاعَ النَّیْلِ سَبِیْلًا“ کہ وہ صاحب استطاعت

ایک اہم اصول ہے۔ سورۃ حج میں موجود ہے وَمَنْ يُعْطِلْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ یعنی اللہ کے شعائر کی تعظیم دلوں کے تقویٰ کی نشانی ہے۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں را عظمیٰ شاعر اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے چار بڑے شعائر، قرآن کریم، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مبارکہ، بیت اللہ شریف اور نماز میں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ دین کے باقی اہم اصولوں میں اللہ کی وحدانیت کو ماننا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی ایک اہم اصول ہے "فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ" یعنی تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا۔ اس کے علاوہ اللہ کا شکر ادا کرنا بھی جزو دین ہے جیسا کہ ارشاد ہے "وَاَشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُوْنِي" یعنی میرا شکر یہ ادا کرو اور ناشکری نہ کرو۔ اور پھر صبر بھی انہی اہم اصولوں میں سے ہے۔ اللہ کا شکر ارشاد ہے "فَاَصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَرْشِ مِنَ الْمُنٰثِرِ" (احقاف: ص ۵۷) عزم رسولوں کی طرح صبر کرو۔ نیز فرمایا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَجَّ الْقَدْرِ مِنْ لَّيْلَةِ الْقَدْرِ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے غرضیکہ تعظیم شعائر اللہ دین اسلام کے اہم اصولوں میں سے ہے۔ جب تک شعائر اللہ کی تعظیم دنیا میں باقی ہے، دنیا قائم ہے، جب یہ ختم ہو جائیگی تو دنیا بھی فنا ہو جائے گی۔ حدیث شریف بتاتی ہے کہ جب زمین پر اللہ کا ذکر نہ ہوگا تو زمین نہیں رہے گی۔ تو پھر قیامت پر پورا نہ جائے گا۔

بیت اللہ شریف انباری جو ہر بھی پوری باتوں کا مرکز ہے، اور روحانی امور پر بھی یہ اہل اسلام کا مرکز ہے۔ جب تک مسلمان اس کی مرکزیت کو قائم رکھیں گے، خود انہیں دنیا میں مرکزیت حیثیت حاصل ہے گی، اور جب یہی مرکزیت ٹوٹ گئی تو مسلمان بھی دنیا میں ذلیل ہو کر رہ جائیں گے۔ تمام امور میں یہ کہ اہل اسلام کی یہ مرکزیت ایک عرصہ سے ختم ہو چکی ہے جس کے نتیجے میں مسلمان ہر مقام پر ذلت کی علامت بن گئے ہیں بیت اللہ شریف

بیت
اللہ
مرکز

کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی اصلاح، تخیل اخلاق، روحانیت اور علوم ہدایت کا مرکز بنایا ہے۔ اسی زمین میں بغیر آخر الزمان کی نشاۃ ہوئی، قرآن کریم یہیں نازل ہوا۔ اسی بیت اللہ کو ہمیشہ کے لیے نمازوں کا قبلہ مقرر کیا گیا، طے حج و عمرہ کا مرکز بنایا گیا سدا یہ لوگوں کے قیام کا ذریعہ اور اللہ تعالیٰ کے شعائر میں سے ہے۔ اس کی شرف و عزت قرب قیامت تک قائم رہے گی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ چہرہ جبرائیل کا سوئی پڑیوں والا ایک عالم ان اس پر حملہ آور ہو کر لے کر اسے لے گا اور اس کے بعد جلد ہی قیامت برپا ہو جائیگی اسی لیے فرماتے ہیں کہ جب تک بعد شریف اور دیگر شعائر اللہ کی عزت و حرمت اور مرکزیت قائم رہے دنیا قائم رہے اور جب یہ نہ رہی تو دنیا بھی باقی نہیں رہے گی۔

فرمایا یہ ایسی بات ہے فَلَمَّا لَتَعَزُّمُوا کہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں اپنے علم و حکمت کے ساتھ مقرر کی ہیں اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَكَانَ السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اللہ تعالیٰ زمین و آسمانوں کی ہر چیز کو جانتا ہے۔ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ اللہ تعالیٰ ہر شے کو جاننے والا ہے۔ وہ ان کی مصلحتوں میں بھی واقف ہے، اسی لیے اس نے بیت اللہ کو مرکزیت عطا فرمائی ہے۔ جب تک مسلمان اس مرکز سے وابستہ رہیں گے، ان کو عزت حاصل رہیگی۔ جب اس مرکز کا تصور دلوں سے خارج ہو جائے گا، تو خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی بندگی کا حقیقی تصور بھی جاتا رہے گا اور مسلمان ذلیل ہو کر رہ جائیں گے۔ غرضیکہ بیت اللہ شریف تمام جہان کے لوگوں کے لیے ذریعہ قیام ہے۔ طے دنیا میں مرکزی حیثیت حاصل ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کی روح ہے اور جب تک یہ روح قائم ہے دُعا پھر بھی قائم رہے۔

فرمایا اَعْلَمُوا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ یہ بھی یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمام محبت

لے بخاری ص ۲۱ ج ۱ فیاض

سخت گرفت کرنے والا ہے۔ اگر اس کے ہولوں کو توڑ دے تو اس کی چوڑی بھی آنے گی۔ جس طرح احرام کے قانون توڑنے پر تادان عامہ کیا گیا۔ اسی طرح کعبہ کی حریمیت کو نظر انداز کرنے سے اللہ تعالیٰ کی گرفت آسکتی ہے۔ ہاں! اگر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو گے، اس کے احکام کی پیروی کرو گے، اُسی وعدہ نیت پر ایمان لادو گے تو پھر وَأَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ یعنی اللہ تعالیٰ چھوٹی موٹی غلطیوں کو معاف کرنے والا اور نہایت مہربان بھی ہے۔ گو یہ وہ دونوں صفات کا مالک ہے، وہ شدید العقاب بھی ہے اور غفور و رحیم بھی ہے۔

اور فرمایا یہ بھی یاد رکھو۔ مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ اللہ کے رسول کے ذمے تو سچا دنیا ہے اور تمہارا کام عمل کرنا ہے اللہ کے رسول نے دین، ہدایت، قرآن، وحی، پاکیزہ اصول اور شرائع سب کچھ تمہارے پاس پہنچا دیا ہے، اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ ان پر عمل پیرا ہو جاؤ، اگر ایسا نہیں کرو گے تو پھر خدا تعالیٰ خود تم سے باز پرس کرے گا كَيْفَ تَعْلَمُ مَا تُبَدِّلُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ وہ تمہاری ہر غلطی اور پوشیدہ چیز اور عمل کو خوب جانتا ہے، ظاہر و باطن کا پورا علم اُس کے پاس ہے۔ اُس نے انبیاء اور کُتُب کے ذریعے اپنے احکام تم تک پہنچا کر محبت تمام کر دی ہے۔ اب نتائج کے تم خود ذمہ دار ہو۔

کثرت تعداد قلت و کثرت کا مسئلہ اکثر انسانی اذعان میں کھٹکتا رہتا ہے۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اس کی حقیقت کو بھی واضح کر دیا ہے۔ ارشاد ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ خبیث اور طیب چیز برابر نہیں ہو سکتی یعنی یہ ایک بڑی حقیقت ہے کہ پاک اور ناپاک چیز یکساں نہیں وَلَوْ اَتَجَبَّدَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ اگرچہ خبیث کی کثرت تمہیں تعجب میں کیوں نہ ڈالے۔ اگر دنیا میں کفر،

شرک، معاصی اور کُند سے نظام کا غلبہ ہو، دنیا میں لوگیت اور ڈکٹریٹر شپ کا دور دورہ ہو تو یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ اچھی اور خدا کی پسندیدہ چیزیں ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کلمہ حق ہی اچھا ہے اگرچہ دنیا میں اس کی تعداد کتنی ہی قلیل کیوں نہ ہو مثال کے طور پر اگر دنیا کا بیشتر حصہ حرام سے بھرا ہوا ہے اور حلال کا حصہ بالکل کم سے تو حرام کی کثرت اُس کے جواز کی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ اللہ کے نزدیک حلال ہی پسندیدہ ہے خواہ وہ کتنی قلت میں ہو۔ اگر ایک مومن آدمی اپنی محنت کے ذریعے پانچ روپے رزقِ حلال کما تا ہے تو وہ اس سو روپے سے زیادہ بہتر ہے جو ثروت کے ذریعے حاصل کیے گئے ہوں۔ اسی طرح جائزہ کمانی کے دس بچے سود کے ایک لاکھ روپے سے اچھے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو یہ دس روپے ہی محبوب ہیں۔ اس طرح اگر دنیا میں اچھے اخلاق والے قلیل تعداد میں ہیں تو اکثریت کے مقابلے میں وہی کامیاب ہیں عقل مندوں کی قلیل تعداد موقوفہ فوں کے حجمِ ففیر سے بدجہا بہتر ہے۔

یورپ کی جمہوریت کا بھی یہی حال ہے۔ اُس میں انسانوں کی قابیلیت کی بجائے اُن کی تعداد کو معیار بنایا گیا ہے۔ جو زیادہ دوط حاصل کرے وہی کامیاب ہے اگرچہ خود و دوطر معیار سے گئے ہوئے لوگ کیوں نہ ہوں۔ علامہ اقبال مرحوم نے یہی تو کہا تھا۔ ۷

از مغز دو صد خرفکر اللہ نے مٹی آید

یعنی دو سو گدھے ایک انسانی دماغ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اگرچہ وہ غائب اکثریت میں ہیں۔ مگر اگر طیب اور پاک چیز کی کثرت ہے تو وہ نور علی نور ہے۔ اور اگر گندی چیز یا گندہ نظام اکثریت میں ہے تو اُس سے گھبرنا نہیں چاہیے، بُری چیز بہر حال بُری ہے، محض اکثریت کی بنا پر اُسے اچھائی کا سرٹیفکیٹ نہیں دیا جاسکتا۔ اس وقت پوری دنیا کی پانچ ارب آبادی میں سے سوا چار ارب کفر، شرک اور معاصی میں مبتلا ہے۔ ہر طرف ہمبر طرم

ملوکیت، اور کثیر مشپ کا دور دورہ ہے مگر کلمہ جامع نہیں ہے۔
 ترکوں میں خلافت کے زمانے تک مسلمانوں میں کسی قدر اجتماعیت موجود
 تھی۔ مگر انگریزوں نے بالآخر اسے ختم کر کے چھوڑا۔ اب مسلمانوں کا اجتماعی نظام
 بالکل ناپید ہے، حق مغلوب ہو چکا ہے اور باطل غالب ہے مگر یہ اُسی
 صداقت کی دلیل نہیں ہے۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کے ہاں کلمہ حق، ایمان،
 اسلام اور پاکیزہ اخلاق ہی صداقت کا معیار ہیں، اسی لیے فرمایا کہ ناپاک چیز
 بہر حال ناپسندیدہ ہے اگرچہ وہ تمہیں کتنا بھی تعجب میں ڈالے انجام
 اپنی لوگوں کا اچھا ہوگا جو حق پر ہیں خواہ وہ کس قدر قلیل تعداد میں ہوں۔
 صحیحین کی حدیث میں آئے ہے کہ حضور علیہ السلام ایک مجلس میں تشریف
 فرمائے قریب سے ایک اعلیٰ حیثیت کا آدمی گزرا۔ آپ نے صحابہ سے
 دریافت کیا، یہ کیسا آدمی ہے۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ اشرف میں سے ہے۔
 جہاں جائیگا، ہر شخص اس کے لیے گھر کا دروازہ کھولے گا، اگر کہیں نکاح
 کا پیغام دے گا تو فوراً قبول کیا جائے گا۔ لوگ اس کے رشتہ پر فخر کریں گے
 اگر یہ شخص کسی کی سفارش کرے گا تو قبول کی جائیگی۔ اس کے مقوڑی درجہ
 ایک ذریعہ شخص کا گزر ہوا۔ حضور علیہ السلام نے اس کے متعلق بھی دریافت
 فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا کہ یہ فقرا میں سے ہے، اس کو کوئی پوچھتا نہیں
 اور نہ کرنی اس کا احترام کرتا ہے۔ اگر کہیں جاتا ہے تو لوگ گھر کا دروازہ
 نہیں کھولتے، اگر یہ کسی کو نکاح کا پیغام دے گا تو کوئی قبول نہیں کرے گا۔
 کسی کی سفارش کرے گا تو کوئی پرہیز نہیں کرتا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا، یاد رکھو! پہلے آدمی جیسے لوگوں سے اگر پوری زمین بھری ہوئی
 ہو تو اللہ کے نزدیک یہ دوسرا آدمی اُن سب سے بہتر ہے، کیونکہ اس کے
 ہاں عزت و شرف کا معیار دنیاوی جاہ و ملال اور کثرت نہیں بلکہ ایمان
 اور تقویٰ ہے۔

معیارِ شرافت

بہر حال فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ خبیث اور طیب برابر نہیں اگرچہ
 کثرت کتنی ہی خوش گن کیوں نہ ہو۔ ایک پلو بھر پاک پانی شکا بھر
 پیشاب سے بہتر ہے۔ حلال و حرام کا بھی یہی اصول ہے۔ حلال اور
 طیب کی قلیل مقدار حرام کی کثیر مقدار سے بہر صورت بہتر ہے۔ اللہ کے
 ہاں پسندیدگی کا معیار حق و صداقت ہے نہ کہ کثرت تعداد یا کثرت مقدار
 فرمایا فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِی الْأَلْبَابِ لَیْ صَاحِبِ عَقْلٍ وَخِرْدٍ مُّوَكَّدٍ
اللّٰہ سے ڈر جاؤ۔ اس کی وحدانیت کے خلاف کوئی بات نہ کرو۔ اُس
کے بتلانے پر نہ پائیزہ اصولوں پر عمل کرو و لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ
 تاکہ تمہیں فلاح و کامیابی نصیب ہو جائے۔ ان اصولوں پر عمل کرنے
 سے دنیا میں بھی کامیابی حاصل ہوگی اور آخرت میں بھی نجات کا دار و مدار
 اسی پہ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءٍ إِنْ
تَبَدَّلَكُمْ تَسْأَلَكُمْ تَسْأَلُكُمْ وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ
يُنْزِلَ الْقُرْآنُ تَبَدَّلَكُمْ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا وَاللَّهُ
غَفُورٌ حَلِيمٌ ① ② قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ
ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ ③ ④ مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ
بَحِيَّةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ وَلَكِنَّ
الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَكَثُفُهُمْ
لَا يَفْقَهُونَ ⑤ ⑥

ترجمہ :- اے ایمان والو! نہ سوال کرو ایسی چیزوں
کے بارے میں کہ اگر وہ ظاہر کر دی جائیں تمہارے لیے
تو تم کو ناگوار گزریں اور اگر تم سوال کرو گے اُن کے
بارے میں جب کہ قرآن نازل کیا جا رہا ہے تو وہ تمہارے
لیے ظاہر کر دی جائیں گی۔ اللہ نے معاف کر دیا ہے جو س
سے پہلے گزر چکا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا
اور تحمل والا ہے ① ② بیشک پوچھا ہے ایسی باتوں کے بارے
میں اُن لوگوں نے جو تم سے پہلے گزرے۔ پھر ہو گئے وہ
اُن کے ساتھ کفر کرنے والے ③ ④ نہیں ٹھہرایا اللہ تعالیٰ

نے کوئی بکرو اور نہ کوئی سائبہ اور نہ کوئی وسیلہ اور نہ کوئی عام۔ لیکن وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ افزاء بلند تھے جس اللہ پر جھوٹ اور ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو عقل نہیں دیکھتے (۱۰۳)

گزشتہ دروس میں بہت سے دینی احکام کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ دین میں غلو اختیار کرنے سے منع فرمایا گیا۔ یہود و نصاریٰ نے حد سے تجاوز کیا تو وہ گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔ پھر فرمایا طیبات اور محرمات میں تفسیر و تبدل نہ کرو۔ اللہ نے جن چیزوں کو حلال قرار دیا ہے انہیں حرام نہ بناؤ اور جو چیزیں ناپاک اور غبیث ہیں ان سے بچنے کی کوشش کرو کیونکہ اسی میں دُنیوی اور اُخروی فائدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کعبۃ اللہ کی مرکزیت، اس کے عز و شرف اور اس کے احکام بیان فرمائے پھر قدرت و کثرت کا منہد واضح کیا اور فرمایا کہ پاک اور غبیث برابر نہیں ہو سکتے۔ نباشت کی کثرت اُس کے مغنیہ ہونے کی دلیل نہیں بلکہ پاک اور طیب چیز ہی انسان کے لیے مفید ہے۔

اب آج کی آیات میں فضول سوال کرنے سے منع فرمایا گیا ہے اس بات سے خاص طور پر مطلع کیا گیا ہے کہ اگر تم نزولِ قرآن کے زمانہ میں لایعنی موالات پوچھو گے تو اللہ تعالیٰ ان کا جواب وحی الہی سے دے دے دیجا اور پھر ہو سکتا ہے کہ وہ جواب تمہیں برا محسوس ہو، تمہیں ناگوار لگے اور تمہاری بڑائی کا باعث ہو، لہذا بے معنی سوال کرنے سے گریز کرو۔ اشارہ یہ بھی بتلادیا گیا ہے کہ تم سے پہلے لوگوں نے کثرت سے سوال کیے تھے، پھر جب ان کے جواب آئے تو وہ ان کی تعمیل نہ کر سکے اور اس کا نتیجہ خسران اور ضلالت کی صورت میں برآمد ہوا۔ پھر آج ہی کی اگلی آیت میں اللہ نے تحریات العباد یعنی انسانوں کی از خود حرام کردہ چیزوں کا ذکر کر کے ان کا رد فرمایا ہے

ارشاد ہوا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا
عَنْ أَشْيَاءٍ إِنْ تُبَدِّلَكُمْ تَسْأَلُكُمْ لَئِنْ سَأَلْتُمْ عَنِ

انفعل سوائے
کی ممانعت

میں نہ پوچھو کہ اگر وہ تمہارے لیے ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بُری عینیں کو اُٹ
 تَسْأَلُوا عَنْهَا حَتَّىٰ تُنْزِلَ الْقُرْآنَ اور اگر یہ ایسے
 دور میں پوچھی جائیں جب کہ قرآن پال نازل ہو رہا ہے تَبَدُّدُكُمْ تَرْتَابًا
 یہ ظاہر کر دی جائیں گی اور اس طرح تمہارے لیے مشکل پیدا ہو جائیگی بمفسرین کو
 فرماتے ہیں کہ یہاں پر ہر سوال پر چھنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ صرف فضول
 اور لاعینی سوالات کی ممانعت کی گئی ہے۔ اس کی مثال حدیث شریف میں
 اس طرح آئی ہے کہ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام غصے کی حالت میں مسجد میں تشریف
 لائے، منبر پر بیٹھے اور فرمایا، جب تک میں یہاں بیٹھا ہوں، مجھ سے جو
 سوال کرو گے اس کا جواب دوں گا اس پر ایک شخص نے سوال کیا مَن
 ابی یعنی میرا باپ کون ہے؟ اُس نے یہ سوال اس لیے کیا تھا کہ لوگ اُسے
 نسب کے معاملے میں برا نام کرتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم غصے کی حالت
 میں فرمایا تیرا باپ فلاں ہے۔ اسی طرح ایک اور شخص نے ایسا ہی فضول
 سوال کیا تو حضور علیہ السلام کا غصہ مزید بڑھ گیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے آگے
 بڑھ کر کہا رَضِينَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ
 نَبِيًّا تو آپ کا غصہ فرو ہوا۔

بہر حال نسب کے متعلق یہ سوال نہایت بیہودہ تھا۔ کیونکہ شریعت
 کا ایک عام ضابطہ یہ ہے اَلْوَلَدُ لِلْفَرْشِ یعنی بچہ اُس کا سمجھا جائیگا جس
 کے بستر پر پیدا ہوا۔ پچھ جتنے والی عہدست جس مرد کی منکوحہ ہے، اولاد اُس کی
 تصور ہوگی خواہ حقیقت اس کے خلاف ہو۔ کسی اولاد کو زانی کی طرف منسوب
 نہیں کیا جاتا۔ اس سوال کے متعلق جب سائل کی والدہ کو علم ہوا تو وہ بھی محنت
 ناراض ہوئی کہ تمہارے ایسا سوال کیوں پوچھا کہنے لگی ہم جاہلیت کے دور
 سے گزر کر آئے ہیں، اگر تیرا نسب درست نہ ہوتا تو یہ بات میرے لیے کس
 قدر برا مقامی کا باعث بنتی۔ بہر حال اس قسم کے فضول سوال کرنے سے منع کیا

کیا ہے۔

حضور علیہ السلام سے ایک منافق شخص نے بھی سوال کیا کہ میری اونٹنی گم ہو گئی ہے، وہ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اونٹنی میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے۔ اس پر اُس شخص نے پراگیندا شروع کر دیا کہ دیکھو جی! اس نبی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ آسمان تک کی خبریں دیتا ہے۔ مگر میری اونٹنی کا علم نہیں رکھتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی۔ اُس شخص کو بلا گیا وہ آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے واقعی علم نہیں تھا۔ اب جبرائیل نے اکھڑا دیا ہے کہ تمہاری اونٹنی فلاں درخت کے ساتھ لٹک رہی ہے۔ اُس کے لئے ہتھکڑیاں لگا کر لیا ہے اور وہ درخت کی ٹہنیوں میں منہ مار رہی ہے ایک اور شخص نے سوال کیا اَیْنَ اَنَا یعنی میں مرنے کے بعد کہاں ہوں گا۔ آپ نے فرمایا فِی النَّارِ یعنی جہنم میں۔ اس پر حضرت غفر نے پھر رَضِیْنَا بِاللّٰهِ پڑھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ فرو ہوا۔

جس طرح فضول سوالات سے منع کیا گیا ہے، اسی طرح کثرتِ سوال سے بھی منع کیا گیا ہے۔ دراز اسی بات پر بال کی کھال اتارنا، باریکیاں دریافت کرنا عام فہم مسائل کی جزئیات کے متعلق پوچھنا کبھی سود مند نہیں ہوتا۔ اس قسم کے سوال کرنے والے اکثر بے عمل لوگ ہوتے ہیں۔ وہ مسائل تو بہت زیادہ دریافت کرتے ہیں مگر عمل کسی پر نہیں کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سیدھے سارے معاملہ میں بھی پابندیاں لگ جاتی ہیں اور پھر اُن سے غمزدہ بلکہ بوجھل ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال نبی اسرائیل کی گمانے والے واقعہ ہے جسے سورۃ بقرہ میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک آدمی کے قتل پر اللہ نے حکم دیا کہ ایک گائے ذبح کر کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کو لگا دو تو وہ اپنے قاتل کی نشاندہی کر دیا۔ کہ متعلقہ لوگوں نے طرح طرح کے سوال کر کے شروع کر دیے یعنی اس کا رنگ کیا ہو، عمر کیا ہو، اس کی صفت کیسی ہوئی چاہیئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس کا نتیجہ

کثرتِ سوال
کی ممانعت

یہ ہوا کہ ایک عام گلمے ذبح کر کے بجائے انہیں مسئلہ صفات کی حامل گائے تلاش کرنا پڑی۔ اور تفسیری روایات کے مطابق اس گائے کی قیمت اُس کی کھال بھر دینا اور اگر نہ پڑے۔ یہ ساری مشقت انہیں کثرت سوال کی وجہ سے اٹھنا پڑی۔ مسلم شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد بھی موجود ہے۔ نفی عن قبیل وقال وکثرة السؤال وعن اصناف من السائل یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فضول قبل قبل قال اور کثرت سوال سے منع فرمایا۔ اس کا کیا فائدہ؟ بات تو وہ ہونی چاہیے جس سے دنیا میں بھی فائدہ ہو اور آخرت میں بھی فائدہ ہو۔ اسی طرح مال کے ضیاع سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔ حلال مال کو بے بنیاد رسوم کی نذر کر دینا تعیش اور زریب زینت میں اڑا دینا نہایت ناپسندیدہ بات ہے۔

کثرت سوال کے ضمن میں حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد بھی موجود ہے کہ مسلمانوں میں بڑا مجرم وہ ہے جس کے سوال کی وجہ سے غیر حرام چیز بنائے وضاحت حرام قرار دیدی گئی ہو اور اس پر لوگوں پر تنگی پیدا ہو گئی ہو مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جب حج کا حکم نازل ہوا تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر سوال کیا کیا حج ہر سال فرض کیا گیا ہے؟ حضور علیہ السلام بہت ناراض ہوئے اور فرمایا اگر میں کہہ دیتا کہ ہاں حج ہر سال کرنا ہے تو تمہیں کتنا پڑتا اور پھر کتنی دشواری پیش آتی۔ لہذا تعمیل حکم کیا کرو۔ اس قسم کے سوال مت کیا کرو۔ دوسری اصولی بات اس میں یہ ہے کہ جب کسی کام کے کرنے کا مطلق حکم ہوتا ہے تو وہ کھار نہیں چاہتا۔ اگر ایک دفعہ تعمیل حکم کر لی جائے تو کافی ہے۔ جب کسی عمل کا تکرار آتا ہے تو وہ اس کے اسباب کی وجہ سے آتا ہے۔ جیسے نماز بار بار اس لیے ادا کی جاتی ہے کہ اس کے اوقات بار بار آجاتے ہیں۔ وگرنہ درود شریف کے مسئلہ میں غور فرمائیے اللہ تعالیٰ کا مطلق ارشاد ہے "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا" (احزاب)

یعنی اے ایمان والو! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود و سلام پڑھو۔ اس حکم کی تعمیل میں اگر کوئی مسلمان زندگی بھر میں ایک دفعہ بھی درود پاک پڑھ لیتا ہے تو اس کا فریضہ ادا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کسی قوم کو نہیں دیکھا کہ وہ زیادہ سوال نہیں کیا کرتے تھے۔ قرآن پاک میں یَسْأَلُونَكَ (اے پیغمبر! لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں) کا لفظ تقریباً ۱۲ مقامات پر آیا ہے۔ ان میں زیادہ تر یہود اور مشرکین کے سوالات ہیں اور مسلمانوں کی طرف سے بہت کم سوال کیے گئے۔ صحابہ کرامؓ سوال کرنے کی بجائے آپ کے ارشادات سننے لگتے تھے اور پھر جو کچھ سنتے تھے اس پر عمل شروع کر دیتے تھے حضور علیہ السلام کے حاضر باش صحابہؓ کی تو یہ حالت تھی، البتہ دیانت کے رہنے والے صحابہؓ چونکہ حضور کی اکثر مجالس میں شریک نہیں ہو سکتے تھے، اس لیے ان کی تعلیم کے لیے ہر قسم کے سوالات پوچھنے کی اجازت تھی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب تک جو سوال ہو چکے ہیں عَفَا اللَّهُ عَنْهَا اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا ہے واللہ عَفْوٌ رَحِيمٌ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بردبار ہے۔ پھر فرمایا قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ اس قسم کے سوالات تم سے پہلی قوموں نے بھی کیے۔ وہ لوگ اپنے انبیاء علیہم السلام سے صرف سوال کرتے تھے ان کے احکام کی تعمیل نہیں کرتے تھے۔ قرآن پاک میں بنی اسرائیل کے کثرت سوال کا ذکر موجود ہے۔ وہ لوگ سوالات دریافت کرنے کے باوجود اپنے انبیاء کی مخالفت کرتے تھے۔ اور اس کثرت سوال کا نتیجہ یہ نکلا ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ کہ وہ لوگ کافر ہو گئے۔ جب حکم معلوم ہو جانے کے بعد اس پر عمل نہ کیا تو گویا عملی طور پر اس حکم کا انکار کر دیا پھر یا تو عسر سجا انکار کر کے کافر ہوئے یا عمل سے گریز کر کے عملی

منافقین مشرب۔

اس سورۃ میں تحریمات الیہ کا بہت حد تک ذکر ہو چکا ہے جن جن چیزوں کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے، اُن سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے اب اگلی آیت میں تحریمات العباد یعنی ان محرمات کا ذکر ہے جو بندوں نے از خود اپنے اوپر حرام قرار دے لی ہیں۔ چنانچہ یہاں پر اُن چیزوں کا تذکرہ ہے جو مشرکین نے نزولِ قرآن کے زمانہ میں اپنے اوپر حرام کر رکھی تھیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔
مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَيْنِكَ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ
بلکہ یہ تو مشرکین کی طرف سے اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے۔ مفسرین کرام بحیرہ کی تفسیر دو طریق پر کرتے ہیں۔ اہم بخاریؒ نے کتاب التفسیر میں نقل کیا ہے کہ مشرکین جس جانور کا دودھ اپنے معبودانِ باطلہ کے نام پر وقف کر دیتے تھے، اُس کا دودھ اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے۔ اور پھر ایسے جانور کا کان بھی چھید دیتے تھے جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ اس جانور کا دودھ کوئی شخص استعمال نہیں کر سکتا۔ ایسے جانور کو بحیرہ کہتے تھے۔ بحیرہ کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ نام اُس مادہ جانور کو دیا جاتا تھا جو مسلسل دس مادہ بچے بنے اور اس کا آخری بچہ نہ ہو۔ اُسے بھی معبودانِ باطلہ کے نام پر وقف کر دیتے تھے اور اُس کا دودھ استعمال نہیں کرتے تھے۔

فرمایا: وَلَا تَسْأَلْهُ لَدُنَّا اور ساتھ بھی اللہ نے نہیں بنایا۔ ساتھ اُس
 جانور کو کہتے تھے جو کسی مست کے پورا ہونے پر بتوں کے نام پر چھپور دیا
 جاتا، نہ اُس کا درد دھاتعال کیا جاتا، نہ اُس پر سوار کی جاتی اور نہ اُس سے
 بار برداری یا کوئی دوسرا کام لیا جاتا۔ جیسے برصغیر میں ہندو گائے کو چھوڑ دیتے ہیں
 فرمایا: وَلَا وَحْدَ یُنَکِّدُ اللہ تعالیٰ نے کسی کو وصلہ جی نہیں بنایا بلکہ
 یہ جی مشرکین کی اپنی اختراع ہے۔ وصلہ اس اونٹنی کو کہتے تھے جو مسلسل
 بار دیکھے جاتی اور درمیان میں کوئی نہ بھی پیدا ہو جاتا تو کہتے یہ وصلہ ہے کہ

وصیاء
م

اس نے زور اور مادہ کو ملا دیا ہے۔ مشرکین اُس کا استعمال بھی درست نہیں سمجھتے تھے۔
مسل مادہ بچے بننے والی اوشنی کو بھی وسیلہ بنا کر بتوں کے نام پر وقف کر دیتے
تھے اور پھر نہ اس کا درودھ پیتے تھے اور نہ اس سے کوئی دیکر کام لیتے تھے
فلاح کام اور اللہ نے کوئی کام بھی تقدر نہیں کیا۔ حام کا معنی بچا لینے والا
ہے۔ جن اونٹ کی جفتی سے دس بچے پیدا ہو جائیں اُسے حام بنا دیتے
تھے۔ پھر نہ اُس سے بار برداری کا کام لیتے تھے اور نہ کسی دوسرے
کام میں استعمال کرتے تھے۔

بہر حال مشرکین نے جاہلیت کے زمانہ میں اس قسم کی رسومات جاری
کر کے بعض جانوروں کو اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے
تو ایسا کوئی حکم نہیں دیا، یہ ان کی اپنی اختراع ہے اور پھر بتوں کے نام پر
جانوروں کو وقف کر دینا تو ایسے ہی شرک ہے جس کے ذمہ داریہ لوگ خود ہیں
اللہ تعالیٰ نے ایسی تمام رسومات کا رد فرمایا ہے۔

بت پرستی
کی ابتدا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر تقریباً ڈیڑھ ہزار
سال تک عرب کے لوگ صحیح دین ابراہیمی پر قائم تھے۔ بت پرستی کی ابتدا
حضرت علیہ السلام کی بعثت سے تقریباً چار سو سال قبل ہوئی۔ ایک شخص عمر
ابن لُحی کسی دور کے ملک میں گیا۔ وہاں اس نے بت اور مجسمے دیکھے جو بے
پند آئے وہ اُن میں سے کچھ اپنے ساتھ بھی لے آیا اور اس طرح اُس نے
عرب میں بت پرستی کی ابتدا کی۔ معبودانِ باطلہ کے نام پر جانور وقف
کر کے کلام بھی اسی شخص نے شروع کیا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
فرمایا کہ میں نے عمر و ابن لُحی کو جہنم میں اس حالت میں دیکھا ہے کہ وہ اپنی
آنتوں کو اس طرح زمین پر گھسٹتا جا رہا تھا جس طرح خراس کا جانور خراس کو
کھینچتا ہے آپ نے اپنے ایک صحابی حضرت اکثمؓ کو فرمایا کہ عمر و ابن لُحی
کی شکل تمہارے ساتھ ملتی جلتی ہے۔ اُس شخص نے عرض کیا، کیا میرا اس

بجنت کے ساتھ ہم شکل ہونا میرے لیے باعثِ وبال تو نہیں؟ حضور
نے فرمایا یہ کوئی عیب لمبی بات نہیں۔ فرمایا تم مومن ہو۔ اور کافر اور مومن
ہم شکل تو ہو سکتے ہیں مگر ان دونوں کا انجام الگ الگ ہے۔ بہر حال بت
پرستی شروع ہونے کے بعد اس کا رواج اس قدر بڑھا کہ حضور علیہ السلام کے
زمانہ مبارک میں فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ کے اندر، اسکی دیواروں پر اور اس
کے قریب تین سو ساٹھ بت موجود تھے جنہیں توڑ کر باہر پھینک دیا گیا اور
اس طرح بیت اللہ شریف کو بتوں کی نجاست سے پاک کر دیا گیا۔

افتراء علی اللہ

فرمایا اللہ تعالیٰ نے نہ کوئی بحیرہ بنایا ہے نہ سانپ، نہ وسیلہ اور نہ حام
وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَكْفُرُونَ عَلَى الْمَلِكِ الْكَذِبُ بَلْ هِيَ
کافر لوگ اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتے ہیں جھوٹ۔ انہوں نے غیر اللہ کی نذر
نیاز کی سب جھوٹی کسانیاں بنا رکھی ہیں کہ ایسا کہنے کا اللہ نے حکم دیا ہے
یہ سب غلط اور اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے انہوں نے خود اپنے اوپر بعض جانور
طعم قرار دے لیے ہیں حالانکہ اللہ نے انہیں حلال قرار دیا ہے۔ فَسَاءَ
وَإِنْ تَوَلَّوْا لَا يَعْزُبُ عَنْ إِنْ مِنْ شَيْءٍ لَكُمُ الْعَذَابُ لَكُمُ الْعَذَابُ لَكُمُ الْعَذَابُ
انہوں نے اپنی بے وقوفی اور حماقت کی وجہ سے خود ساختہ عہدے
اور رسمیں جاری کر رکھی ہیں یہ تو عقل سلیم کے بھی خلاف ہے اللہ تعالیٰ کا
ان پر عودہ باتوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

محرم کی کچھ تفصیل اگلی سورۃ النعام میں بھی آرہی ہے۔ وہاں یہ شرک
کی تمام قسمیں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔

الحامدہ
آیت ۱۰۴

وَأَذِاسْمُوا
دریں جمل و شش ۴۶

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلِی
الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ آبَاءُنَا
أَوَّلُو كَانُوا أَبَاؤُهُمْ لَا یَعْلَمُونَ شَیْئًا
وَلَا یَهْتَدُونَ ﴿۱۰۴﴾

ترجمہ :- اور جب کہا جاتا ہے اُن لوگوں سے کہ آؤ
اُس چیز کی طرف جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور
آؤ رسول کی طرف ، وہ کہتے ہیں جیسے بے کافی ہے وہ
چیز جس پر پایا ہے ہم نے اپنے آباء اجداد کو اگرچہ اُن
کے آباء اجداد نہ جانتے ہوں کسی چیز کو اور نہ ہدایت
پاتے ہو ﴿۱۰۴﴾

گزشتہ آیات میں فضول اور لایعنی باتوں کے متعلق سوال کرنے سے منع
فرمایا گیا تھا، کیونکہ اگر نزولی قرآن کے زمانے میں ایسی باتوں کے متعلق پوچھا جائے
تو ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اُن کا جواب قرآن پاک میں نازل کر دے اور پھر وہ
تمہیں ناگوار گزے اور تم اُس پر عمل نہ کر سکو۔ اگر ایسا ہی ہوا تو تمہارے لیے سخت پناہی
کا باعث ہو گا۔ فرمایا تم سے پہلی قوموں نے بھی بعض بہودہ سوالات کیے اور پھر اُن
پر عمل نہ کر سکے اور سخت مشکل میں مبتلا ہوئے، لہذا تم بھی کہیں ان کی روش پر نہ چل
نکنا پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے خود ساختہ محرمات کی تردید بھی فرمائی کہ انہوں نے اپنے
باطل خیالات کے ذریعے بعض حلال جانوروں کو اپنے اُپر حرام

ٹھہرایا تھا اور ان کو مجبوراً باطلہ کے نام پر چھوڑ دیتے تھے فرمایا کہ اللہ نے
حرمت کا ایسا کوئی حکم انہیں نہیں دیا بلکہ وہ خود اللہ پر افترا بانہتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے بیکرہ، سائبہ، وکیلہ اور عام کا ذکر کر کے فرمایا کہ ان بہنوں نے
ان خود اپنے اوپر ان جانوروں کا دودھ سواری اور دیگر خدمات حرام کر رکھے
تھے اور اے اللہ کی طرف منسوب کرتے تھے کہ اُس نے ایسا حکم دیا ہے
فرمایا یہ محض جھوٹ اور شرکیہ باتیں ہیں ان میں سے اکثر عقل سے خالی لوگ
ہیں کیونکہ ان کے باطل عقائد کو تو عقل بھی تسلیم نہیں کرتی۔

دعوت
الی القرآن

اب آج کی آیت کہ میرے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بعض دیگر
باطل عقائد کا ذکر کیا ہے اور ان مشرکانہ رسوم کا رد فرمایا ہے جو انہوں نے
خود وضع کر رکھی تھیں مگر انہیں اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں ارشاد ہوتا
ہے وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ جِبْابٌ عَلَى أَعْيُنِهِمْ کہ جب ان سے کہا جائے اے اللہ تعالیٰ
مَا أَنْزَلَ اللَّهُ أَوْ اُنْزِلْ اُس چیز کی طرف جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا
ہے ورنہ ہے قرآن پاک میں عظیم الشان کتاب جو منجانب اللہ نازل ہوئی
ہے اور جس میں ہدایت، روشنی اور بصیرت کی باتیں ہیں۔ اس میں اول
سے آخر تک حق نے سوا کچھ نہیں لکھا اس کی طرف رجوع کر و تمہارے
تمام بنیادی اور اخلاقی مسائل کا حل اسی کتاب میں موجود ہے۔ اس کے
برخلاف تم نے جو بیکرہ، سائبہ وکیلہ محرمات ٹھہرائے تھے۔ ان کی حقیقت
کچھ نہیں ہے۔ بلکہ قرآن پاک سے پوچھو کہ کون سی چیز حلال ہے اور کون
سی حرام ہے وَقُلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تَبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ
مثنیٰ یہ اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے اور اس میں ہر چیز کی وضاحت ہے
ہے لہذا اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانونِ حلت و حرمت میں از خود دخل انداز
نہ کرو کیونکہ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک تَبْيَانًا
لِّكُلِّ شَيْءٍ مِّنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ اس میں حلت و حرمت

کی مکمل وضاحت موجود ہے، لہذا اسی کے احکام پر عمل کرنے میں تمہاری
نجات ہے اس میں جنت تک پہنچنے اور دوزخ سے بچنے کے لیے
مکمل لائحہ عمل موجود ہے۔

رسول بحیثیت
شارح قرآن

فرمایا پہلی بات تریہ ہے کہ قرآن پاک کی طرف آؤ اور دوسری یہ
کہ وَمَا لِيَ الْرَّسُولِ اور رسول کی طرف آؤ۔ رسول حامل قرآن ہونے
کی حیثیت سے خود اس پر عمل کرتا ہے، اس کی وضاحت کرتا ہے
اور اس کی جزئیات (BYE - LAWS) بتلاتا ہے، لہذا رسول کی طرف
رجوع ہی ضروری ہے۔ رسول کی وضاحت کے بغیر قرآن پاک پر بندہ
عمل کرنا ناممکن ہے بلکہ نہیں ہے لہذا تم پہلے قرآن کو تسلیم کرو اور پھر اس کی
تشریح حامل قرآن سے پڑھو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ جبر رسول کے فرائض منصبی میں داخل
کر دی ہے لَتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (عہد عمل) کہ آپ
لوگوں کے سامنے نازل شدہ چیز کو واضح طور پر بیان کر دیں۔ قرآن پاک کا خود
اپنے متعلق بیان ہے كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقُرْآنُ أَنْ تُذَكِّرُوا اے اس کی آیات محکم ہیں۔
ثُمَّ لَئِنْ فُضِّلْتُمْ مِنْ لَدُنْ حَ بَكَيْمُ خَبْرٌ (مہود) پھر ان
کی تشریح بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے کر دی ہے۔ مندرجہ
لَقَدْ كَانَ عَلَيْنَا بَيِّنَاتٌ (قیمہ) یعنی قرآن کا نازل کرنا بھی ہمارے ذمے
ہے اور پھر اس کی تشریح و توضیح بھی ہمارے ذمہ ہی ہے۔ اسکی حفاظت کے
بھی ہم خود ذمہ دار ہیں۔ لہذا فرمایا آؤ قرآن پاک کی طرف اور اللہ کے رسول کی طرف
مخلوق میں سے ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس لحاظ سے فرض عین ہے
کہ وہ خالق، مالک، آقا، رب اور اللہ ہے۔ ترمذی شریف کی روایت
میں أَتَاكَ تَحِبُّ اللّٰهَ تَمَّ اللّٰهُ سے اس لیے محبت رکھو کہ وہ تمہیں
انعام دیتا ہے، وہ تمہارا منعم حقیقی اور محسن حقیقی ہے لہذا تمام مخلوق خصوصاً انسان
پر لازم ہے کہ وہ اس کا شکریہ ادا کرے اور اس کی اطاعت بجالانے اور

خدا اور رسول
کی اطاعت

اس کے احکام سے سرتابی نہ کرے ۔
 اسی طرح رسول کی اطاعت اُس کی رسالت کی وجہ سے ہر انسان پر فرض ہے ۔ خود قرآن نے فرمایا ہے مَنْ يَطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (نساء) جس شخص نے رسول کی اطاعت کی، اُس نے گویا خدا تعالیٰ کی اطاعت کی ۔ رسول کے لفظ میں یہ ساری حقیقت پوشیدہ ہے کہ رسول کی اطاعت مرسل کی اطاعت کی مانند ہے ۔ اسی سورۃ میں پہلے گزر چکا ہے يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ لَعَلَّكَ تَكُونُ مِنَ الْمُنْظَرِينَ لے رسول اپنے رب کی طرف سے نازل کردہ ہر چیز کو آگے پہنچا دیں ۔ مطلب یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام مخلوق تک پہنچاتا ہے لہذا اُس کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے مترادف ہی ہے ۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی وضاحت اولاً اپنے نبی کی زبان سے کرائی ہے اسی لیے اہم شافعی ، شاہ ولی اللہ ، مولانا رشید احمد گنگوہی اور دیگر علما و محققین اور مفسرین فرماتے ہیں کہ صحیح سند کے ساتھ ثابت ہونے والی تمام احادیث قرآن کی تشریح ہیں اور خود قرآن اُن کا متن ہے ۔
 بہر حال فرمایا کہ قرآن پاک کی طرف آؤ اور اللہ کے رسول کی طرف آؤ ۔ دوسرے مقام پر فرمایا قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ يَهْتَدُونَ خدا اور رسول کی اطاعت کرو ورنہ تو لوگ ایمان نہ پاؤ گے تو اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ۔ گویا اللہ اور رسول سے روگردانی کفر ہے ، دوسرے مقام پر فرمایا فَإِنْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُ اللَّهُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ الرَّحِيمُ اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے ۔ وہ ہادی برحق ہے ۔ قرآن پاک کی تشریح کہہ تا ہے لہذا اُس کی بات کو مانو اور خود ساختہ رسوم کو ترک کر دو ۔ یہ سب کفر ، شرک ، بدعت اور معصیت کی باتیں ہیں ۔

فتنہ احمد
حدیث

اب یہ بات واضح ہو چکی کہ رسول کی اطاعت بھی اُسی طرح فرض ہے جس طرح اللہ کی اطاعت کیونکہ رسول کی تشریح کے بغیر احکام الہی کا سمجھنا اور اُن پر عمل کرنا مشکل ہے۔ اور رسول کی اطاعت کے لیے رسول کی حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اب جو کوئی حدیث کا انکار کر رہا ہے، وہ رہا غنائے فتور میں مبتلا ہے۔ ایسا شخص منکر حدیث ہی نہیں، منکر قرآن بھی ہے پر فریق، چکڑا لونی وغیرہ کا انکار حدیث سے مقصد یہ ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کے صحابہ کرام اور ائمہ دین کی بیان کردہ تشریح کو قرآن سے الگ کر دیا جائے اور اُس کی جگہ اپنی من مانی توضیح کو رائج کر دیا جائے۔ اسی مذہم مقصد کے تحت پرویز نے اللہ کا معنی قانون کیا ہے۔ گویا اللہ کی اطاعت سے مراد قانون کی اطاعت ہے۔ یہ تو کفر اور الکاد ہے جو اُس کے دماغ میں بھرا ہوا ہے۔ اللہ کا معنی اگر قانون کیا جائے تو پھر اللہ کی ذات کہاں لگی شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ایک ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان بھی یہ تصور رکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی ایک ذات ہے۔ اس کا وجود ہے اور اُس کی صفات ہیں اسی لیے ہر مسلمان جب سبحان اللہ کہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی ذات تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے۔ بہر حال یہ حدیث کے انکار کی وجہ ہے کہ ذات خداوندی کا تصور بھی مٹانے کی کوشش ہو رہی اور پھر یہ میں پر بس نہیں کی بلکہ خود ساختہ معنوں کو رواج دینے کے لیے لغات قرآن کے نام سے خود ساختہ لغت بھی بنا دی ہے تاکہ اپنی مرضی سے کانٹ چھانٹ کر جو معنی اپنی دماغی اختراع کے مطابق ہو، اُسے لغت میں لکھ دیا جائے اور پھر اُسے قرآن پاک پچساں کر دیا جائے۔

اولی الامر

مشروط

یہاں پر قرآن اور حدیث کی طرف دعوت دی گئی ہے، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی دعوت دی گئی ہے اور سورۃ ن، میں اولی الامر کی اطاعت کا بھی حکم موجود ہے۔ ام المومنین حصہ صحت میں کہ اولی الامر

میں مسلمان حکام بھی آتے ہیں اور علماء اور فقہاء بھی۔ ان کی اطاعت تبلیغ سنت کی وجہ سے ضروری ہے۔ اور مسلمان حکام کی اطاعت اسی لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے دین کو نافذ کرنے والے ہیں۔ البتہ حکام وقت ہوں یا سماؤ فقہاء بزرگ ہوں یا پیر و مرشد ان سب کی اطاعت مطلق نہیں بلکہ خدا اور اس کے رسول کے حکم کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر ان کی بات خدا اور رسول کے حکم کے مطابق ہوگی تو تسلیم کی جائے گی ورنہ ٹھکرا دی جائے گی کیونکہ ان سے غلطی کا امکان ہے برخلاف اس کے اللہ کی مطلق اطاعت اس لیے ہے کہ وہاں غلطی کا کوئی امکان نہیں اور رسول کی مطلق اطاعت اس لیے کہ وہ کوئی غلط حکم نہیں دیتا۔ اگر کسی معاملہ کے سمجھنے میں غلطی ہو جائے یا کوئی خطا یا لغزش ہو جائے تو اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے فوراً اصلاح کر دیتا ہے لہذا نبی کا ہر حکم بھی واجب التعمیل ہے۔

فرمایا کہ جب مشرکین کو کہا جاتا ہے کہ اُس چیز کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل کی ہے اور رسول کی طرف آؤ فَالْوَحْيُ حَسْبُكُمْ ابواجدار کی اندھی تقلید

وَجَبْدُنَا حَلِيبٌ اَبَاؤُنَا تَوَدُّهُ جَوَاب میں کہتے ہیں کہ جمائے یہ وہی کچھ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے ابواجد کو پایا۔ درحقیقت لفظوں میں ہمیں کسی کتاب یا شریعت کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم تو اپنے باپ دادا کے مذہب پر قائم رہیں گے۔ ان کا استدلال یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے ابواجد بڑے بڑے چوہدری، داماد اور بیٹے تھے۔ ان کی مجلسوں میں اہم فیصلے ہوتے تھے وہ کیا نالائق اور بے وقوف تھے جو ہم ان کے رسم و رواج اور حوڑ طریقے کو ترک کر دیں؟ جمائے یہ تو ان کا اتباع ہی کافی ہے اور یہی وہ دلیل ہے جو اکثر مشرکین اپنے جاہلانہ تصور کے حق میں دیتے رہے ہیں۔

امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ انسان اکثر تین قسم کے تجاہل میں مبتلا ہوتے ہیں۔ یعنی حجاب طبع۔ حجاب رسم اور حجاب سوء معرفت

پاس نہ کوئی عقلی دلیل ہوتی ہے نہ نقلی اور نہ ہی وہ مشاہدہ کی بنیاد پر کوئی جواز پیش کر سکتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا یہ لوگ اپنے باپ دادا کو دلیل بناتے ہیں أَوَلَمْ يَكُنْ لَهُ آيَاتٌ أَنْ يَقُولُوا سُبْحَانَ اللَّهِ لَوْلَا يُعْلِمُونَ اگرچہ ان کے آباؤ اجداد کچھ نہ جانتے ہوں لیکن جاہل مطلق ہوں وَلَا يَهْتَدُونَ اور نہ ہی وہ ہدایت کے راستے پر ہوں۔ فرمایا کہ اس سے بڑھ کر گمراہی کیا ہو سکتی ہے کہ جاہل اور غیر ہدایت یافتہ آباؤ اجداد کی تقلید میں خود بھی اٹھی کر دے میں جاگڑے۔ شاہ عبدالقادر محدث فرماتے ہیں کہ اگر باپ دادا کے متعلق وثوق سے علم ہو کہ وہ حق کے تابع اور صاحب علم تھے تو پھر ان کی راہ پکڑنے اگر ایسا نہیں ہے تو سرسری گمراہی میں مبتلا ہونے والی بات ہے۔ یہی اندھی تقلید ہے جو ان کو بالآخر شرک اور کفر میں مبتلا کر کے جہنم میں جانے کا ذریعہ بن جانے لگی آج بھی لوگ اپنی متبدل عائد رسوم کے جواز میں حاملہ فی رسم و رواج اور بڑوں کے عمل کو پیش کرتے ہیں۔ وہ گمراہی میں مبتلا ہیں کسی بھی عمل کے لیے کتاب و سنت سے دلیل کی ضرورت ہے صحابہ کرام کے عمل کو پیش کر دو۔ اگر وہاں بھی نہ ملے تو ائمہ دین سے دریافت کر دو۔ اہم ابو حنیفہ کا فتویٰ لازمہ محدثین کا قول پیش کر دو، اہم شافعی، مالک اور احمد کی کہتے ہیں۔ امام بخاری، مسلم، ترمذی اور نائی کی کیا تحقیق ہے۔ اگر ان میں سے کوئی دلیل بھی نہیں ہے اور محض بڑوں کی دیکھا دیکھی کر سبے ہو تو سمجھ لو کہ صریح گمراہی میں مبتلا ہو۔ اگر فلاح چاہتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول کے بلے ہوئے راستے پر گامزن ہو جاؤ۔ یہی وہ شاہراہ ہے جو تمہیں جنت تک لے جائیگی۔

جائز تقلید

آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کے برخلاف اگر اہل علم کی تقلید اس بنیاد پر کی جائے کہ وہ قرآن پاک اور شریعت مطہرہ کو بہتر طور پر جانتے ہیں تو ایسی تقلید کی اجازت ہے۔ ائمہ دین اور علماء و فقہاء کی تقلید محض اس لیے کی جاتی ہے کہ وہ قرآن و سنت کو بہتر جانتے ہیں۔ لہذا اہم ابو حنیفہ کی تقلید شرعاً

تقلید نہیں ہے بلکہ بالکل جائز ہے۔ وہ ہم سے زیادہ صاحب علم تھے اور مسائل شرعیہ کا حل بہتر طور پر پیش کرتے تھے۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جاہلانہ تقلید میں بعض غلط کار صوفیوں کا بھی حصہ ہے جب انہیں قرآن و سنت کی بات بتائی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے بزرگوں کے طریقے پر چلیں گے۔ ہم تو مشائخ کے کہنے پر عمل کریں گے۔ یہ بھی مشرکانہ تقلید میں آتا ہے۔ سمجھ تقلید یہ ہے کہ اللہ اور رسول کی بات کو مقدم رکھا جائے۔ جو چیز اُس کے مطابق ہے اُسے قبول کر لیا جائے اور اگر کوئی کشیخ قرآن و سنت کے خلاف کہتا ہے تو وہ شیطانی اور گمراہی کی بات ہوگی۔ اُسے رد کر دیا جائے گا۔

شاہ اسماعیل شہیدؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دیکھے کہ اُس کا پیر غلط بات کرتا ہے تو اُس کی بیعت سے تو الگ نہ ہو بلکہ اُس کی اصلاح کی کوشش کرے اور اس کی صورت یہ ہے کہ دوسروں سے کہلوائے کہ یہ بات غلط ہو رہی ہے اور اپنے پیر کے حق میں دعا بھی کرے کہ صراطِ مستقیم پر قائم رہے اور پیر صاحبؒ کے لئے یہ غلط بات کو خود اختیار نہ کرے۔ ایک صاحب نے بتایا کہ ایک پیر زادہ صاحب لگے کی بیماری میں مبتلا ہو گئے حکیم صاحب نے مشورہ دیا کہ خضاب لگانے سے آپچی بیماری میں اضافہ ہوا ہے لہذا ترک کر دیں۔ لیکن لگے یہ تو میں نہیں چھوڑ سکتا کیونکہ میرے حضرت صاحب نے حکم دے رکھا ہے کہ خضاب لگایا کروں۔ اب اگر شریعت بھی کالا خضاب لگانے سے منع کرے تو یہ صاحب اپنے شیخ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔ یہی جاہلانہ تقلید ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔ تاہم ائمہ دین، علماء و فقہاء کی تقلید اس لحاظ سے جائز ہے کہ انہیں قرآن و سنت پر بہتر دسترس حاصل ہے اور وہ بہتر طریقے پر رہنمائی کرنے کے اہل ہیں۔

المائدہ
آیت ۱۰۵

واذا سمعوا
درس چل و ہنت ۴۴

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ
مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ
جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٠٥﴾

ترجمہ:- اے ایمان والو! لازم پکڑو اپنے اوپر اپنے نفسوں
کو، تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا وہ جو گمراہ ہو جبکہ
تم ہدایت کی راہ پر قائم رہو۔ اللہ ہی کی طرف تم سب
کا لوٹ کر جانا ہے پھر وہ تم کو بتلا دے گا جو کام تم کیا
کرتے تھے ﴿۱۰۵﴾

ربط آیت

گزشتہ سے پیوستہ درس میں اُن جاہل مشرکوں کا رد فرمایا تھا جنہوں
نے محض رسم و رواج کی بناء پر بعض جانوروں کو خود پر حرام قرار دے رکھی تھی
اور اُللہ پر افترا باندھتے تھے اس کے بعد گزشتہ درس میں اس بات کا
ذکر ہو چکا ہے۔ کہ جب ان لوگوں کو قرآن پاک اور پیغمبر علیہ السلام کی طرف دعوت
دی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم سے ایسے ایسے آباء و اجداد کا طریقہ ہی کافی ہے
ہم اُنسی پر قائم رہیں گے۔ اللہ نے فرمایا کیا وہ اپنے اجداد ہی کی اتباع کرتے
رہیں گے خواہ وہ بے علم اور گمراہ ہی کیوں نہ ہوں؟ یہ بڑی بے سمجھی کی
بات ہے اور اس سے ایمان والوں کو قیامت میں پتہ چلے گا کہ وہ کفر و شرک کا راستہ
انتخاب کرتے ہیں اور دوسرا اُس پر عمل کرتے ہیں۔ پھر جب انہیں اللہ اور اُس کے رسول کی طرف دعوت دی
جاتی ہے، حق کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ انکار کر دیتے ہیں۔ اہل ایمان کے
ایسے یہ بھی تکلیف دہ بات ہے۔ اب اگلی آیت میں ایمان والوں کو تسلی دی

گئی ہے کہ اگر لوگ شرک، کفر اور گمراہی پر اصرار کرتے ہیں اور حق کا راستہ قبول نہیں کرتے تو آپ اُن پر زیادہ افسوس نہ کریں بلکہ اپنا فریضہ ادا کر لیں۔
ایسا کرنے سے کفار و مشرکین تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے بلکہ وہ خود اپنے منطقی نتیجہ کو پہنچ جائیں گے۔

ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ائِمَّانُوا لِلَّهِ وَلِأَنفُسِكُمْ اصلاح نفس
أَنفُسُكُمْ لازم کچھٹو اپنے اوپر اپنی جانوں کو۔ یعنی اگر دوسرے
لوگ تمہاری تبلیغ کا اثر قبول نہیں کرتے تو اس کی زیادہ فکر نہ کرو بلکہ اپنی
اصلاح کی فکر کرو اور پھر اصلاح نفس کے ساتھ ساتھ بقدر ضرورت و
ہمت دوسروں کی اصلاح کی بھی کوشش کرو۔ تاہم تمہارے حق میں زیادہ
ضروری یہ بات ہے کہ اپنی اصلاح کو ملحوظ خاطر رکھو اگر ایسا کرو گے۔
وَلَا يَضُرُّكُمْ شَيْءٌ شَلَّ غَمْرَاهُ ہونے والا شخص تمہیں کچھ
نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ بعض اوقات اہل ایمان یہ خطرہ محسوس کرتے
ہیں کہ اگر دوسرے لوگ ہدایت قبول نہیں کریں گے تو شاید ہم بھی گمراہ
ہو کر انہی میں شامل ہو جائیں، تو اللہ نے فرمایا جو شخص خود گمراہ ہو چکا ہے
وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ مگر شرط یہ ہے إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ع
کہ تم خود ہدایت کے راستے پر قائم رہو۔ امام ابو جبر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ
اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس تسلی کا یہ مطلب نہیں کہ غیر ہدایت یافتہ
لوگوں کو تبلیغ نہ کرنا ہی چھوڑ دیا جائے۔ بلکہ تمہارا فرض یہ ہے کہ حق کی
بات دوسروں تک پہنچاتے رہو۔ ہاں اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں
کہ تمہاری بات بالکل غیر مؤثر ثابت ہو رہی ہے، لوگ حق بات کو سننے
تک کے لیے تیار نہیں اور تشدد پراثر آنے میں، تو پھر اُن کے زیادہ پیسے
نہ ہوں اور اصلاح نفس کی طرف توجہ دیں۔ تاہم اُن سے بالکل ہی کٹ
کر نہ رہ جائیں بلکہ اُن کے ساتھ اس حد تک رابطہ رہنا چاہیے کہ جب بھی

مناسب موقع ملے، تبلیغ دین کا کام پھر سے شروع کیا جاسکے۔

فریضہ تبلیغ دین
اصلاح نفس۔ سے مراد محض اپنی واحد ذات نہیں بلکہ اس سے تمام جمہ قوم
اور ہم مذہب لوگ مراد ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جب تم اس قدر مجبور ہو جاؤ کہ
انہی تک تمہاری بات نہیں پہنچ جاتی تو پھر کلہ حق کو اپنوں تک ہی پہنچاتے
رہو تاکہ تم سب ہدایت کے راستے پر قائم رہ سکو، اور اعلیٰ کی کسی سازش
کا شکار نہ ہو جاؤ۔ دین کی بات کا آپس میں اعادہ کرنا دین پر عملگی کی ضمانت
ہوگا اور اس طرح تم دوسروں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو مزید مستحکم کر سکو
گے۔ **إِنَّا اهْتَدَيْتُمْ** کا یہی مطلب ہے کہ جب تم خود اپنے دین
پر مستحکم ہو گے تو دوسرے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ گویا ہدایت
پر قائم رہنے میں دونوں باتیں آتی ہیں۔ ایک اپنی اصلاح اور دوسرے
پیغام خداوندی کی دوسروں تک تبلیغ چنانچہ تبلیغ دین ہر مسلمان کا ایک
اہم فریضہ ہے۔ پہلے بھی گزر چکا ہے۔ اے رسول! **بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ**
إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا
ہے اُسے دوسروں تک پہنچا دیں۔ اسی طرح تمت دین حق پر قائم رہ
سکتی ہے۔ اگر تبلیغ دین کا فریضہ فراموش کر دیا جائے تو قوم و ملت
کی بنیادیں کمزور ہو جائیں گی اور وہ روبرو زوال ہو کر انہی کا شکار ہو سکتی ہے۔
امر بالمعروف
نہی عن المنکر جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی۔ **وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ وَانْذَارٌ عَنِ**
الْمُنْكَرِ اے بیٹے! نیکی کا حکم کرتے رہو اور بُرائی سے روکتے رہو
تبلیغ دین ایک ایماندار کا فرض منصبی ہے۔ سورۃ توبہ میں اللہ تعالیٰ
نے ایمان والوں کی سات صفات بیان فرمائی ہیں، ان میں ایک یہ بھی
ہے **الْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ**
کہ وہ ہمیشہ نیکی کا حکم کرتے ہیں اور بُرائی سے منع کرتے ہیں۔ اسی سورۃ

میں بھی پہلے گزر چکا ہے۔ اللہ نے سابقہ اقوام خصوصاً یہود کے متعلق فرمایا کَالُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوا لَمْ يَلْبِسْ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ کہ وہ بُرائی سے منع نہیں کرتے تھے اور اس شرح وہ بہت بُری بات کے مرتکب ہوتے تھے بُرائی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اس سے منع نہ کرنا بہت بُری کارگزاری تھی۔

مردان کی گورنری کا زمانہ فنا، عید کے دن وہ نماز عید کیلئے آیا تو نماز پڑھانے سے پہلے خطبہ شروع کر دیا۔ ایک مسلمان نے اُٹھ کر کہا کہ پہلے نماز پڑھاؤ پھر خطبہ دینا۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریقہ ہے۔ جمعہ اور عیدین کے جلسے ان ہی نمازوں سے متعلق ہیں مگر جمعہ کا خطبہ پہلے اور نماز بعد میں ہے جب کہ عیدین کی نماز میں نماز پہلے اور خطبہ بعد میں ہے۔ بہر حال اس مسلمان کے ٹوکنے پر صحابی رسول حضرت ابوسعید خدریؓ نے فرمایا کہ بیشک اس مسلمان نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کر دیا حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جہاں بُرائی کا ارتکاب ہو رہا ہو، تم میں سے صاحبِ طاقت کو چاہیے کہ وہ اس بُرائی کو بزورِ طاقت ہٹا دے، اگر بلا تھوڑے ہٹانے کی طاقت نہیں رکھتا تو زبان سے روکے۔ اگر اتنی طاقت بھی نہیں پاتا، فَقُلْ یہ تو اس کو دل سے ہی بُرا سمجھے۔ فرمایا ذَلِكْ أَضْعَفُ الْاِيْمَانِ یہ ایمان کا کمزور درجہ ہے۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ اس کے بعد تو ایک رانی کے دانے کے برابر بھی ایمان کا درجہ نہیں ہے۔

حضرت جبریل ابن عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ کوئی شخص ایسے لوگوں میں رہتا ہو، عُيْلٌ فِيهِمْ بِالْمَعَاصِي جن میں گناہ کا ارتکاب ہوتا ہے، پھر جو لوگ اس کو روکنے پر قادر ہیں، وہ اس کو روکنے کی کوشش بھی نہیں کرتے، اُن کے متعلق فرمایا اَصَابَهُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ قَبْلَ اَنْ يَّتَمُوتُوْا۔ یہ لوگ مرنے سے پہلے خدا کی طرف

سے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اس سے عمومی عذاب مراد نہیں ہے
 تاہم کوئی کسی سزا میں مبتلا ہو جانے کا کوئی کسی تکلیف میں رہو سکتا ہے
 کہ غلام بنا لیے جانیں یا ان سے دین جمعین لیا جائے یا ان پر غرہت طاری
 کہ دی جائے یا وہ طوفان اور زلزلے کی زد میں آجائیں۔ ہر حال وہ کسی نہ
 کسی سزا میں ضرور مبتلا ہوں گے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی منبر پر یہ بات
 فرمائی تھی اے لوگو! قُمْ عَلَیْكُمْ نَفْسُكُمْ والی آیت پڑھتے
 ہو مگر اس سے غلط مطلب نہ اٹھ کر لینا۔ ایسا نہ ہو کہ تم تبلیغ دین کا کام چھوڑ بیٹھو۔
 صرف اپنی فخر میں نہ رہو۔ کیونکہ اِنَّ النَّاسَ اِذَا عُیِّلَ فِیْهِمْ بِالْمَعٰجِیِ
 وَكَمْ یَغْفِیْوْا اَوْسَدَ اَنْ یَّعْمَلُوْا اللّٰهُ بِعِقَابِ
 جب لوگوں نے کنا دیکھے ہا ہے توں اور وہ اس کو تبدیل نہ کریں۔ تو قریب
 ہے کہ خدا تعالیٰ سب کو سزا میں مبتلا کر دے۔

نیلین کب
 ساقط ہے

ایک مسلمان سے تبلیغ صرف اس وقت ساقط ہوتی ہے جب اس کو
 اور کسی نے کوئی طریقہ باقی نہ رہے حالات اس قدر دگرگلوں ہو جائیں کہ تبلیغ
 بالکل ٹوٹ نہ ہو رہی ہو یا ایسا کرنے سے کسی تکلیف میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو
 تو ایسی صورت میں تبلیغ کو مؤخر کر دینا اور اصلاح نفس کی طرف زیادہ توجہ
 دے۔ حضور علیہ السلام کے صحابی ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا بَلِّغِ النَّفْسَ وَاِلَّا فَاِنَّهَا بِالْمَعْسُورِ وَتَنْتَ الْقَوَا عَنِ الْمُسْكَنِ
 یعنی نبی کی باتوں کی ہمیشہ تلقین کرتے رہو اور بُرائی سے روکتے رہو۔ اس
 جب دیکھو کہ ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ سخی کی اعانت کی جاتی ہے
 یعنی لوگوں میں سخی پیدا ہو گیا ہے اور فیاضی ختم ہو گئی ہے اور خواہشات
 کی بیزاری کی جا رہی ہے، قرآن و سنت اور دین کو کوئی پرچہ نہیں۔ ہر
 طرف آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دی جا رہی ہے۔ ہر آدمی اپنی
 ہی سائے کو جتنی سمجھتا ہے اور دوسرے کی بات کو سننے کے لیے تیار

نہیں ہوتا خواہ وہ کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو۔ فرمایا اگر ایسا وقت آجائے فَلْيَلِكْ
 نَفْسَكَ پھر اپنی فکر کر اور دوسروں کی فکر چھوڑ دے، ایسے حالات میں اپنے
 آپ کو بچانا بھی غیبت ہے کہ کہیں گمراہی میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ کیونکہ آگے ایسے دن
 بھی آئے ہوں ہیں کہ صبر کرنا اتنا دشوار ہو جائیگا جیسے جتنے ہوئے کوٹھے کو
 ہاتھ میں پکڑنا۔ فرمایا اس دور میں تم میں سے جو شخص نیک اعمال انجام دے
 گا اس کو پچاس آدمیوں کے عمل کے برابر اجر دیا جائیگا۔ کیونکہ یہ فتنہ و فساد
 کا زمانہ ہو گا۔

فرمایا جب ظلم و ستم بڑھ جائے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر موقوف
 ہو جاتا ہے۔ مثلاً حجاج بن یوسف کے زمانے کے ظلم و جور تاریخ میں محفوظ
 ہیں۔ یہ ظالم شخص مروانیوں کے تحت بیس سال تک عراق کا گورنر رہا۔
 حضرت امیر معاویہؓ تو صحابی رسول تھے، آپ کے بعد حضرت عمر بن عبد العزیزؓ
 کے سوا سب مشتبہ لوگ تھے اچھے کام بھی کرتے تھے مگر ظلم و ستم اور دیگر
 برائیاں بھی انجام دیتے تھے جب حجاج مر تو حسن بصریؒ نے کہا تھا، اے اللہ!
 تو نے اس کو مارا ہے تو اس کی سنت کو مٹا دے۔ یہ اتنا ظالم شخص تھا چوٹی
 چھوٹی اور خراب آنکھوں والا آدمی اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کو پھیلاتا
 رہتا تھا۔ سجدہ اگر جہاد میں جاتا تھا تو گھوڑے کی باگ پکڑنے سے کہیں اس
 کے ہاتھوں میں پسینہ نہیں آیا ہو گا یعنی اسے کبھی جہاد میں حصہ لینے کا موقع نہیں
 ملا۔ کنگھی پھیلاتا تھا، اکڑ کر چلتا تھا اور پھر بکو اس شروع کر دیتا تھا، کبھی کوئی
 بات کبھی کوئی بات، یہاں تک کہ حسن کہتے ہیں کہ کوئی آدمی اٹھ کھڑے نہیں
 کر سکتا تھا کہ حضرت! وقت بارگاہ ہے۔ نماز ادا کر لیں۔ اگر کوئی ایسی جرات
 کرتا تو اس پر کوڑے برسے یا تلوار سے سر قلم کر دیا جاتا۔ ایک دفعہ تقریر کر رہا
 تھا کہ کسی شخص نے کہہ دیا اَتَيْتُمَا الْاَمْرَيْنِ اے امیر! وقت تنگ ہو
 رہا ہے الصلوٰۃ نماز پڑھ لیں کہنے لگا، تم کون ہو، اُس نے کہا، ایک

ظلم کی
 داستانیں

مسلمان ہوں۔ کس قبیلے سے تعلق ہے، عرض کیا، فلاں سے، کہا تم بڑے نیک آدمی ہو، بڑی نیکی کی بات کرتے ہو۔ اُدھر پہنچے فوجی سے کہا کہ اسے فوراً جنت میں پہنچا دو۔ بس اتنی سی بات پر اس کا سر قلم کر دیا۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں عبدالملک بن عمیر جمعہ کے دن دو پہر کے وقت آکر منبر پر بیٹھ گیا۔ کبھی کسی کی مدح بیان کی، کسی کی مذمت کی یہاں تک کہ مسجد کے منبروں پر سورج کی ہلکی سی سُرخنی باقی رہ گئی۔ پھر اس نے اذان کہلائی اور جمعہ کی نماز پڑھی، پھر عصر کی اذان کہلائی اور عصر کی نماز پڑھی گئی۔ اس کے ساتھ ہی مغرب کا وقت ہو گیا۔ پھر مغرب کی اذان ہوئی اور نماز ادا کی گئی کہتے ہیں کہ ان حالات میں بھی کوئی شخص زبان کھولنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ ورنہ جان جاتی تھی اگر اس قسم کا دور آجائے تو پھر آدمی تبلیغ دین کے معاملہ میں مجبور سمجھا جائے گا۔

ملوکیت کی تاریخ میں ظلم و ستم کی بڑی بڑی داستانیں ملتی ہیں مگر اہل حق پھر بھی وقتاً فوقتاً قائم ہوتے رہے ہیں ہندوستان میں بھی بعض بڑے جابر بادشاہ گتھے سے ہیں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ تغلق کے زمانے میں کسی بزرگ نے امیر بالمعروف کیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کے دانت اکھاڑ کر اس کے سر میں بیخوں کی طرح ٹھونک دیے جائیں۔ اس کے باوجود حق پرست لوگ شہادت قبول کر لیتے تھے مگر اعلائے کلمہ حق سے باز نہیں آتے تھے۔ البتہ اس قسم کے حالات میں جب انسان کو جان کا خطرہ ہو تو وہ امیر بالمعروف کے فریضہ سے معذور سمجھا جائے گا، ورنہ عام حالات میں اپنی اصلاح بھی ضروری ہے اور دوسروں کی اصلاح بھی لازم ہے روحانی ترقی کے لیے اصلاح نفس بھی ضروری ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ حق کی حمایت میں سچی کرے۔ اِنَّا اِهْتَدٰی لَدُنَّیْہِ سَوِّیْہِ یٰرَبِّہِ بَاتِہِی پائی جائے ہے کہ اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ جان کی اصلاح بھی مد نظر ہو۔

حضرت خدیجہؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وَلَذِي نَفْسِي بِيَدِهِ اللّٰهُ كِي قَسَمِمْ كِي قَبَضِيْ كِي مِيْرِيْ مَا نَ هِيْ -
لَتَأْمُرَنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَىْ عَنِ الْمُنْكَرِ اے لوگو
نیکی کا حکم ضرور کرتے رہو اور بُرائی سے ضرور روکتے رہو، ورنہ کیسے تم کو
اللّٰهُ بِعِقَابٍ مِّنْ عِنْدِهِ اللّٰهُ تَعَالٰی اِپنی طرف سے تمہیں کسی عذاب
میں مبتلا کر دے گا۔ ثُمَّ لَتَذَعَنَّ فَلَا يَسْتَجِيبُ لَكُمْ
پھر تم دعا میں مانگتے رہو گے مگر قبول نہیں ہوں گی کیونکہ تم اپنے فریضہ کو ترک
کے چکے ہو گے۔

ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور عرض کیا، امیر المؤمنین! اَعْلَمْ
بِالْاَعْمَالِ الْخَيْرِ الْاَخْصَلَتْ بِنِیْ مِیْنِ سَلَمَیْ نَجِیْ كِي كَامِ كَرْتَا
ہوں مگر دو کام کرنے سے عاجز ہوں۔ فرمایا، وہ دو کام کون سے ہیں
کہنے لگا اَوَّمُرُّ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ
یعنی نیکی کا حکم برائی کی ممانعت، یہ دو کام میں نہیں کرتا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے
فرمایا لَقَدْ طَلَسْتُ سَهْمِيْنَ مِّنْ سَهَامِ الْاِسْلَامِ لَو
نے اسلام کے دو حصے مٹا دیے ہیں اور خدائی گرفت میں آگئے ہو۔ پھر حضرت
اور نبی عن النکراتی ضروری امور میں کہ ان کو ترک کرنے سے خود اسلام کو نقصان
پہنچانے والی بات ہے۔

بہر حال اجتماعی طور پر اصلاح نفس اور اصلاح ناس کا فریضہ اُسی
صورت میں کامیاب ہو سکتا ہے جب قرآن پاک کو اپنی فکر کا مرکز بنا لیا
جائے۔ جب لوگ قرآن حکیم کی باریکیوں کو سمجھنے لگیں گے تو پھر اپنی اصلاح
بھی کر سکیں گے اور دوسرے لوگوں کی اصلاح کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے
اسی سورۃ میں پہلے آچکا ہے فَالْقَوْنِ یَا وَلِیُّ الْاَلْبَابِ
لَنَلْکُمْ نَفْلًا حَیْثُ لَ اَعْقَلُ مِنْدُ لَوْ! اگر مجھ سے ڈرتے

رہے تو تمہیں فلاح نصیب ہو جائیگی، پھر دوسری قومیں تمہارا مقابلہ
 نہیں کر سکیں گی۔ جب تمہاری عقلوں کو اتنی ترقی نصیب ہو جائے کہ
 قرآن پاک کی باریکیاں سمجھنے لگو تو پھر کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔
 فرمایا، یاد رکھو! اَللّٰهُ مَرْجِعُكُمْ حُبِّمًا
 تم سب کو لوٹ کر خدا کے پاس جانے فتنے لگو رہے ہو، لہذا تم
 قہر مٹاؤ، پھر وہ تمہیں بتائے گا جو کچھ تم کہتے ہو اُس کے پاس
 تمہاری زندگی کا پورا ریکارڈ موجود ہے۔ وہ ظاہر کرے گا کہ فلاں فلاں وقت
 میں تم فلاں فلاں کام انجام دیتے ہو۔ اچھا یا بُرا جو کچھ بھی اس دنیا میں کیا
 ہے، سب کچھ سُننے آجائے گا۔ پھر پورا اچھے کام کی جزا پالو گے یا بُرے کام
 کی سزا بھگتن ہوگی، کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے مناسب سے بچ نہیں سکے گا
 لہذا تمہاری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ نامساعد حالات میں بھی اپنی اصلاح
 کرو اندہ ہدایت کے رُستے پر قائم رہو۔ اگر الیا کرو گے تو دوسروں کا کفر،
 شرک اور اغلاط تم پر اثر انداز نہیں ہو سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کا ذریعہ
 بھی سمجھا دیا اور پھر اسے تسلی بھی دے دی۔

لَمَّا نَقَدَ

بَيْتَهُ ١٠٧

وَإِذَا سَمِعُوا

رِسْرَسَ مِيلٍ وَرَبَّتَ ١٠٨

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ
 أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنِ
 ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ أَوْ آخَرَيْنِ مِّنْ غَيْرِكُمْ
 إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ
 مُصِيبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُونَهُمَا مِنْ بَعْدِ
 الصَّلَاةِ فَيُقْسِمُنِ بِاللَّهِ إِنْ رُبِّتُمْ لَا تَشْتَرِي
 بِهِ نَفْسًا مِّنَّا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۖ وَلَا تَكْتُمُ شَهَادَةَ
 اللَّهِ إِنَّا إِذَا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ①٠٧ فَإِنْ عُدَّ عَلَى
 أَنْفُسِهِمَا اسْتَحَقَّا إِثْمًا فَأَخْرَجَ يَفْقُومِينَ
 مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ
 الْأُولَٰئِينَ فَيُقْسِمُنِ بِاللَّهِ لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ
 شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَا ۖ إِنَّا إِذَا لَمِنَ
 الظَّالِمِينَ ①٠٨ ذَلِكَ أَذَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ عَلَىٰ
 وَجْهٍ أَوْ يَخَافُوا أَنْ تُرَدَّ أَيْمَانٌ بَعْدَ أَيْمَانِهِمْ
 وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

الْفَاسِقِينَ ①٠٨

١٠٨
١٠٨

ترجمہ :- اے ایمان والو! گواہی تمہارے درمیان جس وقت کہ آجائے تم میں سے کسی کے پاس موت، وصیت کے وقت دو شخص انصاف ملے ہوں تم میں سے یا دو اور ہوں تمہارے سوا دوسروں سے اگر تم سفر کرو زمین میں اور پہنچ جانے تم کو موت کی مصیبت۔ اُن دونوں گواہوں کو روک رکھو نماز کے بعد : پس وہ قسم اٹھائیں اللہ کی اگر تم کو شک ہو، کہ ہم اس (قسم) کے ہمارے کوئی قسمت نہیں خریدنا چاہتے۔ اگرچہ قرابتہ ہی کیوں نہ ہوں، اور ہم نہیں چھپاتے اللہ کی گواہی کو۔ بیشک ہم اُس وقت البتہ گنہگاروں میں سے ہوں گے (۱۰۶) اگر اطلاع ہو جائے اس بات پر کہ یہ دونوں گناہ کے مستحق ہوئے ہیں، پس دوسرے دو کھڑے ہو جائیں اُن کی جگہ پر اُن میں سے کہ جن پر یہ پہلے دو شخص گناہ کے مستحق ہوئے ہیں۔ وہ اللہ کے نام پر قسم اٹھائیں اور یہ کہیں کہ ہماری گواہی زیادہ تحقیقی ہے اُن کی گواہی سے اور ہم نے قعدی نہیں کی، بیشک اُس وقت ہم ظلم کرنے والوں میں سے ہونگے (۱۰۷) یہ بات (جو تمہیں بتلائی گئی ہے) زیادہ قریب ہے کہ یہ لوگ گواہی کو اس کے صحیح طریقے پر قائم کریں یا پھر خوف کھائیں کہ رو کر دی جائیگی قسمیں، اُن کی قسموں کے بعد اور اللہ تعالیٰ سے اور سزا، اور اللہ نہیں راہنمائی کرتا، اُس قوم کی جو نافرمانی کرنے والی ہو (۱۰۸)

پہلی آیت میں اللہ نے کثرتِ سوال سے منع فرمایا۔ پھر شرکیں کے

عقائد باطلہ کا رد فرمایا کہ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ اور رسول کی طرف
 آؤ تو وہ اپنے آباؤ اجداد کے رستے کو ہی پسند کرتے ہیں، اللہ نے اسے مگر اسی
 سے تعبیر فرمایا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو نصیحت فرمائی اور تسلی
 بھی دی کہ ایسی باتوں سے یقیناً ایمان والوں کو تکلیف ہوتی ہے ظاہر ہے
 کہ شرکیہ اور جاہلیت والی باتوں کو مٹ کر ایمان والوں کا دل دکھتا ہے۔ اس
 ضمن میں اللہ نے تسلی دی کہ اگر تم ہدایت کے راستے پر قائم رہے تو کفار و
 مشرکین تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، پھر فرمایا جب دوسرے
 لوگ تمہاری دعوت کی طرف توجہ ہی نہ کریں تو پھر ان کے درپے ہونے
 کی بجائے اصلاحِ نفس کی طرف توجہ ہو۔ ہدایت کے راستے کو لازم
 پکڑو اور اپنا فریضہ ادا کرتے رہو، پھر فرمایا کہ سب نے اللہ کے پاس لوٹ
 کر جائے۔ وہ ان سب کے اعمال نامے ان کے سامنے رکھ دے گا
 اور ان کے مطابق جزا اور سزا دیگا۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان
 کی دینی اور اعتقادی مصلحت بیان فرمائی ہے کہ ہمیں ہدایت کے راستے
 پر صحیح طریقے سے قائم رہنا چاہیے اور بے دین اور غلط کار لوگوں کا طریقہ
 نہیں اپنانا چاہیے اور اب آج کی آیات میں دنیاوی مصلحت کا تذکرہ فرمایا
 ہے کہ اگر اس قسم کے حالات پیدا ہو جائیں تو ان احکام پر عمل پیرا ہو جاؤ
 گذشتہ آیات کے ساتھ ہی ربط ہے۔

ان آیات کی شان نزول میں مفسرین کرام یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ
 حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ مبارک میں مکے مدینہ کے لوگ تجارت
 کے لیے شام کا سفر اختیار کرتے تھے۔ یہ بڑے بڑے تجارتی مراکز تھے
 درمیان میں ایک ہزار میل فاصلہ تھا مگر موجودہ زمانے کی طرح ریل و سرائے
 کی سہولت حاصل نہ تھی، لوگ اونٹوں پر تجارتی مال لاد کر خانلوں کی شکل میں

سفر کرتے تھے بعض اوقات سواری کے لیے گھوڑے اور بار برداری کے لیے خچر اور گدھے بھی استعمال ہوتے تھے کہتے ہیں کہ حضرت عمرو بن عاصؓ کا آزاد کردہ غلام بديل بن ورقاسمی جو کہ مسلمان تھا، تجارت کی غرض سے ملک شام گیا۔ راستے میں دو غیر مسلم بھی اس کے ہم سفر بن گئے جو اسی علاقہ کے باشندے تھے، ان میں ایک آدمی نیمم داری تھا جو اُس وقت عیسائی تھا مگر بعد میں مسلمان ہو گیا، اور دوسرا شخص عدی بن برد بھی عیسائی یا مشرک تھا۔ جب شام میں پہنچے تو اتفاق ایسا ہوا کہ بديل سمی بیمار ہو گیا۔ جب اس میں زندگی کی امید باقی نہ رہی تو اُس نے اپنا سامان باندھا اور سارے سامان کی فرست بھی اُسی سامان میں خفیہ طور پر رکھ دی، پھر اپنا سامان اپنے غیر مسلم ساتھیوں کے سپرد کر دیا کہ وہ اُس کے داروں تک پہنچا دیں۔ مسلمان فوت ہو گیا اور اُس کے ساتھی اُس کا سامان لے کر واپس آ گئے۔

اس سامان میں چاندی کا ایک قیمتی پیالہ بھی تھا جس پر سنہری کام کیا گیا تھا۔ ایسے ظروف بڑے حکام، امرا یا بادشاہ ہی استعمال کرتے ہیں کیونکہ اُس پیالے کی قیمت ایک ہزار درہم سے کم نہ تھی۔ واپس پہنچ کر ان دونوں ساتھیوں نے پیالہ نکال کر بیچ لیا اور اُس کی رقم باہم تقسیم کر لی اور باقی سامان متوفی کے داروں تک پہنچا دیا جب انہوں نے سامان کھولا تو اُس میں سے سامان کی فرست بھی برآمد ہوئی۔ پھر جب انہوں نے فرست کے ساتھ سامان کا موازنہ کیا تو وہ قیمتی پیالہ نہ پایا۔ اُن دواؤں سے قیمت کیا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ متوفی کے ورثہ کی تسلی نہ ہوئی۔ چنانچہ معاملہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ سامان لانے والے دونوں آدمیوں کو طلب کیا گیا تو انہوں نے قسم اٹھالی کہ اُن کے پاس متوفی کا کوئی سامان نہیں ہے، چنانچہ انہیں چھوڑ دیا گیا۔

پیالہ مکے کے ایک سار کے پاس فروخت کیا گیا تھا، وہ برآمد ہو گیا۔

اور اس نے بتایا کہ یہ پیالہ اُس نے تمیم اور عدی سے خریدا تھا اس پر وہی مقدمہ
 نظر ثانی کے لیے دوبارہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ ملزمان کو
 دوبارہ طلب کیا گیا اور انہیں بتایا گیا کہ تنازعہ پیالہ فلال سار سے ملا ہے
 جس کے پاس تم نے بیچا تھا تو اُن دونوں نے اپنا بیان یوں بدل لیا کہ یہ پیالہ
 انہوں نے متوفی بدل سے زلفہ کے عوض خریدا تھا پھر اپنی مرضی سے آگے
 فروخت کر دیا، کس نے کچھ اس خبر پر فروخت پر کوئی گواہ نہیں تھا اس
 لیے ہم نے پہلی مرتبہ سے ظاہر کرنے سے استہزا کیا۔

معاملہ واضح ہو چکا تھا۔ بدل کے ورثہ کا شک یقین میں بدل گیا اور اُن
 میں سے دو آدمیوں نے اٹھ کر قسم اٹھائی کہ یہ پیالہ متوفی نے ان کے پاس
 فروخت نہیں کیا تھا، یہ غلط بیانی کر رہے، لہذا یہ پیالہ انہیں ملنا چاہیے۔ اس
 پر فیصلہ وراثہ کے حق میں ہو گیا۔ یہ آیات اسی واقعہ کے حق میں نازل ہوئیں
 اور اس طرح ایک شہادت کو رد کر کے دوسری شہادت کو قبول کرنے
 کا قانون بھی ثابت ہو گیا۔

دوسری تقریر

ارشاد ہوتا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِيْمَانُ وَالْوَلَدِ !
شَهَادَةُ بَيْنَكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمْ الْمَوْتُ
عَنِ الْوَصِيَّةِ اثْنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ
 شہادت قائم کرو جب تم میں سے کسی کی موت آجائے وصیت
 کے وقت تم میں سے دو عادل گواہ۔ أَفِ الْخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ
 یا دو دوسرے گواہ غیروں میں سے إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ
 جب کہ تم زمین میں سفر کرو فَأَصَابَتْكُمُ مُّصِيبَةُ الْمَوْتِ
 اور تمہیں موت کی مصیبت آ پہنچے۔ جیسا کہ شان نزول کے واقعہ سے
 ظاہر ہوتا ہے، اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان سفر
 پر ہو اور اُس کی موت کا وقت قریب آجائے تو اپنے میں سے دو عادل

گواہ بنائے یعنی دو دہی مقرر کرے جن کے سامنے سرے سے پہلے وصیت کرے تاکہ وہ گواہان اس کی وصیت کے متعلق متوفی کے دلشان کو مطلع کر سکیں۔

گواہوں کے تقرر کے متعلق ایک عام قانون سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے، **وَأَسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ** کہ تم میں سے دو مرد گواہ ہونے چاہئیں۔ اور اگر دو مرد موجود نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہونی چاہئیں۔ مگر یہ چونکہ سفر کا معاملہ ہے، یہاں پر قدمے آسانی پیدا کی گئی ہے کہ **ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ** تم میں سے دو صاحب عدل ہوں۔ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ یہاں پر **مِنْكُمْ** سے مراد اقربا ہیں جو ممکن ہوں اور غیریہ سے مراد غیر رشتہ دار ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ کسی ممکن کے حق میں یا اس کے خلاف کسی غیر مسلم کی گواہی معتبر نہیں ہوتی۔ مگر امام ابو حنیفہؒ اور دیگر فقہاء فرماتے ہیں کہ سفر کے دوران مسلمان گواہوں کا ہونا لازمی نہیں ہے۔ اگر مسلمان گواہ موجود نہ ہوں تو ایسے مواقع پر غیر مسلموں کی شہادت اور حلفیہ بیان بھی قابل قبول ہے۔ آپ کا استدلال یہ ہے کہ غیریہ کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے ہم مذہب نہ ہوں، تب بھی ان کی شہادت پر مقدمہ کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ واقعہ میں ہوا، دو گواہوں میں سے ایک عیسائی اور دوسرا مشرک تھا، مگر ان کی شہادت پر حضور علیہ السلام نے مقدمہ کا فیصلہ صادر فرمایا۔ بہر حال یہاں پر گواہ بنانے سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص سرے سے قبل انہیں اپنا دہی بنائے جو اس کی وصیت کی گواہی دیں۔

فرمایا جب تمہیں سفر کے دوران موت کی مصیبت آپہنچے۔ ظاہر ہے کہ موت انسان کے حق میں اس دنیا میں سب سے آخری مصیبت ہے زندگی میں انسان کو کئی طرح کی مصیبتیں پیش آتی رہتی ہیں مگر موت ایک ایسی مصیبت ہے جس کے بعد اور کوئی مصیبت نہیں آتی۔ جیسے غالب نے کہا ہے

دہی کی
شہادت

”جو بچے قصے نام ایک مرگہ لگانی اور ہے“

اس مصیبت سے کسی کو غفر نہیں، یہ ہر صورت آکر رہیگی۔ تو ایسی صورت میں دو گواہ مقرر کر لو اور پھر تجسسو لھما من کعبہ الصلوٰۃ انہیں روک لو نماز کے بعد یہاں پر نماز سے مراد نماز عصر ہے جسے صلوٰۃ وسطیٰ بھی کہا جاتا ہے یہ وقت سورت زیاں کا وقت ہوتا ہے اور تاجر لوگ اپنا حساب کتاب عموماً اسی وقت میں کیا کرتے ہیں۔ اسی وقت انہیں اپنے نفع نقصان کے متعلق علم ہوتا ہے، اس لحاظ سے یہ بڑا نازک اور اہم وقت ہوتا ہے، اس لیے اسے وقت میں شہادت لینے کا حکم دیا گیا ہے۔ نماز عصر کی جیسے بھی بڑی تاکید آئی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے مَنْ فَاتَ صَلَوةَ الْعَصِيِّ فَكَانَ مَاتَ وَتَرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ جس کی عصر کی نماز ضائع ہوگئی اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کا سارا مال اور اولاد تباہ ہو جائے اور وہ شخص دنیا میں تنہا رہ جائے، نماز عصر کی فوتیگی کا اتنا بڑا نقصان ہے۔

فرمایا نماز عصر کے بعد اُن دو گواہوں کو روک لو فَيَقْبِضُ سَمْنٌ بِاللّٰهِ پھر وہ اللہ کی قسم اٹھائیں اِنْ اَرْتَبْتُمْ اَگرتمیں شک ہو مقصد یہ کہ اگر گواہان کے بیان میں شک پڑ جائے کہ یہ جھوٹ کر رہے ہیں تو نماز عصر کے بعد اُن سے طعیر بیان کر کہ لَا تَشْتَرِيْ بِہِ فَمَنْ اُس گواہی کے پتہ پر کئی مالی مفاد نہیں حاصل کرنا چاہتے۔ بلکہ ہٹھیک ٹھیک حقیقت حال واضح کرنا چاہتے ہیں وَاَوْ كَانْ ذَا قُوْبِیْ اگرچہ اس گواہی سے متعلق ہمارے اقربا ہی کیوں نہ ہوں، ہم اپنے کسی رشتہ دار کا لحاظ کیے بغیر ٹھیک ٹھیک شہادت دیں گے وَلَا نُنْكُتْہُ شَہَادَةُ اللّٰہ اور ہم اللہ کی گواہی کو چھپائیں گے بھی نہیں۔ بعض اوقات جتنی گواہی دی جاتی ہے وہ بالکل ٹھیک ہوتی ہے مگر کسی اہم معاملہ کو چھپایا جاتا ہے جس سے مقدمہ پر غلط اثر مرتب ہو سکتا ہے، لہذا گواہ یہ بھی حلفاً کہیں کہ وہ شہادت میں سے کسی بات کو نہیں چھپائیں گے اور مکمل

گواہی دیں گے۔ اور اگر ہم الیا کریں گے تو لانا اذ لکمن الا شہیدن
ہم گنہگاروں میں ہو جائیں گے۔ مقصد یہ ہے کہ ایسے معاملات میں اس بنا پر
پر شہادت لی جانے لگی۔

اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے معاملہ میں دوسری صورت
شہادت بھی بیان فرمائی ہے فَإِنْ عُدُّوا عَلَىٰ آلِهِمْ مَا اسْتَحَقُّوا ثَمًّا
اگر یہ ظاہر ہو جائے کہ مذکورہ گواہ گناہ کے مستحق ہوئے ہیں یعنی انہوں نے جھوٹی گواہی
دی ہے جیسا کہ شان نزول کے واقعہ میں ہوا۔ قنازعہ یا لہ برآمد ہونے پر گواہان
کی شہادت جھوٹی ثابت ہو گئی۔ فرمایا اگر دارشان کو یقین ہو کہ گواہوں نے جھوٹی
گواہی دی ہے فَاخْزَلْنِ كَيْفُومِنْ مَقَامِهِمْ تَرَانِ کی جگہ پر دوسرے
آدمی کھڑے ہو جائیں مِنْ الَّذِينَ اسْتَحَقُّ عَلَيْهِمُ الْاُولٰٓئِکِ
اور وہ ایسے آدمی ہونے چاہئیں جن پر پہلے گواہوں نے گناہ کا استحقاق حاصل
کیا ہے۔ یعنی متوفی کے دارشان سے دو آدمی پہلی شہادت کے مقابل دوسری
شہادت پیش کریں فَيَقْسِمْنَ بِاللّٰهِ وَهِيَ الشَّهَادَةُ الْاُولٰٓئِکِ کَسِیْنَ کَشَہَادَتِنَا
اَحَقُّ مِنْ شَہَادَتِنَا کہ ہماری شہادت پہلوں کی شہادت سے
زیادہ سببی برحقین ہے وَمَا اعْتَدَيْنَا اور ہم نے کوئی زیادتی نہیں کی۔
ہمارا مقصد کسی کو نقصان پہنچانا نہیں۔ اور اگر ہم کسی شخص کی حق تلفی کریں گے
اِنَّا اِذَا لَکُمْنَ الظَّالِمِیْنَ تَدۡہِمُ ظَالِمُوْنَ میں سے ہو جائیں گے۔ گویا جھوٹے
گواہ بھی اپنی گواہی کا اسی طرح یقین دلائیں جس طرح پہلے گواہوں نے دلائیا تھا۔
مبادل گواہی کی حکمت
مبادل شہادت کے متعلق فرمایا ذٰلِکَ اَدْنٰی اَنْ یَّاتُوْا بِالْشَّہَادَةِ
اَعْلٰی وَجْہِہَا یہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ گواہ ٹھیک ٹھیک گواہی
دیں۔ اَوْ یَخَافُوْا اَنْ تُرَدَّ اَنْبِ کَمَا نَحْنُ اَبَعَدَ اَیْمَانِہُمْ
یا پھر انہیں خوف ہو گا کہ ان کی قسمیں دوسرے آدمیوں کی قسموں کے بعد رد
کردی جائیں گی۔ یعنی وہ اس خوف سے غلط بیانی نہیں کر سکیں گے کہ انہی

گراہی بھی غلط ثابت ہو سکتی ہے اور اس کی بجائے متبادل شہادت پر فیصلہ ہو سکتا ہے۔ اس طرح انہیں لوگوں کے سامنے رسوا ہونا پڑے گا اور رسوائی میں ان کا وقار گر جائے گا۔

قانون پر
عملدرآمد

آخر میں خلاصہ کلام یہ ہے وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاسْمَعُوا اللَّهَ دیتے رہو اور قانون خداوندی اور ارشاد نبوی کو سنو، ان باتوں کو سمجھو اور پھر ان پر پیرا ہو جاؤ۔ اگر اس کے خلاف کرو گے تو فسق میں مبتلا ہو جاؤ گے اور اگر انکار کرو گے تو کفر میں قدم رکھو گے اللہ نے یہ بات صاف صاف بتلا دی کہ کفر، فسق یا نفاق سے بچ جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرو۔ اور جو شخص فسق پر اصرار کرتا ہے وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ اللہ تعالیٰ فسق کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتا، ہدایت کے لیے شرط یہ ہے کہ انسان حق کی طرف رجوع کرے اور اس کا طلبگار بنے۔ پہلے سے اعتبار کر دو فسق و فجور کو ترک کر دے اور صحیح بات حاصل کر نیکی ٹرپ پیدا کرے۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ ہدایت کا راستہ واضح کر دیتا ہے اور فسق کو نیراں کو ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔

يَوْمَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ
 قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ①۰۹
 إِذْ قَالَ اللَّهُ يُعِصِي ابْنُ مَرْيَمَ أَمْرًا فَقَمِنَ
 عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ إِذْ أَبَدْتُكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ
 نَكَلَمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَإِذْ عَلَّمْتُكَ
 الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ

ترجمہ :- (اس دن کو یاد کرو) جس دن اللہ سارے
 رسولوں کو اکٹھا کریگا، پس فرمایگا (اُن سے) کہ تم کو کب
 جواب دیا گیا (تمہاری اُمتوں کی طرف سے) وہ (رسول)
 کہیں گے، ہم کو کچھ علم نہیں، پس پرشیدہ باتوں کو
 جاننے والا تو ہی ہے ①۰۹ جب فرمائے گا اللہ، اے عیسیٰ
 مریم کے فرزند! یاد کر میری نعمتیں جو میں نے تم پر کیں
 اور تیری والدہ پر۔ جب میں نے تیری تائید کی پاک روح
 کے ساتھ، تو کلام کرتا تھا لوگوں کے ساتھ گھوڑے میں اور
 اوصیٰ عمر میں، اور جب میں نے سکھائی تمہیں کتاب اور
 حکمت اور تورات اور انجیل

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے وصیت کے متعلق احکام صادر فرمائے
 اور اس سے پہلے اہل کتاب اور مشرکین کی خود ساختہ نیازیوں کا رد تھا۔ قسم

رہنمائیات

کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ارشادات اور احکام کی حالت میں شکاری منعت کا بیان بھی ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اور محاسبے کے عمل سے متعلق ارشاد فرما رہا ہے۔ اس ضمن میں یہ پہلا رکوع تنبیہی سے اور اگلے رکوع میں اس بات چیت کا ذکر ہے جو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان ہوگی۔ یہاں پر مسیح علیہ السلام کا خاص طور پر اس لیے ذکر ہے کہ دنیا میں لوگ آپ کو الہ تسلیم کرتے تھے۔ بہر حال یہاں پر اللہ تعالیٰ نے رسولوں کا اجمالی طور پر ذکر فرمایا ہے، قیامت کے محاسبے سے خبردار کیا ہے اور اس دن کی کیفیت کو ظاہر کیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ أَسْوَ نام انبیاء
سے سوال
میں لاؤ جس دن اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو اکٹھا کرے گا اور محاسبہ ہوگا رسول
رسول کی جمع ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جتنے بھی نبی اور رسول ان دنوں
کی راہنمائی کے لیے اپنا حکم اور شریعت دے کر مبعوث فرمائے، سب کو
جمع فرما کر محاسبے کا عمل شروع کرے گا فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ اور کہے
گا، تم کو کیا جواب دیا گیا۔ یعنی جس قوم کی طرف تمہیں مبعوث کیا گیا تھا۔ اور
جس کو تم نے دین کی دعوت دی تھی، اس قوم نے اس دعوت کو کیا جواب
دیا۔ فَالَّذِينَ لَا عِلْمَ لَنَا رِسُولَ جَوَابِ دِينِ گے ہمیں کچھ علم نہیں انک
أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ تمام پوشیدہ باتوں کو جاننے والا تو ہی ہے۔
اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے دریافت کرنے پر انبیاء کا مطلق لاٹلی
کا اظہار قابل توجہ ہے، کیونکہ وہ سکر مقام پر قرآن پاک میں موجود ہے۔
کہ اللہ تعالیٰ ہر امت میں سے رسول کو اٹھائے گا اور وہ اپنی اپنی امت
کے حق میں گواہی بھی دینگے مگر یہاں پر کسی چیز کے علم سے مطلقاً انکار کر دیا گیا
ہے۔ اس کی توجہ میں مفسرین کو لازم فرماتے ہیں کہ میدان محشر کی کارروائی
بڑی وسیع ہوگی اور اس کی مختلف کیفیات ہوں گی، وہاں پر ایک وقت

ایسا بھی ہو گا جب ہر طرف دہشت طاری ہوگی اور جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں موجود ہے دعویٰ کہ لہو سلسل یومہذ نفسی نفسی ربکم اس وقت تمام انبیاء بھی نفسی پکار رہے ہوں گا اور کہیں گے۔

اے پروردگار! آج بچائے۔ اس آیت میں جس لاعلمی کا ذکر کیا گیا ہے وہ ایسے ہی موقع کی بات ہے کہ کسی کو کچھ پتہ نہیں چلے گا۔ ہر شخص خوف میں مبتلا ہو گا۔ حتیٰ کہ جب انبیاء سے اللہ تعالیٰ ان کی امتوں کے متعلق سوال کریں گے تو وہ لاعلمی کا اظہار کر دیں گے۔ پھر جب سکون ہو جائے گا۔ تو انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے سوالات کا جواب بھی دیں گے اور اپنی اپنی امت کے حق میں گواہی بھی دیں گے اور عرض معروض بھی کریں گے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس اظہار لاعلمی کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مولاکریم! تیرے علم کے مقابلے میں ہمارا علم تو محدود ہے اور نہ ہونے کے برابر ہے۔ تمام پوشیدہ باتوں کو تو ہی جانتے والا ہے۔ اسی بنا پر وہ کہیں گے کہ لَا عَلَیْہُمْ لَئِنَّا ہمیں کچھ علم نہیں یعنی بہت ہی قلیل علم ہے، مگر یا اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کے سامنے اپنے علم کو نفی پر محمول کریں گے اور اس لاعلمی کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم جب تک دنیا میں رہے ہمارا علم تو ظاہری چیزوں تک ہی محدود تھا پوشیدہ باتوں تک تو ہماری علمی رسائی نہیں تھی۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ کس شخص کے دل میں صیغہ ایمان اور سچی تصدیق موجود ہے اور کون شخص حقیقی ایمان سے محروم ہے۔

علم غیب خاصہ خداوندی ہے اور یہ مخلوق میں سے کسی دوسری ہستی کو حاصل نہیں۔ حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام بھی ہر چیز کو نہیں جانتے جب تک کہ اللہ تعالیٰ الہام کشف یا وحی کے ذریعے ظاہر نہ کرے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک مقدمہ پیش ہوا آپ نے فرمایا عالم الغیب اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ
لے ملکہ ص ۱۶۱ فیاض

ہے۔ میں تو اپنی زندگی میں انہیں تیری توحید کی طرف ہی دعوت دیتا رہا ہوں۔
 فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ جَب تُوْنے مجھے اٹھایا
 تو پھر تو ہی اُن کا نگراں تھا، مجھے کیا علم کہ انہوں نے میرے بعد کیا کیا۔

بہر حال جب اللہ تعالیٰ تمام انبیاء سے دریافت کریں گے کہ تمہاری امتوں
 نے میری دعوت کا کیا جواب دیا تو سب متفقہ طور پر اپنی ناجزئی کا اظہار کریں گے
 اور اپنے محدود علم کے پیش نظر عرض کریں گے کہ مولا کریم! تمام مخفی چیزوں
 کا علم تیرے پاس ہے۔ تیرے سوا کوئی غیب دان نہیں۔ یہ تو ہی جانتا ہے
 کہ ہماری امتوں کے لوگوں نے ہمارے بعد کیا کیا کُل کھلائے یہ تو ہی جانتا ہے
 کہ ان لوگوں کے دلوں میں ایمان کس حد تک راسخ تھا ان میں سے کون
 صحیح معنوں میں ایمان دار تھا اور کون منافق تھا۔ غرضیکہ علم غیب کے مظہر مولا ہی
 ہونے کی تصریح قرآن پاک میں تین سو سے زیادہ آیات میں موجود ہے۔
 جو شخص علم غیب کی صفت کسی مخلوق میں مانے گا وہ مشرک ہو جائے گا۔

انبیاء علیہم السلام کے ساندہ سوال و جواب کا تذکرہ کر کے اللہ تعالیٰ نے
 تمام امتوں کو بھی بات سمجھائی ہے کہ ہر شخص کا فرداً فرداً محاسب ہونے والا ہے
 سورۃ اعراف میں موجود ہے "فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ
 وَلَنَسْأَلَنَّ الْعُرْسَلِينَ" ہم ان لوگوں سے بھی باز پرس کریں گے
 جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور خود رسولوں سے پوچھ گچھ ہوگی بخاری شریف
 کی روایت میں آئے کہ وہ وقت آ رہا ہے جب اللہ تعالیٰ ہر شخص سے
 براہ راست سوال کریگا اور درمیان میں کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔ سورۃ نحل میں
 ہے "يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ بِخَادِلٍ عَنْ نَفْسِهَا" ہر شخص خود اپنے
 اپنے معاملات کا جواب دیکھا۔ وہاں کوئی وکیل پیش ہو کر جواب دعوت
 داخل نہیں کرے گا، بلکہ ہر بات کا خود ہی جواب دینا ہوگا۔ صحیح حدیث
 میں یہ بھی آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کسی انسان کا قدم نہیں ہٹنے

ہر شخص کا محاسب

پائے گا جب تک کہ چند باتوں کے متعلق اُس سے پوچھ گچھ نہ کر لی جائے گی انسان سے اُس کے وجود کے متعلق سوال ہوگا کہ تجھے وجود جیسی نعمت دے کہ دنیا میں بھیجا گیا تھا، تو نے اس کا کیا کیا۔ پھر عمر جیسی قیمتی نعمت کے متعلق پوچھا جائے گا، خاص طور پر جوانی کی عمر کے متعلق سوال ہوگا کہ اُسے کہاں خرچ کیا۔ شباب کا زمانہ بڑا قیمتی زمانہ ہوتا ہے، بچپن اور بڑھاپا تو ناقص ہوتے ہیں مگر جوانی کے دوران انسان سب کچھ کر سکتا ہے زندگی کا لطف بھی اسی دور میں حاصل ہوتا ہے۔ اسی لیے روایت میں آتا ہے کہ جنتی لوگ ہمیشہ شباب کی حالت میں رہیں گے کیونکہ یہ بہترین زمانہ ہوتا ہے، تو شباب کے متعلق پوچھا جائے گا کہ اُسے کہاں بربسیدہ کیا۔ اسی طرح مال کے متعلق بھی سوال ہوگا کہ دنیا میں تو نے اُسے کہاں سے حاصل کیا تھا اور کہاں خرچ کیا تھا۔ ان سب باتوں کے متعلق فرداً فرداً اور براہ راست سوالات ہوں گے۔

اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اُن انعامات کا تذکرہ کیا ہے جو
 اُس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کیے۔ چونکہ دنیا میں بہت سے لوگ
 عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے قائل ہیں اس لیے انہیں یہ بتلانا مقصود ہے
 کہ مسیح علیہ السلام بھی اللہ کے عاجز بندے ہیں، انہیں بھی اللہ تعالیٰ کے
 انعامات کی ضرورت ہے اور وہ خود اہل نہیں ہر ارشاد ہوتا ہے۔
 اِذْ قَالَ اللّٰهُ لِعِيسٰى ابْنَ مَرْيَمَ حَبِّبِ اللّٰهُ تَعَالٰی مَسِيحَ عَلَیْہِ السَّلَام
 سے خطاب کریں گے اے عیسیٰ مریم کے فرزند! یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو
 ابن مریم کہہ کر بیکار کرے گا۔ اور آگے انہی آیات میں جہاں آپ کے حواریوں
 نے مادہ کے نزول کی درخواست کی تو وہاں بھی انہوں نے آپ کو مریم کے
 فرزند ہی کہہ کر پکارا، مریم عورت ہے۔ پہلے اسی سورۃ میں گزر چکا ہے۔
 وَامَّا مَا صَدَقْتُكَ اَبَّیْکِی دَالِدہ بڑی راست، ازنا توں تیں۔
 سورۃ آل عمران میں گزر چکا ہے وَاصْطَفٰکَ عَلٰی سَائِ الْاَلَمٰیْنِ

مسیح علیہ السلام
 کی بشریت

یعنی فرشتوں نے حضورؐ سے کہا کہ اللہ نے تمہیں جہاں بھری عورتوں میں منتخب کیا ہے۔ اور تمہیں فضیلت بخشی مقصد یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام ابن اللہ نہیں بلکہ ابن مریم ہیں۔ مگر عیسائیوں نے کس قدر ظلم کیا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کو الوہیت کے درجے تک پہنچا دیا ہے۔ زیادتی کی حد یہ ہے کہ عیسائیوں نے اپنی لغات میں عیسیٰ کا معنی ابن اللہ کیا ہے۔ حالانکہ ایسا کننا خالصاً شرکِ کبریت ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام ایک قانون کے بطن سے پیدا ہوئے۔ آپ حوائج انسانی رکھتے تھے، اکھلتے پیتے تھے، موت اور زندگی آپ کے ساتھ ساتھ ہے۔ مگر اس کے باوجود لوگوں نے آپ کو انسانیت کی صف سے نکال کر الوہیت کی سند پر بٹھا دیا۔ امام بخاریؒ نے لکھا ہے کہ قیامت کے دن تمام لوگوں کو ان کے باپ کی نسبت سے پکارا جائے گا۔ صرف مسیح علیہ السلام کو ماں کی نسبت سے پکارا جائے گا۔ مسیح ابن مریم اور پھر سب کے اعمال نامے ان کے سامنے رکھ کر محاسبے کا عمل شروع ہوگا۔ ویسے عام قانون بھی یہی ہے اَدْعُوْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ۔ جس کے لوگوں کو باپوں کی نسبت سے پکارو۔ فلاں ابن فلاں۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح ابن مریم کر ان کی الوہیت کی نفی فرمادی ہے۔

فرمایا اے عیسیٰ ابن مریم اذْکُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْکَ وَ عَلَیْ وَلَدَتِکَ
 میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کیں۔ یہ بھی فرمایا
 اِنَّ هُوَ عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَیْہِ مِیْسِحٌ عَلَیْہِ السَّلَامُ خدا کے بند سے اور رسول
 ہیں ان پر مہمنے اپنے احسانات کیے۔ سب کے بڑا احسان یہ ہے کہ ان کو
 اپنا منتخب بندہ یعنی رسول بنایا۔ معجزانہ طور پر بغیر آپ کے پیدا کرنا بھی اللہ کا
 احسان ہے۔ آپ کو بچپن میں ہی نبوت عطا کی گئی۔ دیگر معجزات دیے گئے
 اور پھر سب کے آخر میں دشمنانِ جان کے ہاتھوں سے محفوظ رکھا گیا۔ یہ سب
 اللہ تعالیٰ کے انعام اور احسانات ہیں۔

فرمایا تیری والدہ پر یہ احسان کیا کہ اُسے برگزیدہ بنایا اور بغیر خاوند کے بچہ
 عطا کیا۔ لوگوں کی تہلیل و ترمین سے محفوظ رکھا، اُس کی عزت اور عصمت
 کو ذی کے ذریعے کتابوں میں نازل فرمایا۔ تیری والدہ پر یہ بھی احسان کیا کہ
 اُس کی پرورش غیر معمولی طریقے سے ہوئی۔ بے موسم میل اور خورد و نوش کی
 دیگر چیزیں غیر معمولی طریقے سے دیا کیں، یہ سب کچھ قرآن پاک میں موجود ہے
 اُس کے عیسیٰ علیہ السلام پر کیے گئے احسانات کی مزید تفصیل بیان فرمائی۔
 اِذْ اٰیَّدْنٰکَ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۚ حَبِیْبٌ مِّنْ تِیْرِیْ ۚ تَمِیْدٌ پَاکٌ رُّوحُکَ سَاطِئٌ
 کی۔ روح القدس کا نام معنی جبرائیل علیہ السلام کیا جاتا ہے۔ اللہ نے اُسے
 تمیّد کے لیے مقرر کیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے لیے ہی جبرائیل ہی نے
 حضرت مریم کے گریبان میں بھونک ماری تھی۔ کَبَشَ ۙ اِسْمُ جِبْرِائِلَ ۙ
 بن کر آئے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہر موقع پر جبرائیل علیہ السلام کی تائید
 چاہل رہی۔ البتہ اہم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی روح القدس کی تائید سے مراد
 ملا اعلیٰ کی مسلسل ترجمہ اور دعا لیتے ہیں۔ ملا اعلیٰ کے فرائض میں سے یہ بھی ہے
 کہ وہ بعض اچھی چیزوں کی اچھائی پر اتفاق کرتے ہیں اور اچھے کام انجام دینے
 والوں کے حق میں دعائیں کرتے ہیں۔ اسی طرح بُرے کاموں کو بھی اپنے
 پیش نظر رکھتے ہیں اور اُن کے مزاحمین کے لیے مژدعا کرتے ہیں۔ تو شاہ حبیب
 فرماتے ہیں کہ ملا اعلیٰ کی دُعا یا بدعا کو روح القدس کی تائید سے تعبیر کیا گیا ہے
 فرمایا۔ اے مسیح علیہ السلام تُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَکَهْلًا
 آپ لوگوں سے کلام کرتے۔ کتے گوارے میں اور ادھیڑ عمر میں۔ عیسیٰ علیہ السلام
 کے بچپن کے کلام کا ذکر تو سورۃ مریم میں موجود ہے۔ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ
 اَتْلُوْا الْکِتٰبَ وَجَعَلْنِیْ نَذِیْرًا ۚ اَآپ نے پیدائش کے پہلے دن
 ہی اعلان کر دیا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، مجھے کتاب دی گئی ہے اور نبی بنایا
 گیا ہے۔ یہ عیسیٰ علیہ السلام کا پہلا محضرہ تھا جو اُن کے ہاتھ پر ظاہر ہوا، مگر نہ

بچپن اور
 ادھیڑ عمر
 میں کلام

چند گھنٹے عمر کا بچہ کیسے کلام کر سکتا ہے۔ تاہم معجزانہ طور پر کلام کرنے والے دنیا میں چند اور بچے بھی ہوئے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بچپن میں قوت گریائی عطا فرمائی۔ مسیح علیہ السلام بھی انہی میں شامل ہیں۔

ادھیڑ عمر میں کلام کرنے سے متعلق اشکال پیدا ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام تو ابھی ادھیڑ عمر کو پہنچے بھی نہیں تھے کہ عین شباب کے عالم میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمان پر اٹھالیا۔ بعض فرماتے ہیں کہ ادھیڑ عمر تیس سال بعد شروع ہو جاتی ہے جب کہ عیسیٰ علیہ السلام کا رفع الی السما ۳۲ سال کی عمر میں ہوا۔ لہذا ادھیڑ عمر کا کلام بھی ثابت ہوتا ہے بعض مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ ادھیڑ عمر چالیس سال کے بعد شروع ہوتی ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کو اس عمر تک پہنچنے سے پہلے ہی اٹھالیا گیا۔ لہذا ادھیڑ عمر میں ان کا کلام ثابت نہیں ہوتا۔ البتہ یہ آپ کے دوبارہ نزول کی طرف اشارہ ہے کہ جب آپ دوبارہ زمین پر آئیں گے تو نکاح بھی کریں گے، بچے بھی ہوں گے اور اس دوران آپ ادھیڑ عمر کو بھی پہنچیں گے اور اس عمر میں آپ کا کلام دوبارہ نزول کے بعد ہوگا۔ بہر حال مفسرین فرمانے ہیں کہ جس طرح آپ ادھیڑ عمر میں نبوت و رسالت کا کلام کرتے تھے اسی طرح اللہ نے گہوارے میں بھی اعلان نبوت فرما دیا۔ لہذا بیاں پر اللہ تعالیٰ نے ان نزول زمانوں کا اکٹھا ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے عیسیٰ (علیہ السلام) میرا یہ انعام بھی یاد کرو۔
وَإِذْ عَلَّمْنَاكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ جَب میں نے تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دی مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ کتاب سے مراد کھنڈ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے بغیر استاد کے عیسیٰ علیہ السلام کو تحریر کرنا سکھایا اور بعض فرماتے ہیں کہ کتاب سے مراد تمام کتب سماویہ ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو دیا اور ان کتابوں میں قرآن پاک بھی آتا ہے۔ جب عیسیٰ علیہ السلام کا نزول

کتاب و حکمت
کی تعلیم

ہو گا تو وہ قرآن کی تعلیم کسی اُستاد سے حاصل نہیں کریں گے بلکہ اللہ تعالیٰ خود انہیں سکھائے گا اور حکمت سے مراد حضور علیہ السلام کی سنت ہے۔ دوبارہ نازل پر عیسیٰ علیہ السلام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب کی حیثیت سے آپ کی سنت اور قرآن پاک کے مطابق فیصلے کریں گے اور قرآن کے علاوہ سنت کا علم بھی اللہ تعالیٰ براہِ راست عیسیٰ علیہ السلام کو سکھائیں گے بہر حال بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ کتاب سے مراد مطلقاً لکھنا ہے۔ اور حکمت سے مراد دانشمندی کی باتیں ہیں۔ ان دونوں چیزوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام پر احسان کے طور پر کیا ہے۔

فرمایا تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دی و الشورۃ و الانجیل اور تورات اور انجیل کی تعلیم بھی دی۔ تورات تو عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تاہم آپ کا فرمان ہے کہ میں تورات کے بعض احکام منسوخ کرتا ہوں اور تورات کی بعض حریم کردہ چیزوں کو حلال قرار دیتا ہوں۔ معتقد یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تورات کا مکمل علم عطا فرمایا تھا۔ جہاں تک انجیل کا تعلق ہے، وہ تو خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ اس کی اصل زبان عبرانی یا عبرانی تھی مگر اب وہ اصل انجیل موجود نہیں، البتہ اس کے تراجم دنیا کی ہر زبان میں دستیاب ہیں۔ انجیل میں تغیر و تبدل کا اندازہ اس حقیقت سے ہوتا ہے کہ اللہ کی نازل کردہ ایک کتاب کو ایک سو بیس انجیلوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اب بھی پانچ مشہور انجیلیں تو دنیا میں موجود ہیں۔ اگرچہ ان میں اصل انجیل کے کچھ احکام بھی موجود ہیں تاہم اس کا اکثر حصہ تحریف و تغیر کا شکار ہو چکا ہے۔

تورات کا معنی قانون ہے جب کہ انجیل کا معنی بشارت ہے۔ اسی طرح زبور کا معنی صحیفہ اور قرآن کا معنی پڑھی جانے والی کتاب ہے انجیل اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی اور اس کا نام بشارت اس لحاظ سے ہے

انجیل معنی
بشارت

کہ آپ کے فرائض میں داخل تھا کہ آپ بنی اسرائیل کو دین اور شریعت کی تعلیم دیں۔ نیز جہاں بھی جانیں نبی آخر الزمان علیہ السلام کی بشارت لوگوں کو سنائیں، چنانچہ سورۃ صف میں آپ کا اعلان موجود ہے "وَمُبَشِّرًا يُوسُفُ عِثَانِي مِنْ بَعْدِي اَسْمَاءُ اَحْمَدُ" میں اپنے بعد آنے والے عظیم الشان رسول کی بشارت دینے والا ہوں جس کا نام احمد ہو گا۔ انجیل میں اسے فارقلیط کے لفظ سے تعبیر کیا گیا اور سریانی زبان میں اس کا معنی ستودہ جہاں ہے جو کہ احمد کا ہم معنی لفظ ہے۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ سینٹ پال کی اولاد عیسائیوں نے انجیل سے فارقلیط کا لفظ بھی تبدیل کر دیا تاکہ آخری رسول اور آخری امت کے متعلق انجیل میں موجود پیش گوئیوں کو جھپٹایا جاسکے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام پر کیے گئے بعض احسانات کا تذکرہ کیا ہے۔ آگے آپ کے بعض معجزات کا تذکرہ آ رہا ہے، وہ بھی اللہ کا انعام ہے۔ اس کے بعد اگلے رکوع میں عیسیٰ علیہ السلام سے سوال و جواب کا ذکر آئے گا۔

وَإِذْ أَسْمَعُوا

درس پنجاہ ۵۰

الْمَلٰٓئِكَةُ ۝

(آیت ۱۱۰، نعتی ۱۲۲)

وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنْفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي وَتُسَبِّحُ أَلْحَمْدَهُ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي وَإِذْ أَخْرَجَ الْمُؤْمِنِينَ بِإِذْنِي ۖ وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَءِيلَ عَنْكَ إِذْ جِئْتَهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ (۱۱۰) وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي ۖ قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝ (۱۱۱)

ترجمہ :- اور جب تم بناتے تھے سٹی سے ایک پرندے کی شکل میرے حکم سے ، پھر اس میں پھونکتے تھے ، پس وہ ہو جاتا تھا پرندہ اڑنے والا میرے حکم سے اور جب کہ تم تندرست کرتے تھے مادرزاد اندھوں کو ڈبھی مریضوں کو میرے حکم سے اور جب تم نکالتے (زندہ کرتے) تھے مردوں کو میرے حکم سے اور جب میں نے روکا بنی اسرائیل کو تم سے جب کہ تم کہتے اُن کے پاس کھل نشانیاں ہے کہ ، پس کہا اُن لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا تھا اُن میں سے ، نہیں ہے یہ مگر کھٹا جادو (۱۱۰) اور جب کہ میں نے دمی کی متی حواریوں کی طرف کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر ، تو کہا انہوں نے ایمان لانے ہم اور تو گواہ رہ بیشک ہم فرمانبرداری کرنے والوں میں سے ہیں (۱۱۱)

اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے، اُسے ایک مدت تک دنیا میں بھیجا کر اپنے احکام کی تعمیل کا حکم دیا ہے۔ اب یہ ایک فطری امر ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان سے اُن اعمال کی باز پرس بھی کرے جو وہ دنیا میں انجام دیتا رہا۔ یہی محاسبہ سب سے بڑا عمل جلالہ قیامت کے دن ہر شخص کے بارے میں کریں گے، جس طرح کسی انسان کا اس دنیا میں آنا ایک قطعی امر ہے۔ اسی طرح اُس کا محاسبہ بھی لازمی ہے۔ چنانچہ گذشتہ درس میں گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو جمع فرمائے گا پھر اُن سے پوچھا جائے گا کہ جس قوم کی طرف تمہیں مبعوث کیا گیا، انہوں نے تمہاری دعوت کا کیا جواب دیا۔ رسولوں کے اس اجالی ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے بطور مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے اور سورۃ کے آخر تک یہی مضمون چلے گا۔ مسیح علیہ السلام سے امت کے متعلق خصوصی سوال ہو گا مگر اُس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو اپنے انعامات یاد دلانے ہیں کہ اے ابن مریم! میں نے تم پر کتنے بڑے بڑے انعامات کیے اور تمہاری والدہ پر جس کو جبرائیل اور عیسیٰ علیہ السلام کی تائید حاصل ہو جانے کس قدر مرتبہ والا شخص ہو سکتا ہے۔ آپ کا گوارے اور ادھیڑ عمر میں یکساں پیغمبرانہ کلام کرنا بھی غیر معمولی انعام تھا۔ پھر تحریر کا علم، کتاب، حکمت کی تعلیم، قرآن و سنت کا علم خود بخود دے دینا کتنا بڑا انعام ہے۔ ان سب کا ذکر گذشتہ درس میں ہو چکا ہے۔

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو عطا کیے گئے بعض نمایاں معجزات کا ذکر کیلئے کیا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے مسلم شریف کی روایت میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی اور رسول کو کوئی نہ کوئی معجزہ عطا کیا ہے۔ معجزہ سے مراد غلامت عادت ایسا فعل ہے جو بنی نوع انسان کو عاجز کر دے۔ چونکہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔ اس لیے کوئی حکیم فلاسفہ سائنس دان یا ساحر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ

معجزات انبیاء

نے مجھے جو خصوصی معجزہ عطا فرمایا ہے وہ قرآن کریم ہے۔ اس لیے مجھے
 اُمید ہے کہ قیامت ملے دن میرے سب بیروکار سب سے زیادہ ہوں گے
 آپ نے یہ بھی فرمایا کہ باقی انبیاء کے معجزات عارضی ہیں۔ معجزہ ظاہر ہوا۔ دیکھنے
 ملے لوگوں نے دیکھ لیا اور اس کے بعد ختم ہو گیا۔ مگر میرا معجزہ قرآن پاک دائمی
 ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خاص نشانی مجھے وحی کے ذریعے عطا فرمائی ہے۔ مخبر
 قرآن اہم بیضادی اور دوسرے محققین فرماتے ہیں کہ کسی نبی کے لیے معجزہ
 نبوت کی علت نہیں ہوتا بلکہ یہ نبوت کی محض ایک علامت ہوتی ہے۔
 لہذا ضروری نہیں کہ ہر نبی لازماً معجزہ پیش کرے۔ بہر حال انبیاء کے معجزات
 اللہ تعالیٰ کی طرف سے الٰہ کی عزت افزائی ہوتی ہے۔ بلکہ رومی صاحب
 تو فرماتے ہیں: ”روئے و آوازِ پیغمبر معجز است“ یعنی پیغمبر علیہ السلام کی آواز
 اور اس کا اثر مبارک بھی معجزہ ہوتا ہے۔ صداقت شعلہ لوگ پیغمبر کا چہرہ مبارک
 دیکھ کر ہی ایمان قبول کر لیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے متعلق
 آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کا چہرہ الزر دیکھا تو کہنے لگے: وَاللّٰہِ مَا هَذَا الْوَجْدُ
 بَوَجْہِیْ کَذَا بَسْمَہِ چہرہ کسی جو ملے انسان کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ آپ نے
 پہلی ہی مجلس میں ایمان قبول کر لیا۔

جیسا کہ عرض کیا معجزات پیش کرنا انبیاء کے فرائض منصبی میں شامل نہیں
 البتہ جو چیز الٰہی کے ذمے ہے وہ نفوس النانیہ کی تکمیل و تہذیب ہے قرآن پاک
 نے اس کو ”کِتَابٌ یُّذَکِّرُ“ سے تعبیر فرمایا ہے۔ یعنی لوگوں کا تزکیہ کرتا ہے
 اور اس کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب انسان سے تمام رذیل خصائل
 گندے اخلاق اور برے عقیدے نکل جائیں اور اُن کی جگہ پاکیزہ اخلاق و
 عقاید پیدا ہو جائیں۔ جب یہ چیز پیدا ہو جائے تو ان مہذب بن جاتا ہے
 آج کل کی اصطلاح میں تو مہذب (CULTURED) وہ آدمی ہوتا ہے جو
 کل نئی وضع قطع اور انگریزی تہذیب کا دلدلہ ہوا مگر اسلام کی نظر میں

تکمیل تہذیب
 نص

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر
 ہونے والے بعض معجزات کا ذکر فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے **وَإِذْ تَخْلُقُ**
 اور جب تم بناتے تھے خلق کا معنی بنانا پیدا کرنا گھڑنا وغیرہ آتا ہے۔
 تاہم اصطلاحی طور پر خالق کا اطلاق صرف خدا تعالیٰ پر ہوتا ہے۔ کیونکہ
 حقیقت میں ہر چیز کو پیدا کرنے والا اور بنانے والا وہی ہے۔ **اللَّهُ**
خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ قرآن میں صراحت موجود ہے۔ مگر ہمارے ہاں
 اس معاملہ میں احتیاط سے کام نہیں لیا جاتا اور مخلوق کو بھی خالق کہا جانے لگتا ہے
 مثلاً سڑجیج کو خالق پاکستان کہا جاتا ہے حالانکہ خالق صرف خدا کی ذات
 ہے۔ آپ ان کو بانی پاکستان یا معمارِ پاکستان تو کہہ سکتے ہیں، خالق نہیں
 کہہ سکتے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے۔ اسی طرح ایک دوسرے
 کو نام بنانے میں بھی بے امتیازی کا مظاہر کیا جاتا ہے۔ بعض لوگ غنی، صمد،
 رشید یا مجید وغیرہ کہہ کر پکارتے ہیں حالانکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔
 بھائی! اپنے ساتھیوں کو بلانا ہے۔ تو عبد الغنی، عبد الصمد، عبد الرشید یا عبد المجید
 کہہ کر آواز دو، کیونکہ یہ سب اس ملک، الملک کے عاجز بندے ہیں ان
 کو اللہ کا صفاتی نام دے کر پکارتا سوا ادب ہے۔ اسی طرح کسی ملک،
 پارٹی، بلڈنگ، کارخانے وغیرہ کا بانی تو ہو سکتا ہے، خالق نہیں ہو سکتا
 خالق صرف ذاتِ نازدہنی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ (علیہ السلام) جب آپ بناتے تھے۔
مَنْ الْيَتِيمِ كَهَيْئَةِ الْكَافِرِ الْمَيِّتِ سے پرندے کی شکل۔
يَا ذِي الْقُرْبَىٰ میرے حکم سے۔ **فَتَنفَخُ فِيهَا** ابھیرا میں پھونکے
 تھے **فَتَكُونُ طَائِفًا يَادُّونِي** پھر وہ ہو جاتا تھا اڑنے والا پرندہ
 میرے نام سے۔ حضرت عیسیٰ کو یہ معجزہ عطا ہوا کہ وہ مٹی کا پرندہ بناتے
 تھے پھر اس میں پھونک دیتے تھے اور وہ جاندار پرندہ بن کر اڑ جاتا تھا۔

معجزات
 عیسیٰ علیہ السلام

یہاں پر دو دفعہ بِاِذْنِی کا لفظ آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مٹی کے بنے ہوئے پرندے کو جاندار بنا دینا عیسیٰ علیہ السلام کا ذاتی فعل نہیں تھا بلکہ یہ سب کچھ میرے حکم سے ہوتا تھا۔ سورۃ آل عمران میں بِاِذْنِ اللہ کا لفظ گزر چکا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ معجزہ یا کرامت کا ظہور اللہ کے حکم سے ہوتا ہے نہ کہ نبی یا ولی کے ذاتی فعل سے۔

پھر فرمایا، اے عیسیٰ (علیہ السلام) وَتَبَرَّئِی الْکَلِمَۃَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِی آپ مادر زاد اندھے کو اچھا کر دیتے تھے حالانکہ عام حالات میں اس کی بنیائی کا کوئی نہایت مشکل ہوتا ہے۔ مگر اللہ کے حکم سے عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ایسا ہو جاتا تھا آپ آنکھوں پر ہاتھ پھیرتے تھے تو وہ روشن ہو جاتی تھیں۔ اسی طرح کوڑھی مریض پر ہاتھ پھیرتے تو وہ شفا یاب ہو جاتا۔ یہ بھی اللہ کے حکم سے ہوتا تھا۔ پھر چھوٹا معجزہ یہ فرمایا وَادْخُلِیْجَ الْمَوْتِی بِاِذْنِی جب آپ مردہ کو (قبر سے) نکال لیتے تھے میرے حکم سے آپ کتے قَسْرَ بِاِذْنِ اللہ یعنی اللہ کے حکم سے اُٹھ بیٹھو تو مردہ مردہ زندہ ہو کر نکل آتے۔ آپ اُس سے بات چیت کرتے اور کچھ عرصہ بعد وہ بھیسہ ختم ہو جاتا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں اس قسم کے چار واقعات کا تذکرہ ملتا ہے جن میں آپ نے مردوں کو زندہ کیا۔ یہ سب آپ کے نمایاں معجزات تھے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام کے زمانے میں طبابت کا بڑا چرچا تھا۔ بڑے بڑے اطباء موجود تھے جو مملکت سے مملکت بیماریوں کا علاج کرتے تھے۔ بقراط جسے اطباء کا جد امجد مانا جاتا ہے، اسی زمانہ میں ہوا ہے ارسطو اور فیثاغورث اسی دور کے حکما ہیں۔ ذی مقرر اطمینان جس نے سب سے پہلے ایٹمی ذرات پر تحقیق کی تھی، اسی دور کا ہے یہ لوگ اپنے اپنے زمانے میں سائنسی ایجادات کے ذریعے علاج معالجے کے حیرت انگیز کارنامے انجام دیتے تھے مگر یونان کے قابل ترین ڈاکٹر بھی نہ مادر زاد اندھے کو بینائی

دلا سکتے تھے، اور نہ کوڑھی کو شفا دلا سکتے تھے اور نہ مرنے کو زندہ کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اس زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے یہ تینوں معجزات ظاہر کر دیے تھے جسکی وجہ سے ان لوگوں کے تمام کارنامے یسوع ہو گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو گروں کا بڑا زور تھا۔ وہ جادو کے زور سے عجیب و غریب کارنامے انجام دیتے تھے۔ اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو عصا کا معجزہ عطا کیا۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لیے پندرہ ہزار جادو گروں کو جمع کیا۔ جب انہوں نے اپنی رسیاں ڈالیں تو وہ سانپ بن گئے۔ اللہ نے فرمایا موسیٰ گھبراؤ نہیں، تم اپنی لاشیں پھینک دو۔ پھر وہ اُردھان گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے جادو گروں کے تمام سانپوں کو نگل گیا۔ اس کے نتیجے میں جادو گر تو ایمان لے آئے مگر فرعون نے پھر بھی تسلیم نہ کیا۔ وہ بہشت ہی رہا۔ بنفقی لوگ معجزات کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے۔ اسی طرح حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فصاحت و بلاغت کو بڑا عروج حاصل تھا۔ عربی زبان ترقی کی اعلیٰ منازل پر تھی۔ عربوں کا فصیح و بلیغ اور بلند پایہ کلام آج بھی محفوظ ہے۔ اپنی اسی زبان دانی کی وجہ سے وہ دوسری قوموں کو بھی یعنی گونا گوتے تھے۔ عرب بڑے بڑے اعلیٰ قصیدے اور خطبے پڑھتے تھے جن کو سن کر لوگ دنگ رہ جاتے تھے۔ فصاحت و بلاغت کے اس دور میں اللہ تعالیٰ نے حضور خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پاک کا معجزہ عطا فرمایا اور پوری دنیا کو چیلنج کر دیا کہ قرآن کی ایک آیت کے برابر کلام بنا کر لاؤ مگر کوئی عرب اس چیلنج کو قبول نہ کر سکا کیونکہ یہ کسی انسان کا فعل نہیں تھا بلکہ اللہ کی طرف سے معجزہ تھا۔

مگر پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام پر کیے گئے احسان کا ذکر فرمایا ہے وَإِذْ كَفَفْتُ سَبْحًا اسْمَاءَ يَلَّ عَنْكَ اور جب میں نے

بنی اسرائیل کو تہ سے روک دیا۔ انہوں نے آپ کا انکار کیا، مخالفت ہو گئی، تمذیل و تہمین کی، آپ کو دجال کہا، آپ کی والدہ پر زنا کی تہمت لگائی اور آپ کی جان کے پیچھے ہو گئے۔ کہتے تھے یہ شخص جلتے آبار اجداد کی رسوم کو ختم کرنا چاہتا ہے اور ہمیں جا سے ذرائع آمدن سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ اللہ نے فرمایا یہ اُس وقت کی بات ہے اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ حَبِ آبِ اُنْ کے پاس کھلی اور واضح نشانیاں اور معجزات لے کر آئے۔ مگرائی کی کوئی تدبیر کا رگمزنہ ہوئی، میں نے آپ کی اُن بد سنجیوں سے حفاظت کی اور اُن کے ناپاں باغیوں کو آپ تک نہیں پہنچنے دیا۔ سورۃ النمل میں گزرا چکا ہے کہ اللہ نے فرمایا، اے عیسیٰ علیہ السلام! گھبراؤ نہیں، میں اُن کے ناپاک ہاتھ تم تک نہیں پہنچے دوں گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھلائی آسمان پر اٹھایا۔

فرمایا اتنی واضح نشانیاں دیکھنے کے باوجود فَتَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ اِنْ هَٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ یہ تو کھلا جادو ہے۔ اُن لوگوں نے اپنی آنکھوں سے سٹی کے بنائے ہوئے پسندوں کو اڑتے دیکھا، مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا یاب ہوتے پایا۔ اور مردوں کو زندہ ہوتے دیکھا مگر پکار اُٹھے یہ تو صریح جادو ہے اور کافروں نے ہمیشہ ایسا ہی کیا ہے حضور علیہ السلام کا شوق القمر کا معجزہ دیکھ کر کہہ دیا۔ سِحْرٌ مُّبِينٌ یہ تو جیتا ہوا جادو ہے۔ پہلے بھی ہوتا تھا اور اب بھی موجود ہے

اللہ نے فرمایا، اِذَا اس بارے میں کو بھی یاد کرو وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَىٰ حٰوِلِیْنَ قَوْلِ اِيْمَانِ حٰوِلِیْنَ کی طرف وحی کی۔ حواریوں کی طرف وحی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے دل میں یہ بات ڈال دی اَوْحَيْتُ کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو وحی کی یہ بات اپنے حواریوں تک پہنچادیں۔ حواری مخلص مابھی کو کہا جاتا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

فرمایا سب نبی کا کوئی نہ کوئی حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زیر ہے جو جنت میں بھی میل پڑوسی ہوگا۔ تو فرمایا میں نے عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے دلوں میں ڈال دی اَنْ اٰمَنُوْا بِیْ وَبِیْنَ سُوْنَتِیْ کہ مجھ پر ایمان لاؤ اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔ اس کے جواب میں حواریوں نے کہا قَالُوْا اَمَسْنَا اے اللہ! ہم ایمان لے آئے، تیری وحدانیت اور مسیح علیہ السلام کی رسالت کو قبول کر لیا۔ اور ساتھ یہ بھی عرض کیا وَاَشْهَدُ بِاَنَّکَ مُسْلِمُوْنَ کہ اے عیسیٰ علیہ السلام، آپ گواہ ہو جائیں کہ ہم اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنے والے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ پر اور آپ کی رسالت پر ایمان لے آئے ہیں لہذا آپ ہم سے ایمان کے گواہ بن جائیں۔

بہر حال حواریوں کے دلوں میں ابھی بات ڈال دینا، اُن کا ایمان قبول کرنا، مسیح علیہ السلام کی رفاقت اختیار کرنا اور آپ کے حکم کے مطابق تبلیغ کا فریضہ انجام دینا، یہ سب اللہ کا احسان اور انعام تھا جو عیسیٰ علیہ السلام کو عطا کیا گیا۔ اس کے بعد کچھ مزید معجزات کا تذکرہ ہوگا اور پھر محاسبے کے ضمن میں سوال و جواب کا بیان آئے گا۔

واذا سمعوا

درس پنجم دیک ۵۱

المائدة

آیت ۱۱۲ ۱۱۳

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ لِيَسَىٰ ابْنُ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ اَنْ يُنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ
 قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ
 اَنْ تَاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمِئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَقْلَمَ
 اَنْ قَدْ صَدَقْتُنَا وَنَكُوْنَ عَلَیْهَا مِنَ الشَّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾

ترجمہ :- جب کہ عیسیٰ (علیہ السلام) کے حواریوں نے ، لئے چلے
 مریم کے فرزند ! کیا تیرا پروردگار ایسا کر سکتا ہے کہ وہ اُڑے
 جاسے اُوپر دسترخوان آسمان کی طرف سے ۔ کہا عیسیٰ (علیہ السلام)
 نے ڈرو اللہ سے اگر تم ایمان لئے ہو ﴿۱۱۲﴾ انہوں نے کہا
 ہم چاہتے ہیں کہ کھائیں اس سے اور جاسے دل مطمئن ہوں ،
 اور ہم جان لیں کہ تو نے سچ کہا ہے ہم سے ، اور ہو جائیں
 ہم اس پر گواہی دینے والوں میں سے ﴿۱۱۳﴾

چلائے

گزشتہ سے پیوستہ درس میں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو اکٹھا کرنے
 کا ذکر فرمایا کہ اللہ اُن سے سوال کریگا کہ تمہاری دعوت کے نتیجے میں تمہاری
 قوموں نے کیا جواب دیا۔ تو انبیاء عاجزی کا اظہار کر بس گئے کہ مولا کریم ! ہمیں
 کچھ علم نہیں۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرے میں اُن پر ہونے
 والے انعامات کا ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن معجزات کو بیان فرمایا جو اُن کے
 ہاتھ پر ظہر ہوئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے انعامات تھے جو آپ پر اور آپ کی

والدہ پر ہوئے۔ ان احسانات میں سے ایک بڑا احسان تھا کہ اللہ نے آپ کو بنی اسرائیل کے شر سے محفوظ رکھا اور ان کی ناپاک سازشوں کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ یہ بھی ایک بہت بڑا احسان تھا کہ اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے دل میں ایمان کی بات ڈال دی جس کی وسیع انہوں نے آپ کی تائید کی۔ سورۃ صافات میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا مَنِ انْصَارَ بِيَ اِلٰى اللّٰهِ یعنی اللہ کے رستے میں میرے ساتھ کروں تعاون کرے گا، تو حواریوں نے کہا نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ہم اللہ کے رستے میں آپ کے مددگار ہیں۔ ہم آپ کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔ اللہ نے حواریوں کے انصار اللہ بن جائے کو بھی بطور احسان شمار کیا۔ اب آج کے درس میں حواریوں کی طرف سے نزولِ مائدہ کی درخواست اور عیسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی جواب کا ذکر ہے۔

نزلِ مائدہ کی درخواست
ارشاد ہوتا ہے اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ جِب عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ کے حواریوں نے کہا یَعِیْسٰی ابْنُ مَرْیَمَ اِنَّا لَمَعِیْسٰی مَرْیَمَ کے بیٹے! هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنْزِلَ عَلَیْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ کہ ہم پر نازل کرو طعام کا چنا چنا دسترخوان آسمان سے۔ یہ ہے وہ درخواست جو عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص مشعین نے آپ کی معرفت اللہ تعالیٰ سے کی۔ اس کے جواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا قَالَ اَنْقُوا اللّٰہَ، اللّٰہ سے ڈرو اور اس قسم کے سوال نہ کرو اِنْ کُنْتُ مِّنْ مَّوْعِدَتِیْنِ اگر تم صحیح معنوں میں ایمان والے ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے حواریوں کے درمیان اس مکالمے میں کئی نکات پیدا ہوتے ہیں جن کی تفصیل پیش کی جاتی ہے عیسائیوں کا ایک فرقہ مسیح علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے کا قائل ہے مگر اس آیت کریمہ میں یَعِیْسٰی ابْنُ مَرْیَمَ کے الفاظ سے واضح ہو

ابنِ ماریہ
ابنِ مریم

رہا ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام کے اصل پیروکاروں نے آپ کو عیسیٰ ابن مریم
 کہہ کر پکارا نہ کہ ابن اللہ۔ اگلی آیات میں آرہا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ
 بھی آپ کو اسی نام سے پکاریں گے اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسٰى ابْنُ مَرْيَمَ
 جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اے عیسیٰ ابن مریم۔ یہ ایک واضح حقیقت
 ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو ایک مقدس خاتون کے بطن سے
 باپ کے واسطے کے بغیر اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے ساتھ پیدا کیا۔
 لہذا ہر صاحب عقل کا جزو ایمان ہے کہ آپ کی نسبت باپ کی طرف
 نہ کی جائے بلکہ آپ کو حضرت مریمؑ کا بیٹا تسلیم کیا جائے۔ حدیث شریف
 میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت
 اور میری نبوت کی گواہی دے گا اور اس بات کی بھی گواہی دے گا کہ عیسیٰ علیہ السلام
 اللہ کے بندے، اُس کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جسے اللہ نے فرشتے
 کے ذریعے حضرت مریمؑ کے گریبان میں ڈالا، نیز جو شخص یہ بھی گواہی دے
 گا کہ جنت اور دوزخ برحق ہیں، اللہ تعالیٰ اُسے نجات عطا فرمائیں گے
 اس کے برخلاف عیسائیوں کا عقیدہ انبیت سینٹ پال جیسے پادریوں
 اور غلط کاریوں کا وضع کردہ ہے جو عیسیٰ علیہ السلام سے بہت بعد کی
 پیداوار ہے۔ عیسائیوں کے مختلف فرقوں کی تفصیل اسی سورۃ میں پہلے گذر
 چکی ہے۔ بعض لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو بعینہ خدا کہہ کر عینیت کا عقیدہ
 ایجاد کیا، کسی نے ابن اللہ کہا۔ اس میں بھی کوئی فرقہ آپ کے خدا کا حقیقی
 بیٹا ہونے کا قائل ہے اور رومی بناوٹی بیٹے کا۔ قرآن پاک کے الفاظ میں انہوں
 نے کہا اَتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا یعنی اللہ نے بیٹا بنایا ہے پھر کسی فرقہ نے آپ
 کو تین خداؤں میں سے تیسرا تسلیم کیا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثٌ ثَلَاثَةٍ غرضیکہ
 یہ سب باطل عقائد ہیں اور انہی کی بنا پر عیسیٰ علیہ السلام کو ماحبت روا اور
 مشکل کشا سمجھا گیا۔ یہ عقائد نہ صرف عقل و نقل کے خلاف ہیں بلکہ خود انجیل

کی تعلیم کے بھی منافی ہیں۔ تمام انبیاء کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ وحدہ لا شریک ہے، اس آیت سے بھی یہی بات واضح ہو رہی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مریم کے بیٹے ہیں مگر عیسائیوں کی ہٹ دھرمی کی انتہا ہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا دیا ہے اور اسی عقیدے کی تبلیغ دنیا بھر میں کر رہے ہیں۔ بہر حال اس آیت سے ایک بات تو واضح ہوتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم ہیں، نہ کہ ابن اللہ۔

لفظ یستطیع
پیشکش

اس آیت کے الفاظ **هَلْ يَسْتَطِيعُ نَبْتُكَ** کا معنی یہ ہے کہ اے عیسیٰ (علیہ السلام) کیا آپ کا پروردگار اس بات کی طاقت رکھتا ہے کہ ہم پر مادہ نازل فرمائے۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ کی قدرت پر آشکارا پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیا عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو شک تھا کہ اللہ تعالیٰ مادہ کے نزول پر قادر ہے۔ حالانکہ **إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ** وہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ متصرف فی الامور ہے **مُسَدِّدٌ لِّمَا يَشَاءُ** ہے **فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ** ہے، وہ جو چاہے کر سکتا ہے تو پھر اس کی ذات میں شک کرنے کا کیا مقصد؟ اس کے جواب میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں پر نستطیع کو لازم بول کر لزوم مراد لیا گیا ہے اور **يَسْتَطِيعُ** کا مقصد **يَفْعَلُ** ہے۔ اس طرح معنی یہ ہو گا کہ اے عیسیٰ علیہ السلام! کیا تیرا پروردگار اب کرے گا کہ ہم پر آسمان سے مادہ نازل فرمائے۔ یہ بالکل اس قسم کا محاورہ ہے جس طرح کوئی شخص کسی بڑے آدمی، امیر، حاکم یا وزیر کو یوں کہے کہ کیا آپ مجھے دو لاکھ روپیہ دینے کی استطاعت رکھتے ہیں یعنی کیا آپ مجھے اتنی رقم ادا کریں گے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس لفظ سے اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شک دالی بات نہیں ہے بلکہ درخواست پیش کرنے کا ایک اندازہ ہے جس سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے، حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔

اہم راز نئی فرماتے ہیں کہ اس لفظ کی دوسری قرأت بھی ہے۔

حضرت معاذ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے اس آیت کی تعلیم یوں دی ھَلْ تَسْتَطِيعُ رَبَّكَ یعنی اس قرأت میں لفظ رب کو مفعول بنا گیا ہے۔ جب کہ پہلی قرأت میں فاعل ہے۔ اب اس کا معنی یہ ہے کہ اے عیسیٰ علیہ السلام! کیا تو استطاعت رکھتا ہے یعنی کیا تیرا یہ حوصلہ ہے کہ تو اپنے رب سے نزولِ مائدہ کی درخواست کرے۔ ظاہر ہے کہ اس قرأت سے اشکال باقی نہیں رہتا کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کو مطلب کر کے استطاعت کا اطلاق اُن پر کیا گیا ہے۔

اس سورۃ مبارکہ کا نام اسی مائدہ کے لفظ پہ ہے۔ مائدہ ایسے دسترخوان کو کہا جاتا ہے جس پر کھانا چُنا ہوا ہو اور وہ زمین پر بچھا گیا ہو۔ اس کے برخلاف جس چھوٹی میز پر کھانا رکھ کر کھایا جاتا ہے اسے خزان کہتے ہیں۔ یہاں پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ جس مائدہ کا ذکر قرآن پاک میں اس آیت میں کیا گیا ہے، اُس کا ذکر انجیل میں نہیں ملتا۔ ظاہر ہے کہ جس طرح عیسائیوں نے انجیل میں تحریف کر کے دیگر سست سے احکام کو خارج کر دیا ہے اسی طرح نزولِ مائدہ کے اس واقعہ کو بھی اڑا دیا ہے۔ البتہ انجیل لو قاتل مسیح علیہ السلام کے ساتھ یہ معجزہ منسوب ہے کہ آپ کسی جگہ پر موجود تھے۔ وہاں پر پانچ ہزار آدمی جمع ہو گئے تو آپ کو تشویش ہوئی کہ اتنے آدمیوں کو کھانا کہاں سے کھلائیں گے۔ اس پر کسی شخص نے بتایا کہ یہاں پر ایک لڑکا ہے جس کے پاس جو کی پانچ روٹیاں اور دو تلی ہوئی مچھلیاں ہیں۔ آپ نے وہ روٹیاں حاصل کر کے سب لوگوں سے بیٹھ جانے کو کہا اور پھر روٹیاں اور مچھلی لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ سب نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور اُس کھانے سے اتنے ٹکڑے بھی بچ گئے۔ جس سے بارہ لڑکے بھر گئے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اُن ٹکڑوں کو بھی محفوظ کر لیا۔ بہر حال قرآن کے بیان کردہ مائدہ کا ذکر انجیل میں کیوں نہیں ملتا۔

روزہ کے
جائز ذرائع

بہر حال حواریوں کی فرمائش کے جواب میں عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے دو باتیں کیں۔ ایک یہ کہ خدا تعالیٰ سے ڈرو اور دوسری یہ کہ اگر تم ایماندار ہو۔ خدا تعالیٰ سے ڈرانے سے مقصود یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے لہذا اس کی قدرت اور طاقت میں شک کرنے سے ڈرو کیونکہ یہ بالکل غلط بات ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے دوسری بات میں حواریوں کے ایمان کا جائزہ لیا کہ کسی ایماندار آدمی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ غیر معمولی فرمائش کرے یا نبی سے معجزات طلب کرے۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی اپنے ترجمہ قرآن کے حاشیے میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کتنا بھی مہربان کیوں نہ ہو، بندے کو اس کی آزمائش نہیں کرنی چاہیے کہ آیا وہ میری بات ماننا ہے یا نہیں کیونکہ یہ چیز اب کے سرسرخ خلاف ہے۔ شاہ صاحب دوسری بات یہ فرماتے ہیں کہ ہر انسان کو روزی ہمیشہ جائز ذرائع سے ہی طلب کرنی چاہیے، نزولِ مائدہ کی فرمائش جائز اور درست ذرائع روزی میں سے نہیں ہے، یہ تو فرمائش اور امتحان کا راستہ ہے، اللہ تعالیٰ نے تجارت، زراعت، ملازمت، محنت، مزدوری وغیرہ کو جائز ذرائع روزی میں شمار کیا ہے لہذا روزی انہی ذرائع سے حاصل کرنی چاہیے۔ فرمایا **فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَجَبِ لَكُمْ فِي الطَّلَبِ** اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور روزی کے لیے جائز ذرائع اختیار کرو۔ انسان کو یہ چیز اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ روزی اتنی ہی میسر آئیگی جتنی اللہ کے علم میں مقدر ہے۔ انسان کتنی بھی کوشش کرے اُسے اپنے مقدمے ایک جگہ بھی زیادہ نہیں مل سکتا۔ فرمایا **إِنَّ الرِّزْقَ لَيَطْلُبُ الْإِنْسَانُ** **كَمَا يَطْلُبُ أَجَلُهُ** ہر انسان کو روزی اُسی طرح تلاش کرنی پھرتی ہے جس طرح موت اُس کی تلاش میں رہتی ہے۔ جس طرح انسان کو موت ایسی جگہ پر آجاتی ہے جو اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتی، اسی طرح اُنکا

لے کنز العمال ۱۳۰۱۳۰۱۳ (فیاض)

اُسے روزی بھی ایسے ذرائع سے دینا ہے ”مَنْ حَبِثَ لَا يَحْتَسِبُ“
 جہاں اُس کا گناہ بھی نہیں ہوتا کسی شخص کی روزی کا ایک دانہ بھی دوسرا شخص
 حاصل نہیں کر سکتا، لہذا روزی حلال اور جائز ذرائع سے ہی تلاش کرنی چاہیے
 یہ سب باتیں عیسیٰ علیہ السلام کے اس فرمان میں آجاتی ہیں کہ اللہ ربّ دُرود
 اگر تم ایماندار ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس تنبیہ کے بعد حواریوں نے اپنی فرمائش
 کی وضاحت کرتے ہوئے قالوا انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! ہماری یہ فرمائش کسی قسم کی
 آزمائش کے لیے نہیں بلکہ شریڈ اَنْ نَّكُلَّ مِنْهَا ہماری خواہش
 ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہ راست نازل کردہ متبرک کھانا کھائیں
 آپ کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ معجزات کا اظہار فرماتا ہے تو ہم بھی اس قسم
 کا غیر معمولی کھانا چاہتے ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُس وقت حواریوں
 کے پاس خوراک کا ذخیرہ ختم ہو چکا ہو اور کھانا حاصل کرنے کی بظاہر کوئی صورت
 بھی نظر نہ آتی ہو تو ان حالات میں انہوں نے آسمانی کھانے کی فرمائش کی ہو
 اور عیسیٰ علیہ السلام سے اس کے لیے دعا کی درخواست کی ہو۔

کھانے میں برکت کے بعض واقعات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ
 میں بھی پیش آئے۔ دورانِ سفر بعض اوقات کھانا ختم ہو گیا اور صحابہ کرام کو
 سخت پریشانی لاحق ہوئی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس کے پاس جس قدر
 توشہ ہے وہ سب لا کر ایک جگہ جمع کر دو۔ ہر ایک کے پاس جو کچھ تھا کھجور
 کا دانہ یا روٹی کا ٹکڑا لایا گیا۔ تو کل جمع شدہ اشیاء کا ڈھیر ایک بجری کے وجود
 کے برابر بنا۔ حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی تو اللہ نے اُس کھانے میں اتنی برکت
 عطا فرمائی کہ ہزاروں کے لشکر نے اپنے اپنے برتن بھر لیے ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام
 کے حواریوں نے بھی بابرکت کھانے کی درخواست کی اور یہ بھی کہا وَتَطْمِئِنُّ
 قُلُوبُكُمْ یہ کھانا کھا کہ ہم اطمینانِ قلب کی دولت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جو کھانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہ راست نازل ہوگا۔ اس کے کھانے سے انسان کس قدر مطمئن ہوں گے۔

اس کے علاوہ حواریوں نے اپنی فرمائش کے حق میں یہ بھی دلیل پیش کی۔
وَقُلْنَا لَهُمْ إِنَّ قَدْ صَدَقْتُمْ ایسا متبرک کھانا کھا کر ہم جان لیں گے
 کہ آپ ہم سے سچ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جنت میں بے شمار نعمتیں
 تیار کر رکھی ہیں جن کا ایک نمونہ مادہ کی صورت میں ہم استعمال کریں گے اس
 طرح گویا آپ کی صداقت کا مشاہدہ بھی ہو جائے گا۔ اس قسم کے مشاہدے کے
 لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی رب العزت سے درخواست کی تھی
وَبِئْسَ الْآرِثُونَ كَيْفَ أَخَذُوا مِنَ الْمُسُوفِينَ اللہ! مجھے مشاہدہ کرائے کہ
 تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ اللہ نے فرمایا کیا تمہیں یقین نہیں ہے
 عرض کیا، یقین تو ہے وَالَكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قُلُوبِي مگر میں آنکھوں
 سے مشاہدہ کر کے اطمینان قلب حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ تو یہاں پر حواریوں نے
 بھی طلب مادہ کی علت یہ بیان کی کہ وہ اطمینان قلب حاصل کرنا چاہتے
 ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کی صداقت کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں۔ حواریوں نے یہ
 بھی کہا کہ ہماری خواہش کے مطابق اگر اللہ تعالیٰ مادہ نازل فرمائے گا تو شکوک
عَلَيْهَا مِنَ الشَّهَادَةِ تو ہم اس پر گواہی دینے والے بن جائیں گے
 گویا ہم اس بات کی شہادت دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام
 کے ہاتھ پر ایسا غیر معمولی واقعہ ظاہر فرمایا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے نزول مادہ کا مطالبہ کر کے حلال چھوڑا
 حلال طیب اور بابرکت روزی حاصل کرنے کی خواہش کی، مگر انہیں سکون قلب کی تمینہ
 حاصل ہو۔ اس کے برخلاف مشکوک حرام اور ناجائز خوراک سے کسی کو سکون
 قلب حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کی خواہش میں اضافہ ہی ہوگا جیسے شخص
 کو بے وسوسے آئیں گے اور وہ ایمانی کاموں کی بجائے شیطانی امور پر

توجہ بند دل کہہئے گا۔ اکثر لوگ عبادت کی لذت سے محض اس لیے محروم ہوئے ہیں کہ ان کی خوراک درست نہیں ہوتی۔ عبادت کیلئے مقبول ہو جب کہ پیٹ ہرام مال سے بھر اٹھا ہو۔ جب خون میں حرام اجزاء سمیت کرچکے ہوں گے تو دل کیسے لگے گا۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ انسانی اخلاق پر خدا کا خاص اثر ہوتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مضیر اخلاق چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ نذر غیر اللہ کا کھانا کھانے میں ہی خرابی ہے، بظاہر تو وہ چاول، بٹھائی یا دودھ جیسی پاک چیز ہوتی ہے مگر اس میں ایسی روحانی خباثت اور بیماری ہے جس سے انسان کی روح پلید ہو جاتی ہے۔ پوری ملت ابراہیمہ اس بات پر متفق ہے کہ نذر غیر اللہ میں روحانی نجاست پائی جاتی ہے، کتا، بلی، خنزیر وغیرہ اور بدبودار اور گندی چیزیں مضیر اخلاق ہونے کی بنا پر ہی حرام ہیں اس کے برخلاف حلال اور طیب چیزیں کھانے سے اطمینان قلب حاصل ہوگا۔ عبادت میں دل لگے گا تو وہ مقبول ہوگی۔ نیکی کے کام انجام دینے کی طرف دل میں تڑپ پیدا ہوگی اور اس طرح انسان اخلاق کے بلند ترین مقام پہنچ جائے گا۔

الغرض! اس گفتگو سے عیسیٰ علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ ان کے حواری نزولِ مائدہ کا مطالبہ کسی شک و شبہ کی بنا پر نہیں کر رہے ہیں بلکہ وہ اس کا شاہدہ کو کے سکون قلب حاصل کرنا چاہتے ہیں اور یہ کوئی غلط مطالبہ نہیں ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مشاہدہ اور اطمینان قلب کی درخواست کو رد نہیں فرمایا تھا، بلکہ آپ کی خواہش کو پورا کر دیا تھا اب جب کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کے جائز مطالبے سے مطمئن ہو گئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نزولِ مائدہ کے لیے ہاتھ بلند کر دیے اس کا ذکر اگلی آیت میں آئے گا۔

واذا سموا

درس پنجم و درو ۵۲

السماء

آیت ۱۱۳ تا ۱۱۵

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا
مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا
وَأَخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ
الْرَازِقِينَ ﴿١١٣﴾ قَالَ اللَّهُ إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ
فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدَ مِنْكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ
عَذَابًا لَا أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿١١٤﴾

۱۱۴

ترجمہ :- عیسیٰ ابن مریم نے کہا اے اللہ ! اے ہمارے
پروردگار ! ہمارے ہم پر ایک بھرا ہوا دسترخوان آسمان کی
طرف سے کر ہو جانے وہ ہمارے لیے عید ہمارے
پہلوں کے لیے اور ہمارے پچھلوں کے لیے اور نشان ہونا
تیری طرف سے اور رزق سے ہیں اور بیشک تو بہتر روزی
شیفہ والا ہے ﴿۱۱۳﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیشک میں امانت والوں
اُس کو تم پر ، پس جو شخص ناشکری کرے گا ، تم میں سے ہیں
میں اُس کو سزا دوں گا کہ نہیں سزا دوں گا میں ایسی کسی کو بھی
جاں والوں میں سے ﴿۱۱۵﴾

رجائیات

مسیح علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کے ہونے والے انعامات کا ذکر ہو رہا
ہے گذشتہ درس میں آپ کے حواریوں کا تذکرہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے
دلوں کو عیسیٰ علیہ السلام کی طرف پھیر دیا ، وہ ایمان لانے اور آپ کے معاون

۱۱۵

بن گئے۔ پھر انہوں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ نزولِ ماہ کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کو سمجھایا اور تنبیہ کی کہ اہل ایمان کو اس قسم کی فرمائش نہیں کرنی چاہیے۔ تجار یوں نے اپنے مطالبہ کی وضاحت کرتے ہوئے عرض کیا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی قدرت میں کوئی شک و شبہ نہیں اور نہ ہی ہم اللہ تعالیٰ کو آزما چاہتے ہیں بلکہ ہم تو متبرک کھانا اس لیے کھانا چاہتے ہیں کہ ہمیں اطمینانِ قلب حاصل ہو۔ ہم آپ کی صداقت کا مشاہدہ کر لیں اور آپ کی نبوت و رسالت کے گواہ بن جائیں۔

جب مسیح علیہ السلام کو اطمینان ہو گیا کہ تجاریوں کی فرمائش جائز ہے اور اس میں کوئی فاسد غرض کارفرمانہ نہیں ہے تو انہوں نے بارگاہِ رب العزت میں یوں دعا کی قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ سَلِّمْ عَلَيَّ اَوْ اَعِزَّ لِي بِقَوْلِكَ عرض کیا اللہم یہ لفظ یا اللہ کا ہم معنی ہے۔ عربی لغت کے مطابق اللہ سے پہلے یا کراڑا کر بعد میں هَلُمَّ بڑھا دیا جائے تو اللہم بن جانا ہے، تاہم معنی وہی ہے اے اللہ! جب اللہ کا ذاتی نام لے کر اُسے پکارا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ نہایت عاجزی کے ساتھ دعا کی جا رہی ہے اس کے ساتھ مسیح علیہ السلام نے رَبَّنَا بھی کہا۔ یعنی اے ہمارے پروردگار! ربوبیت اللہ ہی کی صفت ہے وہ رَبُّ الْمَلَائِكِیْنَ ہے وہ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ ہے۔ رب کا معنی کسی چیز کو بتدریج حد کمال تک پہنچانا ہے۔ تو ہر چیز کا مربی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ یہاں پر ناسخاً کو دو ناموں یعنی اللہ اور رب کہہ کر پکارا گیا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس قسم کی تکرار نہایت عاجزی اور التجا کی علامت ہوتی ہے اور اس سے دعا کنندہ کو قبولیت دعا کی زیادہ اُمید ہوتی ہے۔ تو عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار! ہم تیرے ہم سے درخواست کرتے ہیں کہ نَزِّلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ آسمان کی طرف

دعا
علیہ السلام

سے ہم پر بھرا یا دسترخوان نازل فرمائے، جس میں کھانا ہو۔ اور نزول کا دن تَسْكُونٌ كُنَّا عِيْدًا لَّهِ وَلِنَا وَالْخَيْرُ نَا هَمَّائے اگلوں اور بچھلوں کے لیے عید کا دن ہو۔ یعنی ہم بھی اسے خوشی کے دن کے طور پر منا سکیں اور ہمارے بعد آنے والے بھی اس کا تذکرہ عید کے دن کے طور پر کریں۔

عربی زبان میں خوشی کے ساتھ لوٹ کر آنے والی چیز کو عید کہتے ہیں۔ یہ عید ہر سال لوٹ کر آنے والی عید کا یہی مفہوم ہے۔ چنانچہ علی علیہ السلام کے حواریوں نے بھی اسی خواہش کا اظہار کیا کہ ہم پر ماڈہ نازل فرما اور یوم نزول کو ہمارے لیے عید کا دن بنائے تاکہ اس دن کے پلٹ کر بار بار آنے پر ہمیں ہر بار خوشی اور مسرور حاصل ہو۔ عید کا تصور تمام اقوام میں پایا جاتا ہے اور اس کے لیے زیادہ موزوں دن وہ ہوتا ہے جس دن کوئی نعمت میسر آئے بمقامزل کے لیے جمعہ کا دن بھی عید کا دن ہے کیونکہ اس روز اللہ تعالیٰ کے انعامات میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اہل ایمان کی عبادت کی فضیلت بڑھ جاتی ہے اسی لیے جمعہ کو سید الایام یعنی تمام دنوں کا سردار دن کہا گیا ہے۔ اسی طرح سال بھر میں عید کے دو دن اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کے دن ہیں۔ عید الفطر مسلمانوں کے لیے تکمیل رمضان کا دن ہوتا ہے، پورے ایک مہینہ کے روزے رکھنے کے بعد روزہ دار کو لازماً خوشی حاصل ہوتی ہے، لہذا یہ عید کا دن کہلاتا ہے اسی طرح عید الاضحیٰ کے دن دنیا بھر کے مسلمانوں کو اللہ کی بارگاہ میں نہایت اخلاص کے ساتھ جانوروں کی قربانی پیش کرنے کا موقع ملتا ہے، جو کہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ حجاج کرام یہ قربانی وقوف عرفہ سے اگلے دن کرتے ہیں جو کہ تکمیل حج کی علامت ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ بہر حال یہ دن اہل ایمان کے لیے خوشی کے دن یعنی عید کے دن ہوتے ہیں۔ البتہ حضرت علیؑ سے یہ بات بھی منقول ہے كُلَّ يَوْمٍ لَا يُعْصَى اللّٰهُ فَيَدْرِهُ عِيْدُنَا مَا سَے يَے

ہر وہ دن عید کا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو۔ لہذا عید کی خوشی منانے وقت ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ کہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو جائے۔ عید کے روز لمو و لعب، نشہ آور اشیاء کا استعمال اور بُرائی کا ارتکاب عید کے شایان شان نہیں ہے بلکہ اس روز تو اللہ کی عبادت کرنی چاہیئے اور وہ امور انجام دینے چاہیئے جن سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہو جائے اور معصیت سے بچ جائیں۔ اہل ایمان کی عید کا یہی تصور ہے۔

عید کا دن عام طور پر خوشی کا دن ہوتا ہے مگر بعض اوقات اس میں غم بھی لاحق ہو جاتا ہے۔ جو شخص کسی تکلیف اور پریشانی میں مبتلا ہو اُس کے لیے عید کا دن مزید پریشانی کا سبب بن جاتا ہے فارسی کا قول ہے وہ ماتم زدہ را عید برد ماتم دیگر ہندو سزا سہ کسی کے ہاں موت واقع ہو جائے تو ظہر ہے کہ اُس کے لیے یوم عید گنتی پریشانی کا باعث ہو گا۔ ایسا شخص کسی خوشی کے کام میں شریک ہونے کا جذبہ ہی کھو بیٹھتا ہے۔ ڈاکٹر اقبال رحمان نے بھی کہا ہے :-

عیدِ آزاداں شکوہ ملک و دین

عیدِ محکوماں بجومِ موسمِ نین

آزاد لوگوں کی عید ملک اور دین کے لیے باعثِ عزت و شرف ہوتی ہے۔ جب کہ غلاموں کی عید تو محض ایک بجوم ہوتا ہے کہ مل کر شور و غل برپا کر لیا۔ وگرنہ غلامی کی زندگی میں عید کا وہ تصور قائم نہیں ہو سکتا جو آزادی کی فضا میں قائم ہوتا ہے۔ بہر حال عید کا مفہوم خوشی کے ساتھ وابستہ ہے جو دن خوشی کے ساتھ چل کر آئے وہ عید کا دن ہوتا ہے اور وہ دن عید کا دن کہلانے کا زیادہ مستحق ہے جس دن کوئی نعمت نصیب ہو۔

جس دن عیسیٰ علیہ السلام نے مادر کے لیے دعا کی تھی وہ اتوار کا دن تھا اسی لیے عیسائی اتوار کو ہمارے مجمع کی طرح مقدس خیال کرتے ہیں۔ بہر حال

مذہبِ طور
ثانی

اس دن انہوں نے یہی دعا کی کہ مولا کریم! ہمارے لیے آسمان سے مادہ نازل فرما جو ہمارے اور بعد میں آنے والوں کے لیے عید کا دن ہو وَ اٰیۃٌ قُنُتٌ اور تیری جانب سے ایک خاص نشانی ہو۔ ظاہر ہے کہ آسمان کی طرف سے جو دسترخوان آجائے قرودہ معجزہ یا نشانی ہوگا۔ پھر مسیح علیہ السلام نے یہ بھی عرض کیا، مولا کریم! وَ اَزْزُقْنَا اور ہمیں روزی عطا فرما کہ ہم اس کے ضرورت مند اور خواہش مند ہیں وَ اَنْتَ حَسْبُ الرَّزِیْقِیْنِ اور تر بہترین روزی عطا کرنے والا ہے۔ ہر جاندار کو تو یہی روزی ہم پہنچاتا ہے اِنَّ اللّٰهَ نَسُو الرِّزْقِ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِّیْنِ (الذاریت) خدا ہی روزی رسال اور مضبوط ہے۔ روزی کے تمام اسباب بھی اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اس لیے مسیح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ ہی سے روزی ہم پہنچانے کی دعا کی اور مادہ کو بطور خاص نشانی ظاہر کرنے کی درخواست کی۔

نزل مادہ

اس کے جواب میں قَالَ اللّٰهُ اللّٰهُ نے فرمایا اِنِّیْ مُنْزِلُہَا عَلَیْکُمْ میں اُسے اُتارنے والا ہوں تم پر فَمَنْ یَّکْفُرْ بَعْدُ مِنْکُمْ پھر اگر اس کے بعد کسی نے ناشکر گزاری کی فَاِنَّ اُعْذِبْہُ عذاباً لا اُعْذِبْہُ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ تو اُسے ایسی سخت سزا دوں گا، جو اور کسی کو نہ دوں گا۔ یہ انوار کا دن تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو آسمان پر بادل نمودار ہوئے اور ان کے درپان فرشتے دسترخوان اٹھائے ہوئے تھے، وہ نازل ہوا۔ اس میں پانچ یا سات روٹیاں اور اتنی ہی تلی ہوئی مچھلیاں تھیں، اس کے علاوہ سرکہ، نمک مختلف بنریاں اور زیتون کا تیل بھی تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا نام لے کر دسترخوان کھولا اور لوگوں کو کھانے کی اجازت دی۔ تاہم اس کی لذت تو کھانے والے ہی جانتے ہوں گے۔ یہ دسترخوان ایک ایک دن کے وقفے سے چالیس دن تک نازل ہوتا رہا۔ بعض فرماتے ہیں

کہ مادہ صبح کے وقت نازل ہوتا تھا اور پچھلے پر خود بخود اٹھ جاتا تھا۔
یہاں پر نزولِ مادہ کے لیے دُعا کا ذکر تو موجود ہے مگر اُس کے
فی الحقیقت نزول کا صریح ذکر نہیں ہے۔ مفسرین کا اس بارے میں اختلاف
ہے کہ دُعا کے نتیجے میں مادہ نازل ہوا بھی تھا یا نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ
کے شاگرد حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں کہ مادہ نازل نہیں ہوا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ
نے جس سخت نیراک و عید سنائی تھی، حواری اُس سے ڈر کر خاموش ہو گئے۔
اور انہوں نے اِس کے نزول پر اصرار نہ کیا۔ شاہ عبدالقادرؒ اور دیگر مفسرین
فرماتے ہیں کہ مادہ فی الواقع نازل ہوا تھا۔ ان کے مطابق قرآن پاک کے الفاظ
اِنَّا نَزَّلْنَاهُ عَلَيْكُمْ حُكْمًا سے خالی نہیں۔ لہذا
مادہ یقیناً نازل ہوا ہے۔ ترمذی شریف میں سورۃ مادۃ کی تفسیر میں حضرت
عمار بن یاسرؓ کی ایک ضعیف روایت موجود ہے جس کے مطابق دسترخوان
آسمان سے نازل ہوا اور اس میں گوشت اور روٹیاں تھیں یہ روایت مُصَنِّفِہَا
کے ساتھ کچھ نہایت رکھتی ہے۔ اہم بیضاویؒ بھی نزولِ مادہ کے قائل
ہیں۔ بہر حال نزول کے متعلق نہ تو قرآن کی کسی آیت میں صراحت ہے
اور نہ ہی کسی صحیح حدیث میں ذکر ملتا ہے لہذا یقین سے نہیں بلکہ قرینہ
سے کہا جاتا ہے کہ مادہ نازل ہوا تھا۔ تاہم اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ
اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے جو چاہے کر سکتا ہے۔

تفسیری روایات میں آتا ہے کہ نزولِ مادہ کے ابتدائی ایام میں تو
اس میں ہر شخص کو کھانے کی اجازت تھی۔ اور اس غذا کا خاصہ یہ تھا کہ جو
غریب آدمی کھاتا تھا، وہ امیر ہو جاتا اور جو مر لیض کھاتا وہ شفیاب ہو جاتا
پھر کچھ روز بعد اُس کا حکم بدل گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اعلان کیا
کہ اُسے نہ تو غنی آدمی کھائے اور نہ ہی اس کا ذخیرہ بنا کر رکھا جائے بلکہ لوگوں
نے سب کو یہ عمل نہ کیا اور محتاجوں کے ساتھ اغنیاء نے بھی کھانا شریع

مشرائط مادہ
کی خلاف ورزی

کر دیا اور اُسے بچا کر بھی رکھنے لگے۔ جس روز مادہ نازل ہوتا اس میں سے کچھ کھا لیتے اور کچھ اگلے دن کے لیے ذخیرہ کر لیتے۔ اس طرح یہ لوگ شرائط کی پابندی نہ کر سکے بلکہ اس بہت بڑی نعمت کی ناشکری کے مرتجب ہوئے، اور پھر نتیجہ وہی نکلا جسکی خبر دی جا چکی تھی کہ جو کوئی ناشکری کرے گا۔ میں اس کو سخت سزا میں مبتلا کر دوں گا۔ چنانچہ اُن میں سے ۸۰ یا ۸۲ آدمی ایسے نکلے جنہوں نے مادہ کی شرائط کو توڑا اور اس عظیم نعمت کی ناقدر دانی کے مرتجب ہوئے اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب بھڑکا اور ان لوگوں کو بندر میں اور خنزیروں کی شکل میں تبدیل کر دیا مَبْخُونًا قِرْدَةً وَخَنَازِیْنًا اور پھر ایسے لوگوں کے لیے خدائی قانون یہ ہے کہ منع شدہ انسانوں کو قینِ دین سے زیادہ زندہ نہیں رکھا جاتا حدیث شریف میں آتا ہے کہ قینِ دین کے بعد انکو صوفیہ متی سے ناپید کر دیا گیا شاہ عبدالقادر فاضل دہلی کو حضرت علی علیہ السلام کی فرمائش پر مادہ کا خود مطالبہ کیا اور اس کے جواب میں مطلوبہ نعمت انہیں حاصل ہو گئی۔ فرماتے ہیں اس کے بعد جو شخص اُس نعمت کی ناقدر دانی کرتا ہے وہ سزا کا مستحق ہوتا ہے، چنانچہ احکامِ الہی کی خلاف ورزی کرنے والوں کو اس کی سزا بھگتنا پڑی۔

نعمت کی
ناقدر دانی

نعمت کی ناقدر دانی کی پاداش میں ہم پاکستانی بھی سزا بھگت رہے ہیں۔ ہندو اور انگریز کی غلامی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے اس برصغیر کے مسلمانوں نے ڈیڑھ دو سو سال تک جدوجہد کی اور اس کے لیے بڑی بڑی قربانیاں پیش کیں۔ مقصد یہ تھا کہ ہم اس خطہ ارضی میں اللہ کے احکام اور اس کے نبی کے فرمان کے مطابق زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ خداوند کے ہمیں آزادی جیسی عظیم نعمت نصیب ہوئی مگر افسوس کا مقام ہے کہ ہم اس نعمت کی قدر نہیں کر سکے، ملک پاکستان میں اسلامی نظام رائج کرنے کے کتنے وعدے ہوئے ہیں مگر کوئی بھی اس وعدے کو وفا نہ کر سکا اور یہاں پر یا تو انگریز کا طاغوتی نظام جاری رہا یا مائشل لاد کے جابرانہ احکام

کہ ماننا پڑا۔ حق تو یہ تھا کہ اس سرزمین پر فوراً اسلامی نظام جاری کر دیا جاتا مگر ہر نئے آنے والے نے کھٹیاں بنائے پر ہی اکتفا کیا اسلام کو نافذ کرنے کی کسی کو توفیق نہ ہوئی۔ اس وقت اس ملک میں تین متوازی نظام چل رہے ہیں۔ اصل قانون انگریز کا ہے جو ہمیں ورثے میں ملا ہے، اس کے ساتھ مارشل لا کے ضابطے ہیں اور پھر بعض معاملات میں برائے نام اسلامی قانون بھی رائج ہے مگر بالادستی انگریزی قانون ہی کو حاصل ہے۔ اگر کوئی حج اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کرے گا تو اس سے بڑا حج انگریزی قانون کی آڑ میں اُسے کا عدم قرار دے دیتا ہے اور اس طرح اسلامی قانون عملی طور پر نہ ہونے کے برابر ہے نتیجہ ظاہر ہے کہ آدھا ملک تو چین چکا ہے اور باقی آدھے ملک میں جھگڑے فساد کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔

کہیں سندھی اور پنجابی کا جھگڑا ہے، کہیں افغان اور بلوچی کا تنازعہ ہے کہیں شیعہ سنی جھگڑا ہے ہیں تو کہیں دیوبندی بریلوی اچھے ہیں۔ کہیں مقلد اور غیر مقلد کی بحثیں چھڑی ہوئی ہیں، کہیں سرمایہ داری نظام کو ہی وحی النبی سمجھ لیا گیا ہے اور کہیں اشتراکیت کے لیے راہ ہموار کی جا رہی ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اللہ کی عطا کردہ نعمت آزادی کی قدر کرتے اور اس ملک میں اس کے احکام کو نافذ کرنے کی جدوجہد کرتے مگر باہمی اختلافات کی وجہ سے ہم خود اسلام کے راستے میں رکاوٹ بن چکے ہیں۔ یہ تو اللہ کے غضب کو دعوت دینے والی بات ہے۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم مائدہ جیسی نعمت کی نادری کر کے اللہ کی ناراضگی کا شکار ہو سکتی ہے تو ہمیں بھی مائدہ چاہیے کہ آزادی جیسی عظیم نعمت کی قدر نہ کر کے ہم کس طرف جلتے ہیں۔

بہر حال اللہ نے فرمایا کہ میں فرمائش کو قبول کرتے ہوئے مائدہ اتارنے والا ہوں، اب جو شخص ناشکری کا ارتکاب کرے گا تو میں ایسا عذاب دوں گا جو کسی دوست کو نہ دیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اصول کے طور پر سمجھا دیا کہ خود کسی چیز کو طلب کر کے پھر اس پر کار بند نہ رہنا کتنا بڑا جرم ہے۔

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ أَنْتَ قُلْتَ
لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمَّيَّ إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ
قَالَ سُبْحَنكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ
لِي بِحَقٍّ إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ
تَقَالُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ
إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝۱۱۶ مَا قُلْتَ
لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنْ
اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ
شَهِيدًا مَادُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي
كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ
شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝۱۱۷

ترجمہ :- اور جب فرمایا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ ابن مریم
کیا تم نے کہا تھا لوگوں کے لیے کہ مجھے اور میری ماں کو دو
سمجھو خدا اور اللہ کے سوا کہیں گے جیسی علیہ السلام پاک ہے
تیری ذات ہے اللہ ! نہیں لائق میرے لیے کہ میں کہوں کسی
بات جس کو مجھے حق نہیں پہنچا ۔ اگر میں نے کسی پر تو تو
ضرور اس کو جانتا ہے ، تو جانتا ہے جو کچھ میرے ہی میں ہے

اور میں انہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے ، بیشک تو ہی سب
 فیہوں کا باشندہ والا ہے (۱۱۶) میں نے نہیں کسی اُن لوگوں سے سنا
 وہی بات جن کا تو نے مجھے حکم دیا کہ عبادت کرو اللہ کی
 جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی ۔ اور میں ان کی خبر رکھتا
 تھا جب تک میں ان کے اندر تھا ، جب تو نے مجھے اٹھا
 لیا تو تو ہی ان پر نگران تھا ! بیشک تو ہر چیز کی خبر
 رکھنے والا ہے (۱۱۷)

ربط آیت

گزشتہ رکوع قیامت کے دن محاسبہ کے عمل کی تمہید پیش کرتا تھا، اللہ تعالیٰ
 نے تمام رسولوں کو جمع کرنے کا ذکر فرمایا کہ اُن سے پوچھا جائے گا کہ تمہاری امتوں نے
 تمہاری دعوت کا کیا جواب دیا، تو تمام انبیاء اور رسل ماجزی کا اظہار کریں گے۔ پھر مثال کے
 طور پر مسیح علیہ السلام کا ذکر کیا جو دراصل اُن کو معبود ٹھننے والوں کے لیے سخت ڈانٹ بن
 کہ جب قیامت کو محاسبہ کا وقت آئیگا تو مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ماننے والے زید و
 ہوکر رہ جائیں گے، اس کا مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ اسی دنیا میں اپنے عقیدہ کی درستگی کریں اور
 مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ کہہ کر شرک میں مبتلا نہ ہوں۔

اسی سابقہ رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اُن نعمتوں کا تذکرہ بھی کیا جو اُس نے عیسیٰ علیہ السلام
 اور آپ کی والدہ پر کیں۔ ان انعامات میں عیسیٰ علیہ السلام کو تحریر کا کتب و حکمت کی تعلیم
 بنی اسرائیل سے آپ کی حفاظت، حواریوں کی طرف سے آپ کی تائید وغیرہ شامل ہیں
 آپ کی والدہ پر بھی بڑے احسانات فرمائے، آپ کو جہاں بھر کی عورتوں میں اعلیٰ مقام عطا
 کیا، آپ کی پرورش غیر معمولی طریقہ سے ہوئی اور پھر بغیر غاوند کے آپ کے بطن سے
 عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا، بنی اسرائیل کے الزامات سے آپ کو پاک فرمایا وغیرہ وغیرہ
 انعامات ہی کے سلسلے کی آخری کڑی کے طور پر حواریوں کے مطالبہ پر نزدول ماندہ کا ذکر
 فرمایا۔ اور اب اس تمہید کے بعد قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو مثالی طور پر

سوال و جواب ہوگا، اُس کا ذکر آ رہا ہے۔

جہی معنی
مستقبل

ارشاد ہوتا ہے اُس بات کو درمیان میں لاؤ اِذْ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَىٰ
ابْنِ مَرْيَمَ جِبِ اللہ تعالیٰ فرمانے گا۔ اے عیسیٰ مریم کے فرزند! یہاں یہ
لفظ قَالَ استعمال ہوا جس کا اطلاق زمانہ ماضی پر ہوتا ہے اور اس لحاظ سے
معنی یہ ہوتا ہے جب اللہ نے فرمایا۔ حالانکہ بات محاسبہ کی ہو رہی ہے جو
آنے والا زمانہ ہے۔ اس ضمن میں مفسرین کرام فرماتے کہ قرآن پاک کا یہ سلوب
بیان ہے کہ قیامت، جنت، دوزخ اور متعلقہ واقعات کو زمانہ ماضی کے فریے
بیان کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح گنہگار ہوا کوئی واقعہ شک و شبہ
سے بالا ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا بتلایا ہوا محاسبہ کا عمل قطعی اور یقینی بن
لندا مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کو ماضی میں بیان کر کے اس کی
قطعییت پر ہر تصدیق ثبت کی گئی ہے اس کے علاوہ ایک اور وجہ یہ بھی
ہے کہ ماضی حال اور مستقبل کا تعلق مخلوق کے ساتھ ہے، اللہ تعالیٰ کے
نزدیک تمام زمانے برابر ہیں لہذا اگر وہ کسی مستقبل کے واقعہ کو ماضی کے لفظ سے
بیان فرماتا ہے تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کیونکہ اس کے لیے تو ہر چیز حاضر
ہے اُس کی ذات سے کوئی چیز غائب نہیں۔ سورۃ بابر میں موجود ہے غِیْبِ
الْغِیْبِ لَا یَعْتَبُ عَنْهُ مِنْ قَالَ ذَرَقَ فِي السَّمٰوٰتِ
وَلَا فِي الْاَرْضِ وَهُ غِیْبِ کا جائزہ والا ہے اس سے زمین و آسمان
میں ذرہ کے برابر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ چنانچہ اس لحاظ سے بھی مستقبل
کا اطلاق ماضی پر کیا گیا۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ جس طرح
اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ ابن مریم کو کہہ خطاب کیا۔ اسی طرح آخرت
کی منزل میں بھی اسی نام سے خطاب کرے گا۔ لہذا مسیح علیہ السلام کو اللہ ماننا
یا آپ کا کوئی باپ ثابت کرنا دونوں باتیں غلط ہیں اور قرآن کی تعلیم کے
خلاف ہے۔

سبح علیہ السلام
سے سوال اللہ تعالیٰ فرمائیے گا۔ اے عیسیٰ ابن مریم! عَزَّ وَجَلَّ قُلْتُ لِلنَّاسِ

کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دوسرا معبود بنا لو؟ ظاہر ہے کہ دنیا میں ماں بیٹا دونوں کی پرستش ہو رہی ہے۔ اہل سنت المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ اور حضرت ام سلمہؓ نے حضور علیہ السلام کے سامنے بیان کیا کہ ہم نے جیشہ کے گرجہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریمؑ کی تصاویر دیکھیں، وہ لوگ ان تصویروں کو سلام کرتے تھے۔ اور ان کی تعظیم اور پوجا کرتے تھے حضور علیہ السلام نے فرمایا اُولَٰئِكَ شَيْءٌ مِّنْ خَلْقِ اللّٰهِ يَهْتَدُونَ فِيهِ اللّٰهُ لِيُخْلِقَ مِمَّنْ يَبْتَدِئُ لَكُمْ فِيهِ لَقَدْ اَلَلَّہُ فَاَلَلَّہُ فَاَلَلَّہُ لَعَلَّہُمْ يَرْجِعُونَ۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کفر کا راستہ ہمارا کہنے والے بدترین لوگ ہیں عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ اَلَلَّہُ فَاَلَلَّہُ فَاَلَلَّہُ نے بیٹا بنایا ہے اور اُسے اختیار ہے یا ہے کہ جو چاہے کرے، جس کا چاہے بڑا پار کر دے اور جس کو چاہے گرفتار کر لے۔ کہتے ہیں کہ وہ ہماری مرادیں پوری کرتا ہے اور ہماری بجزئی بناتا ہے۔ اسی طرح حضرت مریمؑ کو مادرِ خدا کہا جاتا ہے۔ پھر ان کا باپ بیٹا اور روح القدس کا تثلیث والا عقیدہ بھی موجود ہے۔ یہ سب شرکیہ اور کفریہ عقائد ہیں۔ انہی عقائد کے ذریعے انہوں نے مسیح اور ان کی والدہ کو درالہ بنا دیا ہے اور اسی کے متعلق قیامت کو عیسیٰ علیہ السلام سے سوال ہو گا کہ کیا تو نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو درالہ بنا لو۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سوال ہونے پر حضرت مسیح علیہ السلام پر کج کیفیت طاری ہوگی۔ اُس کے متعلق مفسرین نے کئی باتیں لکھی ہیں۔ ان میں تفسیر کبیر تفسیر ابن جریر اور تفسیر روح المعانی قابل ذکر ہیں۔ تفسیری روایات میں سو فیصدی درست باتیں نہیں ہوتیں بلکہ ان میں اکثر قصے کہانیاں ہوتی ہیں بعض اسرائیلی روایات بھی شامل کر لی جاتی ہیں مگر ان کی محنت کے متعلق یقین سے کچھ نہیں

کہا جاسکتا۔ جس طرح وخط یا تقریر میں کوئی چیز سمجھانے کے لیے کوئی قصہ، کہانی، مثال یا تشبیہ وغیرہ بیان کر دی جاتی ہے اسی طرح تفسیر میں بھی ان چیزوں کو جگہ دے دی جاتی ہے مختلف تفاسیر میں سے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی تفسیر عزیزی سب سے عمدہ ہے مگر مکمل نہیں۔ اس کے دو آخری پارے ہیں اور پھر ابتدا سے صرف ڈیڑھ پارہ ہے۔ یہ تفسیر آپ نے عمر کے آخری حصہ میں لکھ کر انارشروع کی مگر عمر نے وفات کی۔ حضرت مولانا نور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ اگر تفسیر عزیزی مکمل ہو جاتی تو کہا جاسکتا تھا کہ امت کے ذمے جو حق تفسیر تھا، وہ کسی حد تک ادا ہو گیا ہے۔ یہ اتنی عظیم تفسیر ہے۔ اللہ کے احکامات کو سمجھانے کے لیے شاہ صاحب نے جو حکیمانہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اسی طرح آپ کے ہم عصر سید محمود الوسی شکر ی بغدادی نے روح المعانی جیسی عظیم تفسیر لکھی ہے۔ آپ بہت بڑے فقیہ اور عالم تھے میرٹ سخا، علم کلام، تاریخ اور جدید معلومات پر عبور حاصل تھا۔ آپ نے حوالی کے عالم میں ہر پاسے کی علیحدہ علیحدہ تفسیر لکھ کر بہت بڑا کام انجام دیا ہے غرضیکہ تفسیری روایات میں بہت سی ایسی باتیں بھی آ جاتی ہیں جن کی صحت کے متعلق مکمل ثبوت نہیں میا کیا جاسکتا، تاہم ایسی روایات سے بات، کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔

حضرت سید
علیہ السلام کی لیت

بہر حال صاحب تفسیر روح المعانی نے لکھا ہے کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ مسیح علیہ السلام سے خطاب فرمایا کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو معبود بالو، تو آپ پر کچی طاری ہو جائیگی۔ دہشت کی وجہ سے آپ کے بال کھڑے ہو جائیں گے اور اُن کے نیچے سے خون نکلنے لگے گا۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ مسیح علیہ السلام پر یہ حالت پانچ سو سال تک طاری ہے گی اور وہ زبان سے کچھ نہیں بول سکیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اُن

کے دل میں القا کریں گے تو وہ سوال کا جواب دیں گے۔
 قیامت کی سختیوں اور مشکل گھائیوں کو عبور کرنے کے لیے حضور علیہ السلام
 نے یہ تعلیم دی ہے کہ ایسے موقع پر یوں کہو **حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ**
 یعنی ایسے مواقع پر ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔
 اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر کوئی شخص زبان نہیں کھول سکیگا۔ سب امس کے عابض
 بندے ہیں۔ قبر میں، حشر میں، میزان پر اور سوال و جواب کے وقت اللہ تعالیٰ
 کی امداد کے بغیر کچھ نہیں ہو سکے گا، جب مور پھونکا جائے گا اور ہر طرف دہشت
 طاری ہو جائیگی تو فرمایا اس وقت یہی کہو **حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ**
 فرمایا یہ بھی سو علی اللہ **تَوَكَّلْنَا** اللہ تعالیٰ پر ہی ہمارا بھروسہ ہے وہی
 ہمارا کارساز ہے۔ تمام مشکلات کو وہی آسان کرنے والا ہے۔ پل سراط پر سے
 وہی گزر سکے گا جس کے لیے اللہ تعالیٰ یہ منزل آسان فرمادیکھا۔

حضرت علیؓ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دہشت کی کیفیت دُور ہوگی تو وہ
 کاہنہ لڑے گا۔ اللہ تعالیٰ کے سوال کا نوازت عابضی کے ساتھ جواب دیں گے **قَالَ سَجَدَ**
 عرض کریں گے، اے مولا کریم! تیری ذات پاک ہے۔ تو ہر عیب، نقص
 اور کمزوری سے پاک ہے۔ یہ بڑا پاکیزہ کلمہ ہے اور اسی سے نماز کی ابتدا
 کی جاتی ہے **سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ** تر تو میس علیہ السلام اللہ کی پاکیزگی بیان
 کر کے عرض کریں گے **مَا يَكُنْ لِي بِمِيرَةٍ** یہ لافق نہیں ہے
أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي جھوٹ کر میں ایسی بات کروں جس کا مجھے
 کوئی حق نہیں پہنچتا۔ یعنی مجھے کیا حق ہے کہ میں لوگوں سے اپنی الوہیت کا
 اقرار کر لوں۔ مخلوق میں سے کسی کا یہ حق نہیں کہ وہ خدائی اختیارات اپنے لیے
 ثابت کرنے لگے۔ یہ تو بہت بڑی جبر کی بات ہے جو اللہ تعالیٰ کو ہرگز
 پسند نہیں۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ اللہ فرماتا ہے **الْعِظْمَةُ اِزَارِي**
 والے کدیاں ردائی یعنی عظمت میرا تہ بند ہے اور تکبر میری چادر ہے

جو اس کو اڑھنا چاہیگا۔ میں اس کو ذلیل کر کے جہنم میں داخل کروں گا۔ سورۃ
 مومن میں موجود ہے اِنَّ الدِّیْنَ یَسْتَعِذُّ بِوَدُنْ لَکُنَّ عِبَادَیْ
 مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں عِبَادَیْ سے مراد دعائی ہے یعنی جو لوگ
 میرے سامنے دست دُعا اٹھانے سے تکرر کرتے ہیں سَیِّدُ خَلْقٍ
 جَهَنَّمَ مَ دَاخِرُیْنِ اُنْہیں ذلیل کر کے جہنم میں داخل کروں گا۔
 بہر حال مخلوق میں سے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے اوپر غرور و تکبر اور
 اوسیت کی چادر اوڑھے بلکہ اس کا فرض تو یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت
 اور بڑائی بیان کرے۔ سورۃ مدثر میں یہی تعلیم دی گئی ہے وَرَبِّکَ فَکَبِّرْ
 اپنے رب کی بڑائی بیان کرو۔

تو فرمایا علی علیہ السلام عرض کریں گے پروردگار! تیری ذات پاک ہے
 میرے لیے یہ برگز لاائق نہیں کہ میں ایسی بات کروں جس کا مجھے کوئی حق
 نہیں پہنچتا۔ اے مولا کریم! اِنْ کُنْتُ قُلْتُ ہَا وَتَدَّ عَلَیَّ کُلُّ
 اگر میں نے کوئی ایسی بات کی ہوگی تو تو اُسے جانتے۔ کیونکہ تَعْلَمُ
 مَا فِیْ نَفْسِی میرے جی کی بات کو تو جانتے وَلَا اَعْلَمُ مَا فِی
 نَفْسِی اور تیرے جی کی بات کو میں نہیں جانتا۔ مطلب یہ ہے کہ تو ہر چیز
 کو جانتا ہے اگر میں نے کوئی ایسی بات کی ہوگی تو تیرے علم سے تو اسے نہیں
 ہے۔ میرا ظاہر باطن سب تیرے سامنے ہے مگر خالق کا باطن مخلوق نہیں جانتی
 سوائے اس کے جو تو خود بتلائے۔

یہاں پر لفظ نفس کا اطلاق کیا گیا ہے۔ نفس انانی بھی ہوتا ہے۔ اور
 حیوانی بھی۔ یہ مخلوق تو عارضی چیز ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے لیے قرآن پاک میں
 جہاں جہاں نفس کا لفظ استعمال ہوا اُس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے
 مَثَلًا کُنْتُ عَلٰی نَفْسِی الرَّحْمٰنُ مَا اُس نے اپنی ذات پر
 جنت کو لکھ دیا ہے اس نے یہ بات اپنے ذمے لی کہ وہ اپنی مخلوق پر

رحم فرمائے گا۔ اسی طرح ”يُحَذِّرُكُمْ اللَّهُ لِنَفْسِهِ“ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ہوشیار کرتا ہے لہذا کوئی غلط کام نہ کر بیٹھنا۔ بہر حال نفس کا معنی ذات ہوتا ہے۔

اس کے بعد مسیح علیہ السلام نے عرض کیا، اے مولا کریم! اِنَّكَ اَنْتَ عَلَاقَةُ الْغُيُوبِ تمام پرشیدہ باتوں کو جاننے والا تو ہی ہے، لہذا تو میرے کسی فعل سے غافل نہیں۔ یہ بیان پہلے بھی گزر چکا ہے کہ تمام انبیاء اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک ہے۔ وہ علام الغیوب ہے وہ عالم الغیب والشہادت ہے۔ وہ مخلوق کی ہر حاضر اور غائب چیز کو جاننے والا ہے۔ علم غیب اس کی صفت محققہ ہے اس کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔ اہم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ انبیاء کے متعلق قدرتِ تامہ اور علم غیب کی نفی کرنا واجب ہے۔ کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے جو مخلوق میں سے کسی میں نہیں پائی جاتی۔ اسی لیے عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے اللہ! تمام غیبوں کو جاننے والا تو ہی ہے۔

توحید کی صورت

عیسیٰ علیہ السلام نے دربار خداوندی میں مزید عرض کیا مَا قُلْتُ لَكَ هُوَ إِلَّا مَا أَمَرْتُنِي بِہ میں نے اپنی قوم سے تیرے حکم کے سوا کچھ نہیں کہا۔ اور وہ یہ ہے اَنْ اَعْبُدُكَ يَا اللّٰهُ وَرَبِّكُمْ کہ اس اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے حاجتِ دراز مشکل کشا، قادرِ مطلق، نافع اور ضار سوائے خدا تعالیٰ کے اور کوئی نہیں ہے لہذا قولی افعلی، اعتقادی، عملی ہر قسم کی عبادت کے لائق وہی ذات ہے میں بھی تمہاری طرح خدا کا عاجز بندہ ہوں پہلے گزر چکا ہے ”مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ“ مسیح ابن مریم اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں جس طرح کہ اُن سے پہلے رسول گزر چکے ہیں۔ رسول نسلِ آدم سے ہونے کی بنا پر انان

ہوتے ہیں۔ وہ عالم الغیب، حاجت روا اور مشکل کشا نہیں ہوتے۔ اُن میں تو عاجزی اور انکاری پائی جاتی ہے۔ وہ اپنی الوہیت کا اعلان کیسے کر سکتے ہیں۔

فرمایا میں نے تو انہیں اسی بات کی یقین کی تھی جس کا تو نے مجھے حکم دیا وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ بِشَهِيدٍ مَّا دُمْتُ فِيهِمْ جب تک میں اُن کے درمیان رہا اُس وقت تک اُن کی خبر رکھتا تھا۔ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي پھر جب تو نے مجھے اٹھایا كُنْتُ أَتَاقِبُ عَآدَهُ سو تو وہی اُن کا نگران تھا وَأَتَتْ كُلَّ سَكَنٍ شَهِيدٌ اور تو ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔ میرے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد مجھے معلوم نہیں کہ یہ لوگ کیا کرتے رہے ہیں۔ میں انہیں اپنی زندگی میں توحید ہی کی دعوت دیتا رہا۔ مگر میرے بعد پھر تو وہی اُن کا نگران تھا اور تو ہر چیز سے واقف تفسیر کبیر والے تَوَفَّيْتَنِي کا معنی کرتے ہیں کہ مجھے آسمان کی طرف اٹھایا چنانچہ معراج والی حدیث میں آتا ہے کہ دور سے آسمان پر حضور علیہ السلام کی ملاقات حضرت یحییٰ علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام سے ہوئی۔ باقی سب لوگ تو اپنی دنیا کی زندگی پوری کر چکے ہیں مگر مسیح علیہ السلام دنیا کا دور ابھی کچھ باقی ہے۔ وہ زمین پر دوبارہ آئیں گے۔ دجال کو قتل کریں گے حضور علیہ السلام کے نائب کی حیثیت سے آپ کی شریعت کو جاری کریں گے۔ اسی لیے مولانا شیخ الہند بھی یہاں پر توفی کا معنی اٹھالین ہی کرتے ہیں۔

تَوَفَّيْتُ کا لغوی معنی اِخَذَ الْمَوْتُ یا یعنی کسی چیز کو مکمل طور قبض یا وصول کر لینا۔ یہ لفظ موت کے محنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اس مقام پر اس لفظ سے مراد موت نہیں بلکہ امتحان ہے۔ موت کا عام قانون یہ ہے اللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْسَ الْاَلٰهَ تَعَالٰی موت کے وقت جانوں کو کھینچ لیتا ہے مگر مسیح علیہ السلام کے متعلق فرمایا اِنِّي

مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ" حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس کا معنی یہ
 کیا ہے کہ میں تجھے اٹھا لینے والا ہوں پھر اپنے وقت پر وفات دوں گا۔
 یہ لوگ تمہیں آج سو لی پر چڑھا کر موت سے ہلکا کرنا چاہتے ہیں مگر میں
 ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ بلکہ مقررہ وقت پر موت دوں گا۔ قادیانیوں نے
 بھی اس لفظ سے غلط معنی لیے ہیں۔ وہ اس سے عیسیٰ علیہ السلام کی موت
 ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (۱۱۸) قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ (۱۱۹) لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ ۚ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (۱۲۰)

ترجمہ: اگر تو اُن کو سزا دے تو بیشک وہ تیرے

بندے ہیں اور اگر تو اُن کو بخش دے تو زبردست

اور حکمت والا ہے ۝ (۱۱۸) اللہ تعالیٰ فرماتے گا یہ وہ

دن ہے کہ نفع دیکھ سچوں کو اُن کا سچ اُن کے لیے باقاً

ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ہمیشہ رہنے والے ہوں گے

ان میں، اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی

ہو گئے، یہ ہے کامیابی سب سے بڑی ۝ (۱۱۹) اللہ ہی کے

لیے ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمینوں کی اور جو کچھ اُن

کے اللہ ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ۝ (۱۲۰)

رہنمائی قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے خطاب کا ذکر ہو رہا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ محاسب کرتے ہوئے پوچھے گا اے عیسیٰ علیہ السلام! کیا تو نے لوگوں

کو کہ تھا کہ مجھے اور میری ماں کو معبود بنا لینا اللہ کے علاوہ، تو عیسیٰ علیہ السلام
بیزاری کا اظہار کریں گے اور عرض کریں گے، اے پروردگار! تیری ذات
پاک ہے۔ میرے لائق یہ ہرگز نہیں کہ میں ایسی بات کروں جس کا مجھے حق
نہیں پہنچتا۔ اور اگر بالفرض میں نے ایسی بات کی ہوگی تو تیرے علم میں
ہے کیونکہ تو میرے دل کی بات کو جانتا ہے مگر میں تیرے دل کی بات کو
نہیں جانتا، نیز یہ بھی کہ تمام پوشیدہ باتوں کو تو ہی جانتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام
نے اس طرح اپنی انکاری کا اظہار کیا ہے اور اُن کی طرف منسوب شدہ غلط
بات کا رد بھی کیا ہے۔ آپ یہ بھی عرض کریں گے کہ اے پروردگار! میں
نے تو وہی بات کہی تھی جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ عبادت صرف اللہ
کی کرو جو میرا اور تمہارا سب کا رب ہے، اس کے علاوہ میں نے
اُن سے کوئی بات نہیں کی، الا العالمین! جب تک میں اُن کے
درمیان موجود رہا۔ میں اُن کی خبر رکھتا تھا مگر جب تو نے مجھے اٹھایا
تو پھر تو ہی ان کا نگران تھا اور تو ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے یعنی تو ہر
چیز پر گواہ ہے۔

اسلوبِ نبی اللہ تعالیٰ کے سوال کا جواب دینے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام
اپنی قوم کے حق میں خاص اسلوب کے ساتھ دعا کریں گے اے مولا کریم!
اِنْ تَعَذَّبْهُمْ فَاتَّهُمْ عِبَادُكَ اگر تو اُن کو سزائے کر
بیشک وہ تیرے بندے ہیں وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ اور اگر تو ان کو
معاف کر دے فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ تو تو عزیز یعنی
کمال قدرت کا مالک اور زبردست ہے اور حکیم یعنی حکمت والا ہے
دعا کے یہ الفاظ نہایت لطیف اور پُر از معانی ہیں اور اکثر انبیاء نے
اپنی اپنی قوم کے حق میں دعا کے لیے اسی قسم کا اسلوب اختیار کیا ہے
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی بتوں اور معبودانِ باطلہ کے متعلق اسی

قِسْمِ كِي دُعا كِي تَحِيَّ رَبِّ اِنَّهُمْ اَسْلَمُوْا كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ
فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاَتَدْرِىْ مَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ عَفُوٌّ رَّحِيْمٌ
(ابراہیم) اے پروردگار! یہ بہت سے لوگوں کی گمراہی کا سبب بنے ہیں۔
پس جس نے میری پیروی کی وہ یقیناً فلاح پائیگا اور جس نے میری نافرمانی
کی تو تو غفور اور رحیم ہے۔

ذرا غور فرمائیے کہ مذکورہ بالا دونوں دعاؤں کے آخر میں اللہ تعالیٰ
کی دو صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دُعا میں عزیز اور
حکیم ہے، جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا میں غفور اور رحیم ہے۔
اللہ تعالیٰ کے صفاتی اسماء میں یہ اختلاف زمان و مکان کے اختلاف اور
ہر مقام پر مطلوبہ مقصود کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت
ابراہیم علیہ السلام کی دُعا اس دُنیا میں تھی اور ان لوگوں کے لیے تھی جو اس
وقت دُنیا میں موجود تھے، لہذا آپ کا غفور اور رحیم کی صفت کے ساتھ
اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنا بایں معنی تھا کہ مولا کریم! ان لوگوں کو توفیق دے تاکہ
یہ تیرے حضور توبہ کر کے مغفرت کے مستحق بن جائیں اور تیرے رحم کے
قابل ہو جائیں اس کے برخلاف حضرت مسیح علیہ السلام کی دُعا کا تعلق آخر
کے دن سے ہے جب عمل کی دنیا ختم ہو چکی ہوگی اور صرف محاسبہ کا عمل
ہی باقی ہوگا۔ تو ایسے وقت میں کسی کا توبہ کرنا کچھ فائدہ نہ دے گا۔ لہذا
عیسیٰ علیہ السلام اسی انداز میں دُعا کریں گے کہ مولا کریم تو عزیز ہے یعنی
کمال قوت کا مالک اور زبردست ہے تو جو چاہے کر گزرتے پر قادر
ہے۔ لہذا اگر تو ان کو سزا میں مبتلا کر دے تو یہ تو تیرے قبضہ قدرت
میں ہے۔ تو سزا دینے پر قادر ہے، اس میں کسی کو دخل کی مجال نہیں
اور اگر تو معاف فرما دے تو تو اس پر بھی قادر ہے اور تیرا کوئی بھی فیصلہ
حکمت کے خالی نہیں ہوگا کیونکہ تو رحیم بھی ہے۔ اس طرح گویا نہایت لطیف

خاتم النبیین بھی ہو سکتا ہے۔ تاہم ایسا کرنا اسکی قدرت سے خارج نہیں
 کیونکہ سورۃ یس میں موجود ہے "أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضَ بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۚ بَلَىٰ
 وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ" خدا چاہے تو اس پوری کائنات یا
 کسی چیز کی مثل پیدا کرے، وہ خلاق علیم ہے۔ اسے مکمل قدرت حاصل ہے
 سورۃ لب میں البولسب کے متعلق آتا ہے "سَيَصْلَىٰ نَارًا
 ذَاتَ لَهَبٍ" یعنی البولسب بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا۔ اب سوال
 یہ ہے کہ کیا اللہ اس کے خلاف نہیں کر سکتا؟ وہ قادر مطلق ہے، چاہے
 قرالبولسب اور تمام کفار و مشرکین کو جنت میں داخل کرے۔ شاہ حبیب
 فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا خدا تعالیٰ کی قدرت میں داخل ہے پھر وہ ایسا کر نہیں
 کیونکہ یہ اس کی حکمت اور سنت کے خلاف ہے۔ حکمت کا تقاضا یہی
 ہے کہ مجرمین کو سزا دی جائے اور نیکو کاروں کو اچھا بدلہ دیا جائے۔ مجدد
 بھی فرماتے ہیں "اگر ہمہ را بجنہ فرستد جائے اعتراض نیست" اگر اللہ تعالیٰ
 تمام لوگوں حتیٰ کہ نیک، متقی اور زاہدوں کو بھی جہنم میں داخل کرے تو کوئی
 اعتراض نہیں کر سکتا کہ ایسا کیوں کیا ہوگا۔ وہ ایسا نہیں کرے گا کیونکہ نیکوں کو
 جہنم میں اندر بدوں کو جنت میں داخل کرنا اسکی حکمت کے خلاف ہے
 البتہ قدرت کا ہونا الگ بات ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔
 شاہ صاحب ایک اور مثال بھی پیش کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کے
 نَبِیِّ قَاتِلِ خُذ یعنی زید کھڑا ہے اور زید فی الواقع کھڑا بھی ہو، تو
 خداوند تعالیٰ اس کے خلاف کر سکتا ہے؟ فرماتے ہیں کہ کر سکتا ہے
 کیونکہ یہ اس کی قدرت میں داخل ہے۔ اگر اسے قدرت سے خارج
 کر دیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ انسان جیسی قدرت بھی نہیں
 رکھتا (نعوذ باللہ) کیونکہ انسان ایک بات کر سکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ

نہیں کہ سکتا، امکانِ کذب اور امکانِ نظیر کا یہی مطلب ہے۔
 بہر حال عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے، مولا کریم! اگر تو ان کو سزا ہے تو میرے
 بندے ہیں، وہ تیرے حکم کی خلاف ورزی کہہ کے سزا کے مستحق ہو چکے ہیں،
 تاہم اگر تو معاف کرے تو تو عزیز اور حکیم ہے یعنی معاف کرنا تیری قدرت
 میں داخل ہے کیونکہ تو کمال قدرت کا مالک ہے اور تو حکیم بھی ہے اور ہر گز
 حکمت بالغہ کے ساتھ کرتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی تھیں کہ جب بادل اٹھتے تھے تو حضور علیہ السلام
 پریشانی کے عالم میں کبھی اندر جاتے اور کبھی باہر آتے، میں نے عرض کیا حضور!
 ایسے مواقع پر تو بادلوں کو دیکھ کر لوگ خوش ہو گئے ہیں مگر آپ کی پریشانی کی
 کیا وجہ ہے؟ تو فرمایا مجھے اس بات کا خطرہ ہے کہ میں یہ بادل ہائے
 لیے لیے ہی نہ بن جائیں جیسے قوم عاد پر آئے تھے اور ان میں سے آگ برسی
 تھی۔ قرآن پاک میں موجود ہے وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ
 فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ
 (انفال) جب تک حضور علیہ السلام اپنی قوم کے درمیان موجود ہیں اللہ تعالیٰ انہیں
 سزا نہیں دے گا اور جب تک وہ استغفار کرتے رہیں اللہ سزا نہیں دے گا۔ اس
 واضح فرمان کے باوجود حضور علیہ السلام کا بادلوں کو دیکھ کر پریشان ہونا اس وجہ
 سے تھا کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے سزا دینے کا وعدہ کر رکھا ہے مگر وہ سزا دینے پر
 قادر تو ہے۔ یہی ہے وہ غلغ و عید، امکانِ کذب یا امکانِ نظیر۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوال اور عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے عاجزانہ جواب
 کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائے گا قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمٌ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ
 صِدْقُهُمْ یہ وہ دن ہے جس دن سچوں کو ان کا سچ نفع دیگا۔ جنہوں نے
 دنیا میں سچا سچتہ، سچا عمل اور سچا اخلاص اختیار کیا، آج ان کا احترام ہوگا عزت
 ہوگی یہاں پر صدق سے مراد قیامت والے دن کا صدق نہیں کیونکہ اس دن تو

سچائی کا
 بدلہ

کھا رہی سچ بریں گے اسعات کہیں گے کہ ہم کفر کرنے والے تھے اور ہم نے غلط کام کیا مگر اُس دن کا سچ بولنا کچھ مفید نہیں ہوگا۔ اُس دن وہ سچ کام آئے گا جو لوگوں نے اس دنیا میں اختیار کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہ تھے ، لہذا قیامت کے دن اُن کی عزت افزائی ہوگی۔ اور ان کے متعلق غلط اعتقاد رکھنے والے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ سچوں کی سچائی کا یہی مطلب ہے۔ پھر اگے اللہ تعالیٰ نے اُس نفع کا ذکر کیا جو سچوں کو اس دن حاصل ہوگا فَرَمَا لَهُمْ جَنَّاتٌ جَزْرِيٌّ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ اُن کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ اللہ تعالیٰ اُن کے قول و فعل سے راضی ہوا وَقَدْ صُورُوا عَنْهُمْ اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ وہ کیوں راضی نہ ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں نیکی کی توفیق عطا فرمائی، نور ایمان بچھا اور اپنے انعام و اکرام سے نوازا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو جائیں گے۔ فَرَمَا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ یہ بڑی کامیابی ہے کہ ان جنت میں پہنچ جائے۔ جو خدا کی رحمت کا مقام ہے اور پھر اُسے رضائے الہی حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اے اہل جنت! کیا میں تمہیں کچھ اور بھی دوں؟ تو حنتی عرض کریں گے مولا کریم! تو نے ہر قسم کی نعمتیں عطا کر دی ہیں، اب اور کیا ہو سکتا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا أَحْبَلُ عَلَيْكُمْ رَضُوا لِي فَلَا أَسْخَطُ بَعْدَ أَبَدًا میں اپنی خوشنودی کا اعلان کرتا ہوں، اب اس کے بعد کبھی بھی تم سے ناراض نہیں ہوں گا۔ تمہیں میری ابدی رضا حاصل ہوگی۔ اس سے بڑھ کر کبھی کامیابی ہو سکتی ہے۔

ختمِ حکام
کی تاکید

قرآن پاک کا یہ اسلوب بیان ہے کہ مختلف احکامات بیان کرنے کے بعد آخر میں ایسے الفاظ لائے جاتے ہیں جن سے سابقہ مضامین کی

تاکید معصوم ہو۔ سورۃ مائدہ میں شکار اور اس کی حلت و حرمت کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کے باطل عقائد کا رد ہوا ہے اور ان کے ساتھ بحث مباحثہ کا بیان ہوا ہے، قانون شہادت اور محرمات اللہ کا ذکر آیا ہے شراب اور جوئے کی حرمت، طہارت اور قسم کے مسائل آئے ہیں، مشرکین کے شرک کی مختلف صورتوں کا ذکر آیا ہے اس کے علاوہ کئی قسم کے مسائل بیان ہوئے ہیں اور اب اس آخری آیت میں ان احکامات پر عمل درآمد کی تاکید کے طور پر ارشاد ہوا ہے لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے زمین و آسمان کی بادشاہی اور جو پھر ان کے درمیان ہے۔ یہ تمام کی تمام چیزیں اللہ کی پیدا کردہ ہیں، اُسی کی ملکیت میں اور اُسی کا حکم ان پر نافذ ہے۔ تمام امور کا متصرف اللہ تعالیٰ ہے، وہ جس قسم کا حکم چاہے اپنے بندوں کے لیے نازل فرمائے بندوں کا حق ہے کہ وہ اس کے احکام کی تعمیل کریں۔ چونکہ بادشاہی اُس کی ہے۔ لہذا اس کے حکم پر امانت و صدقہ فنا ہی کتنا ہوگا۔ اگر اُس کے کسی حکم کی خلاف ورزی ہوگی تو نتیجہ راب نکلے گا۔ پھر فرمایا: يٰۤاٰدِرْکٰھُوْا وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ وہ اللہ مال قدرت کا مالک ہے۔ کوئی چیز اُس کے قبضہ قدرت سے باہر نہیں۔ کوئی شخص اُس کی نافرمانی کر کے اُس کی سلطنت سے ہٹا نہیں سکتا۔ وہ ایک ایک چیز کا حساب لے گا۔ اُس کے علاوہ کوئی متصرف بھی نہیں س سے عیسائیوں کے باطل عقیدہ کا بھی رد ہو گیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الوہیت کا درجہ دیتے ہیں اور متصرف فی الامور مانتے ہیں۔ فرمایا ہر چیز پر وہی قادر ہے اور کوئی ہستی قادر علیہ نہیں ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَصَلٰی اللّٰہِ عَلٰی خَیْرِ
خَلْقِ مُحَمَّدٍ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ جَمِیْعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا رَحْمٰنُ الرَّحِیْمِ

خطبات شیخ الاسلام

از: شیخ العرب والعم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ
مرتب و مقدمہ: حضرت مولانا صوفی عبدالمجید خان سواتی بانی مدرسہ فقہ العلوم گو جبرالوالہ
حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے یہ خطبات بڑی اہمیت
رکھتے ہیں۔ اپنے موضوع احوال و سیاست کے اعتبار سے اور علماء حق کی فیسلہ کن
جد و ہمد کے اعتبار سے بھی ان خطبات کی بڑی اہمیت ہے افسوس کہ اب تک یہ
یکجا نہیں تھے جمعیتہ علماء ہند کی کارگزاریوں کے مد نظر بعض محترم ہستیوں نے
ان میں سے بعض خطبات کو اکٹھا کیا ہے لیکن تمام خطبات اس طرح اکٹھے نہیں گئے
جس طرح ہونے چاہئیں تھے۔ احقر کی بڑی خواہش تھی کہ جس طرح دوسرا کار کے خطبات
یکجا مل جاتے ہیں حضرت مدنی کے یہ اہم ترین خطبات بھی اگر ایک جگہ جمع ہوتے
تو اچھا تھا۔ ان سے بھی عام لوگ استفادہ کرتے ایک دفعہ احقر نے شیخ الاسلام
حضرت مدنی کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا اسعد مدنی مدظلہ کے سامنے ذکر کیا تھا کہ
اگر آپ یہ کام کراویں تو اچھا ہوگا لیکن شاید کو صاحبزادہ صاحب مدظلہ کی توجہ اٹھنے
میں عدول نہ ہو سکی۔ بالآخر بعض احباب کے اصرار پر احقر کو ہی یہ کام کرنا پڑا۔ بعض
احباب نے حضرت مدنی کے جتنے خطبات دستیاب ہو سکے لا کر دیئے اور کچھ
خطبات احقر کے پاس بھی تھے وہ کتابت کے لیے دے دیئے۔ سرورستہ یہ
گیارہ خطبات میسر ہو سکے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے: (۱) خطبہ سیوہارہ
(۲) خطبہ رنگپور بنگال (۳) خطبہ دہلی (۴) کوکناڈا (۵) علی گڑھ (۶) جونپور (۷) لاہور
(۸) ہسار پور (۹) بمبئی (۱۰) حیدرآباد دکن (۱۱) سورت۔ (ماخوذ مقدمہ خطبات)
سائز ۱۱×۷ ۱/۲ ضخامت ۵۰۰ صفحات، کاغذ اعلیٰ، جلد مضبوط، قیمت ۸۰ روپے

ملنے کلینتہ: مکتبہ دوس القرآن فاروق گنج گو جبرالوالہ

تہذیبِ ایمان و شہید و قاضی مقدمہ من صحیح مسلم

صحیح مسلم شریف، علم حدیث میں تین اہم ترین کتابوں میں ایک ہے اور صحیح بخاری کی طرح تمام صحیح اور حسان روایات پر مشتمل ہے۔ قرن سوم سے آج تک متداول و مہول ہے۔ اس میں کتاب الایمان کا ایک طویل اور اہم باب ہے جس کو امام مسلم نے سب سے پہلے درج کیا ہے۔ اس میں ایمانیات کے جملہ مسائل کا ذکر ہے اور بعض جہات اس کے نہایت اہم وقیع اور مفری ہیں۔ ان مباحث کی توجیہ و تفسیر و بیانات کی تعلیم کے طریق پر اس رسالہ میں بیان کی گئی ہے جن کو سمجھنے سے ایمان کے جملہ مسائل نہایت ہی عمدہ طریق پر دل نشین ہو جاتے ہیں۔ اختلاف و مشکلات وغیرہ بخوبی حل ہو جاتے ہیں۔

نیز مقدمہ میں امام مسلم نے علم اصول حدیث کے ایسے اہم ترین مباحث ذکر کیے ہیں جو عام فن حدیث میں بہت کارآمد ہیں خصوصاً مسلم شریف کی احادیث میں بے حد مفید و نفع بخش ہیں۔ مقدمہ اپنی عبارت کے اعتبار سے مشکل بھی ہے اس لیے اس کی تسہیل و توضیح مختصر طریق پر اور بہترین انداز میں کی گئی ہے۔

علم حدیث کے طلب کاروں کے لیے بہت نافع ہوگی اور اس کے پڑھنے سے بہت لوگوں کو فائدہ ہوگا۔ مصنف: مولانا عبدالحمید خان سواتی مدظلہ
عمدہ کتابت و طباعت ، قیمت پینتیس روپے

ناشر

مکتبہ درس القرآن فاروق گنج گو جبرالوالہ

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عہد الحمید سواتی مدظلہ کی

مذہب ناز اور مقبول عام تفسیر

معالم العرفان فی دروس القرآن

مکمل طبع ہو گئی ہے

اللہ رب العزت کے کلام پاک کو عوام کے لڑہان کے قریب کرنے لیے مفسرین کرام نے بے شمار کوششیں کی ہیں اور ہو رہی ہیں۔ یہ تفسیر بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم اور مبارک کوشش ہے۔ رواں دواں اور آسان اردو زبان میں قرآن کریم کے الفاظ کا ترجمہ اور سہل انداز میں مستند تفسیر، ضروری مسائل کی توضیح، ضروریات وقت، زمانہ و ماحول کی غراہیوں کی نشاندہی اور ان کا علاج، قرآن کریم کی آیات سے اور پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان کردہ تفسیر اور صحابہ کرام، ائمہ کرام اور جمہور مفسرین کی اختیار کردہ توضیحات کو ملحوظ رکھتے ہوئے شرک و بدعت اور مذاہب باطلہ اور ظلمات فاسدہ کا مختصر طریق پر بہتر رو اس تفسیر کا خاص امتیاز ہے۔ اعلیٰ کتابت و طباعت اور معیاری جلد بندی کے ساتھ ہیں ضخیم جلدوں پر مشتمل اس تفسیر کی قیمت ۳۱۵۵ روپے ہے۔

علماء، طلباء، خطباء، اور عوام الناس کے لیے بے حد مفید اور معلومات افزا ہے۔

ناشر: مکتبہ دروس القرآن، فاروق گنج گوجرانوالہ، فون ۲۱۸۵۳۰

قرآن مجید مترجم

ترجمہ

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ

بانی مدرسہ نعمۃ العلوم جامع مسجد نور گوجرانوالہ

قرآن مجید کے صحیح ترجموں میں حضرت مولانا شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ۔
 حضرت مولانا شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ۔ حضرت مولانا عاشق الہی میرٹھیؒ۔ شیخ
 السند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ۔ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ
 ۔ حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے تراجم مشہور
 اور مقبول ہیں۔ حضرت صوفی صاحب مدظلہ نے بھی موجودہ دور کے مطابق جدید
 اردو زبان میں یہ ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ پہلے حضرت صوفی صاحب مدظلہ کی
 تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن کی بیس جلدوں میں بھی شائع ہو چکا ہے اور
 حل ہی میں عمدہ کتابت و طباعت اور معیاری جلد بندی کے ساتھ ۷۰۴ صفحات
 پر مشتمل شائع ہو کر منظر عام پر آچکا ہے۔ قیمت ۲۵۰

ناشر مکتبہ دروس القرآن فاروق صحیح گوجرانوالہ